شرح
غزلیاتِ غالب
فارسی
(جلد دوم)
صوفی غلام مصطفےٰ تبسّم
کتابی دُنیا دہلی

Sharah Ghazaliyat-e-Ghalib Farsi

(vol ii)

by:-

Sufi Ghulam Mustufa Tabassum

Year of Edition : 2006

ISBN - 81-89461-09-5

Price Rs.600/-

نام کتاب	:	شرح غزلیاتِ غالب فارسی (جلد دوم)
شارح	:	صوفی غلام مصطفےٰ تبسم
قیمت	:	۶۰۰ روپے
سنہ اشاعت	:	۲۰۰۶ء
ٹائٹل ڈیزائننگ	:	غلام مصطفےٰ
مطبع		ٹاک آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

Published by:-

Kitabi Duniya

1955, Gali Nawab Mirza, Mohalla Qabristan,
Opp. Anglo Arabic School, Turkman Gate, Delhi-110006
Mob: 9313972589, Ph: 011-23288452
E-mail:kitabiduniya@rediffmail.com

ترتیب

پیش لفظ

غالب کی فارسی غزلیات کی شرح کا پہلا حصہ، جس میں ردیف الف سے ح تک کی ۱۱۰ غزلوں کی شرح کی گئی تھی، آپ کی نظر سے گزر چکا ہے۔ حصہ دوم جو اب پیشِ خدمت ہے ردیف ''د'' سے ''ی'' تک کی غزلیات کا احاطہ کرتا ہے اور اس میں دوسو (۲۰۰) سے کچھ اُوپر غزلوں کی تشریح کی گئی ہے۔

یہاں اس بات کا اعادہ بے مورد نہ ہوگا کہ غالب کی غزلوں کی شرح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ہمعصر دانشوروں میں سے معدودے چند ہی غالب کے خیال کی گہرائی اور نزاکت کو پاسکتے ہوں گے۔ یہ صوفی غلام مصطفی تبسم مرحوم ہی کی ہمت تھی کہ برسوں کی لگاتار محنت سے اس ادق اور طویل کام کو انجام تک پہنچایا۔ شرح کے پہلے حصے میں پانچ سو سے کچھ کم صفحے تھے لیکن یہ دوسرا حصہ ایک ہزار صفحوں کے قریب جا پہنچا ہے، جس سے دو جلدوں کا حجم کچھ غیر متوازن سا ہوگیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس سے معانی و مطالب پر، جو اصل چیز ہیں، کوئی اثر نہیں پڑتا۔ افسوس ہے کہ صوفی صاحب اپنی اس شرح کی طباعت تک زندہ نہ رہے لیکن ان کا یہ گراں مایہ کام زندۂ جاوید ہے۔ یہ پوری قوم پر، لیکن خصوصاً غالب کی زبان و بیان کے طالب علم پر، ایک بہت بڑا احسان ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ کتابی دنیا نے اسے چھپوا کر صوفی صاحب کی امانت کو اسکی منزل تک پہنچادیا ہے۔

کتابی دنیا۔ دہلی

(ڈاکٹر) سید نذیر احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح غزلیات فارسی غالب

ردیف (د)

غزل نمبر(۱)

دگر فریب بھارم سرِ جنون ندھد
گل است و جامۂ آلی کہ بوی خون ندھد

لغت: ''جامہءآلی'' = جامہ سرخ۔ ''آل'' = سرخ یا بعض کے نزدیک نیم سرخ ہے۔

فارسی میں ایک لفظ '' آلغونہ '' ہے جو آل گونہ کا معرب ہے اور غازہ کو کہتے ہیں یعنی وہ سرخی جو عورتیں آرائش کے لیے چہرے پر ملتی ہیں۔ گویا آل گونہ، سرخ رنگ یا سرخی ہے، چنانچہ سرخی کا لفظ غازہ کے لیے بھی مستعمل ہے (جیسے اُس نے چہرے پر سُرخی ملی ہوئی ہے)۔ بہر حال رنگ آل رنگ سرخ ہے۔

صائب کا ایک خوبصورت شعر ہے:

رحمی بہ شیشہ خانۂ دلہای خلق کن
از می مکن دو آتشہ این رنگ آل را

اب ذرا شعر غالب کی طرف آیئے:

''اب میں بہار کا فریب کھا کر جوشِ جنوں میں نہیں آتا۔

اب میرے لیے بہار ایک گل سرخ اور جامۂ آلی (جامہ، سرخ) ہے کہ جس میں بوے خوں نہیں ہوتی''۔

جب بہار بے کیف ہو تو پھر اس آمد بہار سے جنوں کا انداز کیسے پیدا ہو (اپنی افسردہ خاطری کا تذکرہ کیا ہے)۔

گسستہ تارِ امیدم، دگر بخلوت انس
بزخمۂ گلہ، سازم، نوا برون ندھد

لغت: ''زخمہ'' = مضراب۔

میری امید کے سب تار ٹوٹ چکے ہیں۔ اب خلوتِ محبت شکایتوں کے مضراب چلاؤں بھی تو میرے ساز (سازِ سخن) سے کوئی سُر نہیں اُبھرتا۔ اب طبیعت بجھ چکی ہے۔ اب یہ عالم ہے کہ محبت میں معشوق سے شکوہ کرنے کی سکت یا چاہت نہیں رہی۔

زقاتلی بعذابم کہ تیغ و خنجر را
بحکم وسوسہ زھراب بی شگون ندھد

میں تو ایک ایسے قاتل کے ہاتھوں عذاب میں پڑا ہوں، جو میرے قتل کرنے کے بارے میں وسوسے میں ہے اور اس کے لیے فال یا شگون تلاش کرتا ہے اور بغیر شگون کے (تیغ و خنجر کو آب دینا تو درکنار) زہر آب سے بھی تر نہیں کرتا کہ جس سے موت ناگزیر ہوتی ہے۔

وسوسہ اس بات کا ہے کہ شاید یہ سخت جاں عاشق تیغ و خنجر سے مرے گا بھی کہ نہیں۔ ہاں شگون ہو تو شاید وہ ہاتھ اُٹھائے۔

بدان پری است نیازم کہ بھرِ تسخیرش

زمہر، دل بہ زبان رخصتِ فسون ندھد

لغت : ''فسوں'' =جادو۔

کہتے ہیں سحر و افسوں سے پری کو شیشے میں اتارا جا سکتا ہے (رام کیا جا سکتا ہے)۔
مجھے اس پری (محبوب) سے نیاز مندی ہے جسے تسخیر کرنے کے لیے میری محبت آڑے آتی ہے اور میرا دل میری زبان کو اجازت نہیں دیتا کہ میں کوئی افسوں پڑھ کر پھونکوں۔

جنون مگو، ادبش نیست، بلکہ خودداری است

کہ تن بہ همدمیِ عقل ذو فنون ندھد

لغت : ''عقل ذو فنوں''= عیار چالاک اور صاحبِ فن عقل۔

یہ مت کہہ، جنوں بے ادب ہے، اُسے عقل کا پاس یا احترام نہیں۔ یہ میری خودداری ہے جو عقل کی طرف توجہ نہیں دیتی اور اسکے آگے نہیں جھکتی۔

کفیلِ هوش خودم وقت می، بہ بزم حبیب

بشرطِ آنکہ ز یک قلزمم فزون ندھد

محبوب کی بزم میں مے نوشی کرتے ہوئے، میں اپنے ہوش میں رہنے کا ذمہ لیتا ہوں بشرطیکہ وہ مجھے پلائیں اور شراب کا صرف ایک سمندر پلادیں اور اس سے زیادہ نہ دیں۔

بوی گنج گزیدم خرابہ ورنہ جنون

بہ هرزہ ذوقِ دل آویزی سکون ندھد

لغت: ''خرابہ'' = ویرانہ، بیابان۔

قدیم زمانے میں لوگ اپنے خزانے کو کسی برباد ویران جگہ میں دفن کر دیتے تھے۔ دیوانے لوگ، شہر اور آبادی سے بھاگ کر جنگل بیاباں میں نکل جاتے تھے، جس سے ان کے جوشِ جنوں کو تسکین ملتی تھی۔

میں نے خزانے کی کشش (بو) سے ویرانے کو انتخاب کیا ہے ورنہ دیوانگی یونہی (بہ ہرزہ) دیوانے کے قلب کو سکون کی لذت عطا نہیں کرتی۔

شریکِ کار نیاورد تاب سختیِ کار

جواب نالۂ ما غیر بی ستون ندھد

لغت: ''شریک کار''= ہمدم۔

فرہاد نے ''بے ستوں'' کو کاٹ کر جوئے شیر بہائی تھی اور وہیں تیشہ مار کر جان دی تھی۔
ہمارا ہمدم محبت کے کٹھن مصائب کی تاب تو نہیں لا سکا، وہ ہمارے نالوں کو سنتا ہے اور اس کا کوئی اور جواب نہیں دیتا سوائے اسکے کہ ''بے ستوں'' کا حوالہ دے کر کہتا ہے کہ فریاد کرنے سے کیا ہوتا ہے' فرہاد کی طرح سر پھوڑ لو اور مر جاؤ۔
وہ سمجھتا ہے کہ نالہ و فریاد کوئی سخت کام نہیں۔ حالانکہ وہ اس کی خود تاب نہیں لا سکتا۔
شریک کار سے مقصود محبوب بھی ہو سکتا ہے۔

بمن گرا و وفا جو کہ سادہ برهمنم

بہ سنگ هر کہ دهد دل، بہ غمزہ چون ندھد

''گرائیدن'' کا مفہوم ہے جھکنا، مائل ہونا۔

میری طرف مائل ہو اور وفا کو تلاش کر کیونکہ میں ایک سادہ لوح برہمن (بتوں کا

پجاری) ہوں۔ جو شخص پتھر کو دل دے سکتا ہے وہ ناز و ادا کو کیوں نہیں دے سکتا۔

ترا بہ حربہ چہ حاجت، نہ آن بود غالب
کہ جان بہ لذت آویزش درون ندهد

مجھے مارنے کے لئے تجھے ظاہری حربے استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں (غالب) وہ شخص نہیں کہ جو آویزشِ درون (یعنی پوشیدہ جنگِ محبت) کی لذت میں جان نہ دے سکے۔

❀❀❀
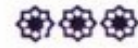
غزل نمبر (۲)

نگاهش ار بسرِ نامهٔ وفا ریزد
سواد صفحه کاغذ چو توتیا ریزد

اگر اس کی نظر میرے نامۂ وفا پر پڑ جائے تو کاغذ کے صفحے کی سیاہی، سرمے کی طرح گر پڑے۔

یعنی وہ اتنا ستمگر بے وفا ہے کہ اس کی نظرِ عتاب سے وفا کے نقش مٹ جاتے ہیں۔

بفرقِ ما اگرش ناگهان گزار افتد
چو گرد، سایه ز بال و پر هما ریزد

اگر وہ اچانک ہمارے سر سے گزر جائے تو ہما کا سایہ اس کے پروں سے یوں گر جائے جیسے گرد جھڑ جاتی ہے۔

اپنی بدبختی کا رونا رویا ہے کہ ہما کا سایہ بھی ہم بدنصیبوں کو فائدہ نہیں دے سکتا۔

خوشا بریدن راهِ وفا کہ در هرگام
جبین ز پای باندازِ نقشِ پا ریزد

لغت: "براہ بریدن" = راہ طے کرنا۔

وفا کی راہ کو طے کرنا کتنا کیف انگیز ہے کہ ہر قدم پر چلنے والے کی پیشانی یوں زمین پر گرتی ہے جیسے نقشِ پا۔ یعنی راہِ وفا یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہر قدم پر ہماری جبیں سجدہ ریزیاں کرتی چلی جارہی ہے۔

ز نالہ ریخت جگر پارہ‌های داغ آلود
چو برگ لالہ کہ در گلشن از هوا ریزد

فریاد کرنے سے جگر کے داغ آلود ٹکڑے یوں ادھر اُدھر بکھر گئے جیسے باغ میں، ہوا سے لالے کے پتے گر پڑتے ہیں۔

تبسمیست ببالینِ کشتگانِ خودت
کہ گل بجیب تمنای خون بها ریزد

لغت: "خوں بہا" = خون بہانے کا صلہ۔

"گل بجیب ریختن" = جیب کو پھولوں سے بھر دینا۔ نشاط اور خوشی بخشنا۔

اپنے کشتگانِ محبت کی بالیں پر بیٹھ کر تیرا اس انداز سے مسکرا دینا۔ خون بہا کی تمنا کی جھولی کو پھولوں سے بھر دیتا ہے۔

یعنی تیرا یوں مسکرانا کشتگانِ محبت کا بہترین خوں بہا ہے جو موت کو لذت

عطا کرتا ہے۔

دماغ ما ز بلا می رسد، مگر ساقی
گداز زهرهٔ ما در ایاغ ما ریزد

''دماغ رسیدن'' = سرخوش و سرشار ہونا۔ ''زہرہ'' = پتا۔ ''ایاغ'' = پیالہ۔

ہر سخت مصیبت (بلا) سے ہم سرشار ہوتے ہیں، شاید ساقی ہمارے جام میں ہمارے پتے کو پگھلا کر ڈال دیتا ہے۔

یعنی ہمارے پیالے میں شاید ہمارا خونِ جگر ہے جو ہمیں مزا دیتا ہے اور ہم ہر مصیبت کو بھول جاتے ہیں۔

خوش آنکه عجزِ منش بر سرِ عتاب آرد
خسک به پیرهن شعلهٔ جفا ریزد

لغت: ''خسک'' = تنکا، کانٹا۔

''خسک در پیرہن ریختن'' = کسی کے پیراہن میں تنکا یا کانٹا ڈالنا، مراد بے تاب اور بے چین کر دینا۔

اگر میرا محبوب میرے عجز و نیاز سے برہم ہو جاتا ہے تو نہایت اچھی بات ہے۔ اس سے اُس کا شعلۂ جفا اور بھڑک اُٹھتا ہے۔

بهشتِ خویش توانی شدن اگر داری
دلی که خون شود و رنگِ مدعا ریزد

اگر تیرے سینے میں ایسا دل ہے جو خون ہو جائے، لیکن خواہشات کو ترک کر دے تو تُو اپنی جنت آپ ہو سکتا ہے۔

بروزِ وصل در آغوشم آنچنان بفشار
که بی من از لب من شکوهٔ تو وا ریزد

وصل کے دن تو مجھے اپنے آغوش میں لے کر، مجھے اس طرح بھینچ کہ میرے لبوں سے تیرا شکوہ خود بخود دور ہو جائے۔

به چاره درد تو اکسیر بی نیازی هاست
که دل گدازد و در قالب دوا ریزد

تیرے دردِ محبت کی چارہ گری میں بہترین چارہ گری یہ ہے کہ چارہ سازیوں سے یکسر بے نیاز ہو جائے تاکہ درد دل کو گداز کر کے اور اُسے دوا کے سانچے میں ڈھال دے۔

یعنی دردِ محبت کی دل گدازی ہی بہترین دوا ہے۔

بروی عقدهٔ کارم به شکلِ برگِ خزان
ز لرزه ناخنِ دستِ گره کشا ریزد

لغت: ''عقدہ'' = گرہ، مشکل۔ ''گرہ کشا'' = گرہ کھولنے والا۔ عقدہ حل کرنے والا۔

خزاں زرد پتے ہوا کی ہلکی سی لرزش سے گر پڑتے ہیں۔

جب میرے گرہ کشا کا ہاتھ، میرا عقدۂ مشکل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اُس کا ہاتھ گرہ کے اوپر لرز کر خزاں کے پتے کی طرح گر پڑتا ہے۔

غبار شوق بہ خونابۂ امید سرشت
دمی کہ خواست قضا طرح این بنا ریزد

جب قضا و قدر نے عشق و محبت کی بنیاد رکھی تو شوق کی مٹی کو امید کے خون میں ملا دیا۔
یعنی محبت میں انسان کو سب امیدوں سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

شباب و زہد چہ نا قدر دانی ہستی است
بلا بہ جان جوانانِ پارسا ریزد

جوانی اور پھر زہد، زندگی کی سخت ناقدردانی ہے۔ خدا ان پارسا نوجوانوں پر آفت نازل کرے۔

یعنی انہیں قدرت کی طرف سے اس بے قدری کی سزا ملنی چاہیے اور دوسرے یہ کہ نازل شدہ بلا ان کے دل کو راہ راست پر لے آئے اور انہیں معلوم ہو جائے کہ زندگی زہد و تقویٰ کے جمود کا نام نہیں، کشمکش کا نام ہے۔

بسجدہ بر درِ یار اوفتیم تا غالب
خط جبیں چو غبار از جبینِ ما ریزد

لغت: ''خط جبیں'' = خطِ پیشانی، مقدر۔

غالب! ہم درِ یار پر اس لئے سجدے کے لئے گر پڑتے ہیں کہ جو کچھ ہماری پیشانی پہ لکھا ہے (مقدر)، وہ گرد و غبار کی طرح جھڑ جائے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۳)

بہ بند پرسش حالم نمی توان افتاد
توان شناخت ز بندی کہ بر زبان افتاد

''بہ بند پرسش حال افتادن'' = پرسش حال کے پیچھے پڑنا۔
لغت: ''بند بر زبان افتادن'' = زبان کا بند ہونا، خاموش ہونا۔

میرے حال کی پرسش کی کیا ضرورت ہے، میری خاموشیِ زبان سے میری حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

فغانِ من دلِ خلق آب کرد ورنہ ہنوز
نگفتہ ام کہ مرا کار با فلان افتاد

میری فریادوں نے لوگوں کے دلوں کو تڑپا دیا ہے (آب کردہ است)، ورنہ ابھی تک میں نے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ میرا (محبت میں) کس سے واسطہ پڑا ہے۔

من آن نیم کہ بتانم کنند دلجوئی
خوشم ز بخت کہ دلدار بدگمان افتاد

میں وہ نہیں ہوں کہ دوسرے حسین میری دلجوئی کریں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میرا محبوب (دلدار) اس بارے میں بدگمان واقع ہوا ہے۔ وہ دوسروں کی دلجوئی پر شبہ کرتا ہے اور کسی کو پاس آتے دیکھنا گوارا نہیں کرتا، میری خود دلداری کرتا ہے اور اسی لئے میں اپنے بخت پر نازاں ہوں۔

زرشکِ غیر بدل خون فتاد ناگہ و من

بخون تپم کہ چہ افتاد تا چنان افتاد

اچانک میرے دل میں رقیب کے متعلق رشک کا جزبہ اتنی شدت سے اُبھرا کہ دل خون ہوکر رہ گیا اور میں اس بات پہ پیچ و تاب کھا رہا ہوں کہ آخر کیا حادثہ ہوا کہ میری یوں حالت ہوگئی ہے۔ رقیب پہ پہلے رشک آتا تھا، لیکن اب جو رشک کے باعث عاشق کی حالت خراب ہورہی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ رقیب اور محبوب کا اختلاط کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا ہے۔

ھم از تصرف بی تابی زلیخا بود

بچاہ یوسف اگر راہِ کاروان افتاد

لغت: ''راہ کارواں افتاد'' = قافلے کا گزر ہوا۔

اس شعر میں یوسف کے کنویں میں گرنے اور سوداگروں کے ایک قافلے کے وہاں سے گزرنے اور یوسف کو خریدنے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کو صنعت تلمیح کہتے ہیں۔

''اگر قافلے کا گزر یوسف کے کنویں کے پاس سے ہوا تو یہ بھی زلیخا کی محبت کی بیتابی کا اثر تھا''۔

زلیخا نے حضرت یوسف کو خواب میں دیکھا تھا اور خواب میں دیکھی ہوئی صورت کا مجسم ہوکر سامنے آجانا اور اسکا ملاپ نصیب ہونا بڑی بات تھی۔ شاعر کے نزدیک یہ زلیخا کے شدید جذبۂ محبت کا اثر تھا، جس کی بدولت کارواں کا گزر چاہِ یوسف پر ہوا۔

حدیثِ می بہ دف و چنگ درمیان داریم

کنون کہ کار بہ شیخِ نھفتہ دان افتاد

لغت: ''دف''=طبلہ، ڈھولک۔''چنگ'' = ایک ساز کا نام۔''شیخِ نہفتہ داں'' = وہ پارسا بزرگ جنہیں پوشیدہ باتوں کا پتہ ہو۔

پہلے ہم چھپ کر پیتے تھے۔ اب ہمارا معاملہ شیخ نہفتہ داں سے آپڑا ہے، اب شراب پینے کی باتیں دف و چنگ سے ہم آہنگ ہوکر کرتے ہیں یعنی اعلانیہ۔ جب راز فاش ہوگیا تو پھر پردہ داری کیسی۔

فرد نیامدم از بسکہ بی خودم بطلب

ھزار بار گزارم برآشیان افتاد

چونکہ میں طلب و تلاش و جستجو میں بہت بے خود ہوگیا ہوں، میں بلندیوں پر پرواز کرتا رہا اور نیچے نہیں آیا، اگرچہ ہزار بار آشیانے پر میرا گزر ہوا۔

یہ شعر غالب کی بلند نظری اور عالی ظرفی کو ظاہر کرتا ہے، جس کا اظہار اُن کے بیشتر شعروں میں ہوتا ہے۔

بکوی یار ز پا افتم و کنم فریاد

بدان دریغ کہ دانند ناگھان افتاد

میں (ارادۃً) کوئے یار میں گر پڑا ہوں اور اس غم انگیز انداز میں فریاد کرتا ہوں، گویا اچانک گر پڑا ہوں (تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو)۔

شب ارچہ با تو بدعویٰ نما نمائی داشت

بہ روز طشت مہ از بام آسمان افتاد

اگرچہ رات کو چاند تیرے مدمقابل ہونے کا دعویٰ دار تھا لیکن دن کو وہ بام آسمان

سے گر پڑا۔

چاند کا حسن صرف رات بھر کے لیے تھا اور حسن محبوب دن رات کا پابند نہیں۔

نفس شرارہ فشان است و نطق شعلہ درو

ز حرفِ خوی کہ باز آتشم بجان افتاد

لغت: ''شرارہ فشاں'' = چنگاریاں بکھیرنے والا۔ ''شعلہ درو'' = شعلے کاٹنے والا۔

کسان چھوٹے چھوٹے بیج کھیت میں بکھیرتا ہے اور پھر فصل کاٹتا ہے۔

شاعر کا آتشیں سانس 'شرر فشانی کر رہا ہے اور اُس کا نطق شعلے کاٹ رہا ہے'

یعنی سانس کی چنگاریاں بات کرتے وقت شعلے بن جاتی ہیں۔ کہتا ہے:

نفس شرارہ فشاں ہے اور نطق شعلوں سے لبریز ہے۔ یہ کس کی آتش خوئی نے (تند مزاجی کی آگ نے) مجھے آتش بجاں کر دیا۔

غریبم و تو زبان دان من نہ غالب

بہ بند پرسش حالم نمی توان افتاد

میں اجنبی ہوں اور غالب تو میری زبان کو نہیں جانتا۔ میری پرسش حال کی کوشش بے سود ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۴)

غم جو بھم در افگند رو کہ مراد می دھد

دانہ ذخیرہ می کند، کاہ بباد می دھد

''رو'' مصدر رفتن سے فعل امر ہے بمعنی جا، یہاں محاورۃً آیا ہے۔ مفہوم ہے 'فکر نہ کر۔

''غم اگر انتہا کو پہنچ کر تمہیں عاجز کر دے تو کیا ہوا کیونکہ اس سے مقصود حاصل ہوگا''۔

یہ دانے جمع کرتا ہے اور تنکوں (کاہ) کو اڑا دیتا ہے۔

غم سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے۔

آخرِ منزلِ نخست خوی تو راہ می زند

اولِ منزلِ دگر بوی تو زاد می دھد

لغت: ''راہ زدن'' = راستہ میں لوٹ لینا۔ ''زاد'' = زاد راہ' توشہ۔ ''بو'' = مجازاً سراغ۔

پہلی منزل کے آخری مرحلے پر تیری خوے برہم آڑے آتی ہے۔ دوسری منزل کے آغاز میں تیرا سراغ زاد راہ بن جاتا ہے۔

یعنی اول اول راہ عشق میں دشواریاں پیش آتی ہیں اور پھر رفتہ رفتہ تیرا سراغ ملنے لگتا ہے اور رہرو کی رہنمائی ہوتی ہے۔

ای کہ بدیدہ نم زتست وی کہ بسینہ غم زتست

نازشِ غم کہ ھم زتست، خاطرِ شاد می دھد

ہماری آنکھوں میں آنسو بھی تیرے ہی دیے ہوئے ہیں، اور ہمارے سینے میں جو غم ہے وہ بھی تیرا ہی عطا کردہ ہے (اس غم پر ہمیں ناز ہے) اور یہ نازشِ غم جو تیرا ہی عطیہ ہے، دل کو خوشی اور سکون بخشتا ہے۔

شوخیِ دلکشا تنت برگ نباتِ می نهد

سختیِ بی وفا دلت رزق جماد می دهد

لغت: ''نبات'' = نباتات' سبزہ۔ ''جماد'' = جمادات، پتھر۔

تیرے تن دلکشا کی شوخی، سبزہ و روئیدگی کا سروسامان بہم پہنچاتی ہے۔

تیرے بے وفا دل کی سختی، جمادات کا رزق ہے۔

محبوب کا جسم سر تا پا لطافت ہے اور دل پتھر کی طرح سخت۔

مستِ عطای خود کند ساقیِ ما، نه مستِ می

باده ز یاد می برد، بسکه زیاد می دهد

ہمارا ساقی ہمیں اس فراخدلی سے شراب دیتا ہے کہ اُس کی بخشش ہی سے ہم مست ہو جاتے ہیں۔

آنچه به من نبشتهٔ نیست ز نامه بر نهان

شوخیِ نامه در کفش نامه کشاد می دهد

''کشاد می دہد'' = کھول دیتا ہے، ظاہر کر دیتا ہے۔

''نبشتۂ'' = نوشتۂ کی صورت ہے یعنی تو نے لکھا ہے۔

محبوب سے خطاب کر کے کہتا ہے:

جو کچھ تو نے اپنے خط میں لکھا' قاصد سے چھپا ہوا نہیں۔ اس کی ہتھیلی پر (ہاتھ میں) خط کی شوخی خط کے پوشیدہ مضمون کو فاش کر دیتی ہے۔

می دهیم به خلد جا، رحم کجاست ای خدا

آب و هوای این فضا کوی که یاد می دهد

''می دہیم بہ خلد جا'' = مرا بہ خلد جامی دہی' مجھے تو جنت میں جگہ دیتا ہے۔

تو مجھے جنت میں بھیج رہا ہے، اے خدا، تجھے رحم نہیں آتا (تیرا رحم کہاں ہے)، تجھے معلوم ہے کہ یہ فضائے خلد مجھے کس کے کوچے کی یاد دلاتی ہے؟

جنت، کوچۂ یار کی یاد تازہ کرتی ہے اور عاشق کے دل کو تڑپاتی ہے۔ اس لیے اسے اللہ تعالیٰ کی بے رحمی سے منسوب کیا۔

خو بجفا گرفته را تازه کند خراشِ دل

ورنه بهانه جوی من چیست که داد می دهد

لغت: ''خو بجفا گرفتہ'' = جفا برداشت کرنے کا عادی۔ عاشق۔ ''بہانہ جو'' = بہانے تلاش کرنے والا' معشوق۔ جفا کرنے کے لیے بہانے کی تلاش کرنے والا۔

میرا معشوق جو جور و ستم کرنے کے لیے موقع تلاش کرنے کا عادی ہے، جفا برداشت کرنے پر مجھے داد دیتا ہے۔ تو کس بات پر، اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ جفا کا عادی یعنی عاشق کے لیے یہ داد بھی خراشِ دل کا باعث ہوتی ہے' یعنی یہ بھی ایک طرح کی جفا ہے

توسنِ کلکِ غالبا مصرعِ فیضی اش عنان است

صبح چو ترکِ مستِ من شیشه کشاد می دهد

لغت: ''توسن''=گھوڑا۔ ''کلک''=قلم۔

''شیشہ کشادی دہد''= صراحی کو کھولتا ہے۔

شعر کا دوسرا مصرعہ، جیسا کہ شعر میں اشارہ ہوا ہے، فیضی کا ہے۔

غالب، فیضی کی غزل کا مصرعہ میرے اسپِ قلم کے لیے عنان کا کام دے رہا ہے۔

''صبح کو جب مست محبوب صراحی کو کھولتا ہے''۔

❀❀❀

غزل نمبر(۵)

دل اسبابِ طرب گم کردہ در بندِ غم نان شد

زراعت گاہِ دھقان می شود چو باغ ویران شد

میرے دل نے خوشیوں کے تمام ذرائع کھو دیے اور روٹی کی فکر میں پڑ گیا۔ جب باغ ویران ہو جائے تو کسان کی زراعت گاہ بن جاتا ہے۔

شاعر زندگی کو ایک باغ تصور کرتا ہے، جس کی شادابیاں طرب بخشتی ہیں۔

لیکن وہی باغ جب ویران ہو جاتا ہے تو وہاں ہل چلاتا ہے اور کھیتی باڑی کا کام کرتا ہے۔ جب انسان غمِ روزگار میں ڈوب جائے تو اسکی زندگی ایک باغ ویران بن جاتی ہے۔

یہ شعر غالب کے بہترین شعروں میں سے ہے اور صائب کے رنگ میں ہے۔

گرفتم کز تغافل طاقت ما باج می گیرد

حریف یک نگاہ بی محابای تو نتوان شد

لغت: ''گرفتم''= (محاورۃً) میں نے فرض کر لیا۔ ''تغافل''= مصنوعی غفلت، جان بوجھ کر غفلت کرنا۔

فرض کیا کہ تیرے تغافل سے ہماری طاقت (طاقتِ تحمل) بڑھتی ہے لیکن ہم تیری ایک نگاہ بے محابا کے حریف نہیں ہو سکتے۔ (تاب نہیں لا سکتے)۔

عاشق حسن کی بے باکانہ نگاہوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اُس کے لیے معشوق کا تغافل ہی خوب ہے۔

تو گستردی بصحرا دام و از رشکِ گرفتاری

کفِ خاکم برنگ قمریِ بسمل پرافشان شد

تو نے صحرا میں جال بچھایا اور میری کفِ خاک، رشکِ گرفتاری کے ہاتھوں زخمی قمری کی طرح پر پھڑپھڑانے لگی۔

رشکِ گرفتاری سے مراد یہ رشک ہے کہ اس دام میں کوئی اور اسیر نہ ہو جائے۔ اس لیے وہ گرفتاری کے لیے بے حد بے تاب ہے۔

جنون کردیم و مجنوں شہرہ گشتیم از خردمندی

برون دادیم راز غم بہ عنوانی کہ پنہان شد

ہم نے دیوانگی اختیار کر لی اور دیوانے مشہور ہو گئے۔ ہم نے رازِ غم کو بڑی عقلمندی سے اس انداز میں ظاہر کیا کہ چھپ گیا۔ دیوانگی کا باعث غمِ عشق ہی تھا لیکن دیوانگی کے پردے میں چھپ گیا۔

بدین رنگ است گر کیفیت مردان خوشا حسرت

لب از ذوقِ کفِ پائی تو عشرت خانۂ جان شد

تیرے کفِ پا کو چومنے کے ذوق میں میرے لب سرتاپا جان بن گئے۔ اگر موت میں
ایسی ہی لذت ہے تو مرنے کی حسرت کے کیا کہنے۔

سراپا زحمتِ خویشیم از ھستی چہ می پرسی
نفس بر دل دمِ شمشیر، دل در سینہ پیکان شد

کیا پوچھتا ہے ہم اس زندگی کے ہاتھوں اپنے لیے سرتاپا زحمت ہیں۔ ہمارا سانس دل
کے لیے تلوار کی دھار اور دل سینے میں پیکاں کی طرح ہے۔

فراغت بر نتابد ھمتِ مشکل پسندِ من
ز دشواری بجان می افتدم کاری کہ آسان شد

ہماری مشکل پسند ہمت فراغت، اور سہولت کی تاب نہیں لا سکتی۔ جو کام آسان ہو وہ
میرے لیے دشوار ہو جاتا ہے اور جان کا وبال بن جاتا ہے۔

چہ پرسی و چہ حیرانی کہ ھنگامِ تماشایت
نگاہ از بیخودی ھادست و پاگم کردہ مژگان شد

تو کیا پوچھتا ہے اور کیوں حیران ہو رہا ہے۔ تجھے دیکھنے کے وقت میری نگاہیں بے
خود ہو جاتی ہیں اور اس بے خودی کے باعث (ہاتھ پاؤں کھو بیٹھتی ہیں) پریشان ہو کر مژگاں
بن جاتی ہیں۔
نگاہوں کا مژگاں ہونے سے مطلب یہ ہے کہ اتنی سمٹ جاتی ہیں کہ مژگاں کے آگے
نہیں بڑھتیں۔ مراد یہ ہے کہ عاشق، معشوق کو سامنے پا کر اتنا بے خود ہو جاتا ہے کہ نظر اٹھا کر دیکھ
نہیں سکتا۔

ز ما گرم است این ھنگامہ، بنگر شورِ ھستی را
قیامت می دمد از پردۂ خاکی کہ انسان شد

زندگی کے زور شور کو دیکھ، ہماری ہی بدولت یہ ہنگامہ گرم ہے۔ اس خاک کے پردے
سے جو انسان بن گئی ہے، کیا کیا قیامتیں ابھرتی ہیں۔

نشاط انگیزیِ اندازِ سعیِ چاک را نازم
بہ پیراھن نمی گنجد گریبانی کہ دامان شد

"بہ پیراہن نمی گنجد" = جامے میں پھولے نہیں سماتا۔ سعی چاک سے مراد گریباں کو
چاک کرنے کی کوشش۔
گریباں کے دامن ہونے سے مقصود یہ ہے کہ وہ اتنا پھٹ جائے کہ دامن بن جائے۔
میں گریبان کو چاک کرنے کی لذت کو کیا بیان کروں (مجھے اس پر بڑا ناز ہے)۔ جو
گریباں چاک ہو کر دامن بنا ہے وہ میرے پیراہن میں پھولے نہیں سماتا۔
جب سرے سے گریباں ہی چاک ہو جائے تو اُس کی جامے (پیراہن) میں سمانے کی
کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

شبِ غربت ھمانا شیوۂ غم خواریٔ دارد
کہ ھم در ماتمِ صبحِ وطن زلفش پریشان شد

شبِ غربت میں بھی ایک اندازِ غم خواری پایا جاتا ہے کہ صبحِ وطن کے ماتم میں اس شام
غربت کی زلفیں پریشاں ہوگئی ہیں۔
شبِ غربت کی افسردگی اور اُداسی ضرب المثل ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ہماری شبِ غربت

ہماری غم خواری کرتی ہے یعنی ہمارے غم میں شریک ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ بھی صبحِ وطن کا ماتم کر رہی ہے۔ دیکھ لو اس ماتم میں اس کے بال کیسے بکھرے ہوئے ہیں۔

شب کی زلفوں کی پریشانی سے مقصود اس کی انتہائی تاریکی ہے گویا شبِ غربت بھی شاعر کے غم میں شریک ہے۔

قضا از ذوقِ معنی شیره می ریخت در جان ها
نمی از لالی پالائش چکید و آبِ حیوان شد

لغت: ''ذوقِ معنی'' = حقیقت شناسی کی لذت۔ ''لائے پالا'' = آلودۂ دُرد تلچھٹ۔

قضا و قدر نے روحِ انسانی میں ذوقِ معنی کا رس ڈالا۔ اُسی رس کا دُرد ٹپک کر آبِ حیات (آبِ حیواں) بن گیا۔

ابدی زندگی انسانی روح کے خمیر میں ہے۔

دلم سوزِ نهان دارد، ولی در سینه کوبی ها
چراغی جسته از چشمش اگر داغی نمایان شد

میرے دل میں سوز پنہاں ہے لیکن درد و کرب کے عالم میں سینہ پیٹتے وقت اگر کوئی داغ نمایاں ہوتا ہے تو یہ سمجھیے کہ یہ ایک چراغِ درخشاں ہے جو غم کی آنکھوں سے لپک کے باہر آ گیا ہے۔

چو اسکندر ز نادانی، هلاکِ آبِ حیوانی
خوشا سوهن که هر کس غوطه زد در وی تنش جان شد

''سوہن'' مخففِ سوہان، ریتی جس سے لوہے کو تراش کر صاف شفاف کرتے ہیں۔

یہاں مجازاً خراش، درد و کرب غم مقصود ہے۔

تو نادانی سے سکندر کی طرح آبِ حیات کے لئے اپنی جان دے رہا ہے۔ ریتی کے کیا کہنے کہ جس نے اس میں غوطہ لگایا، اُس کا تن سرتاپا جان بن گیا غم کی خراش اور اس کے درد و کرب ہی سے تزکیۂ نفس اور روح کی جِلا ہوتی ہے اور اصل آبِ حیات یہی ہے۔

خدا را ای بتان گردِ دلش گردیدنی دارد
دریغا آبروی دیر، گر غالب مسلمان شد

لغت: ''گردیدنی'' = گردیدن (گھومنا) مصدر سے مشتق ہے۔

گردیدنی میں ''یا'' یائے قابلیت ہے یعنی گھومنے کے قابل، یعنی قابلِ طواف ہے۔

''گردِ دلش گردیدنی دارد'' = اُس کا (یعنی غالب کا) دل قابلِ طواف ہے۔

بتوں سے خطاب کر کے کہتا ہے:

خدا کے لیے غالب کے دل کے گرد طواف کرو کیونکہ اگر وہ مسلمان ہو گیا تو بت خانے کی آبرو خاک میں مل جائے گی اور یہ بڑے افسوس کی بات ہوگی۔ تم غالب کے دل کو راہِ راست پر لا سکتے ہو۔

غزل نمبر(۶)

داغم از پردۂ دل رو بقفا می آید

تا بہ بینم کہ ازین پردہ چھا می آید

میرے دل کے پردے سے جو داغ بھی ابھر کر باہر آتا اُس کا رخ پیچھے کی طرف ہوتا ہے تا کہ میں دیکھ سکوں کہ اس پردے سے کیا کیا نمایاں ہوتا ہے۔

عاشق کا دل تو دکھوں کا ایک خزانہ ہوتا ہے۔ دل کے نہاں خانے سے ایک داغ تو ابھر آیا لیکن نہ جانے اس داغ کے پیچھے اور کیا کیا چھپا ہوا ہے۔

ھمچو رازی کہ بہ مستی ز دل آید بیرون

در بھاران ھمہ بویت ز صبا می آید

بدمستی کے عالم میں بہت سی باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں جو ہوش میں انسان نہیں کرتا اور چھپا کے رکھتا ہے۔ کہتا ہے:

''اُس راز کی طرح جو مستی میں دل سے باہر آ جاتا ہے، فصل بہار میں تیری بو صبا کے ذریعے پھیل جاتی ہے۔ بہار کی شگفتگی محبوب کے حسن کی یاد دلاتی ہے''۔

جلوہ ای داغ کہ ذوقم ز نمک می خیزد

مژدہ ای درد کہ ننگم ز دوا می آید

زخم پر نمک چھڑکیں تو زخم کا درد تیز ہو جاتا ہے لیکن اسمیں بھی ایک لذت محسوس ہوتی

ہے۔ اے داغ نمایاں ہو جا کہ نمک کو دیکھ کر میرا احساسِ ذوق اُبھر رہا ہے۔ اے درد! تجھے خوش خبری ہو کہ مجھے دوا سے عار آ رہی ہے۔

یہ شعر غالب کے اس اُردو شعر کا ترجمان ہے:

درد منت کشِ دوا نہ ہوا

میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

سودِ غارت زندگی ھای غمت را نازم

کہ نفس می رود و آہِ رسا می آید

لغت: ''غارت زدگی'' = غارت گری، لوٹ۔ ''نفس'' = سانس۔

''نفس می رود'' = سانس تو چلا جاتا ہے، ضائع ہو جاتا ہے۔ (سانس کے ضائع ہونے سے زندگی کا کم ہو جانا مقصود ہے)۔

''تیرے غم عشق کی غارت گریوں کے سودمند ہونے پر نازاں ہوں کہ سانس چلا جاتا ہے اور آہ رسا آجاتی ہے''۔

ہر سانس پر زندگی کا لمحہ گھٹ جاتا ہے لیکن غم میں اتنی اثر انگیزی ہوتی ہے کہ یہی سانس جو ضائع ہوتا ہے آہ رسا بن جاتا ہے، اور یہی اس کی سودمند ہونے کی دلیل ہے۔

زیستم بی تو وزین ننگ نہ کشتم خود را

جان فدای تو میا، کز تو حیا می آید

میں تیرے بغیر (تیرے فراق میں) زندہ رہا اور یوں زندہ رہنا میرے لے باعث ننگ تھا۔ میری جان تجھ پر فدا ہو، مت آ کیوں کہ تیرے آنے سے مجھے شرم آتی ہے (کہ یہ شخص زندہ کیسے رہا، جدائی کے عالم میں مر کیوں نہ گیا)۔

جان فدا کرنا گویا مر جانا ہے چنانچہ ''میری جان تجھ پر فدا ہو'' کے الفاظ اس سیاق و سباق میں بڑے موزوں اور شعر کی جان ہیں۔

راز از سینہ بہ مضراب نہ ریزم بیرون
سازِ عاشق ز شکستن بہ صدا می آید

لغت: ''مضراب''=ضرب سے اسم آلہ ہے۔ضرب لگانے کا آلہ۔ وہ چھلا نما آلہ جس سے ساز کے تار کو چھیڑ کر اس سے آواز نکالی جاتی ہے''سازِ عشق''=یعنی سازِ دلِ عاشق۔

مجھے اپنے رازِ محبت یا رازِ غم کو آشکار کرنے کے لئے کسی مضراب کی ضرورت نہیں۔

عاشق کے دل کے ساز کی آواز تو اس کے ٹوٹنے سے خود بخود باہر آ جاتی ہے۔

بوی گل پردۂ ساز است تمنای ترا
بو کہ دریافتہ باشی، چہ نوامی آید

لغت: ''پردہ'' کا ایک معنی ''سر'' بھی ہے، یہاں وہی معنی مراد ہیں۔''نوا''=نغمہ اور ایک خاص سر کا نام بھی ہے۔''بو''=بود کا مخفف ہے شاید، ہوسکتا ہے۔

''بو کہ دریافتہ باشی''=شاید تجھے معلوم ہو گیا ہوگا۔

بوئے گل تیری تمنا کے ساز کا سر ہے۔غالباً تو سمجھ گیا ہوگا کہ اس سر سے کیا نغمہ ابھر رہا ہے۔

بوئے گل میں محبوب کی تمنا پوشیدہ ہے۔کاش محبوب آ جائے۔

درھم افشردن اندام تو چون ما می خواست
خندہ بر تنگیِ آغوشِ قبا می آید

لغت: ''اندام''=جسم،بدن۔ ''قبا''=ایک چست و تنگ لباس۔

مجھے قبا کے آغوش کی تنگی پر ہنسی آتی ہے کہ اس نے ہماری طرح تیرے جسم نازنین کو بھینچنے کی کوشش کی۔

معشوق، عاشق کے آغوش کشادہ میں تو سما نہیں سکا، قبا کی تنگ آغوش میں کیا سما سکے گا۔

رفتہ در حسرتِ نقشِ قدمی عمر بسر
جادۂ را کہ بسر منزلِ ما می آید

لغت:''جادہ''= پگڈنڈی، راستہ۔

اس شعر کی نثر یوں ہے:''عمر جادۂ کہ بسر منزل ما می رسد، در حسرت نقش قدمی بسر رفتہ''۔

یعنی جو راستہ ہمارے گھر تک آتا ہے اس کی ساری عمر اس حسرت میں گزر گئی کہ اس پر کوئی ایک نقش قدم پڑے، یعنی محبوب کا نقش قدم۔

محبوب کا انتظار کرتے کرتے اور راہ تکتے تکتے، عاشق تو درکنار خود راہیں پریشان ہو گئیں۔

نہ جانے کس کے نشان قدم سے ہیں محروم
کہ ایک عمر سے سونے پڑے ہیں راہگزار

اتفاقِ سفر افتاد بہ پیری غالب
آنچہ از پای نیامد ز عصا می آید

''عصا'' سے مراد عصائے پیری جس کے سہارے بوڑھے لوگ راہ طے کرتے ہیں۔

غالب! بڑھاپے میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا، جو کام پاؤں سے نہ ہو سکا، اس کام کو

اب عصا سرانجام دے رہا ہے۔

یعنی جب پاؤں میں سکت تھی اور خود اپنے بل پہ چل سکتے تھے تو سفر کا موقع نہ ملا۔

اب بڑھاپے میں عصا کا سہارا لے رہے ہیں۔

غالب کو بڑھاپے میں سفر کلکتہ کرنا پڑا تھا اور اس سفر میں بہت سی تکلیفوں کا سامنا ہوا تھا۔

لیکن اگر اس شعر کو سفر زندگی تصور کریں تو اس کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۷)

خوش است آنکہ با خویش جز غم ندارد

ولی خوشتر است آنکہ این هم ندارد

وہ شخص خوش نصیب ہے جس کے پاس غم کے سوا کچھ نہ ہو، لیکن اس سے زیادہ وہ خوش بخت ہے جس کے پاس یہ بھی نہیں۔

قوی کردہ پیوندِ ناسور پشتش

گرانمایہ زخمی کہ مرہم ندارد

لغت: "پشت قوی کردن" = مضبوط سہارا دینا۔ "ناسور" = مندمل نہ ہونے والا زخم۔

وہ زخم، بڑا قیمتی زخم ہے جس کا کوئی مرہم نہ ہو کیوں کہ ناسور کا پیوند اس کی پیٹھ کو سہارا دیتا ہے۔

یعنی وہ زخم جو اچھا نہ ہو سکے اور ناسور بن جائے، وہی اصل زخم ہے، مراد زخم محبت۔

سرابی کہ رخشد بویرانہ خوشتر

ز چشمی کہ پیرایۂ نم ندارد

جو سراب ویرانے میں چمکتا ہے، بہتر ہے اس آنکھ سے جس میں آنسوؤں کی چمک (آرائش) نہ ہو۔ سراب خشک ریت ہوتا ہے لیکن اس میں پانی کی سی چمک تو ہوتی ہے لیکن جس آنکھ میں آنسو کی ایک بوند نہ ہو وہ کیا ہے۔

بجوش عرق رنگ در باخت رویت

گل از نازکی تاب شبنم ندارد

لغت: "عرق" = پسینہ۔ "رنگ در باخت" = رنگ اڑ گیا۔

پسینے سے تیرے (خوبصورت) چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ پھول نزاکت کے باعث شبنم کے بوجھ کی بھی تاب نہ لا سکا۔

گلت را نوا، نرگست را تماشا

تو داری بہاری کہ عالم ندارد

تیرے پھول کو نغمہ اور تیری نرگس کو نظر حاصل ہے۔ تو ایسی بہار رکھتا ہے کہ دنیا کو نصیب نہیں۔

بہار حسن میں پھول نغمہ سرا ہوتے ہیں اور نرگس دیدہ ور ہوتی ہے۔

چہ ناکس شمرد آنکہ خون ریخت ما را

بہ تیغی کہ ترکیب اُو خم ندارد

محبوب نے ہمیں کتنا گھٹیا خیال کیا کہ اس نے ایسی تلوار سے ہمارا خون بہایا ہے کہ جس

میں کوئی خم نہیں تھا۔۔خم ایک تواضع کی یا دوسرے کی عزت افزائی کی نشانی ہوتی ہے۔ معشوق کی تلوار میں تو یہ بھی نہ تھا۔ گویا اُس نے عشق کو اس قابل بھی خیال نہ کیا کہ اگر خود نہیں جھکتا تو کم از کم کسی ایسی تلوار سے وار کرتا جس میں خم ہوتا کہ مقتول کی کچھ نہ کچھ قدر شناسی ہو جاتی ہے۔

ز ماتم نباشد سیہ پوش زلفت
کہ ہندو بدین گونہ ماتم ندارد

لغت: ''ہندو'' سیاہ، سیاہ فام، اور ہندو شخص۔

زلف سیاہ ہوتی ہے، اس رعایت سے شاعر نے اسے ہندو کہا اور ہندو سے دوسرا معنوی پہلو بھی نکالا۔

تیری زلفیں کسی کے ماتم میں سیاہ پوش نہیں ہوتیں کیوں کہ ہندو لوگ سیہ پوش ہو کر ماتم نہیں کرتے (اُن کے یہاں اس کا شعور نہیں۔)

یعنی معشوق پر کسی کے غم کا اثر نہیں ہوتا۔ اس کی زلفیں اگر سیہ ہیں تو وہ ماتم کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ رنگ قدرتی ہے اور یہی اس کا حسن بھی ہے۔

نگھدار خود را، ز آئینہ بگذر
نگاہِ تو پروای خود ھم ندارد

اپنے آپ میں مگن رہ، آئینے کو چھوڑ دے۔ تیری نظر تو اپنے آپ سے بھی بے نیاز ہے، آئینے کی کیا حاجت۔

سخن نیست در لطفِ این قطعہ غالب
بھشتی بود ھند کآدم ندارد

لغت: ''سخن نیست'' = کوئی شک نہیں۔

اس قطعے کے پر لطف ہونے میں کوئی شک نہیں کہ ہند ایک بہشت ہے جس میں آدمی نہیں۔

❀❀❀

غزل نمبر (۸)

مژدۂ صبح درین تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

فارسی میں فعل ماضی صیغۂ جمع غائب بالعموم محاورے کے اسلوب میں آتا ہے اور اس کے ساتھ فاعل نہیں آتا۔ جیسا کہ اوپر کے مطلع اور اس غزل کے باقی اشعار میں، یہ فعل آیا ہے۔ شمع کشتند، ردیف دادند کی اخیر تک یہی صورت ہے۔

صرف و نحو کے سلسلے میں جب ایسے افعال کے فاعل کا سراغ نہیں ملتا، تو شارحین صرف و نحو کہہ دیتے ہیں کہ اس فعل کا فاعل ''حاملانِ قضا و قدر ہے'' ایک مثال سنیے:

ابر آمد و بگریست بر اطراف چمن ھا
شستند بہ شبنم رخِ گل ھا و سمن ھا

''ابر آیا اور چمن کے مختلف گوشوں میں برسا۔ گلاب اور چنبیلی کے منہ شبنم سے انہوں نے (یعنی حاملانِ قضا و قدر) دھو ڈالے''۔ در اصل، یہ ایک با محاورہ اسلوب بیان ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ ایسے موقع پر ایسے افعال کا ترجمہ افعال مجہول کے انداز میں کیا جاتا ہے، یعنی بجائے اس کے کہ فاعل کا ذکر کریں، جو عبارت میں مذکور نہیں، ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام کیا

گیا۔ چنانچہ شستند بہ شبنم رخ گل ہا و سمن ہا کا ترجمہ یہ ہوگا۔

گلاب اور چنبیلی کے منہ دھل گئے۔

اس لئے مرزا غالب کے شعر کا ترجمہ یوں ہوگا۔

ان سیاہ راتوں میں مجھے مژدۂ صبح دیا گیا۔ شمع بجھا دی گئی اور مجھے خورشید کی نشان دہی کی گئی۔

یہ غزل مسلسل ہے۔ اس غزل کے اشعار سے پتا چلتا ہے کہ مرزا غالب کو اپنی منفرد طبیعت، شخصیت اور شاعرانہ عظمت کا شدید احساس تھا جس کا اظہار وہ جگہ جگہ کرتے ہیں۔ اس غزل میں یہ احساس خصوصیت سے بہت نمایاں ہے۔ ہر چند کہ اس غزل میں شاعرانہ تعلّی اور مبالغہ آمیزی کا عنصر شامل ہے، اس میں صرف حسن بیان ہی نہیں بلکہ شعر کہنے والے کے دل و دماغ اور اسکی سوچ کی گہرائی اور وسعت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

اسلوب بیان کی فنکارانہ مہارت اور ندرت، نے اشعار میں بڑا حسین لطف پیدا کیا ہے۔

مژدۂ صبح درین تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

ان سیاہ راتوں میں مجھے صبح کی بشارت دی گئی۔ شمع کو بجھا دیا اور سورج کی نشان دہی کی گئی۔

رخ کشودند و لب ھرزہ سرایم بستند
دل ربودند و دو چشم نگرانم دادند

مجھے اپنا جلوہ دکھا کر میرے بیہودہ گو لبوں کو سی دیا گیا، میرا دل چھین لیا اور اس کے عوض، دیکھنے والی دو آنکھیں عطا کر دی گئیں۔

یعنی جلوۂ معشوق حقیقی نے مجھے حیرت زدہ کر کے خاموش کر دیا، محبت میں دل کے عوض مجھے حقیقت شناس نگاہیں میسر آگئیں۔

سوخت آتش کدہ ز آتش نفسم بخشیدند
ریخت بتخانہ ز ناقوس فغانم دادند

آتش کدہ جل کر راکھ ہوا تو اس کی آگ میرے سانس کو مل گئی۔ بت خانہ گرا تو اس کے ناقوس کی فریاد مجھے عطا ہوئی۔

گہر از رایتِ شاہانِ عجم برچیدند
بعوض خامۂ گنجینہ فشانم دادند

شاہانِ عجم کے جھنڈوں کے موتی اتار لیے گئے اور اس کے عوض وہ قلم عنایت ہوا جو خزانہ لٹانے والا ہے۔

افسر از تارکِ ترکانِ پشنگی بردند
بسخن ناصیۂ فرِّ کیانم دادند

لغت: ''افسر'' = تاج۔ ''تارک'' = سر۔ ''پشنگ'' = افراسیاب شاہ توراں کے باپ کا نام تھا۔

پشنگی سے مراد تورانی ہے۔ ''ترکان پشنگی'' دلیر بہادر ترک۔ فرکیاں = شاہی دبدبہ۔ ایران کا ایک قدیم خاندان کیانی خاندان تھا۔

ترکوں کے سر سے تاج اتار لیا گیا اور مجھ کو شاعری میں اقبال کیانی مرحمت ہوا۔

گوهر از تاج گسستند و بدانش بستند
هرچه بردند بہ پیدا، بہ نهانم دادند

تاج سے موتی توڑ لئے گئے اور انہیں علم و دانش میں جڑ دیا گیا۔ جو کچھ علی الاعلان لوٹا تھا (یعنی موتی)، وہ مجھے خاموشی سے اور پوشیدہ طور پر دے دیا۔

هرچه در جزیہ ز گبران، میِ ناب آوردند
بشب جمعۂ ماہِ رمضانم دادند

آتش پرستوں (گبراں) سے جو شراب جزیے کے طور پر لی گئی، وہ ماہ رمضان کی شب جمعہ کو مجھے عنایت ہوئی۔

هرچه از دستگہِ پارس بہ یغما بردند
تابنالم هم ازآن جملہ زبانم دادند

غرض کہ پارس کی جو پونجی لٹ گئی تھی، اس میں زبان مجھے دے دی تا کہ میں فریاد کروں۔

مولانا حالی مرحوم نے یادگار غالب میں ۶ اشعار (۲ سے ۸ تک) کی جو شرح فرمائی ہے، وہ کم وبیش انہی کے الفاظ میں اوپر درج کردی گئی ہے۔ انہوں نے اس شرح سے پہلے حسب ذیل نوٹ لکھا ہے:

"قضا و قدر نے جو کچھ عرب کی فتوحات کے وقت عجم سے چھینا تھا، اس کے عوض میں مجھ کو، کہ میں عجمی الاصل ہوں، کچھ نہ کچھ دیا"۔

خادم اس سلسلے میں صرف اتنا کہنے کی جسارت کرتا ہے کہ مجھے مولانا کے الفاظ

"عرب کے فتوحات" سے اختلاف ہے، مرزا صاحب اپنے آپ کو ایرانی اور تورانی، تہذیبی روایت کا وارث سمجھتے تھے اور اس پر نازاں تھے، اور اس بات کو قدرت کی طرف منسوب کرتے تھے کہ قدیم ایرانی شوکت و جاہ سے انہیں جو کچھ ملا۔ وہ تاج و گوہر کی صورت میں نہیں بلکہ ادب پاروں کی شکل میں ملا۔ (ملاحظہ ہوں کلیات غالب ابتدائی قطعات)۔

دل ز غم مردہ و من زندہ همانا این مرگ
بود ارزندہ بماتم کہ امانم دادند

میرا دل تو مر چکا ہے لیکن میں زندہ ہوں۔ اسکی وجہ لازماً یہی ہے کہ موت میرے ماتم کے مناسب تھی، اس سے مجھے محفوظ رکھا اور اسے سلامت رکھا تا کہ وہ میرا ماتم کرتی رہے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۹)

تا کیم دود شکایت ز بیان برخیزد
بزن آتش کہ شنیدن ز میان برخیزد

"کیم" کی "م" کا مرجع بیان ہے یعنی بیان من۔

میرے بیان سے کب تک شکایت کا دھواں اٹھتا رہے گا۔ اسے آگ لگا دے تا کہ سننے کا سلسلہ ہی درمیان سے اُٹھ جائے۔

جب آگ پوری نہیں جلتی تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے۔ شعلہ بھڑک اٹھے تو دھواں ختم ہو جاتا ہے۔ گویا عشق کے درد و کرب میں فریاد اس وقت لبوں پر آتی ہے جب درد و کرب

اپنی انتہا تک نہ پہنچا ہو، جب دل غم سے جل اٹھے تو پھر فریاد کی گنجائش اور دوسروں کے سننے کی زحمت اور نہ سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

می رمی از من و خلقی بہ گمان است زتو
بی محابا شو و بنشین کہ گمان بر خیزد

تو مجھ سے بھاگتا ہے اور لوگوں کو تیرے بارے میں شبہ ہوتا ہے (کہ ایسا کیوں ہے)۔
بے دھڑک ہو کے پاس آ بیٹھ کہ شک اور گماں کا سلسلہ ختم ہو جائے۔

گردھم شرح عتابی کہ بہ دلھا داری
دود از کارگہِ شیشہ گران برخیزد

لغت: ''کارگہ شیشہ گراں'' = شیشہ سازوں کا کارخانہ یا دکان۔ ''دود برخاستن'' = دھواں اٹھنا، فریاد اُبھرنا، آہ و بکا۔

انسانی دل شیشے کی طرح نازک ہوتے ہیں۔ کہتا ہے:
جو عتاب تیرے ہاتھوں، تیرے چاہنے والوں پہ نازل ہوتا ہے اگر میں اس کو مفصل بیان کروں تو شیشہ گر توبہ توبہ پکار اٹھیں۔

باقدت سرو چو شخصی ست کہ ناگہ یکبار
بی خود از جا ز هجوم خفقان بر خیزد

لغت: ''خفقان'' = شدید بخار یا بیماری کی حالت میں دماغی دیوانگی کی سی حالت۔
تیرے قد (بلند) کے روبرو سرو ایک ایسے شخص کی طرح ہے جو خفقان کے عالم میں اچانک اٹھ کھڑا ہوتا ہے، گویا سرو محبوب کے قد کو دیکھتا ہے تو اس پر خفقان غالب آ جاتا ہے۔

بچہ گیرند عیار هوس و عشق دگر
رسم بیداد مبادا ز جهان بر خیزد

پھر عشق و ہوس کو کس طرح پرکھا جائیگا۔ اللہ کرے کہ یہ جور و ستم کی رسم جہان سے ختم نہ ہو۔
عشق دکھ برداشت کر سکتا ہے، ہوس نہیں کر سکتی۔ دونوں میں امتیاز جور و ستم ہی سے ہو سکتا ہے۔

کشتۂ دعوت پیدائیِ خویشیم همه
وای گر پردہ ازین راز نهان برخیزد

تصوف کا شعر ہے۔ انسان اپنے وجود کے غلط وہم میں مبتلا ہے حالاں کہ اس کی ہستی کی کچھ حقیقت نہیں۔ سب کچھ اللہ ہی ہے۔
ہم اپنی (ظاہرا) نمود کے طلسم کے مارے ہوئے ہیں۔ اگر اس راز نہاں سے پردہ اُٹھ جائے تو افسوس (یہ طلسم ٹوٹ جائے گا) اور ہمیں اپنی ہستی سے مایوسی ہوگی۔ یہ بات پردۂ راز ہی میں رہے تو اچھا ہے۔

زنہار از تعب دوزخ جاوید مترس
خوش بهاری است کز و بیم خزان بر خیزد

دوزخ جاوید کے عذاب سے ہرگز خوف زدہ نہ ہو۔ کتنی اچھی ہے وہ بہار جسے خزاں نہ آئے (خزاں کے خوف سے آزاد ہو)۔
دوزخ کا عذاب بھی مسلسل چلے جانے کے باعث عذاب نہیں راحت بن جاتا ہے۔

ناله برخاست دم جستن از آتش ز سپند
کو شگرفی که چو ما از سرجان برخیزد

سپند (ہرمل) آگ میں جل کے اُبھرتا ہے تو فریاد کرتا ہوا اُبھرتا ہے۔ کیا عجب بات ہو اگر وہ ہماری طرح آرام سے زندگی کو خیرباد کہتا ہوا اٹھے۔

جزوی از عالمم و از همه عالم بیشم
همچو موئی که بتان را ز میان برخیزد

معشوقوں کی کمر کو باریک بال سے تشبیہ دی جاتی ہے گویا اس کا وجود ہی نہیں ہوتا۔

میں اس کائنات کا ایک حصہ ہوں اور اس ساری کائنات سے کچھ بڑھ کر ہوں۔ اس بال کی طرح جو معشوقوں کی کمر سے ابھرتا ہے۔

کائنات کا کوئی وجود نہیں، وہ معشوق کی کمر کی طرح ہے کہ یہ اور ہے نہیں بھی ہے۔

انسان اسی ایک وجود وہمی کا حصہ ہے بلکہ اس اعتبار سے ساری کائنات سے بڑھ کر ہے۔ یہ اس بال کی طرح ہے جو کمر معشوق سے اگتا ہے۔ جب کمر کا کوئی وجود نہیں تو پھر بال کا کیا وجود۔ کائنات کی ہستی موہوم اور انسان کی ہستی اُس سے زیادہ موہوم۔

عمرها چرخ بگردد که جگر سوخته‌ئی
چون من از دودهٔ آذر نفسان بر خیزد

لغت: ''دودہ'' = خاندان۔ ''آذر نفس'' = آتشیں فریاد کرنے والا۔

جگر سوختہ انسان روز روز پیدا نہیں ہوتا، اس کے لئے مدتیں درکار ہیں کہ آتشِ نفس انسانوں کے خاندان سے کوئی میرے جیسا جنم لے۔

گر دهم شرح ستم های عزیزان غالب
رسم اُمید همانا ز جهان برخیزد

غالب! اگر میں عزیزوں کے جور و ستم (جو مجھ پر ہوئے) بیان کروں تو یقیناً امید کی رسم ہی دنیا سے اٹھ جائے۔

کوئی انسان، دوسرے انسان سے کسی طرح کی امید نہ رکھے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۱۰)

گویم سخنی گرچه شنیدن نشناسد
صبحی است شبم را که دمیدن نشناسد

میں ایک بات کہتا ہوں، اگرچہ وہ بات سننے سے آشنا نہیں (یعنی اسے کوئی نہیں سنتا)۔ میری رات کی ایک ایسی صبح ہے جو کبھی طلوع نہیں ہوتی۔

از بند چه بکشاید و از دام چه خیزد
مائیم و غزالی که رمیدن نشناسد

قید و بند کا کیا فائدہ اور جال کا کیا حاصل، ہم ہیں اور ایک ایسے غزال (معشوق) کو دام میں لانا چاہتے ہیں جو بھاگنے سے آشنا نہیں۔

غزال کا رم بہت مشہور ہے۔ اس کے باوجود لوگ اُسے اسیر کر ہی لیتے ہیں، لیکن
معشوق ایک ایسا غزال ہے کہ بھاگ بھی نہیں جاتا، لیکن پھر بھی کسی دام میں نہیں آتا۔ کسی کے دل
کا رام کرنا مشکل ہوتا ہے۔

گوھر چہ شکایت کند از بی پروبالی
مائم و سرشکی کہ چکیدن نشناسد

موتی اپنی بے پر و بال ہونے کی کیا شکایت کرتا ہے۔ ہمیں دیکھو، واسطہ ایسے آنسو سے
آپڑا ہے جو ٹپکنا ہی نہیں جانتا ہے۔ موتی بھی اشک کی طرح تابدار ہوتا ہے، لیکن دونوں ہی بے پر
و بال ہیں۔ گوہر کی چمک میں پرواز نہیں اور عاشق کا آنسو عجز ضبط سے بے بس ہے۔

ساقی چہ شگرفی کند و بادہ چہ تندی
خون باد دماغی کہ رسیدن نشناسد

لغت: ''دماغ رسیدن''۔ سرشار و سرمست ہونا۔
ساقی کیا کرشمہ دکھائے اور شراب کیا تیزی دکھائی۔ ہمیں تو وہ دماغ ملا ہے جو سرشار
اور مست ہونا ہی نہیں جانتا، اللہ کرے یہ خون ہو کر رہ جائے۔
عالی ظرف لوگ کبھی تسکین حاصل نہیں کرتے۔
غالب کے دو ایک اردو شعر دیکھیے:

میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے
بقدرِ ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

مالذت دیدار ز پیغام گرفتیم
مشتاقِ تو دیدن ز شنیدن نشناسد

ہمیں تیرا پیغام ملا (وہ پیغام کیا تھا) اس پیغام سے لذت دیدار حاصل ہوئی۔ تیرا
عاشق دیکھنے اور سننے میں فرق نہیں کرتا۔ گویا معشوق کا پیغام ہی اتنا دل آویز ہے کہ محسوس ہوتا ہے
جیسے وہ سامنے آگیا ہے۔
اس شعر میں لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی انسان کی ایک حس دوسری حس کا منصب
اختیار کر لیتی ہے۔
اس شعر میں حس سامعہ، حس باصرہ کا کام دے گئی۔
مومن کا مشہور شعر ہے:

اُس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

''آواز تو دیکھو'' کے الفاظ پر غور کیجیے۔ آنکھیں آواز کو دیکھنے لگی ہیں۔
اہل زبان اس دیکھنے کو مجازی استعمال کہیں گے۔ لیکن شاعر نے اس میں خوبی پیدا کی
ہے۔ اور اس نفسیاتی حقیقت کو آشکارا کیا ہے۔ جہاں انسانی ذہن آواز مغنیہ کو شعلے میں تبدیل کر
کے اسے مجسم صورت میں دیکھنے لگتا ہے۔
یہ آواز کا معجزہ بھی ہے اور انسانی ذہن کا کرشمہ بھی۔

بی پردہ شو از ناز و میندیش کہ ما را
چو آئنہ چشمی است کہ دیدن نشناسد

آئینے کو آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں مگر ایسی آنکھ جو بصارت سے عاری ہے۔
ناز کے عالم میں رخ سے پردہ اُٹھا دے اور ہم سے نہ گھبرا، اس لئے کہ ہمیں آئینے کی

طرح وہ آنکھ ملی ہے جو بینائی سے آشنا نہیں ،یعنی عاشق جلوہ گرِ حسن کی تاب نہیں لا سکتا۔

(تصرف) اگر محبوب حقیقی جلوہ گر بھی ہو جائے تو پھر بھی ہماری مادی آنکھیں اسے کہاں دیکھ سکتی ہیں۔

بینم چه بلا بر سرِ جیب و کفن آرد

دستی که بجز جامه دریدن نشناسد

جو ہاتھ (جنوں میں) کپڑے پھاڑنے کے سوا کچھ نہیں جانتا، نہ جانے اس سے جیب و کفن کا کیا حشر ہوگا۔

پیوسته روان از مژده خون جگر ستم

رنگی است رخم راکه پریدن نشناسد

میں خونِ جگر ہوں جو لگاتار مژگان سے بہتا رہتا ہے۔ اس خون کی بدولت میرے چہرے کو وہ رنگ نصیب ہے جو کبھی نہیں اُڑتا۔

شوقم می گلگون بسبو می زند امشب

پیمانه ز ساقی طلبیدن نشناسد

میرا شوق مستی خود شراب کو سبو میں ڈال رہا ہے اسے ساقی سے پیمانہ طلب کرنے کی حاجت نہیں۔ میں شوق کے عالم میں مست و سرشار ہوں، ساقی و جام کی ضرورت نہیں۔

با لذت اندوه تو در ساخته غالبؔ

گوئی همه دل گشت و طپیدن نشناسد

غالب نے تیرے غمِ عشق کو گوارا کر لیا ہے۔ یوں کہو کہ سر بسر دل بن گیا ہے۔ اب وہ تڑپ سے آشنا نہیں۔

❁❁❁

غزل نمبر (۱۱)

ھر دم ز نشاطم دلِ آزاد بجنبد

تا کیست درین پرده که بی باد بجنبد

میرا دل آزاد ہر وقت خوشی سے رقص کرتا ہے۔ آخر اس پردے میں کون چھپا بیٹھا ہے کہ یہ پردہ بغیر ہوا چلنے کے ہل رہا ہے۔

برهم زدنِ کار من آسان تر ازان است

کز بادِ سحر طرهٔ شمشاد بجنبد

صبح کی ہوا آتی ہے تو شمشاد کی زلفیں (اُس کی نرم نرم ٹہنیاں اور پتے) ہلنے لگتے ہیں۔ میرے کام (جذبات محبت) کو درہم برہم کرنا، اس سے بھی زیادہ آسان ہے۔

خواهم ز تو آزردگیِ غیر چو بینم

عرقِ حسدِ خاطر ناشاد بجنبد

میں یہ گوارا نہیں کرتا کہ میرے دل غمزدہ کی رگِ حسد پھڑکتی رہے۔ میں رقیب سے تیرا

بگاڑ چاہتا ہوں۔

مردم بہ دم و داغم از آن صید کہ در دام

لختی پیِ مشغولیِ صیاد بجنبد

میں نے ایک لحظے میں جان دے دی لیکن مجھے اُس صید عشق پر رشک آتا ہے جو دام میں صیاد کے دل بہلاوے کے لئے بھی تھوڑا سا تڑپتا ہے۔

هان شیخ پری خوان مَی گلگون بہ قدح ریز

تا در نظرت بالِ پریزاد بجنبد

لغت: ''پری خواں'' = وہ شخص جو دم پھونک کر غیب سے جن یا پری کو بلالے۔

''پری زاد'' = حسینہ (معشوق)۔ ''بال پری زاد'' = زلفِ محبوب۔

اے شیخ پری خواں، تو پریوں کو کیا بلاتا ہے۔ پیالے میں شراب انڈیل، تجھے اس میں معشوق کی زلفیں لہراتی نظر آئیں گی۔ گویا اصل پری تو معشوقۂ دلنواز ہے۔

برق بفشار آرم و ابری بتراوش

زآن دشنہ کہ اندر کفِ جلاد بجنبد

لغت: ''دشنہ'' = خنجر۔

اس خنجر سے جو دست جلاد میں ہلتا ہے، میں برق کو بھینچ لیتا ہوں اور بادل کا سینہ چیر کر اس سے بارش برساتا ہوں یعنی مجھے وہ خنجر برق سے زیادہ تپاں اور ابر سے بڑھ کر باران ریز (خونریز) نظر آتا ہے۔

از رشک بخون غلتم و از ذوق برقصم

زان تیشہ کہ در پنجۂ فرهاد بجنبد

جب میں فرہاد کے ہاتھ میں تیشے کو چلتا دیکھتا ہوں (جس سے اُس نے پہاڑ کاٹا تھا) تو مجھے اس پر رشک آتا ہے اور میں اس رشک سے خون میں تڑپنے لگتا ہوں، اور اتنی لذت آتی ہے کہ رقص کرنے لگتا ہوں۔

ای آن کہ در اصلاح تو هرگز ندهد سود

چون طبعِ کجت را رگِ بیداد بجنبد

هر پویہ کہ گرد دلِ آگاہ بگردد

هرچارہ کہ در خاطرِ استاد بجنبد

لغت: ''پویہ'' = نرم رفتاری۔

اوپر کے دونوں شعر قطعہ بند ہیں، یعنی ان دونوں شعروں کا مفہوم ایک ساتھ مل کے واضح ہوتا ہے۔

شاعر معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ

جب تو اپنی طبیعت کی کجی کے باعث جور و ستم پر اُتر آئے تو اس کی اصلاح کے لے کوئی چیز فائدہ نہیں دیتی، نہ تو کوئی نرم گفتاری جو کسی دانا کے دل سے ابھرتی ہے اور نہ ہی کوئی چارۂ کار جو کسی تجربہ کار شخص (استاد) کے ذہن میں آتا ہے۔

وصل تو بہ نیروی دعا نیست ازین بعد

خون باد زبانی کہ باوارد بجنبد

لغت: ''اوراد'' = ورد کی جمع، دعا وظیفہ وغیرہ۔

اب صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ اس کے بعد تیرا وصال دعاؤں سے حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ اس سلسلے میں جو زباں بھی ورد خوانی کرے بے کار ہے۔

غالب قلمت پردہ کشای دم عیسیٰ است
چون بر روشِ طرز خدا داد بجنبد

غالب! جب تیرا قلم اپنے انداز (طرز خدا داد) میں حرکت کرنے لگتا ہے تو وہ حضرت عیسیٰ کے معجزنما سانس کی طرح ہوتا ہے (اس کی پردہ کشائی کرتا ہے)۔

❁❁❁

غزل نمبر (۱۲)

خوبان نہ آن کنند کہ کس را زیان رسد
دل برد تا دگر چہ ازآن دلستان رسد

مولانا حالی اس شعر کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

یعنی دل لیا ہے تو ضرور اس کے عوض میں کچھ اس سے وصول ہوگا، کیوں کہ اچھے لوگ (خوباں) ایسا کام نہیں کرتے کہ کسی کو نقصان پہنچے۔

دارد خبر دریغ و من از سادگی ھنوز
سنجم ھمی کہ دوست مگر ناگھان رسد

وہ تو پیغام (تک) سے گریز کرتا ہے اور میں ابھی تک اپنی سادگی کی وجہ سے یہ سوچتا ہوں کہ وہ (دوست) خود ہی کسی وقت اچانک آجائے گا۔

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
ھر جا کنیم سجدہ بدان آستان رسد

دیر و حرم سے ہمارا مقصود سوائے محبوب کے اور کچھ نہیں۔ جہاں بھی سجدہ کریں، اُسی آستاں پہ پہنچتا ہے۔

دردی کشان بہ میکدہ درھم فتادہ اند
نازم بخواریِ کہ بمن زین میان رسد

می خانے میں تو تلچھٹ پینے والے ایک دوسرے سے اُلجھے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر مجھے کوئی ذلت نصیب ہو تو مجھے تو اُس پر ناز ہے۔

گویا شراب کے لئے سب کچھ گوارا ہے۔

گم شد نشانِ من چو رسیدم بہ کنج دیر
مانند آن صدا کہ بگوشِ گران رسد

لغت: ''گوش گراں'' = بہرا کان۔

''میں جب دیر میں پہنچا تو میرا نشان گم ہوگیا، اس آواز کی طرح جو کسی بہرے کان میں پہنچتی ہے''۔

مولانا حالی کہتے ہیں:

شعرائے متصوفین، دیر وخرابات اور میکدے سے اکثر خانقاہ یا وہ مقام، جہاں فقر وفنا کی تعلیم دی جاتی ہے، مراد لیتے ہیں۔ اپنا نشان دیر میں پہنچ کر گم ہوجانے سے مراد فنا ہے۔ اس کی تشبیہ اس صدا سے جو بہرے آدمی کے کان تک پہنچ کر گم ہوجاتی ہے، کس قدر بلیغ تشبیہ ہے۔

در دام بھر دانہ نیفتم مگر قفس
چندان کنی بلند کہ تا آشیان رسد

مولانا حالی یوں شرح فرماتے ہیں۔

اپنے اعزازِ نفس کا اظہار ہے، یعنی اگر عزت کے ساتھ قید کرو تو مجھے قید ہونے سے انکار نہیں، پس امید نہ رکھو کہ میں دانے کے لالچ سے جال میں آ پھنسوں گا نہیں بلکہ قفس کو اتنا اونچا کرو کہ میرے گھونسلے تک پہنچ جائے۔ میں قفس میں فوراً چلا جاؤں گا۔

اس قسم کے اعزازِ نفس کا اظہار ایک شاعر نے یوں کیا ہے:

التفاتِ بی غرض تسخیر ماست
صید ما خواھی برون از دام باید دانہ ریخت

راھی کہ تا من است ھمانا نہ ایمن است
خون می خورم کہ چون بخورم مَی چسان رسد

مجھ تک پہنچنے کی راہ محفوظ نہیں ہے۔ اگر شراب پیوں تو وہ مجھ تک کیسے آئے گا۔ اسی غم

میں اپنا خون پیتا ہوں۔ شاعر اپنی بدنصیبی اور محرومی کا رونا روتا ہے۔

رفیتم سوی وی و مژہ اندر جگر خلید
زان پیشتر کہ سینہ بنوکِ سنان رسد

حسن کی اثر انگیزیوں کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

میں اس کی طرف گیا اور اس کی مژگاں جگر میں چبھ گئیں، پیشتر اس کے کہ میرا سینہ نیزے کی نوک تک پہنچتا (زد میں آتا)۔

تیر نخست را غلط انداز گفتہ ام
ای وای گر نہ تیرِ دگر بر نشان رسد

مولانا حالی نے اس شعر کی بڑی وضاحت سے شرح کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''غلط انداز اس تیر کو کہتے ہیں جو خطا کر کے غیر مقصود جگہ جا لگے۔ چوں کہ عشاق، معشوق کے تیر کے مشتاق ہوتے ہیں، اس لئے کہتا ہے کہ ایک تیر تو اس کا آ کر لگا ہے، مگر اس کو اپنی نحوست طالع کے خیال سے غلط انداز سمجھتا ہوں۔ اب اگر دوسرا تیر بھی اسی جگہ آ کر لگا تو میں سمجھوں گا کہ پہلا بھی ارادے سے لگایا گیا تھا۔ ورنہ میرا خیال جو پہلے تیر کی نسبت تھا، صحیح ہوجائے گا اور امید بالکل باقی نہیں رہے گی۔

امید غلبہ نیست بہ کیشِ مغان در آ
مَی گر بہ جزیہ دست نداد، ارمغان رسد

لغت: 'کیش'' = مذہب۔

"مغاں" = مغ کی جمع، مراد پارسی لوگ (جن کے ہاں شراب حلال ہے)۔

"ارمغاں" = تحفہ۔

اگر پارسیوں پر غلبے کی (حکومت) امید نہیں تو ان کا مذہب اختیار کر لے کیوں کہ اگر شراب جزیے کے طور پر نہ آئے تو تحفے کے طور پر تو ملے گی۔

خوارم نہ آنچنان کہ دگر مژدۂ وصال

باور کنم اگر ھمہ از آسمان رسد

اگر کسی انسان کو کوئی خوش خبری دی جائے اور وہ پوری نہ ہو تو وہ ذلیل وخوار ہو جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے مجھے جھوٹا مژدۂ وصال دیا گیا اور میں خوار ہوا لیکن "میں اتنا خوار نہیں کہ پھر ایک بار مژدۂ وصال کا اعتبار کر لوں خواہ وہ آسمان ہی سے کیوں نہ بھیجا گیا ہو۔

صاحبقران ثانی اگر در جھان نماند

گفتارِ من بہ ثانی صاحبقران رسد

لغت: "صاحبقران ثانی" = شاہجہان بادشاہ کا لقب تھا۔ "ثانی صاحبقران" = مراد بادشاہ ظفر۔

اگر اب دنیا میں صاحب قران ثانی (شاہجہاں) نہیں ہے تو کیا ہوا میرا کلام اس کے ثانی تک تو پہنچتا ہے، یعنی وہ میرے کلام کی داد اور صلہ دے سکتے ہیں۔

چون نیست تاب برق تجلی کلیم را

کی در سخن بہ غالب آتش بیان رسد

کلیم (موسیٰ) میں برق تجلی کو برداشت کرنے کی تاب نہیں۔ وہ گفتار میں غالبِ آتش بیان تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۱۳)

عاشق کہ گفتی اش کہ برو، زود می رود

نازم بخواجگی غضب آلود می رود

لغت: "خواجگی" = غرور و تمکنت۔

عاشق سے تو نے کہا کہ چلے جاؤ، وہ جا رہا ہے اور فوراً جا رہا ہے لیکن اس بات پر ناز ہے کہ وہ بڑی تمکنت سے غصے بھرے انداز میں جا رہا ہے۔

امشب بہ بزم دوست کسی نامِ ما نہ برد

گوئی سخن ز طالع مسعود می رود

آج رات، بزم دوست میں کسی نے بھی ہمارا نام نہیں لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خوش بختیوں اور اپنے نصیبے پر باتیں ہو رہی تھیں۔ (ہم تو بدنصیب ہیں، ہمارا تذکرہ کیسے ہوتا)۔

از نالہ ام مرنج کہ آخر شد است کار

شمع خموشم و ز سرم دود می رود

لغت: ''شمع خاموش'' = بجھی ہوئی شمع۔ ''دود از سر رفتن'' = انتہائی رنج و تعب۔

جب کوئی شمع یا چراغ بجھے تو اس کے سر سے کچھ دیر تک دھواں اٹھتا ہے۔ یہ اس کے ختم ہونے کی علامت ہوتی ہے۔

''میری فریاد سے پریشان نہ ہو، اب تو بات ہی ختم ہوگئی۔ میں تو ایک بجھی ہوئی شمع ہوں اور میرے سر سے دھواں اٹھ رہا ہے''۔

گویا عاشق کی فریاد اس دھویں کی طرح ہے جو شمع کے بجھنے پر اٹھتا ہے اور عارضی ہوتا ہے۔

شادم بہ بزم وعظ کہ رامش اگرچہ نیست

باری حدیث چنگ و نی و عود می رود

لغت: ''چنگ، نی، عود'' = تین مختلف سازوں کے نام ہیں۔ ''رامش'' = نغمہ و آہنگ۔

''میں بزم وعظ سے خوش ہوں کہ اگرچہ اس بزم میں نغمہ نہیں ہے۔ لیکن چنگ، نے اور عود کا ذکر تو ہوتا ہے۔

واعظ تو ان سازوں کی برائیاں بیان کرتا ہے لیکن نغمہ و آہنگ کے شیدائی اس ذکر سے بھی خوش ہوتے ہیں۔

فردوس جوی عمر بہ وسواس دادہ را

سرمایہ نیز در ہوسِ سود می رود

لغت: ''فردوس جو'' = جنت کا طلب گار۔

''عمر بہ وسواس دادہ'' = وہ جس نے محض وسوسوں میں زندگی گزاری ہو

یہ دونوں باتیں ایک ہی شخص یعنی زاہد کے لئے آئی ہیں کہ اس کی زندگی، جنت کی

موہوم امید میں بسر ہوتی ہے۔ کہتا ہے، جنت کے طلب گار اور وسوسوں کے گرفتار انسان (زاہد) کا سرمایہ سود حاصل کرنے کے لالچ میں ضائع ہو جاتا ہے۔

جنت تو ملے نہ ملے زندگی (سرمایہ) رائگاں چلی جاتی ہے۔

نخوت نگر کہ می خلد اندر دلش ز رشک

حرفی کہ در پرستشِ معبود می رود

محبوب کا غرور و نخوت دیکھو کہ وہ الفاظ جو پرستشِ معبود میں کہے جاتے ہیں اسے ناگوار گزرتے ہیں۔ اسے اس بات کا رشک ہوتا ہے کہ میرے سوا کسی اور کے لئے کیوں نہ استعمال ہوں۔

ماہم بہ لاغ و لابہ تسلی شویم کاش

نادان ز بزم دوست چہ خوشنود می رود

لغت: ''لاغ و لابہ'' = خوشامد اور مصنوعی باتیں۔

کاش ہمیں بھی محبوب کی مصنوعی اور ظاہرا باتوں سے اطمینان ہو۔ رقیب کتنا نادان ہے کہ اس کے کوچے سے ایسی بات سن کر اور درست مان کر خوش خوش جا رہا ہے۔

نظیری کا شعر ہے:

چو می بینم کسی از کوئی او دلشاد می آید

فریبی کز وی اول خوردہ بودم یاد می آید

رشکِ وفا نگر کہ بہ دعوی گہ رضا

ہر کس چگونہ در پی مقصود می رود

فرزند زیر تیغ پدر می نهد گلو

گر خود پدر در آتش نمرود می رود

صوفیا کے نزدیک، عاشقانِ محبوب حقیقی کا بہترین طریق شیوۂ تسلیم و رضا ہے، اور وہ اس میں ایک دوسرے سے رشک کرتے ہیں کہ وہ آگے بڑھ کر مقصود حاصل کریں۔

کہتا ہے:

عاشقانِ محبوب حقیقی کا باہمی رشک وفا دیکھو کہ اُن میں سے ہر ایک کس انداز میں اپنے مقصود کے حصول کے لئے رواں دواں ہے۔ اگر باپ (سر تا پا تسلیم و رضا بن کر) آتش نمرود میں کود پڑتا ہے تو بیٹا بھی اسی رضا و رغبت کے ساتھ باپ کی تلوار کے نیچے اپنا سر رکھ دیتا ہے۔

باپ سے حضرت ابراہیمؑ اور بیٹے سے حضرت اسماعیلؑ مراد ہیں یہ دونوں واقعے معروف ہیں۔

شعر میں اس طرح سے کسی واقعہ کی طرف اشارہ کرنا علم بدیع میں ایک صنعت ہے جسے تلمیح کہتے ہیں۔

غالب خوش است فرصت موہوم فکرِ عیش

تاری کہ نیست در سر این پود می رود

لغت: ''فرصت'' = موقع، نوبت، نصیب۔ ''تار و پود'' = تانا بانا۔

غالب! موہوم فراغت اور اس میں عیش کا تصور بھی خوب ہے۔ یہ ایک تار جس کا وجود نہیں، اس پود کے پیچھے لپکتا ہے۔

انسانی زندگی میں فراغت کا میسر آنا ایک موہوم شے ہے اور پھر فراغت کے لمحے میں عیش کا تصور کرنا محض خود فریبی ہے انسان اپنا جی خوش کرنے کے لئے، ایک موہوم سا تانا بانا بنا لیتا ہے ورنہ اس کا وجود کہاں ہے۔

غزل نمبر (۱۴)

دانست کز شہادتم امید حور بود

برگشتنم ز دین دم بسمل ضرور بود

لغت: ''دم بسمل'' = جانکنی کے وقت۔

میں نے اس کی محبت میں جان دی۔ وہ سمجھا کہ میں حور کی خواہش میں مرا ہوں چنانچہ اس عالم جانکنی میں مجھے اپنے دین سے برگشتہ ہونا پڑا۔

دین سے پھر جانے سے جنت جانے اور حور کے ملنے کا امکان جاتا رہا۔

رفت آن کہ ما ز حسن مدارا طمع کنیم

سررشتہ در کفِ ارنی گوی طور بود

لغت: ''ارنی گوی طور'' = حضرت موسیٰؑ

طور پر حضرت موسیٰؑ نے محبوب حقیقی کے دیدار کی التجا کی اور کہا ارنی (مجھے اپنا جلوہ دکھا)۔ جواب ملا ''لن ترانی'' (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا)۔ چنانچہ محبوب کو دیکھنے اور اس کے حسن سے سرشار ہونے کا امکان وہیں ختم ہوگیا۔ اب حسن سے ایسی مدارات کی خواہش یا توقع نہیں کی جاسکتی۔

مجرم مسیح رند انا الحق سرای را

معشوقہ خود نما و نگھبان غیور بود

''رندِ انا الحق گو کو مجرم نہ سمجھ' اُس کا کیا قصور۔ معشوقہ خود نما تھی اور نگہبانِ حسن غیور تھا''۔

سالک، نگفتہ ایم کہ منزل شناس نیست
بی جادہ ماند راہ ازآن رو کہ دور بود

لغت: ''ازآن ور'' = اس وجہ سے، اس لیے۔

ہم نے یہ نہیں کہا کہ سالک منزل شناس نہیں، لیکن یہ راہ (راہِ سلوک) طے نہ ہو سکا کہ راستہ دور دراز تھا۔ انسان کو منزلِ مقصود (محبوبِ حقیقی) کو پانے کی خواہش اور پہچان تو ہے لیکن سفر کٹھن ہے۔

نازم بہ امتیاز کہ بگذشتن از گناہ
با دیگران ز عفو بما از غرور بود

خدا کی نظر میں سب بندے ایک جیسے ہیں، لیکن وہ اُن میں امتیاز بھی کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ مجھے اس امتیاز پر ناز ہے کیوں کہ خدا نے بندوں کے گناہوں سے درگزر کرنے میں دوسرے گناہگاروں کو رحم کھا کے چھوڑ دیا اور ہمیں ہمارے غرور کے باعث۔ ہمیں غرور تھا کہ ہم نے گناہ کیے ہیں اور یہ ادا خدا کو پسند آئی ہے۔

ای آنکہ از غرور بھیچم نمی خری
زان پایہ باز گوی کہ پیش از ظہور بود

خدا سے خطاب ہے:

اے کہ تو غرور کے باعث، مجھے مفت میں بھی نہیں خریدتا، اُس مقام کی بات کو جو ظہور سے پہلے تھا۔

دردِ دلم بحشر ز شدت نہفتہ ماند
خون باد نالہٗ کہ ہم آہنگِ صور بود

''محشر میں ہمارا درد دل، اپنی شدت کے باعث چھپا رہا۔ غارت ہو یہ نالہ کہ جو صور قیامت کا ہم آواز تھا''۔

محشر میں فریاد کرتے تو کس طرح، ہمارے نالہ و فغاں میں صور قیامت کا شور تھا، اس لئے ضبط کیا، خاموش رہے، اور درد دل آشکار نہ ہو سکا۔

دل از تو بود و تو پی الزام ما ز ما
بردی نخست آنچہ ز جنسِ شعور بود

ہمارا دل تیرا تھا اور تو نے ہمیں الزام دینے کی خاطر، ہم سے جنسِ شعور کا جو سرمایہ بھی تھا، چھین لیا۔

محبوب نے اپنے جلوۂ حسن سے عشق کے ہوش اور شعور کو چھین لیا، پھر اس پر اس بات کا الزام لگایا کہ تم نے دل جو ہماری امانت تھی، گنوا دیا۔ حالاں کہ دل چھیننے یا چرانے والا تو ہی تھا۔

قطع پیام کردی و دانستم آشتی است
دلالہ خوبرو و دلم ناصبور بود

''رندِ انا الحق گو کو مجرم نہ سمجھ اُس کا کیا قصور۔ معشوقہ خود نما تھی اور نگہبان حسن غیور تھا''۔

سالک، نگفتہ ایم کہ منزل شناس نیست

بی جادہ ماند راہ ازآن رو کہ دور بود

لغت: ''ازآن رو'' = اس وجہ سے، اس لیے۔

ہم نے یہ نہیں کہا کہ سالک منزل شناس نہیں، لیکن یہ راہ (راہ سلوک) طے نہ ہو سکا کہ راستہ دور دراز تھا۔ انسان کو منزل مقصود (محبوب حقیقی) کو پانے کی خواہش اور پہچان تو ہے لیکن سفر کٹھن ہے۔

نازم بہ امتیاز کہ بگذشتن از گناہ

با دیگران ز عفو بما از غرور بود

خدا کی نظر میں سب بندے ایک جیسے ہیں، لیکن وہ اُن میں امتیاز بھی کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ مجھے اس امتیاز پر ناز ہے کیوں کہ خدا نے بندوں کے گناہوں سے درگزر کرنے میں دوسرے گناہگاروں کو رحم کھا کے چھوڑ دیا اور ہمیں ہمارے غرور کے باعث۔ ہمیں غرور تھا کہ ہم نے گناہ کیے ہیں اور یہ ادا خدا کو پسند آئی ہے۔

ای آنکہ از غرور بھیچم نمی خری

زان پایہ باز گوی کہ پیش از ظہور بود

خدا سے خطاب ہے:

اے کہ تو غرور کے باعث، مجھے مفت میں بھی نہیں خریدتا، اُس مقام کی بات کو جو ظہور سے پہلے تھا۔

دردِ دلم بحشر ز شدت نہفتہ ماند

خون باد نالۂ کہ ہم آہنگِ صور بود

''محشر میں ہمارا دردِ دل، اپنی شدت کے باعث چھپا رہا۔ غارت ہو یہ نالہ کہ جو صورِ قیامت کا ہم آواز تھا''۔

محشر میں فریاد کرتے تو کس طرح، ہمارے نالہ و فغاں میں صورِ قیامت کا شور تھا، اس لئے ضبط کیا، خاموش رہے، اور دردِ دل آشکار نہ ہو سکا۔

دل از تو بود و تو بی الزام ما ز ما

بردی نخست آنچہ ز جنسِ شعور بود

ہمارا دل تیرا تھا اور تو نے ہمیں الزام دینے کی خاطر، ہم سے جنسِ شعور کا جو سرمایہ بھی تھا، چھین لیا۔

محبوب نے اپنے جلوۂ حسن سے عشق کے ہوش اور شعور کو چھین لیا، پھر اس پر اس بات کا الزام لگایا کہ تم نے دل جو ہماری امانت تھی، گنوا دیا۔ حالاں کہ دل چھیننے یا چرانے والا تو ہی تھا۔

قطع پیام کردی و دانستم آشتی است

دلالہ خوبرو و دلم ناصبور بود

آنکھوں کی خزاں کا دور ہے اور کانوں کی بہار۔''

یعنی آنکھیں دیدار سے محروم ہیں اور کان پیغام دوست سے سرفراز۔

زمامِ حوصلہ نگرفت و کوهکن جان داد
چه نرم شانه گذشت و چه سخت کوش آمد

لغت: ''نرم شانہ'' = وہ شخص کہ جو کچھ اور اس سے کہا جائے قبول کر لے، مراد کمزور طبیعت۔

کوہکن حوصلے کی باگ ڈور نہ تھام سکا اور بے دل ہو کر جان دے دی۔ کتنا سخت کوش تھا اور کس بزدلی سے جان دے دی۔ ظہوری نے بھی کوہکن کو نرم شانہ کہا ہے:

از ظهوری است سخت بازوئی
کوهکن نرم شانه بوده است

شهیدِ چشمِ تو گشتم که خوش سخن گوی است
هلاکِ طرزِ لبم شو که پر خروش آمد

میں تری آنکھوں پر فدا ہوا ہوں کہ کیسی کیسی میٹھی میٹھی باتیں کرتی ہیں۔ تو میرے لبوں کے انداز پر فریفتہ ہو کہ کتنے پرخروش ہیں (فریادیں کرتے ہیں)۔

یعنی ہم تمہارے حسن پر مرتے ہیں تو تو کم از کم میری فریادوں کی داد تو دے۔ خود شاعر کی اپنی سخنوری بھی مراد ہو سکتی ہے جیسا کہ اس آنے والے شعر سے ظاہر ہے۔

ترا جمال و مرا مایۂ سخن سازی است
بهار زینت دکانِ گلفروش آمد

تجھے حسن ملا ہے اور شاعری میرا سرمایہ ہے۔ بہار (حسن یار) پھول بیچنے والے کی دکان کی زینت ہے۔

مپرس وجه سوادِ سفینه ها غالب
سخن بمرگِ سخن رس سیاه پوش آمد

لغت: ''سخن رس'' = شعر کی داد دینے والا۔

سیاہ پوشی ماتم کی علامت ہوتی ہے۔

''سفینہ'' = کشتی، بیاض شعر۔ ''سواد سفینہ ہا'' بیاضوں میں لکھے ہوئے شعروں کی سیاہی۔ گویا بیاض اشعار نے سیاہ ماتمی لباس پہنا ہوا ہے۔ کہتا ہے:

غالب سفینہ ھائے شعر کی سیاہی کی وجہ مت پوچھ۔ شاعری سخن شناس انسانوں کی موت کا ماتم کر رہی ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۱۶)

به عشق از دو جهان بی نیاز باید بود
مجاز سوز، حقیقت گداز باید بود

عشق میں دونوں جہان سے بے نیاز ہونا چاہیے۔ مجاز سوز بھی اور حقیقت گداز بھی ہونا چاہیے۔ یہاں مجاز اور حقیقت کو دونوں جہاں تصور کیا گیا ہے۔ یعنی عشق میں عاشق کو مجازی اور حقیقی عالم سے آزاد ہونا پڑتا ہے۔

به جیب حوصله، نقدِ حیات باید ریخت

به جان شکوه تغافل طراز باید بود

اپنی زندگی کے سرمائے کو، حوصلے کے جیب میں ڈالنا چاہیے اور شکوہ و شکایت کے بارے میں تغافل برتنا چاہیے۔

یعنی تلخیوں کو نظر انداز کر کے زندگی حوصلہ مندی سے بسر کرنی چاہیے۔

چو لب ز هرزه سرایانِ شوق نتوان شد

چو دل ز پرده سرایانِ راز باید بود

لغت: ''پردہ'' = حجاب بھی ہے اور سُر اور نغمہ بھی۔

''لب کی طرح، محبت میں ہرزہ سرائی نہیں کی جا سکتی۔ دل کی طرح رازہائے محبت کے نغمے الاپنے چاہئیں۔

فرطِ شوق میں کیا کیا بے کار باتیں لب پر آ جاتی ہیں مگر دل رازِ محبت کو چھپائے رکھتا ہے اور اس سے تسکین پاتا ہے۔

چو بزمِ عشرتیان تازه رو توان جوشید

چو شمعِ خلوتیان جان گداز باید بود

لغت: عشرتیاں عشرتی کی جمع اور خلوتیاں خلوتی کی جمع ہے۔

''عشرتیاں'' = عیش پرست اور ''خلوتیاں'' خلوت نشیں لوگ جن کی خلوت میں شمع بھی جاں گداز ہوتی ہے۔ عیش پرستوں کی محفل کی طرح شگفتہ رو اور تازہ دم ہونا چاہیے اور خلوت نشینوں کی شمع کی طرح جان و دل کو سوزِ عشق میں گداز کر دینا چاہیے۔

کمر، نهفته، به تاراج خویش باید بست

شریک مصلحتِ سعیِ ناز باید بود

لغت: ''کمر بستن'' = آمادۂ کار ہونا۔

نازِ حسن عاشقوں کے دل کو تاراج کرتا ہے۔ کہتا ہے:

انسان کو در پردہ اپنے دل کو لوٹنا چاہیے اور حسن کی سعی ناز و ادا میں شریک ہو جانا چاہیے۔

چو شوق بال کشاید، توان بخود بالید

چو ناز جلوه گر آید نیاز باید بود

جب عشق میں شوق پرواز کرے تو اپنے آپ پہ ناز اور فخر کرنا چاہیے۔ جب حسن جلوہ گر ہو اور ناز و ادا کا مظاہرہ کرے تو اس کے روبرو سرتاپا نیاز بن جانا چاہیے۔

به صحنِ میکده سرمست میتوان گردید

به کنجِ صومعه وقفِ نماز باید بود

صحن میکدہ میں سرمست و سرشار گھومنا اور گوشۂ خانقاہ میں محوِ نماز ہونا لازمی ہے۔

بخون تپیدهٔ ذوقِ نگاه نتوان زیست

شهیدِ آن مژه های دراز باید بود

فقط اپنے خون میں تڑپتے ہوئے ذوق نگاہ کو لئے زندہ نہیں رہا جا سکتا۔ محبوب کی مژہ ہائے دراز پر فدا ہو جانا چاہیے۔

خالی ذوقِ نگہ سے کیا حاصل جب تک اس سے کام نہ لیا جائے۔

نگہ ز دیدۂ بیدار جو کہ سائل را

بہ گدیہ طالبِ در ھای باز باید بود

لغت: ''گدیہ'' = گدائی، بھیک۔

''دیدۂ بیدار'' = لفظی معنی جاگتی ہوئی آنکھ، کھلی آنکھ، مراد اندرونی بصیرت رکھنے والی آنکھ۔

چشم بیدار سے نگاہ تلاش کر۔ سائل جب گدائی کے لئے نکلے تو اسے کھلے ہوئے دروازوں کا طالب ہونا چاہیے۔

بصیرت افروز آنکھوں کو درہائے باز سے تشبیہ دی ہے جو نہایت خوبصورت اور موزوں ہے۔

چہ بر ز راحتِ آزادگی خوری غالب

ترا بہ این ھمہ با برگ و ساز باید بود

لغت: ''برخوردن'' = پھل کھانا، بہرہ ور ہونا۔

اوپر کے شعروں میں مرزا غالب نے انسانی زندگی کے مختلف روپ اُجاگر کیے ہیں۔ ان تمام مخمصوں اور جھمیلوں کے ہوتے ہوئے انسان کیوں کر آزادانہ زندگی کی راحتوں سے فیضیاب ہوسکتا ہے چنانچہ کہتا ہے:

غالب! تجھے راحتِ زندگی کیسے نصیب ہوسکتی ہے تجھے تو اتنا بڑا زندگی کا ساز و سامان درکار ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۱۷)

نفس از بیم خویت ریشۂ پیچیدہ را ماند

نگہ از تاب رویت موی آتش دیدہ را ماند

لغت: ''موی آتش دیدہ'' = جلا ہوا بال۔

سانس تیری تندی طبع کے باعث سینے میں مٹ کر رہ جاتا ہے اور نگہ تیرے آتشیں رخساروں کی تابناکی سے جل جاتی ہے اور بل کھا کر رہ جاتی ہے۔

ز جوشِ دل ھنوزش ریشہ در آب است پنداری

بہ مژگان قطرۂ خون، غنچہ نا چیدہ را ماند

لغت: ''ریشہ'' = جڑ۔

ہماری مژگاں پر خون کے قطرے (خونی آنسو) ایک ننھی کلی معلوم ہوتے ہیں جسے ابھی (شاخ سے) توڑا نہ گیا ہو۔ گویا جوشِ دل سے اس کی جڑیں ابھی پانی ہی میں ہیں۔

خون کے آنسو ابھر کر مژگاں تک تو آگئے لیکن بہتے نہیں، گویا وہ ابھی ہمارے دل سے پیوست ہیں جہاں ایک طوفان گریہ بپا ہے۔

ز بس کز لالہ و گل حسرت ناز تو می جوشد

خیابان محشرِ دلھای خون گردیدہ را ماند

لالے اور گلاب کے سرخ پھولوں کے چہروں پر تیرے حسن کے ناز کی حسرت جوش مار

رہی ہے (نمایاں) پھولوں کی کیاری، دلوں کا ہجوم ہے جو خون ہو کر رہ گئے ہیں۔

یعنی پھولوں کو محبوب کے نازِ حسن سے محروم رہنے کا شدید احساس ہے جو ان کے چہرے سے عیاں ہے۔

خوشا دلدادهٔ چشمِ خودش بودن در آئینه
ز سرگرمی نگه، صیادِ آهو دیده را ماند

لغت: ''دلدادہ'' = فریفتہ۔ ''صیادِ آہو دیدہ'' = وہ صیاد جس کی نظر ہرن پر پڑ گئی ہو (وہ بڑی بے تابی اور تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے ہرن کو دیکھتا چلا جاتا ہے)۔ ''سرگرمی'' = محویت۔

محبوب کا آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر، اپنی آنکھوں کا گرویدہ ہو جانے کا منظر بھی کیسا دلکش ہے! اس کی نگہ، اس عالمِ محویت میں اس صیاد کی مانند ہے جس نے جنگل میں ہرن کو دیکھ لیا ہو۔ ہرن تیز دوڑتا ہے۔ اور صیاد کی نظریں اسی تیزی سے اس کے ساتھ ساتھ گھومتی ہیں۔ محبوب آئینہ میں اسی محویت کے عالم میں اپنی نظروں کی دلکشی کو دیکھ رہا ہے۔ اس کی نظریں بھی تیزی سے گھومتی ہیں اور وہ بھی عکس کے ساتھ ساتھ صیاد کی طرح گھومتا ہے۔

مرزا غالب نے حیرت زدہ اور بے تاب نظروں کو ''صیادِ آہو دیدہ'' کہا ہے جو ایک متحرک اور نادر تشبیہ ہے۔

غبار از جاده، تا اوجِ سپهرِ ساده، می بالد
ز جوشِ وحشتم، صحرا، دلِ رنجیده را ماند

راستے کا گرد و غبار، فلک سادہ و صاف کی بلندی تک پھیل گیا ہے میرے جوشِ جنوں (وحشت) سے صحرا کی حالت ایک دلِ رنجیدہ کی سی ہے۔

یعنی بیاباں میں، میری وحشت و جنوں سے یوں غبار اُٹھنا جیسے بیاباں کا دل بھی میری طرح غمزدہ اور پریشان ہے اور اس کی آہیں غبار بن کر آسمان تک جاتی ہیں۔

به هر جا می خرامی، جلوه ات در ماست، پنداری
دل از آئینه داری های شوقت، دیده را ماند

لغت: ''آئینہ داری'' = آرائش کے وقت جو عورت سامنے آئینہ لے کر بیٹھتی تھی، وہ آئینہ دار کہلاتی تھی۔

''آئینہ دار'' کا مفہوم عکس کو ظاہر کرنا یا عکاسی کرنا ہے۔

''پنداری'' = لفظی معنی ہیں تو خیال کرے، تو سمجھے۔ یہ لفظ گویا، کا مفہوم دیتا ہے۔ جس کے لفظی معنی 'تو کہے' ہے۔

''از آئینہ داری ھای شوقت'' = تیری محبت کی آئینہ داریوں (عکس) سے۔

تو جہاں بھی خرام کرے، تیرا جلوہ ہمارے اندر (دل میں) ہوتا ہے۔ یوں کہہ لو کہ ہمارا دل تیری محبت کی آئینہ داریاں کرتے کرتے آنکھ بن گیا ہے۔

محبوب کی صورت سامنے ہو تو اس کا عکس آنکھ میں پڑتا ہے۔ یہاں کیفیت یہ ہے کہ محبوب سامنے ہو نہ ہو (کہیں بھی ہو)، اُس کا عکس دل میں موجود رہتا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ دل بھی آنکھ کام کا کر رہا ہے۔ اس شعر کا خطاب محبوبِ حقیقی سے بھی ہو سکتا ہے۔

چه غم ز افتادگی ها، چون روان پا لاست اندوهت
تن از مستی، به کویت، جانِ آرامیده را ماند

لغت: ''افتادگی'' = بے بسی یا عجز سے گرے پڑے ہونے کی حالت۔ ''روان پالا'' =

روح سے لپٹا ہوا۔

''جانِ آرامیدہ'' = وہ جان جو نہایت آرام اور چین میں ہو۔

اگر چہ عاشق محبوب کے کوچے میں، بے بسی کے عالم میں گرا پڑا ہے۔ تاہم اُس کی روح کو سکون حاصل ہے کہ محبوب کی گلی میں ہونے سے اُس کے قرب کا احساس ہو رہا ہے۔ کہتا ہے:

مجھے ان افتادگیوں کا کیا فکر، جب تیرا غم میری روح سے ہم آغوش ہے، میرا جسم مستی بھری حالت کے باعث، اس جان کے مشابہ ہے جسے سکون حاصل ہو۔

بہار از رنگ و بو در پیشگاہِ جلوۂ نازش

گدایانِ نثار از رہگذر برچیدہ را ماند

لغت: ''پیشگاہ'' = کسی محل یا مکان کی ڈیوڑھی یا اگلے حصے کو کہتے ہیں۔

''نثار'' = جو چیز، نذر یا صدقے میں لٹائی جائے۔ عام طور پر یہ چیز جب کسی کے سر پر سے وار کر بکھیری جاتی ہے تو سڑک کے کنارے بیٹھے فقیر اسے اٹھا لیتے ہیں۔ ان گداؤں کو شاعر نے ''گدایانِ نثار از رہگذر برچیدہ'' کہا ہے یعنی وہ گدا جنہوں نے سڑک پر سے نثار کی ہوئی چیزیں یا مال اٹھایا ہو۔

❁❁❁

غزل نمبر (۱۸)

شادم بہ خیالت کہ ز تابم بدر آورد

از کشمکشِ حسرتِ خوابم بدر آورد

تیرے خیال (یاد) سے خوش ہوں کہ جس نے مجھے پیچ و تاب سے نجات دلائی اور حسرت خواب کی کشمکش سے فارغ کر دیا، یعنی تصور میں بیٹھ کر رات گزارنا، نیند کو ترسنے سے بہتر ہے۔

فریاد کہ شوقِ تو بہ کاشانہ زد آتش

وانگاہ پیِ بردن آبم بدر آورد

افسوس تیری محبت نے میرے کاشانے کو پہلے آگ لگائی اور پھر مجھے پانی لانے کے لیے گھر سے باہر بھیج دیا۔

پانی سے مقصود آنسو بہانا ہے۔

رسوائی من خواست مگر، کاین ھمہ سرمست

دور فلک از بزمِ شرابم بدر آورد

گردش فلک نے مجھے اتنی سرمستی کے عالم میں، بزم شراب سے نکال دیا، شاید اس کا مقصد مجھے رسوا کرنا تھا۔

افگندہ بہ جیحون فلک از وادی و شادم

کز پیچ و خم موجِ سرابم بدر آورد

آسمان نے مجھے زمین (وادی) سے اٹھا کر سمندر میں ڈال دیا اور میں خوش ہوں کہ اس موج سراب کے پیچ و تاب (دنیا) سے تو مجھے نجات مل گئی۔

دنیا کو موج سیراب کیا ہے جو ایک دھوکا ہے ۔اس سراب سے تو غرق آب ہونا ہی اچھا ہے۔

جان بر سر مکتوبِ تو از شوق فشاندن
از عهدهٔ تحریر جوابم بدر آورد

میں نے فرطِ شوق میں تیرے خط پر اپنی جان قربان کر دی، اور اس سے میں تیرے خط کے جواب لکھنے کی تکلیف سے بری ہو گیا۔

نازم به نگاهت که ز سرمستیِ انداز
از تفرقهٔ مهر و عتابم بدر آورد

تیری نگاہ پر قربان جاؤں کہ اس کے انداز مستانہ نے مجھے مہر و عتاب کے تفرقے سے آزاد کر دیا ہے، یعنی تیری نگاہ کے انداز کچھ ایسے ہیں کہ یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ یہ محبت کی نظر ہے یا عتاب کی۔اس لئے عاشق مہر و عتاب کے جھنجھٹ میں پڑنے سے فارغ ہے۔

ساقی نگهی تا بشناسم ز چه جام است
آن باده که از بندِ حجابم بدر آورد

اے ساقی کوئی ایسی نظر ڈال کہ میں پہچان سکوں کہ وہ شراب کس جام سے لی گئی ہے جس نے میری آنکھوں سے سب حجاب اٹھا دیے۔

اس شعر میں لطیف نکتہ یہ ہے کہ وہ شراب درحقیقت ساقی کی نگاہ لطف ہی ہے اور اس

کے اثر سے حجاب اٹھے ہیں۔

نازم به گرانمایگیِ سعیِ تحیّر
کز سر حد این دیر خرابم بدر آورد

لغت: ''تحیّر'' = حیرت۔ صوفیا کے نزدیک ایک ایسا مقام جہاں آدمی اپنے آپ سے کھو جاتا ہے۔

اس حیرت کے مقام بلند پر ناز کرتا ہوں جو مجھے ان دنیاوی حدود (دیر خراب) سے باہر نکال لایا ہے۔

آن کشتیِ اشکسته ز موجم که تباهی
افگند در آتش، گر از آبم بدر آورد

مولانا حالی لکھتے ہیں:

جب کشتی موج کے تھپیڑوں سے ٹوٹ جاتی ہے تو اس کے تختوں کو پانی سے نکال کر آگ میں ایندھن کی جگہ جلاتے ہیں۔ اپنے تئیں کہتا ہے کہ
میری مثال بھی اسی کشتی کی سی ہے کہ ڈوبنے سے بچا تو آگ میں جھونکا گیا۔

غالب! ز عزیزان وطن بوده ام، اما
آوارگی از فردِ حسابم بدر آورد

غالب! میں بھی عزیزانِ وطن میں شمار ہوتا تھا، لیکن میری آوارگی نے مجھے اس شمار سے خارج کر دیا۔

❁❁❁

غزل نمبر(۱۹)

نفس بہ گرد دل از مہر می تپد بہ فراقت
چو طائری کہ بسوزانی آشیانش و لرزد

لغت: ''نفس'' = سانس ہے اور سانس کی حرکت کے مطابق دل حرکت کرتا ہے

کہتا ہے:

میرا سانس تیرے فراق میں محبت کے جوش میں اس پرندے کی طرح تڑپ رہا ہے، جس کا گھونسلا جل گیا ہو اور وہ لرز رہا ہو۔

یہاں فراق میں تڑپتے ہوئے دل کو جلے ہوئے آشیانے سے، اور سانس کو آشیانے میں رہنے والے پرندے سے تشبیہ دی ہے جو بڑی خوبصورت اور موزوں ہے۔ اس سے شعر پڑھنے والے کے ذہن میں ایک زندہ تصویر ابھر آتی ہے۔

منم بہ وصل بہ گنجینہ راہ یافتہ دزدی
کہ در ضمیر بود بیم پاسبانش و لرزد

وصل میں میری کیفیت اُس چور کی سی ہے کہ جس کی کسی خزانے تک رسائی ہوگئی ہو اور خزانے کے پاسبان سے کانپ رہا ہو (کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں)۔

ز جنبش مژہ، مانی، دم نگہ، بہ مستی
کہ بی ارادہ جہد تیر از کمانش و لرزد

دیکھتے وقت تیری مژگاں یوں حرکت کرتی ہیں جیسے کسی مست کی کمان سے بے ارادہ کوئی تیر نکل گیا ہو اور وہ لرز رہا ہو۔ بڑی متحرک تشبیہ ہے۔ اس میں جذباتی محاکاتی کیفیت پائی جاتی ہے۔

ز شیخ وجد و بہ ذوقِ نشاطِ نغمہ نیابی
مگر بہ دل گزرد مرگِ ناگہانش و لرزد

شیخ کے دل میں نغمہ سن کر وجد کی حالت (کیفیت) کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے (یعنی نہیں ہوتی)۔ شاید اُسے مرگ ناگہانی کا خیال آیا ہے اور وہ اس کے خوف سے کانپ رہا ہے۔ شیخ پارسا کے مصنوعی وجد پر طنز کی ہے۔

فغان ز خجلتِ صرّاف کم عیار کہ ناگاہ
برآورند زرِ قلب ازدکانش و لرزد

اس گھٹیا صراف کی ندامت کس قدر المناک ہے کہ جس کی دکان سے اچانک کھوٹا سونا برآمد ہو اور وہ لرز رہا ہو۔

گراز فشاندن جان شور نیست در سر غالب
چرا بہ سجدہ نهد سر بر آستانش و لرزد

اگر غالب کے سر میں جان نثار کرنے کا سودا نہیں سمایا ہوا تو وہ معشوق کے آستانے پر سجدہ کرتے وقت لرز کیوں رہا ہے۔ (یہ لرزنا خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ محبوب کے آستانے پر جان فدا کرنے کی عظیم سعادت نصیب ہونے کے باعث ہے، گویا یہ اضطراب کی کیفیت ہے)۔

❁❁❁

غزل نمبر (۲۰)

آنانکہ وصلِ یار ھمی آرزو کنند
باید کہ خویش را بگدازند و او کنند

وصل یار کے طالبوں کو چاہیے کہ پہلے وہ اپنے آپ کو گداز کر دیں (ترک خودی کریں) اور سرتا پا وہ (یار) بن جائیں۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

وقت است کز روانی می، ساقیان بزم
پیمانہ را حسابِ لبِ آب جو کنند

مناسب ہے کہ ساقیانِ بزم، شراب کو اس روانی سے بہائیں کہ اُن کے پیمانے (جس سے وہ شراب ناپ کر دیتے ہیں) ایک ندی کے کنارے کی طرح وسیع ہوں۔
یعنی ساقی شراب ندی کی طرح بہائیں جہاں لوگ پیتے جاتے ہیں اور وہ ختم نہیں ہوتی۔

می نالی از نی کہ بہ ناخن شکستہ اند
ای وای، ناخنی بہ دلت گر فرو کنند

لغت: ''نے''=قصب۔
اگر چھلتر تیرے ناخن میں چبھ جائے تو تو فریاد کرنے لگتا ہے۔ اگر کوئی ناخن تیرے دل میں چبھے تو پھر کیا ہو۔

ناخن کا دل میں ''اتر جانا'' انتہائی درد کی علامت ہے۔ جو شخص معمولی دکھ سہ نہیں سکتا۔ وہ عشق کا درد کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ اس میں تو دل میں ناخن چبھونا ہوتا ہے۔

دیوانہ وجہ رشتہ ندارد، مگر ھمان
تاری کشد ز جیب کہ چاکی رفو کنند

دیوانے کے پاس دھاگے کی کہاں گنجائش؟ ہاں یہی ہے کہ گریباں سے کوئی تار کھینچ لے اور کوئی چاک (مثلاً چاک دامن رفو کرا لے) یعنی چاک عشق رفو نہیں ہو سکتا، بلکہ رفو کی کوشش ایک اور چاک پیدا کر دیتی ہے۔

خون ھزار سادہ بہ گردن گرفتہ اند
آنانکہ گفتہ اند نکویان نکو کنند

لغت: ''سادہ''=محبوب کو کہتے ہیں۔ یہاں بھولا بھالا عاشق مراد ہے۔ ''نکویاں''= حسیں رو۔
جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ معشوق وفا کرتے ہیں وہ ہزار سادہ لوح بھولے بھالے لوگوں کے خون کو اپنی گردن پر لے لیتے ہیں۔ (کیوں کہ ان کے کہنے پر کئی نادان اعتبار کر کے اپنی جانیں عشق میں گنوا دیتے ہیں)۔

لب تشنہ جوی آب شمارد سراب را
می زیبد ار بہ ھستی اشیا غلو کنند

ایک پیاسا سراب کو جوئے آب سمجھ لیتا ہے، چنانچہ اگر کائنات کی اشیاء کے وجود کے

غزل نمبر (۱۹)

نفس بہ گرد دل از مہر می تپد بہ فراقت
چو طائری کہ بسوزانی آشیانش و لرزد

لغت: ''نفس'' = سانس ہے اور سانس کی حرکت کے مطابق دل حرکت کرتا ہے

کہتا ہے:

میرا سانس تیرے فراق میں محبت کے جوش میں اس پرندے کی طرح تڑپ رہا ہے، جس کا گھونسلا جل گیا ہو اور وہ لرز رہا ہو۔

یہاں فراق میں تڑپتے ہوئے دل کو جلے ہوئے آشیانے سے، اور سانس کو آشیانے میں رہنے والے پرندے سے تشبیہ دی ہے جو بڑی خوبصورت اور موزوں ہے۔ اس سے شعر پڑھنے والے کے ذہن میں ایک زندہ تصویر ابھر آتی ہے۔

منم بہ وصل بہ گنجینہ راہ یافتہ دزدی
کہ در ضمیر بود بیم پاسبانش و لرزد

وصل میں میری کیفیت اُس چور کی سی ہے کہ جس کی کسی خزانے تک رسائی ہوگئی ہو اور خزانے کے پاسبان سے کانپ رہا ہو (کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں)۔

ز جنبش مژہ، مانی، دم نگہ، بہ مستی
کہ بی ارادہ جہد تیر از کمانش و لرزد

دیکھتے وقت تیری مژگاں یوں حرکت کرتی ہیں جیسے کسی مست کی کمان سے بے ارادہ کوئی تیر نکل گیا ہوں اور وہ لرز رہا ہو۔ بڑی متحرک تشبیہ ہے۔ اس میں جذباتی محاکاتی کیفیت پائی جاتی ہے۔

ز شیخ وجد و بہ ذوقِ نشاطِ نغمہ نیابی
مگر بہ دل گزرد مرگِ ناگہانش و لرزد

شیخ کے دل میں نغمہ سن کر وجد کی حالت (کیفیت) کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے (یعنی نہیں ہوتی)۔ شاید اُسے مرگ ناگہانی کا خیال آیا ہے اور وہ اس کے خوف سے کانپ رہا ہے۔ شیخ پارسا کے مصنوئی وجد پر طنز کی ہے۔

فغان ز خجلتِ صرّاف کم عیار کہ ناگاہ
برآورند زرِ قلب ازدکانش و لرزد

اس گھٹیا صراف کی ندامت کس قدر المناک ہے کہ جس کی دکان سے اچانک کھوٹا سونا برآمد ہو اور وہ لرز رہا ہو۔

گر از فشاندن جان شور نیست در سر غالب
چرا بہ سجدہ نہد سر بر آستانش و لرزد

اگر غالب کے سر میں جان نثار کرنے کا سودا نہیں سمایا ہوا تو وہ معشوق کے آستانے پر سجدہ کرتے وقت لرز کیوں رہا ہے۔ (یہ لرزنا خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ محبوب کے آستانے پر جان فدا کرنے کی عظیم سعادت نصیب ہونے کے باعث ہے، گویا یہ اضطراب کی کیفیت ہے)۔

❀❀❀

غزل نمبر (۲۰)

آنانکه وصلِ یار همی آرزو کنند
باید که خویش را بگدازند و او کنند

وصل یار کے طالبوں کو چاہیے کہ پہلے وہ اپنے آپ کو گداز کر دیں (ترک خودی کریں) اور سرتا پاوہ (یار) بن جائیں۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

وقت است کز روانی می، ساقیان بزم
پیمانه را حسابِ لبِ آب جو کنند

مناسب ہے کہ ساقیان بزم، شراب کو اس روانی سے بہائیں کہ اُن کے پیمانے (جس سے وہ شراب ناپ کر دیتے ہیں) ایک ندی کے کنارے کی طرح وسیع ہوں۔
یعنی ساقی شراب ندی کی طرح بہائیں جہاں لوگ پیتے جاتے ہیں اور وہ ختم نہیں ہوتی۔

می نالی از نی که به ناخن شکسته اند
ای وای، ناخنی به دلت گر فرو کنند

لغت: ''نے'' = قصب۔
اگر چھلتر تیرے ناخن میں چبھ جائے تو تو فریاد کرنے لگتا ہے۔ اگر کوئی ناخن تیرے دل میں چبھے تو پھر کیا ہو۔

ناخن کا دل میں ''اتر جانا'' انتہائی درد کی علامت ہے۔ جو شخص معمولی دکھ سہ نہیں سکتا۔ وہ عشق کا درد کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ اس میں تو دل میں ناخن چبھونا ہوتا ہے۔

دیوانه وجه رشته ندارد، مگر همان
تاری کشد ز جیب که چاکی رفو کنند

دیوانے کے پاس دھاگے کی کہاں گنجائش؟ ہاں یہی ہے کہ گریباں سے کوئی تار کھینچ لے اور کوئی چاک (مثلاً چاک دامن رفو کرالے) یعنی چاک عشق رفو نہیں ہو سکتا، بلکہ رفو کی کوشش ایک اور چاک پیدا کر دیتی ہے۔

خون هزار ساده به گردن گرفته اند
آنانکه که گفته اند نکویان نکو کنند

لغت: ''سادہ'' = محبوب کو کہتے ہیں۔ یہاں بھولا بھالا عاشق مراد ہے۔ ''نکویاں'' = حسیں رو۔
جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ معشوق وفا کرتے ہیں وہ ہزار سادہ لوح بھولے بھالے لوگوں کے خون کو اپنی گردن پر لے لیتے ہیں۔ (کیوں کہ ان کے کہنے پر کئی نادان اعتبار کر کے اپنی جانیں عشق میں گنوا دیتے ہیں)۔

لب تشنه جوی آب شمارد سراب را
می زیبد ار به هستی اشیا غلو کنند

ایک پیاسا سراب کو جوئے آب سمجھ لیتا ہے، چنانچہ اگر کائنات کی اشیاء کے وجود کے

غزل نمبر (۱۴)

بہ شغل انتظار مهوشان در خلوت شب‌ها
سر تار نظر شد رشتۂ تسبیح کوکب‌ها

لغت:- ''مہوشاں'' = چاند جیسے، مراد معشوق
''کوکب ہا''۔ ستارے۔

ترجمہ: راتوں کی تنہائیوں میں معشوقوں کے انتظار میں مشغول ہونے سے ہمارا تارِ نظر ستاروں کی تسبیح کا دھاگا بن گیا ہے۔

حل: عشاق کا انتظار کی راتوں کو تارے گن کر گزارنا معروف ہے۔ یہاں اسی خیال کو ایک بلیغ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ عاشق کی نظر کا مسلسل ایک ستارے سے اٹھ کر دوسرے ستارے پر پڑنا، ایسا ہے کہ ستارے تسبیح کے دانوں کی طرح ایک ہی لڑی میں منسلک ہو رہے ہیں۔ (اس اعتبار سے) مہوشاں کا لفظ یہاں نہایت موزوں ہے۔

بروی برگ گل تا قطرۂ شبنم نہ پنداری
بہار از حسرت فرصت بدندان میگزد لبها

لغت:- تا بمعنی زنہار

ترجمہ وحل: پھول کی پتیوں پر جو پانی کے قطرے نظر آرہے ہیں۔ ہرگز انھیں قطرات

شبنم نہ سمجھنا یہ تو بہار اپنی کم فرصتی سے رنجیدہ ہو کر (کبیدہ خاطر ہو کر) حسرتناک انداز میں، دانتوں سے اپنے لب کاٹ رہی ہے۔

بدنداں لب گزیدن انتہائے رنج وحسرت کی علامت ہے۔ شاعر کا خیال ہے کہ وہ قطرات شبنم، اصل میں بہار کے دانت ہیں جن سے وہ لب کو کاٹ رہی ہے۔ کیونکہ اسے اپنی ناپائداری کا احساس ہے۔ گویا دنیا کا عیش کسی آئندہ غم کا پیش خیمہ ہوتا ہے اس کا فانی ہونا اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس شعر میں صنعت حسن تعلیل ہے۔ (شاعر جب کسی اصل واقعہ کی توجیہ کرتا ہے تو اس کی کوئی حسین سی علت بیان کرتا ہے تو وہ حسن تعلیل ہے۔

بہ خلوت خانۂ کامِ نہنگ لازدم خود آ
ستوہ آور دل از ھنگامۂ غوغای مطلب ھا

لغت:- ''کام نہنگ'' = مگرمچھ کا حلق ''ستوہ آمدن'' = عاجز آنا۔ تنگ آنا
''مطلب ہا'' = مجازاً خود غرضیاں ''لا'' = نہیں۔ فنا

ترجمہ وحل: اہل جہاں کی خود غرضیوں کے شور وغوغا سے دل تنگ آ گیا ہے پس میں نے اپنے آپ کو لا کے کام نہنگ میں ڈال دیا ہے۔ یعنی اپنی آرزوؤں کو خیرباد کہہ دیا ہے اور یہی مقام سکون وعافیت ہے۔ انگلستان کے مشہور ادیب کارلائل کا خیال ہے کہ اپنی خواہشات کو صفر بنا دو تو دنیا تمہارے اختیار میں ہوگی۔

کند گر فکرِ تعمیرِ خرابی ھای ما گردون
نیابد خشت مثلِ استخوان بیرون ز قالب ھا

لغت: ''قالب'' اجسام، تعمیر ہا۔

ترجمہ وحل: اگر آسمان ہماری بربادیوں کی تعمیر کی کوشش کرے تو جس طرح تن سے

ہمارا پاؤں تیرے کوچے میں پہنچ کر سو گیا ہے۔ اگر راہِ محبت میں ہمارا سر جا رہا ہے تو پیروں کا کیا جاتا ہے۔ یہ کیوں رک لئے، یعنی عشق کی راہ میں پاؤں عاجز آ جائیں تو آ جائیں، سر سے سودائے عشق نہیں جاتا۔

گوئی مباد در شکنِ طرہ خون شود
دل زانِ تست ازگرہ ماچہ می رود

تو کہتا ہے کہ دل شکن زلف میں گھر کر خون نہ ہو جائے۔ ہمارے اس دل کا تمہیں کیا اندیشہ؟ یہ دل تو تمہارا ہی ہے۔ ہماری گرہ سے کیا جاتا ہے، خون ہو جاتا ہے تو ہو۔

گرہ کا لفظ ایک محاورے (ازگرۂ ماچہ می رود) کے ضمن میں آتا ہے لیکن دل کی رعایت سے یہاں لطف دے گیا ہے۔

پیداست بی نیازی عشق ازفنای ما
گر زورقی شکست ز دریا چہ می رود

ہمارے فنا ہونے سے (مٹنے سے) عشق کی بے نیازی ظاہر ہے۔ اگر ایک کشتی برباد ہوئی تو سمندر کا کیا گیا۔

آئینہ خانہ ایست غبارم ز انتظار
اُو جانب چمن بہ تماشا چہ می رود

لغت: ''آئینہ خانہ'' = وہ کمرہ جہاں چاروں طرف آئینے ہی آئینے جڑے ہوں اور ایک شخص کے ہزاروں عکس اس میں بیک وقت نظر آئیں۔

میرا غبار انتظار میں سرتا پا آئینہ خانہ بنا ہوا ہے۔ وہ چمن کے نظارے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ یعنی اسے ہماری طرف نظر کرنی چاہیے کہ مر کر اور خاک ہو کر بھی ہمارا شوق اور انتظار بدستور قائم ہے۔ دیکھنے کے قابل تو یہ شے ہے، چمن میں کیا رکھا ہے۔

گرجلوۂ رخِ تو بساغر ندیدہ ایم
چندین بہ ذوقِ بادہ دل از جا چہ می رود

اگر ہم نے تیرے چہرے کا عکس ساغر میں نہیں دیکھا تو ہمارا دل اتنے ذوق وشوق سے شراب کو دیکھ کر بے قابو کیوں ہو جاتا ہے۔ حافظ:

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
ای بی خبر ز لذت شرب مدام ما

با ما کہ محوِ لذت بیداد گشتہ ایم
دیگر سخن ز مہر و مدارا چہ می رود

ہم تو تیرے جور و ستم کی لذت میں کھوئے ہوئے ہیں۔ پھر ہم سے مہر و محبت کا تذکرہ کیسا؟

یک رہ اگر بوادیِ مجنون کند گزار
از ساربان ناقۂ لیلیٰ چہ می رود

لغت: ''یک رہ'' = ایک بار۔

اگر ایک بار وادیٔ مجنوں میں سے گزر جائے تو ناقۂ لیلیٰ کے سارباں کا کیا بگڑتا ہے۔

ای شرم باز داشتہ از جلوہ سازیت
از پشت پا بر آئنہ آیا چہ می رود

لغت: ''جلوہ سازی''=جلوہ نمائی۔

''پشت پا'' = پاؤں کا پچھلا حصہ، جو پلٹ کر جانے والے سے نظر آتا ہے۔

شرم وحجاب نے تجھے جلوہ سازی سے باز رکھا۔ خیال کر کہ تیرے (آئینے سے) پلٹ جانے کے سبب آئینے پہ کیا گزری ہوگی۔

آئینہ معشوق کے جلووں سے لذت اندوز ہونے کے لئے آغوش کھولے ہوئے تھا۔ وہ شرم و حجاب کے باعث چلا گیا تو اُس کا (آئینے کا) کیا حشر ہوا ہوگا۔

آئینے کے استعارے کے سلسلے میں اپنی بے تابیٔ نظارہ کا تذکرہ کیا ہے۔

ذوقِ سلیم رکھنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوگی کہ جلوہ سازی اور جلوہ نمائی میں فرق ہے۔ جلوہ سازی میں، آرائش، حسن کا ناز و ادا سبھی کچھ شامل ہے۔

چنانچہ جلوہ سازی کے الفاظ شاعر کی دقت نگاہ اور لطیف ذوقِ حسن کا پتہ دیتے ہیں۔

ہفت آسمان بگردش و ما درمیانہ ایم
غالب دگر مپرس کہ بر ما چہ می رود

سات آسمان کی گردش جاری ہے اور ہم اس کے درمیان (پس رہے) ہیں۔ غالب اب یہ نہ پوچھ کہ ہم پر کیا گزر رہی ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۲۲)

نہ از شرم است کز چشم وی آسان بر نمی آید
نگاهش با درازی هاى مژگان بر نمی آید

محبوب کی نگاہ اگر آنکھ سے باہر نہیں آتی تو یہ شرم کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس لئے کہ اس کی مژگان بہت لمبی ہیں۔

ازین شرمندگی کز بند سامان بر نمی آید
سر شوریدۂ ما از گریبان بر نمی آید

لغت: ''بندِ ساماں''= سامان سے مراد، علائق دنیا ہے انسان دنیا اور دنیا کی خواہشات اور حاجات میں الجھا رہتا ہے۔ شاعر نے اسے بندِ سامان کہا ہے۔

عاشق کو محبت کی دیوانگی میں گریبان چاک کر لینا چاہیے تاکہ اس معمولی لباس سے بھی نجات مل جائے۔ کہتا ہے کہ ہمارا سر، جنونِ شوق کے جوش میں جو گریبان سے باہر نہیں آتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا کے ساز و سامان میں پھنسا ہوا ہے۔

ورنہ

عشق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

گز از رسوائی ناز تو پروا نیست عاشق را
چرا دل خون نمی گردد، چرا جان بر نمی آید

اگر عاشق کو تیرے حسن کے ناز و ادا کے رسوا ہو جانے کا خیال نہیں تو دل خون کیوں نہیں ہوتا اور جان کیوں نہیں نکل جاتی۔ یعنی عاشق محض اس لئے ضبط کیے ہوئے ہے کہ کہیں معشوق بدنام نہ ہو جائے۔

به بزم سوختن دُود از چراغان برنمی خیزد
به باغِ خون شدن بود از گلستان برنمی آید

اس محفل سے جہاں عاشق جلتے ہیں، وہاں چراغوں سے دھواں تک نہیں اُبھرتا۔
جہاں دل خون ہوتے ہیں، وہاں کے گلستاں کے پھولوں کی بو نہیں ہوتی۔
شاعر نے عشاق کی محفل کو ''بزم سوختن'' اور ''باغ خون شدن'' کہا ہے کہ وہاں دل جلتے ہیں اور خون ہوتے ہیں۔ لیکن ان دل جلوں کے سینے سے ضبط کے باعث نہ آہ نکلتی ہے اور نہ دلوں کے خون ہونے کی بو آتی ہے۔

سرت گردم بزن تیغ و دری بر روی دل بکشا
دلم تنگ است کار از زخم پیکان برنمی آید

لغت: ''سرت گردم'' = تیرے قربان جاؤں۔
''دل تنگ'' = دل افسردہ، غم سے گھٹا ہوا دل۔
تیرے قربان جاؤں، میرے سینے کو تیغ سے چاک کر دے تاکہ میرے دل کے لئے دروازہ کھل جائے۔ میرا دل تو غم زدہ ہے اس کی گھٹن (تنگی) نوک تیر سے دور نہیں ہو سکے گی۔

شگفتن عرض بی تابی است، هان ای غنچه، میدانم
دلت با نالهٔ مرغ سحر خوان برنمی آید

لغت: ''عرض بے تابی'' = بے تابی اور بے چینی کا اظہار۔ ''با کسی برآمدن'' = کسی سے عہدہ برآ ہونا۔ مقابلہ کرنا۔

پھول کھلتے ہیں تو ان کا کھلنا ان کے دلوں کے اضطراب کا اظہار ہوتا ہے۔ کھلے ہوئے پھولوں پر پرندے نغمہ خواں ہوتے ہیں تو وہ بھی اپنی بے تابیوں کے باعث فریاد کرتے ہیں۔ شاعر غنچے سے خطاب کر کے کہتا ہے۔ کھلنا بے تابی کے اظہار کا نام ہے، صبح کے نغمہ گانے والے پرندے کا ہمنوا نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ تجھ میں وہ تڑپ نہیں۔

همان خون کردن و از دیده بیرون ریختن دارد
دلی کز عهدهٔ غم های پنهان برنمی آید

جو دل محبت کے غم ہائے پنہاں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا، اس کے نصیب میں خون ہونا اور آنکھوں سے بہنا ہوتا ہے۔

مگر آتش نفس دیوانهٔ مُرد از اسیرانت
که دود از روزنِ دیوار زندان برنمی آید

شاید تیرے اسیرانِ محبت میں سے آتشیں فریادیں کرنے والا دیوانہ مرگیا کہ دیوار زنداں کے روزن سے کوئی دھواں باہر نہیں آتا۔

چه گیرائی است کاین تار زمو باریک تر دارد
کسی از دامِ این نازک میانان برنمی آید

لغت: ''نازک میاں'' = نازک کمر والے معشوق۔ شعراء معشوق کی کمر کو بال سے بھی

زیادہ باریک تصور کرتے ہیں۔

کہتا ہے:

اس بال سے زیادہ باریک کمر (تار) میں کتنی گرفت ہے کہ ان نازک کمر معشوقوں کے جال سے کوئی باہر نہیں آسکتا۔

مجو آسودگی گر مرد راهی، کاندرین وادی
چو خار از پا برآمد، پا ز دامان برنمی آید

لغت: ''مردراہ'' = راہ چلنے والا، زندگی کی راہیں۔ طے کرنے والا۔

اگر تو مرد راہ ہے تو آسودگی کی تلاش نہ کر، کیوں اس وادیٔ حیات میں، اگر کانٹا پاؤں سے نکل جائے تو پاؤں دامن سے باہر نہیں آتا۔

یعنی کسی حالت میں آدمی دنیا کے مخمصوں سے نجات نہیں پاسکتا۔ اگر کانٹا پاؤں سے نکل جائے تو پاؤں دامن سے الجھے گا۔

برم پیش که یا رب شکوهٔ اندوهِ دلتنگی
نفس چند انکه می نالم، پریشان برنمی آید

اے خدا میں اس دل کی افسردگی کا دکھڑا کس سے روؤں۔ میں جتنی بھی فریاد کرنا چاہوں، میرا سانس پریشان ہو کر باہر نہیں آتا۔ اتنی گھٹن ہے۔

بدوش خلق نعشم عبرت صاحبدلان باشد
بپای خود کسی از کوی جانا برنمی آید

میری نعش لوگ اٹھائے ہوئے ہیں (کوچۂ جاناں سے باہر لا رہے ہیں) اور یہ منظر صاحب دل (اہل دل) لوگوں کے لئے عبرت ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کوچۂ جاناں میں جا کر پھر کوئی شخص اپنے پاؤں سے چل کر باہر نہیں آتا۔

برآر از بزم بحث ای جذبهٔ توفیق غالب را
که ترک سادهٔ ما با فقیهان برنمی آید

لغت: ''توفیق'' = اللہ تعالیٰ کے فضل کا انسان کے شامل حال ہونا۔ ''جذبۂ توفیق'' = فضل خدا کا احساس۔

''ترک سادۂ ما'' = ہمارا سادہ دل ترک یعنی خود غالب۔

اے جذبۂ توفیق مجھے اس بزم بحث سے باہر لے آ کیوں کہ یہ سادہ دل ترک فقیہوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا (کیوں کہ وہ بحث میں الجھے رہتے ہیں اور دوسروں کو الجھائے رکھتے ہیں)۔

❀❀❀

غزل نمبر (۲۳)

چه عیش از وعده چون باور ز عنوانم نمی آید
به نوعی گفت می آیم که میدانم نمی آید

وعدۂ محبوب سے کیا خوشی ہو سکتی ہے جب کہ اس وعدے کے انداز سے ہی مجھے یقین

نہیں ہوتا اُس نے ''میں آؤں گا'' اُس طرح سے کہا کہ میں سمجھ گیا کہ نہیں آئے گا۔

به ویرانی خوشم، لیکن جهان چون بی تو ویران است

اگر باشم به چمن، یاد از بیابانم نمی آید

مجھے ویرانی پسند ہے لیکن چوں کہ یہ دنیا تیرے بغیر ویران نظر آتی ہے، اس لئے اگر میں چمن میں بھی ہوں تو مجھے بیابان میں جانے کا خیال نہیں (کیوں کہ تیرے فراق میں چمن بھی مجھے ویران نظر آتا ہے)۔

گذشتم زانکه بر زخم دلِ صد پاره، خون گرید

خود اُو را خنده بر چاک گریبانم نمی آید

میں اس بات سے درگزرا کہ وہ (محبوب) میرے پارہ دل کے زخموں پر خون کے آنسو بہائے۔ اسے تو میرے چاک گریباں پر ہنسی بھی نہیں آتی۔ (یعنی بے حد بے نیاز ہے)۔

خود کا لفظ یہاں خود یا اپنے آپ کا نہیں۔ یہ لفظ محاورۃً آیا ہے اور اس مفہوم ''تو'' کے اردو لفظ سے ادا ہوسکتا ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے۔ خود او را یعنی اسے تو۔

روش نکسته و در سایهٔ دیوار ننشسته

به کویش رشک بر مهرِ درخشانم نمی آید

مہر درخشاں اپنی رفتار نہیں بدلتا اور سایۂ دیوار یار میں نہیں بیٹھتا، اس لئے مجھے اس پر رشک نہیں آتا (عاشق کو سایۂ دیوار یار میں راحت ملتی ہے۔ جہاں سورج کی روشنی ہوگی وہاں سایہ نہیں، گویا سورج کا سایۂ دیوار یار میں ہونے کا امکان نہیں۔ شاعر نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ سورج کو وہ سایہ نصیب نہیں، اس لئے اُس پر رشک کیوں آئے)۔

دعای خیر شد در حق من نفرین بجان کردن

ز نفرین بسکه می رنجد، به لب جانم نمی آید

لغت: ''نفریں'' = برا کہنا۔ ''نفرین بجان کردن'' = کسی کی جان کو رونا اور اس کے مرنے کی دعا کرنا۔

معشوق کو نفریں ناپسند ہے اور وہ میرے لئے دعائے بد نہیں کرتا اور اسی لئے میرے لبوں پر جاں نہیں آتی اور میں زندہ رہتا ہوں مرتا نہیں۔ یہی بات میرے حق میں دعائے خیر بن گئی ہے۔

ازان بد خود ندانم، چون دهد دلاله در پیدا

نویدی کز نوازشهای پنهانم نمی آید

لغت: ''دلالہ'' = وہ عورت جو کسی کی طرف سے وکالت کرے۔

''نوید'' = خوش خبری۔ ''نوازش ھائی پنھان'' = پوشیدہ مہربانیاں (محبوب کی)۔

محبوب اتنا بدخو ہے کہ اگر وہ در پردہ کوئی مہربانی بھی کرے تو اس سے کوئی خوش خبری کا پہلو نہیں نکلتا۔ چنانچہ کہتا ہے:

اس بدخو کی طرف سے، میں نہیں سمجھتا، دلالہ کونسی علانیہ خوش خبری کا پیغام لے کے آسکتی ہے۔ ایسی خوش خبری جو اس کی چھپی مہربانیوں سے بھی نہیں ملتی۔

جب پوشیدہ مہربانیوں سے اچھا اندازہ نہیں ہوسکتا تو پیغامبر کیا پیغام لائے گا۔

پیدا اور پنہان کے الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسے صنعتِ تضاد کہتے ہیں۔

به راهِ کعبه زادم نیست، شادم کز سبکباری

به رفتن پای بر خارِ مغیلانم نمی آید

لغت: ''مغیلان''=جنگلی جھاڑیاں۔

کعبے کی راہ میں چلنے کے لئے میرے پاس کوئی زاد راہ نہیں ہے اور میں خوش ہوں کہ اس ہلکے بوجھ کے باعث چلنے میں میرا پاؤں خار مغیلاں پر نہیں پڑتا۔

گویا کعبے سے بے نیاز ہوگیا ہے، کعبہ جانے کے لئے سروسامان درکار ہے۔ تقویٰ پرہیزگاری وہ سروسامان تھا اس لئے سفر کعبہ سے نجات مل گئی۔

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

دلش خواهد که تنها سوی من رو آورد لیکن
فریب همرهان، دانم، ز نادانم نمی آید

محبوب کا دل تو چاہتا ہے کہ وہ اکیلا میری طرف آئے لیکن کیا کیا جائے، میرے نادان کو ہمراہیوں کو فریب دینا نہیں آتا (کہ وہ کسی بہانے الگ ہو جائے)۔

مقصود یہ ہے معشوق کا الگ مجھ سے ملنے کو جی بھی چاہے تو رقیبوں سے چھٹکارا ممکن نہیں۔

دبیرم، شاعرم، رندم، ندیمم، شیوه ها دارم
گرفتم رحم برفریاد و افغانم نمی آید

میں نے مان لیا کہ تمہیں میری فریاد اور فغاں پر رحم نہیں آتا لیکن مجھ میں اور بھی بہت سے وصف ہیں (شیوہ ہا دارم ۔ میں دبیر (انشاء پرداز) ہوں، شاعر ہوں، رند ہوں، ندیم (اچھا ہم صحبت) ہوں۔

شود برهم، ولی نه زمهر، پندارد که در خوابم
شبی کآوازِ نالیدن ز زندانم نمی آید

اگر کسی رات زنداں سے میری چیخ پکار کی آواز سنائی نہیں دیتی تو وہ برہم ہو جاتا ہے اور اس کی یہ برہمی اور پریشانی محبت کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ میں سو گیا ہوں (جو آرام اور چین کی علامت ہے) اور وہ یہ گوارا نہیں کرتا۔

ندارم باده غالب، گر سحرگاهش سر راهی
ببینی مست، دانی کز شبستانم نمی آید

غالب میرے پاس شراب نہیں ہے۔ اگر صبح کے وقت وہ (محبوب) مستی کے عالم میں مل جائے تو سمجھ لو وہ میری خواب گاہ سے اٹھ کر نہیں آیا (رقیب کے ہاں سے آیا ہے)۔

❁❁❁

غزل نمبر (۴۴)

چون بپوئی به زمین، چرخ زمین تو شود
خوش بهشتی ست که کس راه نشین تو شود

جب تو زمین پر چلتا ہے تو آسمان اتر کر تیری زمین بن جاتا ہے تیری راہ میں بیٹھنے والے کے لئے یہ ایک بہشت ہے۔

لبم از نام تو آن مایه پُر استی که اگر
بوسه برغنچه زنم، غنچه نگین تو شود

میرے لبوں پر تیرا نام اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ اگر میں کلی کو چوموں تو اس پر تیرا نام کندہ ہو جائے۔

چون به سنجد که نه آن است بکاهد از شرم
ماه یکچند ببالد که جبینِ تو شود

چاند کچھ عرصہ اپنے حسن پہ نازاں ہو کر فخریہ تیری پیشانی بننا چاہتا ہے، لیکن جب دیکھتا ہے کہ نہیں بن سکا تو شرم سے بھر گھٹ جاتا ہے۔ (یعنی مہ کامل بن کر پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے)۔

صد قیامت بگدازند و بهم آمیزند
تا خمیرِ دل هنگامه گزینِ تو شود

لغت: ''ہنگامہ گزین'' = ہنگامہ پسند۔

سو قیامتوں کو گداز کر کے بہم ملا دیا جائے تو پھر کہیں جا کر تیرے ہنگامہ پسند دل کا خمیر بنتا ہے، یعنی معشوق کی طبیعت قیامت کی سی ہے۔

تاب هنگامۀ درد آرم و گویم هیهات
چه کنم تا غمِ هجرِ تو یقینِ تو شود

میں درد و الم کی جاں کاہیوں کو برداشت کرتا ہوں اور کہتا ہوں: ہائے کیا کروں کہ تجھے میرے غم فراق کے دکھوں کا یقین آ جائے۔

به سخن پیچم و اندوه گسارش گردم
برم از غیر دلی راه که حزینِ تو شود

لغت: ''اندوہ گسار'' = غم گسار۔ گسارش میں ش کا ضمیر ''غیر'' یا دل غیر کے لئے آیا ہے۔ ''حزین تو شود'' = مبتلائے غم تو شود یعنی تیری لئے غم زدہ ہو۔ ''غیر'' = رقیب۔

میں رقیب کو باتوں سے بہلاتا اور پھسلاتا ہوں اور اسکی غمگساری کرتا ہوں اور اس طرح سے اُس کا دل جو تیری محبت کے باعث غمزدہ ہو گیا ہے، چھین لیتا ہوں۔

عاشق یہ پسند نہیں کرتا کہ معشوق کی محبت اس کے سوا کسی اور کے دل میں ہو۔ چنانچہ رقیب کی غمگساری کر کے اور اس کے دل کو ہلکا کر کے اُس سے وہ محبت چھین لیتا ہے۔

جلوه جز در دلِ آگاه سرایت نکند
من در آتش فتم از هر که قرینِ تو شود

لغت: ''دل آگاہ'' = وہ دل جسے عرفانِ دوست نصیب ہوا ہو۔

عرفان حسن سے فیضیاب ہونے والے دل ہی میں جلوۂ حسن سرایت کرتا ہے اس لئے جب کسی کو تیرا اقرب نصیب ہونے لگے تو میں رشک کی آگ میں جلنے لگتا ہوں۔

یعنی میرے سوا کسی اور کو یہ سعادت کیوں نصیب ہوئی۔

چشم و دل باخته ام، داد هنر خواهد داد
آن که چون من همه دانِ همه بینِ تو شود

اس شعر کی شرح مولانا حالی نے خوب کی ہے:

چوں کہ میرے دل نے تجھ کو جانا ہے جیسا کہ تو ہے، اور میری آنکھ نے تجھ کو دیکھا ہے

جیسا کہ تو ہے (یہ بات شعر میں مقدر ہے مذکور نہیں) اس لئے دل اور آنکھ کھو بیٹھا ہوں۔ پس میرے اس کام کی داد وہی دے گا جو میری طرح تیرا ہمہ دان اور ہمہ بین ہوگا۔

کفر و دین چیست جز آلائشِ پندارِ وجود
پاک شو پاک کہ ھم کفرِ تو دینِ توشود

لغت: ''پندارِ وجود'' = انسان کی خودی اور انا کا احساس۔ ''آلائش'' = آلودگی۔

تیرے غلط تصور خودی کے سوا کفر و دین کیا ہے۔ اس آلائش سے پاک ہو جاتا کہ تیرا کفر بھی تیرا ایمان (دین) بن جائے۔

کفر و دین کا افتراق انسان کا اپنا پیدا کردہ ہے۔ کافر اپنی انا اور خودی سے اپنے کو راہ راست پر سمجھتا ہے اور مومن خود کو راہ راست پر۔ اگر انسان کا ذہن اس انا سے خالی ہوجائے تو پھر نہ کوئی کافر رہے نہ مومن (بلکہ کفر بھی ایمان کا مقام حاصل کرلے۔ یعنی دونوں میں کوئی فرق نہ رہے)۔

دوزخِ تافتۂ ھست نھادت غالب
آہ از آن دم کہ دمِ باز پسینِ توشود

لغت: ''دمِ باز پسین'' = دمِ واپسیں۔

''غالب! تیرا وجود ایک دہکتا ہوا دوزخ ہے۔ آہ وہ سانس جو تیرا آخری سانس ہوگا''۔

جب ہر سانس دوزخ کی آگ کا شعلہ ہے، ظاہر ہے کہ آخری سانس جو نزع کے عالم میں آتا ہے، کس قدر دشوار ہوگا۔

❀❀❀

غزل نمبر (۲۵)

دیگر از گریہ بدل رسمِ فغان یاد آمد
رگِ پیمانہ زدم، شیشہ بفریاد آمد

ایک بار پھر میرے رونے سے میرے دل میں نالہ و فغاں کا احساس بیدار ہوگیا۔ میں نے پیمانے کی رگ کو چھیڑا تو صراحی فریاد کرنے لگی۔

یعنی غم میں آنسو بہنے لگے تو بجائے غم فرو ہونے کے نالہ و فغاں نے جوش مارا۔ شراب کی کوشش کی کہ غم ہلکا ہو جائے تو اس سے فریادیں اُبھر آئیں، یعنی شراب بھی مداوائے غم نہیں۔

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہیں (غالب)

دل در افروختنش منتِ دامن نکشید
شادم از آہ کہ ھم آتش و ھم باد آمد

لغت: ''منت کشیدن'' = احسان اٹھانا۔

آگ بھڑکانے کے لئے پنکھے سے کام لیا جاتا ہے اور پنکھا نہ ہو تو دامن سے ہوا دی دی جاتی ہے۔

کہتا ہے: دل جلنے لگا تو اس کی آگ کو بھڑکانے کے لیے دامن کا احسان اٹھانا نہ پڑا۔ میں اپنی آہ آتشیں سے خوش ہوں کہ خود آگ ہے اور خود ہی ہوا۔

تا ندانی جگر سنگ کشودن ھدر است
تیشہ داند کہ چھا بر سر فرہاد آمد

لغت: ''ہدر'' = رائگاں، خونِ ہدر وہ خون جس کا نہ کوئی خون بہا ملے اور نہ اُس کا قصاص لیا جائے۔

جگر سنگ کشودن'' = پتھر کے جگر کو کھولنا (چیرنا)۔

''تا'' = یہاں تنبیہ کے معنوں میں آیا ہے۔

کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ پتھر کے دل کو چیرنا رائگاں جاتا ہے، تیشے کو پتا ہے کہ (پہاڑ کاٹنے سے) اُس کے سر پر کیا گزری۔

جس تیشے سے فرہاد نے پہاڑ کو کاٹا تھا اسی تیشے سے اُس نے اپنا سر پھوڑ لیا اور جان دے دی۔ شاعر کے نزدیک یہ پتھر کے دل کو چیرنے کی سزا تھی۔

داغم از گرمیِ شوقِ تو کہ صد رہ بہ دلم
ھمچنان بر اثر شکوۂ بیداد آمد

''تیری محبت کی گرمی نے مجھے جلا دیا ہے کہ میرے شکوہ بیداد کے ساتھ ساتھ ہی میرے دل میں سو بہانے سے آتی رہی''۔

یعنی ایک طرف تو میں تیری جفا کاریوں کے ہاتھوں فریاد کرتا ہوں اور دوسری طرف تیری محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ کیا کروں۔

خیز و در ماتمِ ما سرمہ فرد شوی ز چشم
وقتِ مشاطگیِ حسنِ خدا داد آمد

لغت: ''حسنِ خداداد'' = قدرتی حسن و خوبی۔ ''مشاطگی'' = آرائش۔

ماتم کے عالم میں لوگ روتے ہیں اور رونے سے سرمہ کی سیاہی جاتی رہتی ہے۔ یوں

بھی ماتم میں سرمہ نہیں لگایا جاتا کیونکہ وہ آرائش کی علامت ہوتی ہے۔

اُٹھ اور ہمارے ماتم میں آنسو بہا کر اپنی آنکھوں سے سُرمے کو دھو ڈال، یہ حسن خداداد کی آرائش کا وقت ہے، یعنی عالم غم میں محبوب کے غمناک چہرے سے اس کا حسن اور نکھر آتا ہے۔

مرزا غالب کے تصورِ حسن میں تصور بہت نمایاں ہے کہ حسن غم کی حالت میں زیادہ نکھر آتا ہے۔ اس تصور کو انہوں نے اردو، فارسی اشعار میں جگہ جگہ اور مختلف صورتوں میں پیش کیا ہے:

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جوں جوں کہ اڑتا جائے ہے
رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا

یعنی محبوب کے چہرے کا رنگ اڑے تو گویا ناز و ادا کے طرح طرح کے پھول کھل گئے۔

فارسی شعر میں بھی حسن کے عالم ماتم میں اس کے حسن کا قدرتی انداز ابھر آتا ہے، یعنی اس کی مشاطگی کرتا ہے اور جب سرمہ ڈھل جاتا ہے (جو مصنوعی آرائش کا سامان تھا) تو حسن اپنے فطری رنگ میں نمودار ہوتا ہے۔ اس شعر میں ندرتِ فکر ہے۔

رفتہ بودی دگر از جا بہ سخن سازیِ غیر
منت از بخت کہ خاموشیِ ما یاد آمد

لغت: ''از جا رفتن'' = راہ سے بھٹک جانا۔ دھوکا کھانا۔

تو نے رقیب کی سخن سازی (خوشامد) کی باتوں سے پھر دھوکا کھایا تھا، مگر شکر ہے کہ

لغت: ''ہدر'' = رائگاں، خونِ ہدر وہ خون جس کا نہ کوئی خون بہا ملے اور نہ اُس کا قصاص لیا جائے۔

جگر سنگ کشودن'' = پتھر کے جگر کو کھولنا (چیرنا)۔

''تا'' = یہاں تنبیہ کے معنوں میں آیا ہے۔

کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ پتھر کے دل کو چیرنا رائگاں جاتا ہے، تیشے کو پتا ہے کہ (پہاڑ کاٹنے سے) اُس کے سر پر کیا گزری۔

جس تیشے سے فرہاد نے پہاڑ کو کاٹا تھا اسی تیشے سے اُس نے اپنا سر پھوڑ لیا اور جان دے دی۔ شاعر کے نزدیک یہ پتھر کے دل کو چیرنے کی سزا تھی۔

داغم از گرمی شوقِ تو کہ صد رہ بہ دلم
ھمچنان بر اثر شکوۂ بیداد آمد

''تیری محبت کی گرمی نے مجھے جلا دیا ہے کہ میرے شکوہ بیداد کے ساتھ ساتھ ہی میرے دل میں سو بہانے سے آتی رہی''۔

یعنی ایک طرف تو میں تیری جفا کاریوں کے ہاتھوں فریاد کرتا ہوں اور دوسری طرف تیری محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ کیا کروں۔

خیز و در ماتم ما سرمہ فرد شوی ز چشم
وقتِ مشاطگی حسنِ خدا داد آمد

لغت: ''حسنِ خداداد'' = قدرتی حسن و خوبی۔ ''مشاطگی'' = آرائش۔

ماتم کے عالم میں لوگ روتے ہیں اور رونے سے سرمہ کی سیاہی جاتی رہتی ہے۔ یوں

بھی ماتم میں سرمہ نہیں لگایا جاتا کیونکہ وہ آرائش کی علامت ہوتی ہے۔

اُٹھ اور ہمارے ماتم میں آنسو بہا کر اپنی آنکھوں سے سُرمے کو دھول ڈال، یہ حسن خدا داد کی آرائش کا وقت ہے، یعنی عالم غم میں محبوب کے غمناک چہرے سے اس کا حسن اور نکھر آتا ہے۔

مرزا غالب کے تصورِ حسن میں تصور بہت نمایاں ہے کہ حسن غم کی حالت میں زیادہ نکھر آتا ہے۔ اس تصور کو انہوں نے اردو، فارسی اشعار میں جگہ جگہ اور مختلف صورتوں میں پیش کیا ہے:

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جوں جوں کہ اڑتا جائے ہے

رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتن گل ہائے ناز کا

یعنی محبوب کے چہرے کا رنگ اڑے تو گویا ناز و ادا کے طرح طرح کے پھول کھل گئے۔

فارسی شعر میں بھی حسن کے عالم ماتم میں اس کے حسن کا قدرتی انداز ابھر آتا ہے، یعنی اس کی مشاطگی کرتا ہے اور جب سرمہ ڈھل جاتا ہے (جو مصنوعی آرائش کا سامان تھا) تو حسن اپنے فطری رنگ میں نمودار ہوتا ہے۔ اس شعر میں ندرتِ فکر ہے۔

رفتہ بودی دگر از جا بہ سخن سازیِ غیر
منت از بخت کہ خاموشیِ ما یاد آمد

لغت: ''از جا رفتن'' = راہ سے بھٹک جانا۔ دھوکا کھانا۔

تو نے رقیب کی سخن سازی (خوشامد) کی باتوں سے پھر دھوکا کھایا تھا، مگر شکر ہے کہ

اس کی مصنوعی سخن سازی دیکھ کر تجھ کو ہماری خاموشی یاد آ گئی، جس سے تجھے یہ خیال ہوا کہ سچے عاشق منہ سے کچھ نہیں کہا کرتے (حالی)

خشک و تر سوزیِ این شعلہ تماشا دارد
عشق یک رنگ کنِ بندہ و آزاد آمد

لغت: ''این شعلہ'' = آتش محبت کا شعلہ۔
''یک رنگ کن'' = ایک رنگ دینے والا۔ برابر بنا دینے والا۔
عشق کی آگ کا، جو خشک و تر دونوں کو جلا دیتی ہے، نظارہ قابل دید ہے (تماشا دارد)
عشق بندہ و آزاد کو یکساں بنا دیتا ہے۔
شاعر بندۂ اطاعت گزار کے لئے خشک اور آزاد نافرمان کے لیے تر کا لفظ لایا ہے۔

دید پر ریختہ و از قفسم کرد آزاد
رحم در طینتِ ظالم، ستم ایجاد آمد

اس نے دیکھا کہ میرے پر جھڑ گئے ہیں تو قفس سے مجھے رہا کر دیا۔ ظالم کے دل میں رحم تو آیا، لیکن ستمگار بن کے آیا۔ یعنی قید محبت سے رہا کرنا بھی تو عاشق پر ایک ظلم ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ یہ اب محبت کے قابل نہیں رہا۔ (یہ رہائی تو قطع تعلق ہوا):

قطع کیجیے نہ تعلق مجھ سے
دوستی نہ سہی عداوت ہی سہی

بر در یار چہ غوغاست، عزیزان بروید
خون بہا مزدِ سبکدستی جلاد آمد

لغت: ''سبکدستی'' = چابکدستی، تیزی کار، سبک دستی اور چابک دستی میں یہ لطیف فرق ہے کہ سبک دستی میں تیزی اور کام کا حسن اور سلیقہ دونوں شامل ہوتے ہیں۔
''خون بہا'' = وہ رقم یا صلہ جو مقتول کے عزیزوں کو قتل کے عوض دیا جائے۔
جلاد نے عاشق کا خون بہایا اور اس میں بڑی سبکدستی دکھائی جس سے عاشق کو جان دینے میں آسانی ہوئی۔ اس بات پر محبوب خفا ہوا اور شور مچایا کہ ایسا کیوں ہوا، وہ تو عاشق کو اذیت دے کر خوش ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے کہ دوستو، یار کے دروازے پر کیسا شور و غوغا بپا ہے۔ میرا خوں بہا جلاد کی سبکدستی کی نذر ہو گیا، لیکن میرا جان دینا بھی کام نہ آیا۔

دادہ خونین نفسی درسِ خیالم غالب
رنگ بر روی من از سیلیِ استاد آمد

لغت: ''سیلیِ اُستاد'' = استاد کا طمانچہ۔
پہلے مصرعے کی نثر یوں ہے:
درسِ خیال مرا نفس خونیں داد، یعنی محبوب کے تصور میں میں نے خونین سانس بھرے۔
اس سے چہرے پر سرخی آئی اور یہ سرخی گویا ایسی سرخی تھی جو استاد کے طمانچے سے شاگرد کے چہرے پر آجاتی ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۲۶)

دوش کز گردش بختم گلہ بر روئی تو بود

چشم سوی فلک و روی سخن سوی تو بود

کل رات جب میں تیرے سامنے اپنے نصیب کی گردش کا گلہ کر رہا تھا تو میری آنکھ آسمان کی طرف تھی اور باتیں تجھ سے کر رہا تھا۔

معشوق کے جور و ستم میں عاشق کی بدنصیبی بھی شامل ہے جو آسمان کی طرف سے ملی ہے۔

آنچہ شب شمع گمان کردی و رفتی بہ عتاب

نفسم پردہ کشای اثر خوی تو بود

رات جس کو تو نے شمع سمجھ لیا اور برہم ہو کر چلا گیا، وہ شمع نہیں تھی، وہ میرا سانس تھا، جس سے تیرے آتشین مزاج ہونے کا پتا چلتا تھا۔

عاشق کے گھر میں شمع کہاں، وہ تو تیری خو کے اثر سے اس کی آتشین فریادیں تھیں جو شمع کی طرح روشنی کیے ہوئے تھیں۔

چرخ کج باخت بہ من، درخمِ دامِ تو فگند

نعلِ واژونِ بلا حلقۂ گیسوی تو بود

لغت: ''نعل واژون'' = ٹیڑھی نعل جو بدبختی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ آسمان مجھ سے چال چل گیا، مجھے تیری محبت کے جال میں ڈال دیا۔ یہ مصیبت کی ٹیڑھی نعل نہیں تھی، یہ تیری زلفوں کے پیچ و خم تھے۔

دوست دارم گرھی را کہ بہ کارم زدہ اند

کاین ھمان است کہ پیوستہ در ابروی تو بود

میرے کاموں میں جو گرہ پڑی ہے، وہ مجھے اس لیے پسند ہے کہ یہ وہی گرہ ہے جو ہمیشہ تیرے ابرو پر پڑی رہتی تھی۔ ابرو پر گرہ ہونا برہمی مزاج کی علامت ہے۔ کہتا ہے کہ دراصل میری بدبختی کی وجہ یہ ہے کہ تو مجھ سے برہم رہتا تھا۔

چہ عجب، صانع اگر نقش دھانت گم کرد

کو خود از حیرتیانِ رخِ نیکوی تو بود

لغت: ''صانع'' سے مراد صانع قدرت۔ خالق۔

اگر خالق کائنات تیرا دہن بنانا بھول گیا تو کوئی عجیب بات نہیں، وہ تو تجھے بناتے ہوئے خود تیرے حسین و جمیل چہرے سے حیرت زدہ ہونے والوں میں سے تھا۔

یعنی صانع ازلی خود تیرے حسن پر فریفتہ تھا۔

شب چہ دانی، زتو در بزم بہ خوبان چہ گذشت

خاصہ بر صدر نشینی کہ بہ پہلوی تو بود

تجھے کیا معلوم، تیری وجہ سے رات محفل میں حسینوں پہ کیا گزری، خاص کر اس صدر نشیں پر (جو بزم میں سب سے نمایاں شخصیت سمجھا گیا تھا) جو تیرے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔

مردن و جان بہ تمنای شھادت دادن

ھم ز اندیشۂ آزردنِ بازوی تو بود

مرنا اور تمنائے شہادت میں مرنا (جاں دادن) اس لیے تھا کہ مجھے اندیشہ تھا کہ تیرے ہاتھوں شہادت پائی تو تیرے بازو کو تکلیف ہوگی۔

عاشق اسی لیے معشوق کے ہاتھوں قتل نہ ہوسکا اور شہادت کی تمنا لے کر مرگیا کہ وہ محبوب دست نازک کو زحمت دینا نہیں چاہتا تھا۔

خلد را از نفس شعلہ فشان می سوزم

تا ندانند حریفان کہ سر کوی تو بود

میں اپنے آتشیں سانس سے جنت کو جلا رہا ہوں تا کہ میرے حریفوں کو یہ پتا نہ چلے کہ یہی تیرا کوچہ ہے۔

روشِ بادِ بھاری بہ گمانم افگند

کاین گل و غنچہ پی قافلۂ بوی تو بود

بہار کی ہوا کی رفتار سے مجھے یہ شبہ ہوا کہ پھولوں اور کلیوں کا ہجوم (جو آمد بہار کا نتیجہ ہے) تیرے قافلۂ بو کے پیچھے چلا جارہا ہے۔

یعنی یہ بہار، یہ بہار کے رنگین پھول، یہ معطر ہوائیں تیرے ہی حسن کی گرویدہ ہیں اور تیری محبت میں سرشار ہورہی ہیں۔ یہ شعر محبوب حقیقی کے بارے میں بھی صادق آتا ہے۔

بہ کفِ باد مباد اینہمہ رسوائی دل

کآخر از پردگیانِ شکن موی تو بود

لغت: ''پردگی'' = پردہ سے اسم فاعل پردہ نشین۔

ہوا آتی ہے تو اُس سے معشوق کی زلفوں کی معطر ہوا ہر طرف پھیل جاتی ہے، جو معشوق کی شہرت بلکہ بقول عاشق کے، دل کی رسوائی کا باعث بنتی ہے کیونکہ وہ ان زلفوں کے پیچ و خم میں چھپا بیٹھا ہے۔

ھم از آن پیش کہ مشاطہ بد آموز شود

نقش ھر شیوہ در آیینۂ زانوی تو بود

لغت: ''مشاطہ'' = آرائش حسن کرنے والی عورت۔

''بدآموز'' = برا سبق سکھانے والا۔ ''شیوہ'' = ناز و ادا۔

''آیینۂ زانو'' = میں اضافت تشبیہی ہے یعنی وہ زانو جو آئینے کی طرح ہے (آئینہ کا کام دے رہا ہے)۔

پیشتر اس کے کہ تجھے مشاطہ ناز و انداز سکھاتی (بدآموزی کرتی) ہر ادا کا نقش تیرے آئینۂ زانو میں موجود تھا۔

جب انسان، خیالات میں محو ہوتا ہے تو اس کی نظریں زانو پر لگی ہوتی ہیں، اور سوچ کے عالم میں خیالات مجسم تصویروں کی طرح اس کے سامنے آتے ہیں (مراد تصورات)۔

شاعر کہتا ہے کہ پیشتر اس کے کہ مشاطہ تیرے حسن کی آرائش کرکے اُسے طرح طرح کے ناز و ادا سکھاتی، یہ تمام انداز حسن کے تصور میں پہلے سے موجود تھے۔

اس شعر کا خطاب محبوب حقیقی سے بھی ہوسکتا ہے۔

لالہ و گل دمد از طرفِ مزارش پسِ مرگ

تا چھا در دلِ غالب ھوسِ روی تو بود

غالب کے دل میں تیرے چہرے کو دیکھنے کی کس قدر تمنا تھی کہ مرنے کے بعد اس کے مزار کے اطراف میں لالے اور گلاب کے سرخ پھول پھوٹ پڑے ہیں۔

❁❁❁

غزل نمبر(۲۷)

گر چنین نازِ تو آمادۂ یغما ماند
بہ سکندر نہ رسد ہرچہ ز دارا ماند

لغت: "یغما"=لوٹ، مال غنیمت۔

سکندر نے دارا (شہنشاہ ایران) کو شکست دی تھی۔ یہاں سکندر سے مراد ہے بادشاہ فاتح اور دارا سے بادشاہ مفتوح۔ کہتا ہے کہ اگر تیرا ناز حسن یوں ہی لوٹ پر آمادہ رہا تو جو کچھ باقی بچ رہے گا، وہ سکندر کو بھی نہیں مل سکے گا، یعنی سب تیرے دستبرد کا شکار ہوگا۔

دل و دینی بہ بہای تو فرستم حاشا
وام گیر آنچہ ز بیعانۂ سودا ماند

میں نے عشق کے سودے میں دل اور دین بطور قیمت کے دے دیے۔ اگر سودے کے بیعانے میں کچھ رہ گیا ہو تو بطور قرض کے وہ بھی وصول کرلے۔

ھم بہ سودای تو خورشید پرستم، آری
دل ز مجنوں بَرَد آھو کہ بہ لیلیٰ ماند

اگر میں آفتاب کی پرستش کروں تو وہ درحقیقت تیری ہی پرستش ہے جیسے مجنوں ہرنوں پر اس لیے فریفتہ تھا کہ اُن کی آنکھیں لیلیٰ سے مشابہ تھیں۔

باوجود تو دم از جلوہ گری نتوان زد
در گلستانِ تو طاؤس بہ عنقا ماند

تیرے موجود ہوتے ہوئے بھی تیرے جلوے سے ہمکنار ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ تیرے گلستان میں طاؤس بھی عنقا سے ملتا جلتا ہے، یعنی اس کی کوئی ظاہری صورت نظر نہیں آتی۔

شکوۂ دوست ز دشمن نتوانم پوشید
گر غم ھجر چنین حوصلہ فرسا ماند

اگر جدائی کا غم اسی طرح بے صبر کردینے والا رہا تو دوست کا شکوہ ضبط نہ کیا جاسکے گا، یہاں تک کہ اُس کو دشمنوں سے بھی نہ چھپا سکوں گا۔

ساز آوازۂ بدنامی رہزن شدن است
آہ از آن خستہ کہ از پویہ بہ رہ وا ماند

لغت: "واماند"=تھک کر رہ جائے۔ "پویہ"=چلنا۔

افسوس اس خستہ تن رہرو پر جو چلتے چلتے راستے میں ہمت ہار کر بیٹھ جائے۔ یقیناً یہ بات رہزن کی بدنامی کا باعث ہوگی۔ ایسے مسافر کو رہزن آسانی سے لوٹ سکتا ہے اور مفت میں بدنام ہوتا ہے۔

بندۂ را کہ بفرمانِ خدا راہ رود

نگذارند کہ در بند زلیخا ماند

جو بندہ فرمان خدا پر چلتا ہے، وہ زلیخا کی قید و بند میں نہیں پھنستا، یوسف بندۂ حق تھے، زلیخا کے غلام ہوتے ہوئے بھی آزاد رہے۔

مہ بباغ از افقِ سرو شبی کرد طلوع

سرو گفتند و بدان ماہ سراپا ماند

لغت: ''ماہ سراپا'' = اسم فاعل ترکیبی ہے۔ ماہ کے سراپا والا معشوق۔

ایک رات سرو کے پیچھے سے چاند طلوع ہوا، سب نے اُسے سرو کہا حالانکہ وہ اس ماہ کے جسم رکھنے والے کی طرح تھا۔

بعد صد شکوہ بہ یک عذر تسلی نشوم

کاین چنین مہر ز سردی بہ مدارا ماند

لغت: ''تسلی نشوم'' = میں مطمئن نہیں ہوسکتا۔

اتنے شکوؤں کے بعد ایک معذرت سے مجھے کیا اطمینان ہوگا کیونکہ ایسی محبت (مہر) اپنی سرد مہری کے باعث محض ظاہری مدارات ۔ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

در بغل دشنہ نہان ساختہ غالب امروز

مگذارید کہ ماتم زدہ تنہا ماند

آج غالب نے بغل میں خنجر چھپایا ہوا ہے۔ اس غمزدہ انسان کو اکیلا نہ چھوڑنا (کہیں وہ چپکے سے اپنے آپ کو ہلاک نہ کرلے)۔

غزل نمبر (۲۸)

در کلبۂ ما، از جگرِ سوختہ بُود بُرد

با ماگلہ سنجید و شماتت بہ عدو بُرد

لغت: ''شماتت'' = کسی کی بدحالی پر خوش ہونا۔

ہمارے غریب خانے میں اُسے ہمارے جلے ہوئے جگر کی بو آئی۔ ہمارے ساتھ تو اُس نے بات پر گلہ کیا اور ہماری بدحالی پر اپنی خوشی کا اظہار رقیب سے جا کر کیا (کیا ستم ظریفی ہے!)۔

خواہم کہ بَرَد نالہ غبارم دلِ دوست

چون گریہ تنِ زارِ مرا زآن سر کو برد

چونکہ میرے رونے سے آنسوؤں کا سیلاب مجھے اُس کے (محبوب کے) کوچے سے بہا کر باہر لے آیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اب فریاد کروں کہ یہ فریاد اس تک پہنچ کر اُس کے دل سے کدورت کو دھو ڈالے۔

یعنی اس کے پاس رو کر اپنا حال زار تو کہہ نہ سکے۔ اب فریاد ہی پر دار و مدار ہے کہ شاید اُسے سن کر رحم آجائے۔

ھمرہ رودش کوثر و حوران کہ دمِ مرگ

ذوق مَی ناب و ھوسِ رُوی نکو برد

جو شخص مرتے وقت ذوقِ شراب اور حسینوں کی تمنا لے کر اس دنیا سے جاتا ہے، کوثر اور حوریں اس کے ساتھ ساتھ جاتی ہیں۔ یعنی یہ دو چیزیں خلد کی سی کیفیت پیدا کرتی ہیں:

ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال
خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا (غالب)

بستند رہِ جُرعۂ آبی بہ سکندر
دریوزہ گر میکدہ صہبا بہ کدو بُرد

سکندر پر تو ایک گھونٹ پانی کا راستہ بند کر دیا گیا اور میکدے کا گداگر اپنا کدو شراب سے بھر کر لے گیا۔

"یعنی سکندر کو ایک بے حقیقت پانی کے گھونٹ سے محروم رکھا اور میکدے کا فقیر شراب جیسی نایاب چیز کا تونبا بھر کر لے گیا۔ مطلب یہ کہ بادشاہوں کو وہ دولت نصیب نہیں جو میکدے یعنی خانقاہ کے ادنیٰ گداؤں کو نصیب ہے۔" (حالی)

دی رند بہ ہنگامہ خجل کرد عسس را
مَی خورد و ہم از میکدہ آبی بہ سبو برد

لغت: "عسس" کوتوال جس کے ذمے شراب نوشوں کا مواخذہ ہوتا تھا۔ "ہنگامہ" = ہنگامۂ میخواران۔ شور و شغب۔

عسس میخانے میں آتا ہے تو اپنا فرضِ منصبی بھول کر بزمِ رنداں کے ہنگامے میں کھو جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

کل رند نے کوتوال کو بہت شرمندہ کیا کیونکہ اُس نے شراب پی لی اور پھر جاتی دفعہ

پیالی میں تھوڑا سا پانی بھی میخانے سے لے گیا۔

تھوڑا سا پانی پیالے میں ڈال کر ہمراہ لے جانے میں لطیف نکتہ یہ ہے کہ ایک تو کوتوال اتنا نشے میں تھا کہ پانی کو تراب سمجھا۔ دوسرے یہ کہ جب وہ رندوں کے طعن سے شرمندہ ہوا تو مزید شراب مانگنے کا حوصلہ نہ ہوا، سوچا تھوڑا سا پانی ہی ساتھ لے جاؤں کہ اس میں شراب کی کچھ تو چاشنی ہوگی۔

بر ما غمِ تیمارِ دلِ زار سر آمد
دیوانۂ ما را صنمِ سلسلہ مو اُبرد

لغت: "تیمار" = بیمار کی رکھوالی اور غم گساری۔

"سر آمد" = ختم ہو گیا۔ "سلسلہ مو" = اسم فاعل ترکیبی ہے۔ پیچ و خم کھائی ہوئی زلفوں والا یعنی محبوب۔ "سلسلہ" کے معنی زنجیر کے ہوتے ہیں۔ محبوب کی زلفیں زنجیر کی طرح ہیں، جس میں عاشق دیوانہ گرفتار ہو جاتا ہے۔ "دیوانہ" = عاشق کا دل دیوانہ۔

اب ہمیں اپنے دلِ زار کی تیمارداری سے نجات مل گئی ہے، اب اس دیوانے (دل) کو صنمِ سلسلہ مو اسیر کر کے لے گیا ہے۔

مارا نبود ہستی۔ و اُو را نبود صبر
دستی کہ زما شست بہ خونِ کہ فرو بُرد؟

لغت: "دست شُستن" = ہاتھ دھو لینا، دست بردار ہونا۔

ہم میں اب جور و ستم برداشت کرنے کی سکت نہیں (جان نہیں) اور اُسے صبر نہیں۔ وہ (محبوب) اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ رشک یہ ہے کہ ہم سے دست بردار ہو کر اب وہ کس کے

خون کا پیاسا ہے۔

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا
اوروں پہ ہے کہ وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا (غالب)

دلدار تو ھم چون تو فریبندہ نگاری است
در حلقۂ وفا یک دلم آورد و دو رُو بُرد

معشوق کی طرف خطاب کر کے کہتا ہے کہ تیرا دلدار بھی تیری طرح بڑا دلفریب محبوب ہے۔ وفا مجھے بزم میں لائی تو دل ایک تھا اب جا رہا ہوں تو توجہ دو طرف ہے، یعنی میں بھی تیرے محبوب کے دامِ فریب میں آ گیا ہوں۔

یگ گریہ پس از ضبط دو صد گریہ رضادہ
تا تلخی آن زھر توانم ز گلو برد

''جب دو سو دفعہ رونے کو ضبط کروں تو ایک دفعہ تو رونے کی اجازت دے تا کہ ضبط کے زہر کی کڑواہٹ ایک دفعہ رو کر حلق سے دور کرسکوں۔'' (حالی)

نازد بہ نکویان ز گرفتاریِ غالب
گوئی بہ گرو بُرد دلی را کہ ازو بُرد

لغت: ''گرو'' = رہن۔ ''بہ گرو بردن'' = رہن میں لے جانا۔ خریدنا۔
معشوق غالب کی گرفتاری محبت پر دوسرے حسینوں میں ناز کرتا ہے جیسے کہ اُس نے غالب سے جو دل لیا تھا، وہ اس کا خرید شدہ تھا۔

❀❀❀

غزل نمبر (۲۹)

نادان صنم من روشِ کار ندانند
بر ھر کہ کند رحم، سر از باز ندانند

میرے بھولے بھالے محبوب کو کام کا سلیقہ نہیں آتا۔ جس کسی پر رحم کرتا ہے تو اُس کے سر اور اس کے سر کے بوجھ میں فرق نہیں کرسکتا۔

یعنی بجائے اس کے کہ کسی شخص پر رحم کر کے اس کے سر کا بوجھ ہلکا کرے، اس کا سر اُتار کر رکھ دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اُس کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

معشوق کی ستم ظریفی کو بڑے لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے۔

بی دشنہ و خنجر نبود معتقدِ زخم
دلی ھائی عزیزان بہ غم افگار ندانند

عزیزان سے مراد محبوب کے چاہنے والے۔ ''افگار'' = زخمی۔

وہ صرف تلوار اور خنجر ہی کے زخم کو مانتا ہے، اور کسی زخم کا قائل نہیں۔ اُس کے چاہنے والوں کے دل جو غم سے زخمی ہیں، اُنہیں وہ تسلیم ہی نہیں کرتا۔

برتشنہ لب بادیہ سوزد دلش از مہر
اندوہ جگر تشنۂ دیدار ندانند

بیابان میں پیاسے رہرو پر اس کا جی جلتا ہے، لیکن دیدار کے پیاسے (عاشق) کے جگر کے غم کو نہیں جانتا۔

گویم سخن از رنج و بہ راحت کندش طرح
روزِ سیہ از سایۂ دیوار نداند

میں اُس سے اپنے دکھ کی بات کرتا ہوں تو وہ اُسے راحت سمجھ لیتا ہے۔ وہ سیاہ دن اور سایۂ دیوار میں فرق نہیں کرتا۔ سایۂ دیوار بھی سیاہ ہوتا ہے، لیکن وہ راحت کی نشانی ہے اور دن کا سیاہ ہونا درد و الم کی علامت ہے۔

دل را بہ غم آتش کدۂ راز نسنجد
دم را بہ تفِ نالہ شرر بار نداند

وہ اندازہ نہیں کرسکتا کہ عاشق کا دل غم سے آتشکدہ بن جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ عاشق کا سانس، آتشین فریادیں کرتا ہے۔

عنوان ہواداریِ احباب نبیند
پایانِ ہوسناکی اغیار نداند

اُسے سچے دوستوں کی خیر خواہی کی پہچان نہیں۔ اُسے رقیبوں کی ہوس ناکی کا انجام بھی معلوم نہیں، یعنی سچے عاشق مخلص اور وفادار ہوتے ہیں اور ہوس پرستوں کی محبت محض ہوس رانی تک محدود رہتی ہے۔

دشوار بود مُردن و دشوار تر از مرگ
آنست کہ من میرم و دشوار نداند

بے شک مرنا دشوار ہے، لیکن موت سے زیادہ مشکل یہ ہے کہ میں مرجاؤں تو وہ میرا

مرنا دشوار نہیں سمجھتا ہے (یہ اُس کی ستم ظریفی ہے)۔

دانم کہ ندانست و ندانم کہ غمِ من
خود کمتر از آن است کہ بسیار نداند

میں یہ جانتا ہوں کہ اُسے میرے غم کا پتا نہیں، لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ میرا غم ابھی اس مقام پر نہیں آیا جس میں زیادہ ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

از ناکسیِ خویش چہ مقدار عزیزم
در عربدہ خوارم کند و خوار نداند

میں ناکسی کی وجہ سے کتنا باعزت ہوں کہ وہ مجھے محبت کی کشمکش میں ذلیل و خوار کرتا ہے لیکن پھر ذلیل و خوار بھی نہیں سمجھتا۔ وہ دل سے مجھے عزیز جانتا ہے۔

گردم سر آوازۂ آزادگی خویش
صد رہ نهدم بند و گرفتار نداند

میں اپنی آزادہ روی کے لیے مشہور ہوں۔ میں اپنی اس آزادگی کی شہرت پر قربان جاؤں۔ وہ (محبوب) مجھے سو طرح سے اسیر کرتا ہے اور پھر بھی اسیر نہیں سمجھا۔

آزادگی پر قربان جانے کی وجہ یہ ہے کہ معشوق کے عاشق کو دام محبت میں لانے کا ہر نیا انداز عاشق کے لیے لذت بخش ہے۔

فصلی ز دل آشوبیِ درمان بسرائید
تا چند بخود پیچم و غمخوار نداند

میرے غم خوار کو میری حالت زار کا پتا ہی نہیں۔ آخر میں کب تک اپنے آپ میں پیچ و تاب کھاتا رہوں گا۔ درماں سے جو دل کو پریشانی ہوتی ہے اسی کا کوئی تذکرہ کرو۔ (شاید اسی سے دل کو کوئی آسائش ہو کہ میرزا یہ درد و غم لاعلاج ہے)۔

پیمانہ بر آن رند حرام است کہ غالب
در بیخودی اندازۂ گفتار نداند

اے غالب جام شراب اس شخص کے لیے حرام ہے جو مستی اور بے خودی کے عالم میں آداب گفتگو کو بھول جائے اور بیہودہ گفتاری پر اتر آئے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۳۰)

خوشم کہ گنبدِ چرخِ کُہن فرو ریزد
اگرچہ خود ہمہ بر فرقِ من فرو ریزد

اگر گنبد چرخ گر پڑے تو میں خوش ہوں گا، خواہ وہ میرے ہی سر پر کیوں نہ آگرے۔

بریدہ ام رہ دوری کہ گر بیفشانم
بجای گرد روان ازبدن فرو ریزد

مولانا حالی یوں شرح کرتے ہیں:

"میں نے ایسی راہ دراز طے کی ہے کہ اگر بدن کو جھاڑوں تو گرد کی جگہ جان بدن سے

جھڑ جائے۔ یہ تمثیل ہے اس محنت و مشقت کی جو فکر شعر اور تکمیل فن سخن میں قائل نے کی ہے۔"

ز جوشِ شکوۂ بیداد دوست می ترسم
مباد مُہرِ سکوت از دھن فرو ریزد

ایک معقول (لطیف) بات کو محسوسات کے لباس میں ظاہر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کے شکوے سے اس قدر بھرا ہوا ہوں کہ اُس کو ضبط نہ کرسکوں، مگر اس کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اس کی بیداد کا شکوہ، دل سے اس جوش کے ساتھ اُبلا ہے کہ منہ پر مہر سکوت لگی ہوئی ہے۔ کہیں اس کے ریلے میں بہہ نہ جائے (حالی)۔

دھد بہ مجلسیان بادہ و بہ نوبت من
بہ من نماید و در انجمن فرو ریزد

محفل میں بیٹھے والوں کو شراب دیتا ہے اور میری باری جب آتی ہے تو مجھے دور سے دکھاتا ہے اور شراب زمین پر گرادیتا ہے۔

مرا چہ قدر بکوی کہ نازنینان را
غبار بادیہ از پیرھن فرو ریزد

اس کوچے میں میری کیا قدر، جہاں نازنینوں کے لباس سے جنگل کا گرد و غبار جھڑ جاتا ہے۔

زخارِ خار چنین کس چہ نالمی کہ خسک
بہ رختِ خوابِ گل و یاسمن فرو ریزد

ایسے شخص کی خُو کی خلش سے کیا شکایت جو گل و یاسمن کے بستر میں کانٹے چبھوئے، یعنی محبوب نازک اندام و حسین کے جور و ستم بھی پر لطف ہیں۔

مکن بہ پرسشم از شکوہ منع لین خونی است
کہ خود ز زخم دمِ دوختن فرو ریزد

میرا حال پوچھ کر مجھے شکوہ کرنے سے مت روک۔ یہ وہ خون ہے جو زخم کو سیتے وقت، زخم سے خود بہہ جاتا ہے۔ پرسش حال کو زخم کے سینے اور شکوے کو خون کے بہنے سے تشبیہ دی ہے، جو بہت خوبصورت ہے۔

بہ من بساز و بدان غمزہ مَی بہ جام مریز
کہ ھوشم از سر و تابم ز تن فرو ریزد

میرے ساتھ آشتی سے پیش آ اور ان کیف آور نظروں سے (غمزہ) سے جام میں شراب نہ انڈیل کیونکہ اس سے میرے سر سے ہوش اور تن سے تاب تواں جاتے رہتے ہیں۔

بہ ذوقِ بس آب در دھن گردد
مَی نخوردہ مرا از دھن فرو ریزد

شراب کی لذت کو یاد کر کے میرے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ گویا جو شراب میں نے نہیں پی، وہ میرے منہ سے بہہ رہی ہے۔

بترس از آنکہ بہ محشر ز طرۂ طرار
دل شکستہ ام از ھر شکن فرو ریزد

اس بات سے ڈر کہ قیامت کے دن تیری خمدار زلفوں کے ہر پیچ و خم سے میرے ٹوٹے دل کا ایک ٹکڑا نیچے گرے گا۔

قیامت کے روز معشوق کی زلفوں کے دم خم جاتے رہیں گے اور ان میں اٹکے ہوئے دل باہر آ جائیں گے اور معشوق کا مواخذہ ہوگا۔

رواست غالب اگر در قالکش گوئی
کہ از لبش ز روانی سخن فرو ریزد

اے غالب معشوق کے لبوں سے گفتگو کی روانی میں جو باتیں ٹپکتی ہیں، اگر تو انہیں بولتے ہوئے کہے تو بجا ہوگا۔

❁❁❁

غزل نمبر(۳۱)

اگر بدل نہ خلد ھرچہ از نظر گذرد
خوشا روانی عمری کہ در سفر گذرد

''عمر کا سفر میں گزرنا نہایت عمدہ ہے، بشرطیکہ جو کچھ نظر سے گزرے، اُس پر انسان فریفتہ نہ ہو جایا کرے۔'' (حالی)

بوصل لطف باندازۂ تحمل کن

کہ مرگ تشنہ بود آب چوں ز سر گذرد

وصل کی حالت میں مہربانی اس قدر زیادہ نہ کر کہ میں اس کی خوشی برداشت نہ کر سکوں اور خوشی کے مارے مر جاؤں کیونکہ پیاسے کے لیے وہ پانی موت ہوتا ہے جو سر سے گزر جائے۔

هلاک نالۂ خویشم کہ در دلِ شب ها

دود بہ عربدہ چندانکہ از اثر گذرد

میں اپنے ہی نالے کا مارا ہوا ہوں جو آدھی رات کو بے اثر ہونے لگتا ہے تو مجھے الجھتا ہے اور میری ہلاکت کا سامان بن جاتا ہے۔

بے اثر فریادیں، فریاد کرنے والے ہی کے لیے سامان بربادی ہیں۔

ازین اُریب نگاهان حذر کہ ناوکِ شان

بہ هر دلی کہ رسد راست از جگر گذرد

ان ترچھی نگاہ والوں سے ڈر کہ ان کا تیر جس دل پہ پڑتا ہے، وہاں سے سیدھا جگر سے گزرتا ہے۔

نفس ز آبلہ های دلم بر آرد سر

چنانکہ رشتہ در آمودن از گهر گذرد

میرے دل کے چھالوں سے میرا سانس یوں اُبھرتا ہے جس طرح موتی پروتے وقت دھاگا موتیوں سے گزر کر باہر آتا ہے۔ آبلے کو موتی سے تشبیہ دی ہے۔ شعر محاکاتی منظر پیش کرتا ہے۔

حریفِ شوخیِ اجزای نالہ نیست شرر

کہ آن برون جهد وین ز خارہ در گذرد

شرر ہمارے نالوں کی شوخی اور تیزی کا مقابل نہیں ہو سکتا کہ شرر تو پتھر سے اُبھر کر باہر آتا ہے اور ہمارا نالہ سخت پتھر میں شگاف کر کے گزر جاتا ہے۔

کند خدنگِ تو قطعِ خصومت من وغیر

مرا خود از دل و اُو را هم از نظر گذرد

تیری نگاہوں کے تیر سے، میری اور رقیب کی باہمی دشمنی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تیر میرے دل سے گزر جاتا ہے اور رقیب کی نظر کے سامنے سے۔

سچا عاشق تو شہید نظر ہو جاتا ہے اور رقیب جو محض محبت کا مدعی ہے، معشوق کی نگاہوں کو دیکھتا ہے اور بے اثر رہتا ہے۔

ز شعلہ خیزی دل بر مزار ما چہ عجب

کہ برق، مرغ هوا را ز بال و پر گذرد

ہمارے دل سے جو شعلے اُبھر رہے ہیں اور مزار پر نمایاں ہیں، کوئی عجب نہیں کہ ان کی برق پاشی مرغ ہوا کے بال و پر میں سے گزر جائے۔

مرغ ہوا میں اضافت، اضافت تشبیہی ہے بلکہ استعارے کی ہے (جیسے مرغ دل یعنی خود ہوا۔

مرنے کے بعد بھی عاشق کے دل سے ایسے شعلے ابھرتے ہیں کہ ہوا بھی جل جائے۔

شکست ما بہ عدم نیز همچنان پیدا است

بہ صورت سر زلفی کہ از کمر گذرد

شعراء معشوق کی کمر کو اتنا باریک کہتے ہیں کہ گویا وہ ہے ہی نہیں، عدم ہے۔
معشوق کی زلف شکن در شکن ہوتی ہے اور شکست اور شکن میں مماثلت معنوی ہے۔
اس لیے شاعر نے اپنی حالت شکستگی کو زلف کے مشابہ کہا ہے۔
کہتا ہے کہ عدم میں بھی ہماری شکستگی کا یہ عالم ہے جیسے معشوق کی زلف اس کی کمر (عدم) سے گزر جائے اور اس کے پیچ وخم بدستور قائم رہیں۔

خوشا گلی کہ بہ فرق بلند بالائیست

دمد ز شاخ و ازین سبز کاخ در گذرد

لغت: ''سبز کاخ'' = کاخ سبز یعنی فلک۔
اس بلند بالا معشوق کے سر پر ٹکا ہوا پھول کتنا خوش نصیب ہے کہ شاخ سے پھوٹا اور آسمان کی بلندیوں سے گزر گیا۔

دماغ محرمی دل رسائدن آسان نیست

چہا کہ برسرِ خارا ز شیشہ گر گذرد

لغت: ''دماغ رساندن'' = سرخوش و شگفتہ شدن، سرخوش ہونا۔ ''محرمی دل'' = عرفان دل۔ معرفت۔
عرفان دل کی لذت آشنا ہونا آسان نہیں۔ دیکھ کہ شیشہ گر کے ہاتھوں سخت پتھر پر کیا گزرتی ہے۔ شیشہ پتھر کو پگھلا کر بناتے ہیں اور اس کے لیے پتھروں کو کئی بار گداز کیا جاتا ہے۔

جب جا کے اس میں شیشے کی سی حالت پیدا ہوتی ہے۔ دل میں معرفت کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے بھی سخت مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔

حریفِ منتِ احباب نیستم غالب

خوشم کہ کار من از سعیِ چارہ گر گذرد

غالب میں احباب کے احسان اٹھانے کی تاب نہیں۔ میں خوش ہوں کہ اب میرا معاملہ کسی چارہ گر کی کوشش کا محتاج نہیں رہا۔

در منت کشِ دوا نہ ہوا

میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا (غالب)

❁❁❁

غزل نمبر (۳۲)

شوخیِ چشمِ حبیب، فتنۂ ایام شد

قسمتِ بختِ رقیب، گردشِ صد جام شد

''محبوب کی آنکھوں کی شوخی فتنۂ ایام بن گئی۔ اس رقیب کے نصیبے کی میں سو جام کی گردش آ گئی ہے۔''
محبوب کی شوخ نظریں ہر ایک پر پڑ رہی ہیں اور فتنے پیدا کرتی چلی جا رہی ہیں، جس طرح کسی محفل رنداں میں گردش جام سے ہنگامہ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر سو جام بیک وقت گردش

کرنے لگیں تو کیا قیامت کا ہنگامہ ہوگا۔ رقیب جو محبوب کی نظروں پر فریفتہ ہے اس کا کیا حشر ہوگا، کہاں تک اُس کی ہرجائی نظروں کے ساتھ ساتھ گھومے گا۔ گویا اس کے نصیب میں اب گردش جام آگئی ہے۔

تا تو بہ عزم حرم ناقہ فگندی بہ راہ
کعبہ ز فرش سیاہ مردمک احرام شد

لغت: ''مردم یا مردمک'' = آنکھ کی پتلی جو سیاہ ہوتی ہے۔ ''احرام'' = وہ چادر جو زائرین کعبہ طواف کعبہ کے وقت پہنتے ہیں۔

''مردمک احرام'' = جس نے آنکھ کی پتلی کا احرام پہنا ہو۔

جب تو نے حرم کے ارادے سے اپنی اونٹنی کو چلایا، کعبے نے اپنے سیاہ فرش کو اپنی آنکھوں کا احرام بنالیا۔ یعنی تو نے کعبے کا رخ کیا تو کعبے نے تیرے انتظار اور استقبال کے لیے اپنی آنکھوں کو تیرا فرش راہ بنالیا۔ رسول پاک کی طرف اشارہ ہے۔

پیچ و خم دستگاہ کرد فزون حرص و جاہ
ریشہ چون آمد برون، دانۂ ما دام شد

لغت: ''دستگاہ'' = اثاثہ، مال و دولت، سرمایہ۔

مال و زر انسانی زندگی میں الجھنیں پیدا کرتا ہے، اس لیے شاعر نے اس کے لیے پیچ وخم کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

ایک دانے سے جب زمین میں جڑیں پھوٹتی ہیں اور وہ پھلنے پھولنے لگتا ہے تو اس سے کتنے دانے پھوٹ پڑتے ہیں۔ یہی حال دولت کا ہے، تھوڑی سی ہو تو انسانی لالچ اور حرص اُسے

بڑھانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے لیے وبال ہو جاتی ہے کہتا ہے:

انسانی دولت کی الجھنوں نے حرص جاہ کو اور بھی زیادہ کردیا۔ دانے سے جب جڑیں نکلیں تو وہ پھیل کر دام بن گئیں، جس میں ہم الجھ گئے۔

ہست تفاوت بسی ہم ز رطب تا نبیذ
لذتِ دیگر دہد بوسہ چو دشنام شد

لغت: ''رطب'' = کھجور۔ ''نبیذ'' = کھجور سے تیار شدہ شراب۔ ''دشنام'' = گالی۔

کھجور کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے اور نبیذ میں کڑواہٹ ہوتی ہے۔ اُسے معشوق کے بوسے اور دشنام سے تشبیہ دی گئی ہے، جو بہت لذیذ تشبیہ ہے۔ کہتا ہے اگر پہ نبیذ کھجور ہی سے بنتی ہے لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے۔ معشوق کے لبوں کا بوسہ رطب ہے لیکن جب اس کے شیریں لبوں پر گالی آتی ہے تو وہ اور ہی مزہ دیتی ہے۔ وہ تلخ ہونے کے باوجود زیادہ لذیذ اور کیف آور ہوتی ہے جیسے نبیذ رطب سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔

ای کہ ترا خواستم لب ز مکیدن فگار
خود لبم اندر طلب خستۂ ابرام شد

لغت: ''مکیدن'' = چوسنا۔ ''فگار'' = زخمی۔

''ابرام'' = اصرار۔ ''خستہ'' = تھکا ماندہ۔ اس کا ایک مفہوم زخمی کا بھی ہے، یہاں اسی رعایت سے آیا ہے۔

یعنی میں تو تیرے لبوں کو چوس چوس کر زخمی دیکھنا چاہتا تھا لیکن ہوا یہ کہ اس خواہش کو پورا کرنے کی کوشش میں میرے پیہم اصرار سے میرے اپنے لب ہی زخمی ہو گئے اور وہ خواہش پوری نہ ہوئی۔

گر همه مهری برو، ور همه چشمی بخسپ
صبحِ امید مرا روزِ سیه شام شد

لغت: ''مہر''=سورج۔''مہری''=مہر ہستی، یعنی تو سورج ہے ''ہمہ''=سر تا پا۔
سورج آتا ہے تو روشنی لاتا ہے، شام ہوتی ہے تو لوگ آنکھیں بند کر کے سو جاتے ہیں۔

کہتا ہے:
اگر تو سراپا سورج ہے تو لوٹ جا اور اگر تو سر بسر آنکھ ہے تو اسے بند کر لے (سو جا) کیونکہ میرے روز سیاہ میری صبح کو شام بنا دیا ہے۔
''روز سیاہ'' بدبختی کی علامت ہے)۔ ایک بدنصیب عاشق کے لیے حسن کے درخشاں جلوے اور شوق انگیز نظریں بے اثر ہیں۔

سادہ دلم در امید، خشمِ تو گیرم بہ مہر
بوسہ شود در لبم ہرچہ ز پیغام شد

امیدیں باندھنے میں میں بہت سادہ دل واقع ہوا ہوں، تیرے غصے کو بھی نرمی اور مہربانی سمجھ لیتا ہوں (اور تجھ سے امیدیں وابستہ کر لیتا ہوں)۔ چنانچہ تیری طرف سے جیسا کچھ پیغام (تلخ) بھی آئے، وہ میرے لبوں پہ آ کر بوسے کا مزہ دیتا ہے۔

ہمچو خسی کش شرر چہرہ کشائی کند
صورتِ آغاز ما معنیِ انجام شد

لغت: ''خس''=تنکا۔''چہرہ کشائی کند''=ظاہر کرتا ہے، نمایاں کرتا ہے۔
صورت ظاہری شے ہے اور معنی، یعنی حقیقت اس کی ضد ہے۔ اسی طرح آغاز اور

انجام کے الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں، جس سے شعر میں صنعت تضاد پیدا ہو گئی ہے۔ تنکا ایک کم مایہ شے ہے، اس کی حیثیت اسی وقت کھلتی ہے جب اُسے چنگاری دکھائی جائے۔ یہی حال انسانی زندگی کا ہے کہ **ظاہر** میں ایک تنکا اور حقیقت میں رقص شرر دونوں ہی کچھ نہیں۔
یہ شعر انسانی زندگی کی واضح تصویر ہے۔

دیگرم از روزگار شکوہ چہ در خور بود
نالہ شرر تاب شد، اشک جگر فام شد

لغت: ''چہ در خور بود''=کیا مناسب ہوگا۔ اس میں چہ کا استفہام انکاری ہے۔ یعنی مناسب نہیں۔
کہتا ہے کہ اب میرے لیے زمانے کی شکایت کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اب میری فریادیں آگ برسا رہی ہیں اور آنسوؤں میں خونِ جگر بہہ رہا ہے؛ دونوں کامیاب ہیں۔

ای شدہ غالب ستای، دشمنِ بخت بین
خود صفتِ دشمن است آنچہ مرا نام شد

''خود'' کا لفظ شعر میں زورِ بیان کے لیے آیا ہے، اس کا لفظی ترجمہ اُردو میں نہیں ہو سکتا ہے۔ 'خود صفت دشمن است'' یہ تو میرے دشمن کی صفت ہے۔
کہتا ہے میری بدبختی دیکھ۔ تو ''غالب'' کی تعریف کر رہا ہے، جو میرا نام ہو گیا ہے۔ وہ تو میرے دشمن کی تعریف ہے۔
یعنی اصل میں میرا دشمن غالب ہے اور میں فقط نام کا غالب ہوں۔

❁❁❁

غزل نمبر (۳۳)

نیست وقتی کہ بما کاھشی از غم نرسد
نوبتِ سوختنِ ما بہ جھنم نرسد

لغت: ''کاہش'' = گھٹنا، نقصان، ضرر، مصدر کاہیدن سے اسم مصدر ہے۔

کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا جب ہمیں غم کے ہاتھوں کوئی ضرر نہ پہنچے۔ ہمارے جلنے کی باری دوزخ تک نہیں پہنچتی۔

یعنی ہم غم کی آگ میں اس طرح پیہم جلتے رہتے ہیں کہ جہنم کو جلنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔

دوری درد ز درمان نشناسی، ھشدار
کز تپیدن دلِ افگار، بہ مرھم نرسد

تجھے یہ اندازہ نہیں کہ درماں سے درد کتنا دور ہوتا ہے۔ یاد رکھ زخمی دل کی تڑپ تڑپ کر بھی مرہم تک نہیں پہنچتا۔

یعنی دل کی تڑپ خود بخود نہیں رکتی ہے جب تک اُس کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو۔

مَی نہ زھاد مکن عرض کہ این جوھرِ ناب
پیش این قوم بہ شورابۂ زمزم نرسد

لغت: ''زہاد'' = زاہد کی جمع۔ ''عرض مکن'' = پیش نہ کر۔ ''شورابہ'' = تلخ پانی۔

زاہدوں کو شراب کیوں پیش کرتا ہے۔ یہ جو ہر ناب تو اس گروہ کے نزدیک زمزم کے تلخ پانی کے برابر نہیں۔

یعنی زاہد لوگ شراب سی قیمتی شے کی قدر و قیمت کیا جانیں۔ یہ تو زمزم ہی کے پانی کو بہترین شے سمجھتے ہیں۔

''قوم'' اور ''شورابہ'' کے الفاظ میں جو لطیف طنز پوشیدہ ہے وہ ذوقِ سلیم رکھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

خواجہ فردوس بہ میراث تمنا دارد
وائی گر در روشِ نسل بہ آدم نرسد

مولانا حالی فرماتے ہیں:

''خواجہ کا لفظ فارسی میں اکثر ایسے مقام پر بولتے ہیں جیسے طنز کے موقع پر اُردو میں تیسرے شخص کے لیے آپ یا حضرت بولتے ہیں۔ کہتا ہے کہ آپ آدم کی میراث میں فردوس کے طلب گار ہیں، بڑا مزہ ہو اگر آپ کا سلسلۂ نسب آدم تک نہ پہنچے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے اخلاق و عادات انسانیت سے اس قدر بعید ہیں کہ ممکن ہے آدم کی نسل سے نہ ہوں۔

صلہ و مزد میندیش کہ در ریزشِ عام
لالہ از داغ و گل از چاک بہ شبنم نرسد

لغت: ''مزد'' و ''صلہ'' = یعنی کام کی مزدوری اور اُجرت۔

کہتا ہے کہ انسان کو زندگی میں جو کچھ میسر آتا ہے، یہ نہ خیال کر کہ اُس کی محنت یا کسی استحقاق کا صلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیض تو فیضِ عام ہے (ریزشِ عام ہے) اگر لالہ اور گلاب کے پھول پر شبنم ٹپکتی ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ لالے کے دل میں داغ ہے اور گل کا سینہ چاک ہے۔ یہ ذات باری تعالیٰ کی بخشش عام ہے۔

بهره از سرخویشم نیست، دماغم عالی است

باده گر خود بود از میکدهٔ جم نرسد

مجھے قدرت نے عالی دماغ دیا ہے، اسی بنا پر مجھے سرخوشی اور سرشاری سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ اگر میخانہ جمشید کی شراب بھی ہو تو مجھے میسر نہیں آئے گی۔

جمشید ایران کا اک مشہور بادشاہ گزرا ہے، جس کے عیش و عشرت کی داستانیں مشہور ہیں۔ جام جم بھی اسی سے منسوب ہے۔ جم کا لفظ اگر جام کے ساتھ آئے تو مراد جمشید اور اگر خاتم (انگوٹھی) کے ساتھ آئے تو مراد حضرت سلیمان ہیں۔

هرچه بینی به جهان حلقهٔ زنجیری هست

هیچ جانیست که این دائره باهم نرسد

زنجیر میں کئی ایک حلقے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں اور پیوست ہو کر مسلسل ایک زنجیر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ کہتا ہے:

اس کائنات میں جو کچھ تو دیکھتا ہے حلقۂ زنجیر ہے۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں یہ دائرہ باہم ملا ہوا نہ ہو۔

یعنی کائنات کی ہر شے نظام میں منسلک ہے اور اس نظام سے باہر نہیں جاسکتی۔

فرخا لذت بیداد کزین راهگذر

به کسان می رسد آنکس که به خود هم نرسد

معشوق کو دوسروں پر بیداد کرنے سے لذت حاصل ہوتی ہے اور اس سلسلے میں وہ ہر کس و ناکس تک پہنچتا ہے، حالانکہ اُسے اپنے آپ تک رسائی حاصل نہیں۔ یعنی اپنے سے بے

پروا اور بے نیاز ہے، لیکن دوسروں پر ستم ڈھانے کے لیے وہاں پہنچتا ہے اور اس میں اُس کی توجہ کا پہلو نکل آتا ہے۔ شاعر کے نزدیک معشوق کی یہ لذت بیداد بڑی اچھی شے ہے کہ اس کی وساطت سے معشوق سے واسطہ پیدا ہو جاتا ہے۔

هرکجا دشنهٔ شوقِ تو جراحت بارد

جز خراشی به جگر گوشهٔ ادهم نرسد

طوبیِ فیضِ تو هر جا گل و بار افشاند

جز نسیمی به پرستشگهِ مریم نرسد

لغت: ''جگر گوشۂ ادہم'' = یعنی ابراہیم ادہم۔ یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں:

ابراہیم بن ادہم کو اُن زخموں سے جو تیرے شوق کی چھری برساتی ہے، ایک خراش سے زیادہ نہیں پہنچتی اور جو پھول اور پھل تیرے فیض کے نخل طوبیٰ سے جھڑتے ہیں، اُن میں صرف ایک ہوا کا جھونکا محراب مریم تک پہنچتا ہے۔

ابراہیم ادہم، بلخ کے بادشاہ تھے۔ بادشاہت چھوڑ کر فقر اختیار کیا۔ اُن کا شمار اولیا کبار میں ہوتا ہے، ذاتِ الٰہی کا یہ ادنیٰ کرشمہ تھا جو ابراہیم بن ادھم کی ذات میں نمایاں ہوا، یعنی اُنہیں محبوب حقیقی سے ایک خواہش نصیب ہوئی۔ اور حضرت مریم کو جو مقام نصیب ہوا وہ فیضان الٰہی کی ایک ادنیٰ سی جھلک تھی۔

سوزد از تابِ سمومِ دمِ گرمم غالب

دل گرش تازگی از اشک دما دم نرسد

غالب اگر آنسوؤں کے پیہم سے دل کو تازگی نہ پہنچتی رہے تو وہ میری سموم جیسی گرم آہوں سے جل جائے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۳۴)

آزادگی است سازی، اما صدا ندارد
از هر چه در گذشتیم آواز پا ندارد

لغت: ''آزادگی'' = دنیا کے علائق سے آزاد ہو جانا۔

آزادگی ایک ساز ہے لیکن اس میں آواز نہیں۔ جو کچھ ہم نے ترک کر دیا۔ اُس کے جانے سے آواز پا بھی بلند نہ ہوئی۔ یعنی علائق دنیا سے آزاد ہونے والے بظاہر دنیا میں ہوتے ہیں لیکن پھر بھی دنیا سے آزاد ہوتے ہیں اور کسی کو اس کا پتا نہیں چلتا۔

عشق است و ناتوانی، حسن است و سرگرانی
جور و جفا نتابم، مهر و وفا ندارد

اِدھر عشق ہے اور میری ناتوانی، اُدھر حسن ہے اور اس کا غرور و نخوت۔ میں جور و جفا کی تاب نہیں لا سکتا اور وہ مہر و وفا سے عاری ہے۔

فارغ کسی کہ دل را با درد وا گذارد
کشت جهان سراسر دارو گیا ندارد

آسودہ حال ہے وہ شخص جو اپنے دل کو درد کے سپرد کر دے کیونکہ دنیا کے کھیت میں کوئی دوا کی بوٹی نہیں ہے جو درد کو شفا دے سکے۔

درهم فشار خود را تا در رسد دماغی
در بزمِ ما ز تنگی پیمانہ جا ندارد

لغت: ''فشاردن یا فشردن'' = نچوڑنا۔

''درہم فشار خود را'' = اپنے آپ ہی کو بھینچ کر اپنا رس نکال لے تاکہ تجھے سرخوشی اور سرمستی حاصل ہو۔ ہماری محفل میں تو تنگی کے باعث پیمانے کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

ای سبزۂ سرِ رہ از جورِ پا چہ نالی
در کیش روزگاران گل خون بہا ندارد

اے سرِ راہ اُگنے والی گھاس تو کیا شکایت کر رہی ہے کہ راہرو تجھے پاؤں تلے کچلتے چلے جاتے ہیں، زمانے کے دستور میں پھول کے خون ہونے کی بھی کوئی قیمت نہیں۔

صد رہ درین کشاکش بگذشتہ در ضمیرش
رنجور عشق گوئی آہِ رسا ندارد

لغت: ''ضمیرش'' = کی ش کا مرجع معشوق ہے۔ معنی ہیں اس کا ضمیر، اس کا دل۔

تو سمجھتا ہے کہ بیمارِ عشق کا آہ آہ رسا نہیں ہوتی۔ یہ آہ تو کشمکش ضبط میں اس کے

(معشوق کے) دل میں سے گزر چکی ہے۔ آہ کا اثر ضرور ہوتا ہے خواہ ظاہر نہ ہو۔

ھر مطلعی کہ ریزد از خامہ ام فغانیست

جز نغمۂ محبت سازم نوا ندارد

جو مطلع بھی میرے قلم سے ٹپکتا ہے وہ ایک فریاد ہے، میرے ساز میں نغمۂ محبت کے سوا اور کوئی آواز (نوا) نہیں۔

جان در غمت فشاندن مرگ از قضا ندارد

تن در بلا فگندن، بیم بلا ندارد

تیرے غم میں جان نثار کرنے کا نتیجہ موت نہیں اور تن کو مصیبت میں ڈالنے سے کسی مصیبت کا ڈر نہیں ہوتا، یعنی محبت کا کوئی دکھ، دکھ نہیں ہوتا۔

برخویشتن بہ بخشا، گفتم، دگر تو دانی

دارم دلی کہ دیگر تاب جفا ندارد

میں نے تو تجھ سے کہہ دیا کہ (مجھ پر نہیں) تو اپنے آپ ہی پر رحم کھا۔ آگے تجھے اختیار ہے۔ میرے دل میں تو جفا کے صدمے اُٹھانے کی اب بالکل تاب نہیں۔

کشتن، چنانکہ گوئی، نشناخت است ما را

ھی ناتمام لطفی کز شکوہ وا ندارد

جیسا کہ تو کہتا ہے، ہمیں مار ڈالنے پر کسی نے ہم کو نہیں پہچانا کہ یہ کون تھا۔ افسوس یہ

ایک ایسا لطفِ ناتمام ہے کہ جس کی شکایت کی بھی گنجائش نہیں۔ (شکایت کرے تو کون کہ شکایت کرنے والے تو نے جان دے دی ہے)۔

مہرش ز بی دماغی ماناست، با تغافل

یا رب ستم، مبادا بر ما روا ندارد

اس کی مہربانی اور محبت بھی اس کی بے التفاتی اور روکھے پن کے باعث تغافل سے ملتی جلتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اب ہم پر ستم کرنا بھی روا نہ سمجھے۔

چشمی سیاہ دارد یعنی بما نہ بیند

روی چو ماہ دارد، اما بہ ما ندارد

لغت: ''چشم سیاہ'' = بے نور آنکھ۔

اُس کی آنکھ سیاہ ہے (گویا بے نور ہے)، یعنی وہ ہمیں نہیں دیکھتا۔ اس کا چہرہ ماہ کی طرح پرنور ہے لیکن اس چہرے کا رخ ہماری طرف نہیں ہے۔ ماہ اور ما میں تجنیس زائد ہے، یعنی ماہ میں ایک حرف (ہ) زائد ہے۔

چون لعلِ تست غنچہ اما سخن نداند

چون چشمِ تست نرگس، اما حیا ندارد

غنچہ تیرے لبوں کی طرح ہے لیکن بول نہیں سکتا نرگس تیری آنکھ جیسی ہے لیکن اس میں وہ حیا کہاں جو تیری آنکھوں میں ہے۔

آبش گداز خاکی بادش تفِ بخاری

دهلی به مرگ غالب آب وهوا ندارد

لغت: ''بمرگ'' میں ''ب'' قسمیہ ہے۔ بمرگ غالب کے معنی ہیں، غالب کی موت کی قسم۔

مرگِ غالب کی قسم کہ دہلی میں آب وہوا نہیں۔ اس کا پانی ہے تو پگھلی ہوئی خاک اور ہوا ہے تو بھاپ کی حرارت۔

❀❀❀

غزل نمبر (۳۵)

شوقم ز پند بر در فریاد می زند

بر آتش من آب دم از باد می زند

لغت: ''دم از باد زدن'' = یعنی ہوا ہونے کا دعویٰ کرنا۔

نصیحت سے میرا شوق (محبت کا جوش) فریاد کرنے لگتا ہے۔ میری آتشِ محبت سے پانی ہوا کا کام کرتا ہے۔ (ہوا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے)۔

میرا دل نصیحت قبول نہیں کرتا بلکہ نصیحت میری اشتیاق دوست کو اور بڑھاتی ہے۔ بجائے اس کے دوستوں یا ناصحوں کی نصیحت محبت کی آگ پر پانی کا کام کرے، وہ ہوا بن کر اُسے اور بھی بھڑکاتی ہے۔

تا افگنی چه ولوله اندر نهادِ ما

کآئینه از تو موجِ پریزاد می زند

جب آئینہ تیرے عکس سے پری زادوں کی طرح پروازدوں کی طرح پرواز کرنے لگتا ہے (بے تاب ہوجاتا ہے) تو اندازہ کر، ہماری روح میں تیری محبت کیا کیا ولولے پیدا کرتی ہوگی۔

از جوئی شیر و عشرتِ خسرو نشان نماند

غیرت هنوز طعنه به فرهاد می زند

جوئی شیر اور عشرت پرویز کا دنیا سے نام ونشان مٹ گیا، لیکن غیرت ابھی تک فرہاد کو طعنے دے رہی ہے کہ اُس نے رقیب کی خواہش کو پورا کرنے کی کوشش میں جان دی، جو عاشق کی غیرت کے منافی بات تھی۔ جوئی شیر کا بہالانا، خسرو کی عیش پرستی اور عشرت میں اضافہ کرنا تھا۔

غالب کا شعر دیکھیے:

عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب

ہم کو منظور نکو نامیِ فرہاد نہیں

هرگز مذاقِ دردِ اسیری نبوده است

با ناله که مرغِ قفس زاد می زند

ایک آزاد فضا میں اڑنے والا پرندہ جب فریاد کرتا ہے تو اس کے درد اسیری میں ایک لذت ہوتی ہے جو اس پرندے کی فریاد میں نہیں ہوتی، جو قفس ہی میں پیدا ہوا ہے۔

ممنونِ کاوش مژہ و نیشتر نیم
دل، موجِ خون، ز دردِ خدا داد می زند

میرا دل جو موجِ خون میں تڑپ رہا ہے، درد خداداد کی وجہ سے تڑپ رہا ہے۔ میں معشوق کی مژگان کی چبھن اور اس کی نگاہوں کے نشتروں کا احسان مند نہیں ہوں۔

میرے دل میں وہ درد ہے جو فطرتاً مجھے ملا ہے اور یہ درد محبوب ازل کی محبت کا ہے۔

خونی کہ دی بہ جیبم ازو خار خار بود
امروز گل بہ دامنِ جلاد می زند

جو خون کل میرے گریبان میں کانٹے کی خلش بنا ہوا تھا، آج جلاد کے دامن پر پھول لگا رہا ہے، یعنی جلاد کے دامن کی زینت بنا ہوا ہے۔

جلاد کے دامن کی زینت اس لیے بھی ہے کہ اُس کے ذریعے عاشق کی شہادت واقع ہوئی اور یہ خون جب تک اس کے بدن میں تھا اس کا وبال تن تھا۔

اندر ھوای شمع ھمانا بال و پر
پروانہ دشنہ در جگر باد می زند

ہوا کے چلنے سے شمع بجھ جاتی ہے۔ پروانہ پر پھڑپھڑاتے ہوئے آتا ہے تو شمع پر لپکتا ہے اور اس پر اپنی جان نثار کر دیتا ہے۔ گویا ہوا اور پروانے میں کتنا فرق ہے۔ ہوا شمع کی جان لیوا ہے اور پروانہ، جانثار، اس اعتبار سے پروانہ ہوا کے لیے قابلِ رشک ہے۔

شاعر کہتا ہے:

شمع کے شوق میں پروانہ اپنے بال و پر سے ہوا کے جگر میں خنجر چبھو دیتا ہے اور زبان

حال سے کہتا ہے کہ دیکھو شمع کو بجھاتے نہیں، اس پر جان قربان کرتے ہیں۔

زین بیش نیست قافلۂ رنگ را درنگ
گل یک قدح بہ سایۂ شمشاد می زند

شعراء نے فصل بہار کے مختصر ہونے پر بڑے بڑے اچھے شعر کہے ہیں۔ مرزا غالب کا یہ شعر اسی رنگ کا ہے اور نہایت خوبصورت ہے۔ کہتا ہے:

بہار کا قافلۂ رنگ و بو زیادہ دیر نہیں ٹھہرتا۔ اتنا ہے کہ گلاب کا پھول سایۂ شمشاد میں بیٹھ کر ایک پیالۂ ے پی لیتا ہے۔

گلاب کا پھول سایۂ شمشاد میں کھلتا ہے اور پھر مرجھا جاتا ہے۔ شاعر نے اُسے جام ے کہا ہے اُس کی یہ توجیہ کی ہے کہ گویا ایک میخوار، سرخ شراب کا جام پیتا ہے اور بہار ختم ہو جاتی ہے۔

اس شعر میں الفاظ کی بے ساختہ روانی اور باہمی ہم آہنگی نے بڑی موسیقیت پیدا کی ہے، جس سے شعر میں اثر انگیزی آ گئی ہیں۔

ذوقم بھر شرارہ کہ از داغ می جھد
دل را نوای دیر بماناد می زند

لغت: ''دیر بماناد'' = کلمۂ دعائیہ ہے۔ معنی ہیں ''اللہ کرے دیر تک رہے''۔

عاشق کو داغ ہائے محبت کی جلن سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ذوق و لذت سلامت رہے کہتا ہے:

میرے داغ ہائے دل سے ہر شرار کے ابھرنے پر میرا ذوقِ درد دل کو یہ دعا دیتا ہے

کہ ''اللہ کرے دیر تک رہے''۔

چون دید کز شکایتِ بیداد فارغم
بر زخمِ سینہ ام نمک داد می زند

میرا معشوق جب یہ دیکھتا ہے کہ میں اس کے جور و ستم کی شکایت سے ذرا بے پرواہ ہوگیا ہوں تو میرے زخم سینہ پر داد کا نمک چھڑکتا ہے۔ یعنی اس کی داد دیتا ہے اور اس کی داد نمک پاشی کا کام کرتی ہے اور درد زخم تازہ ہو جاتا ہے۔

تا دستبرد آتشِ سوزان دھد بہ باد
سنگ از شرار، خندہ بہ پولاد می زند

لغت: ''بباد دادن'' = لفظاً ہوا میں منتشر کرنا۔ برباد کرنا۔

پتھر سے چنگاریاں پھوٹتی ہیں جس کی یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ اس کے اندر آگ ہے۔
پتھر اس آتش سوزاں کو چنگاریوں کے ذریعے ہوا میں لٹا رہا ہے اور فخر کرتا ہے کہ میں فولاد سے بہتر ہوں۔ یہ چنگاریاں اُس کی طنزیہ ہنسی کی علامت ہے۔

غالب سرشکِ چشم تو عالم فرو گرفت
موجی است دجلہ را کہ بہ بغداد می زند

بغداد کا شہر دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے۔ دجلہ کی لہریں اس سے ٹکراتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ غالب تیرے آنسوؤں کے طوفان نے دنیا کو گھیر لیا ہے۔ یہ گویا دجلہ کی لہریں ہیں جو بغداد سے ٹکرا رہی ہیں۔

❁❁❁

غزل نمبر(۳۶)

باید ز می ھر آئینہ پرھیز، گفتہ اند
آری دروغِ مصلحت آمیز گفتہ اند

کہا جاتا ہے کہ شراب سے لازمی طور پر پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ ایک جھوٹ بات ہے، ایک دروغ مصلحت آمیز ہے۔

فصلی ھم از حکایتِ شیرین شمردہ ایم
آن قصۂ شکر کہ بہ پرویز گفتہ اند

لغت: ''پرویز'' = ایران کا مشہور بادشاہ خسرو پرویز، جس کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور ہیں۔

وہ شیریں کا شوہر تھا۔ شیخ نظامی اس کی وجہ تسمیہ یوں بتاتے ہیں

از آن بد نام آن شھزادہ پرویز
کہ بودی در سخن گفتن شکر بیز

فرہنگ جہانگیر میں پرویز کے ساتھ معنی دیے گئے ہیں (۱) مظفر۔ (۲) عزیز۔ (۳) ماہی (کہتے ہیں کہ پرویز مچھلی کا شوقین تھا)۔ (۴) وہ آلہ جس سے شکر وغیرہ چھانتے ہیں، غربال۔ (۵) چھاننا۔ (۶) پروین (۷) جلوہ کردن۔ غرض شکر کا قصہ پرویز کے نام کے ساتھ مختلف انداز میں منسوب ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ یہ جو پرویز کے بارے میں شکر کا قصہ مشہور ہے، یہ بھی درحقیقت حکایت شیریں ہی کی ایک فصل ہے (حصہ ہے)۔

شعر میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ شاعر پہلے مصرعے میں شیریں کا لفظ ذو معنی لایا ہے۔ قریبی معنی ''شیرین'' (عورت کا نام) اور دوسرا بعیدی معنی میٹھی۔ کہنا یہ چاہتا ہے کہ پرویز کے بارے میں یہ جو باتیں بیان کی جاتی ہیں، اُنہیں میٹھی داستان ہی سمجھ لو۔ شیرین کے بعیدی معنی لینے سے یہ صنعت ایہام بن گئی ہے۔

خون ریختن بہ کوئی تو کردارِ چشم ماست
مردم ترا برای چہ خون ریز گفتہ اند

تیرے کوچے میں خون بہانا تو ہماری آنکھوں کا شیوہ ہے۔ لوگوں نے کس لیے تجھے خوں ریز کہا ہے۔

گویم ز سوز سینہ و گوید کہ این ہمہ
تا خود نگشتہ آتشِ دل تیز، گفتہ اند

میں اپنے سوز سینہ کی بات کرتا ہوں اور وہ کہتا ہے کہ یہ بات اس وقت کی جاتی ہے جب تک آتش دل تیز نہیں ہوتی (جہاں آتش دل بھڑک اُٹھی عاشق خاموش ہو گیا)۔
یعنی عاشق کا اپنے سوز سینہ کا ذکر کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ابھی اس کا سوز عشق خام ہے، اگر پختہ ہوتا تو چپ رہتا۔

نشگفت دل ز یادِ تو، گوئی دروغ بود
از نوبہار آنچہ بہ پائیز گفتہ اند

تیری یاد سے میرا دل شگفتہ نہ ہوا۔ تو کہتا ہے کہ جھوٹ ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نوبہار

کو خزاں کہنا۔

انداخت خار در رہ و انداز خواندہ اند
انگیخت گرد فتنہ و انگیز گفتہ اند

لغت: ''انداز'' اور ''انگیز'' = دونوں انداختن اور انگیختن مصدر سے فعل امر کے صیغے ہیں لیکن یہ اسم مصدر کے معنوں میں بھی آتے ہیں جیسے اس شعر میں آئے ہیں۔ غالب کا اردو شعر دیکھیے

اے ترا جلوہ یک قلم انگیز
اے ترا ظلم سر بسر انداز

انگیز کا مفہوم اشتعال اور انداز کے معنی ناز و ادا۔
کہتا ہے کہ ''اس نے راستے میں کانٹے بچھائے اور اُسے ناز و ادا کہا گیا۔ اس نے فتنے کا طوفان اٹھایا اور اسے حسن کی اثر انگیزی کہا گیا۔

گفتا سخن ز بی سر و پایان نہ زیرکی است
با قیس رہ نوردی شبدیز گفتہ اند

لغت: ''شبدیز'' = شیریں کا وہ گھوڑا جو اُس نے خسرو کو دیا تھا۔
معشوق نے کہا بے سر و پا لوگوں کی باتیں کرنا عقلمندی نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے قیس کے ضمن میں شبدیز کی رہ نوردی کا تذکرہ کیا جائے۔

نازی بہ صد مضایقہ، عجزی بصد خوشی
گر از تو گفتہ اند زما نیز گفتہ اند

تیری جانب سے ناز انداز کا اظہار اور وہ بھی بڑی دقت سے اور ہماری طرف سے عجز و نیاز اور وہ بھی نہایت خوشی سے۔ اگر تیرے بارے میں یہ بات مشہور ہے تو ہمارے بارے میں بھی دوسری بات مشہور ہے۔

یعنی اگر تجھ میں نخوت حسن ہے تو ہم میں نیاز عشق ہے۔

غالب ترا بہ دیرِ مسلمان شمردہ اند
آری دروغ مصلحت آمیز گفتہ اند

غالب! تجھے بت خانے میں لوگوں نے مسلمان سمجھ لیا۔ ہاں یہ ایک مصلحت آمیز جھوٹ ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۳۷)

صبح است، خوش بود قدحی پر شراب زد
یاقوتِ بادہ، برفوۂ آفتاب زد

لغت: ''فوہ'' = بضم فا، دہن۔ جمع جس کی افواہ ہے۔ ''فوہ'' = طلائی یا نقرئی ورق جو نگینے کے نیچے لگاتے ہیں تاکہ اُس کی چمک نمایاں ہو جائے۔ ''یاقوت بادہ'' میں اضافت تشبیہی ہے یعنی یاقوت جیسی سرخ شراب۔

صبح کا وقت ہے، ایک بھرا ہوا شراب کا پیالہ پینا چاہیے۔ اور یاقوت بادہ کو آفتاب کے

چمکتے ہوئی ورق پر لگا دینا چاہیے۔

یعنی شراب سے صبح کا نورانی چہرہ اور شگفتہ ہو جائے گا۔

یہاں ہم نے خوہ کی فوہ کو ترجیح دی ہے کہ یہ لفظ یہاں معناً بہت موزوں ہے۔

نشتر بہ مغزِ پنبۂ مینا فرو برید
کآفاق امتلا ز هجوم سحاب زد

لغت: ''امتلا'' = جوش خون، زیادہ خون کا جمع ہونا۔ قدیم زمانے میں بہار کے موسم میں جب انسانی بدن میں خون زیادہ جوش مارتا تھا تو نشتر سے فصد کھلواتے تھے اور زائد خون خارج ہو جاتا تھا اور طبیعت میں سکون آ جاتا تھا۔

''پنبۂ مینا'' = مینا یا صراحی کے منہ پر منہ روئی کا گالا۔

بادلوں کی کثرت سے کائنات امتلائے خون میں مبتلا ہوگئی ہے۔ اس لیے مینا کی روئی نشتر چبھو دینا چاہیے یعنی بادل ہر جگہ گھرے ہوئے ہیں، فضا خوشگوار ہے، اب صراحی کا منہ کھولنا چاہیے۔

ذوقِ مَی مغانہ ز کردار باز داشت
آہ از فسونِ دیو کہ راهم بآب زد

شراب کے ذوق نے مجھے کارِ نیک سے باز رکھا، افسوس کہ ایک دیو کے فسون نے مجھے پانی میں لوٹ لیا (پانی میں میرا رستہ لوٹا) یعنی شراب خوری نے رہزنی کی، اور میں رستے میں لٹ گیا۔

تا خاکشِ کشتگانِ فریبِ وفای کیست
کاندر هزار مرحلہ موجِ سراب زد

لغت: ''تا'' = اس تا کا لفظی اردو ترجمہ نہیں ہو سکتا، یہ زورِ بیان کے لیے آتا ہے۔ اس کا اردو بدل ''آخر'' ہے، وہی شرح میں استعمال کیا گیا ہے۔

یہ جو ہزار مرحلے پر سراب کی لہریں اُبھر آتی ہیں، آخر یہ **کس** کے فریب محبت کے کشتگاں کی خاک ہے۔

سراب، فریب نظر ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ سراب جو ہر دیکھنے والے کو ہر مقام پر دکھو کا دیتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی معشوق کے فریب وفا کھائے ہوئے کی خاک ہے۔

رنگی کہ در خیال خود اندوختم ز دوست
تا جلوہ کرد چشمک برقِ عتاب زد

لغت: ''رنگ'' = مراد یہاں ایک رنگین سماں ہے۔

میں نے اپنے خیال ہی خیال میں جو رنگین سماں سمیٹا تھا، جب ظاہر ہوا تو پتا چلا کہ وہ تیرے محبوب کے برق عتاب ہی کی ایک چمک تھی، یعنی معشوق کی مہربانی کا غلط تصور کیا تھا۔ یہ خود فریبی تھی۔

گفتم گرہ زکارِ دل و دیدہ باز کن
از جبھہ نا کشودہ بہ بندِ نقاب زد

لغت: ''گرہ باز کن'' = گرہ کھول دے۔ ''گرہ'' تیوری کے لیے استعمال ہوتا ہے کیوں کہ وہ بھی طبیعت کی الجھن کو ظاہر کرتی ہے ''جبھہ'' = پیشانی۔

میں نے معشوق سے کہا کہ میرے دل اور آنکھوں کی گرہیں کھول دے۔ اُس نے اپنی پیشانی کی گرہ کو تو نہ کھولا بلکہ اپنے بند نقاب پر ڈال دیا۔

معشوق کی پیشانی پر بل پڑنے سے عاشق کا دل پریشان تھا۔ چاہتا تھا، معشوق محبت سے پیش آئے تا کہ انقباض دور ہو۔ اس نے چہرے سے خوشی اور محبت کا اظہار کرنے کی بجائے نقاب ہی **میں** گرہ ڈال دی تا کہ عاشق اُسے دیکھ ہی نہ سکے۔

گر ھوشِ ما بساطِ ادای خرام نیست
نقشی توان بہ صفحۂ دیبای خواب زد

اگر ہمارے ہوش یعنی عالم بیداری کے فرش پر تو اپنی ادائے خرام نہیں دکھا سکتا تو کم از کم خواب کے ریشمی صفحے پر ایک نقش تو کھینچ سکتا ہے۔

یعنی اگر تو ویسے ہمیں مل نہیں سکتا تو کم از کم خواب ہی میں جلوہ دکھا دے۔

تا در ھجومِ نالہ نفس باختم بہ کوہ
سنگ از گداز خویش برویم گلاب زد

جب میں نے ہجوم نالہ میں پہاڑ میں فریاد کی (سانس اکھڑ گیا) تو پہاڑ کے پتھر پگھل گئے اور اُن کے گداز نے میرے منہ پر گلاب چھڑکا (تا کہ میں ہوش میں آؤں)۔

بیہوش آدمی کے منہ پر گلاب چھڑکتے ہیں۔

ای لالہ بر دلی کہ سیہ کردہٗ مناز
داغ تو بر دماغ کہ بوی کباب زد

اے لالہ پھول جس دل کو تو نے جلا کر سیاہ کر لیا ہے اس پر ناز نہ کر۔ آخر اس تیرے داغ دل سے کس کے دماغ میں بوئے کباب آئی۔

یعنی لالے کے جل جانے اور داغ دل حاصل کرنے سے کسی پر کیا اثر ہوا۔

غم مشربان بہ چشمۂ حیوان نمی دھند
موجی کہ دشنہ درجگر از پیچ و تاب زد

لغت: ''غم مشرب'' = غمزدہ عاشق۔

غمزدہ عاشقوں کے جگر میں درد محبت کے پیچ و تاب (بے چینیوں) کی چھری سے جو لہر اُٹھتی ہے، وہ اس لہر کو چشمۂ حیواں کے عوض میں بھی نہیں دیتے۔

یعنی محبت کے درد کرب میں رہ کر جان دینے کو آبِ حیات پر ترجیح دیتے ہیں۔

غالب، خسان ز جھل حکیمش گرفتہ اند
بی دانشی کہ طعنہ بر اھلِ کتاب زد

''اہل کتاب'' خدا کی طرف سے نازل کتابوں پر ایمان رکھنے والے لوگ۔ ''حکیم'' = فلسفی جو بالعموم اس قسم کی کتابوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے بلکہ اپنی منطقی دلیلوں سے ان پر تنقید بھی کرتے ہیں۔

''خساں'' = کم مایہ لوگ، گھٹیا۔

غالب، گھٹیا لوگوں نے اپنی جہالت کے باعث اس بے دانش شخص کو حکیم سمجھ لیا جو اہل کتاب پر طعنہ زنی کرتا ہے۔

غزل نمبر (۳۸)

تنگِ فرھادم بہ فرسنگ از وفا دور افگند
عشق کافرشغلِ جان دادن بہ مزدور افگند

لغت: ''مزدور'' = سے مراد فرہاد کوہکن ہے جس نے خسرو کے کہنے پر مزدور بن کر پہاڑ کاٹا تھا۔

''بہ فرسنگ'' = میلوں۔ کئی ایک میل۔

یہ عشق ایسا کافر واقع ہوا ہے کہ جاں نثاری کا کام مزدور کے سپرد کر دیتا ہے، اس اعتبار سے فرہاد کو دیکھ کر میری غیرت جوش میں آتی ہے اور میں راہ وفا سے میلوں دور جا پڑتا ہوں۔ شاعر کے نزدیک یہ کام کسی بڑی شخصیت کا ہوتا ہے لیکن عشق خانہ خراب اہل اور نا اہل میں امتیاز نہیں کرتا۔ فرہاد کو انتخاب کر لیتا ہے۔

شادم از دشمن کہ از رشکِ گدازم در دلش
نیست زخمی کز چکیدن طرح ناسور افگند

عاشق محبت میں گداز ہو گیا ہے لیکن رقیب پر محبت کا یہ اثر نہیں ہوتا، اس لئے عاشق اس کی اس نا اہلی پر خوش ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:

''میں رقیب کے بارے میں خوش ہوں کہ محبت میں میرے گداز ہونے کے رشک سے اُس کے دل پر ایسا کوئی ایک زخم بھی نہیں لگتا کہ جو ناسور بن کر بہنے لگے'' (یعنی رقیب پر عشق کا گہرا اور دیرپا اثر نہیں ہوتا)۔

قربتی خواہم بہ قاتل کاستخوانِ سینہ ام

قرعۂ فالی بنام زخمِ ساطور افگند

لغت: ''قرعہ فال افگندن'' = فال نکالنا۔

میں قاتل کے اتنا قریب ہونا چاہتا ہوں کہ میرے سینے کی ہڈیاں، چھری کے زخم کھانے کی فال نکالیں، یعنی کاش میں اپنے معشوق کے اتنا قریب آجاؤں کہ وہ چھری اُٹھا کر میرے سینے میں چبھو دے۔

از شہیدان وی ام کز بیم برقِ خنجرش

لرزہ در حور افتد و جام از کفِ حور افگند

میں اس محبوب کے شہیدوں میں ہوں کہ جس کے خنجر کی برق کے خوف سے حور پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے اور اس لرزے سے جام اُسکے ہاتھ سے گر پڑتا ہے۔

شرم جور خاصِ خاصِ اوست، لیکن در جواب

چون فروماند، سخن دررسمِ جمہور افگند

شرم معشوق کا شیوہ ہے اور یہ اُس کی کا خاص الخاص اندازِ ستم ہے لیکن جب کسی بات کے جواب میں عاجز آجائے تو پھر وہ گفتگو میں عام لوگوں کی طرح باتیں کرنے لگتا ہے، یعنی شرم وحجاب چھوڑ دیتا ہے اور بے باکانہ بات کرتا ہے۔

چون بجوید کام، تا لختی پرستاری کنم

خویش را در رختِ خواب ناز رنجور افگند

لغت: ''رختِ خواب'' = بستر۔

جب اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں اُس کی کچھ خدمت گزاری کروں تو وہ بسترِ ناز پر ناسازیِ طبیعت کا بہانہ کر کے لیٹ جاتا ہے۔

یعنی مجھ سے خدمت گذاری اور نیازمندی کے لیے وہ ناز آفرینیوں پر اُتر آتا ہے۔

وقتِ کار این جنبشِ خلخال کاندر ساقِ تست

حلقۂ رغبت بہ گوشِ خون منصور افگند

لغت: ''حلقۂ بگوش افگندن'' = کسی کو رام کرنا یا غلام بنالینا۔

''خلخال'' = پائل۔ پازیب، ''ساق'' = پنڈلی۔

''جب تو کام میں مصروف ہوتی ہے، تیری پازیب کی جنبش، جو تیری پنڈلی میں ہے، خونِ منصور کے کان میں حلقۂ رغبت ڈال دیتی ہے یعنی منصور کی خواہش ہوتی ہے کہ کاش میں دار پہ چڑھ کر اسی پھندے سے جان دیتا۔

گر قضا سازش تلافی در خورِ عشرت کند

آہ از آن خونابہ کاندر جام فغفور افگند

لغت: ''فغفور'' سے مراد بادشاہ چین ہے۔ یہ چین کا ایک بادشاہ تھا پھر چین کے بادشاہوں کا لقب ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایران کے ایک بادشاہ کا بھی لقب فغفور تھا۔ اُس کا نام اشک تھا جس سے اشکانیان خاندان کی بنیاد پڑی۔ ہوسکتا ہے جام فغفور سے مقصود جام جمشید ہو۔

اگر قدرت لوگوں کے عیش ونشاط کے مطابق جو انہوں نے دنیا میں کیے ہیں، انتقام لینا چاہے تو نہ جانے جام فغفور میں کتنا خون ڈالنا پڑے (یعنی فغفور کو کتنا خون پینا پڑے)۔

گر مسلمانی یکی بین، زردهشت است آنکه او

اختلافی درمیان ظلمت و نور افگند

اگر تو مسلمان ہے تو ترے پیش نظر وحدت ہونی چاہیے۔ یہ زرتشت تھا جس نے ظلمت و نور کے درمیان امتیاز پیدا کیا۔

ایران کے قدیم پیغمبر، زرتشت (پارسیوں کا پیغمبر) کے عقیدے کے مطابق ایک خالق نیکی تھا اور ایک خالق بدی، یعنی یزداں اور اہرمن (شیطان)۔ مسلمان توحید کا پرستار ہوتا ہے اور وہ کسی ایسے عقیدے کا پرستار نہیں ہوسکتا جس میں دوئی کا شائبہ تک بھی ہو۔

آمدم بر راه غالب، گرد دل می گردم

لغزشِ پای که باز از جاده ام دور افگند

غالب میں راہ راست پر تو آ گیا لیکن میرے دل میں ایک لغزش پا کا احساس ابھر رہا ہے جو مجھے پھر راستے سے دور لے جائے گا۔

❁❁❁

غزل نمبر (۳۹)

به ره بانقشِ پای خویشم از غیرت سری باشد

که ترسم دوست جویان را به کویش رهبری باشد

محبوب کی طرف جاتے ہوئے مجھے خود اپنے نقش پا سے غیرت آتی ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اُس کے کوچے میں اُسے تلاش کرنے والوں کو میرا یہ نشان قدم رہنما کا کام نہ دے۔

میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے (غالب)

نمی گیری به خونِ خلق، بی پروا نگاهان را

تواند بود یا رب بعد محشر محشری باشد

لغت: ''بے پروا نگاہان،،= بے باک نظروں والے۔ معشوق، جن کی نظریں ستم ڈھاتی ہیں اور انہیں پروا نہیں ہوتی۔ اے خدا! تو بے باک نظر حسینوں کا، خون خلق کے لیے، مواخذہ نہیں کرتا۔ ہوسکتا ہے کہ قیامت کے بعد ایک اور محشر بپا ہو جائے اور یہ لوگ حشر میں ایک اور ہنگامہ کھڑا کر دیں۔

نخواهد بود رسم آنجا به دیوان داوری بردن

گرفتم کشور مهر و وفا را داوری باشد

لغت: ''گرفتم = فرض کیا، مان لیا۔

فرض کیا کہ کشور مہر و وفا میں کوئی انصاف کرنے والا ہوگا تو وہاں عدالت میں مقدمہ لے جانے کی رسم نہیں ہوگی۔

توان صیقل بهای تیغِ قاتل هم ادا کردن

اگر فصاد را در دهر مزد نشتری باشد

لغت: ''صیقل بہا'' = شاعر نے ''خون بہا'' کی طرح صیقل بہا وضع کیا ہے۔ مراد صیقل کرنے کی مزدوری یا اُجرت۔

اگر فصد کھولنے والے کو نشتر چلا کر خون نکالنے کی اُجرت دی جاتی ہے تو قاتل کی تلوار کو

صیقل کرنے کی بھی مزدوری ملنی چاہیے۔

عاشق کے قتل ہونے کے شوق کا عالم دیکھیے کہ وہ اس کی تلوار کو صیقل کرانے کی اُجرت بھی ادا کرنا چاہتا ہے۔

مکیدم آن قدر کز بوسہ و دشنام خالی شد
لب یار است و حرفی چند گویا دیگری باشد

میں نے معشوق کے لبوں کو اس قدر چوسا ہے کہ اب اُن میں نہ بوسے کی گنجائش باقی رہی ہے نہ گالی کی۔ اب تو وہ لب ہیں اور چند باتیں کرنے کا امکان اگرچہ وہ کسی دوسرے (رقیب) سے ہی ہوں۔

بہ ذوقِ لذتی کز خارہ و خار است پہلو را
بہ نالم هم چنین گرهم ز نسرین بستری باشد

عاشق پتھروں اور کانٹوں پہ لیٹتا ہے اور اس میں اُسے لذت حاصل ہوتی ہے۔ اب اس لذت کا اُسے اس قدر چٹخار ہے کہ کہتا ہے اگر اب میرا بستر نسرین کے پھولوں کا بھی ہو تو میں پھر بھی اسی طرح فریاد کروں گا کیونکہ پتھروں کی سختی اور کانٹوں کی خلش میرے رگ و ریشے میں سما گئی ہے۔

بہ جانی گر خود از کوہ است دروی لرزہ اندازد
بہ چشمی گر خود از سام است، گرد لشکری باشد

یہ شعر پہلے شعر سے وابستہ ہے:

میری فریاد، پہاڑ کی روح ہی کیوں نہ ہو، اُسے لرزا دیتی ہے اور سام کی آنکھ ہی کیوں نہ ہو اس کے لیے غبارِ لشکر بن جاتی ہے۔

ستایم حق شناسی ھای محبوبی کہ در محفل
دلش با چشمِ پر خون و لبش با ساغری باشد

میں اس محبوب کی حق شناسی کا ستائش گو ہوں جس کا دل محفل میں خون سے پر آنکھ پر اور لب ساغر سے لگے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ غمزدہ عاشق سے بھی غافل نہیں اور شغلِ جامِ مے بھی جاری رکھتا ہے۔

نبود ار تیشہ پیدا سر بہ سنگی می زدم، لیکن
ستم باشد کہ در بیھودہ میری ھمسری باشد

اگر تیشہ نہ ملتا تو میں پتھر سے سر پھوڑ کر مر جاتا لیکن مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ بیہودہ جان دینے میں میرا کوئی ہمسر ہو، (یعنی فرہاد جس نے بقول غالب یونہی جان دی تھی)۔ اس طرح کے شعر غالب کے ہاں بہت سے ہیں۔

بیابد هم ز من، آنچہ از ظھوری یافتم غالب
اگر جادو بیانان را ز من واپس تری باشد

لغت: ''جادو بیانان'' = سحر بیاں شاعر۔

اگر نغز گو شاعروں میں سے کوئی میرے بعد آئے گا تو اُسے مجھ سے وہی فیض حاصل ہوگا جو میں نے ظہوری سے حاصل کیا ہے۔

غالب ظہوری کا بہت مداح تھا، اور اس نے اس کی بہت سی غزلوں پر غزلیں بھی کہی ہیں اور اُس کا اسلوب بیان اختیار کرنے کی کوشش بھی کی ہے، خاص کر ان غزلوں میں جو اس کی زمین میں ہیں۔

❁❁❁

غزل نمبر(۴۰)

دل نہ تنہا ز فراق تو فغان ساز دهد
رفتنِ عکس تو از آئنہ آواز دهد

صرف دل ہی تیرے فراق میں فریاد نہیں کرتا بلکہ تیرا عکس جب آئینے سے جدا ہونے لگتا ہے تو آئینے سے آواز آتی ہے (یعنی آئینہ بھی جو بے جان شے ہے تیری جدائی کو محسوس کرتا ہے)۔

حسن کی دلکشی کو بیان کیا ہے اور بڑے حسین اور مؤثر پیرائے میں بیان کیا ہے۔

مغزِ جان سوخت ز سودا و بہ کام تو ہنوز
زهرِ رسوائی ما چاشنیِ راز دهد

سودائے محبت نے ہمارے مغز جان کو جلا دیا (اور یہ بات عام ہوگئی) لیکن تیرے حلق میں ہماری رسوائی کی تلخی (زہر) راز کا مزہ دے رہی ہے۔

یعنی ہم رسوا ہو چکے ہیں اور تو ابھی سمجھتا ہے کہ اسکا کسی کو علم نہیں، یہ ابھی تک راز ہے۔

خاک خون باد کہ در معرضِ آثار وجود
زلف و رخ در کشد و سنبل و گل باز دهد

لغت: ''آثار وجود'' = لفظی معنی ہیں وجود کے نشانات، مظاہر وجود، وجود میں آئی ہوئی چیزیں، موجودات۔

''در کشد'' = چھین لیتی ہے۔ ''زلف و رخ'' علامت ہیں، خوش جمال لوگ۔

''اس خاک کا ستیاناس ہو (خون باد) کہ اس کائنات ہستی میں زلف و رخ چھین لیتی ہے اور اُس کے عوض میں سنبل و گل دیتی ہے۔'' (کیسی کیسی حسین و جمیل صورتیں خاک میں دفن ہو جاتی ہیں اور زمین سے پھول اگتے ہیں)۔

لیکن یوں بھی سب صورتیں خاک سے باہر کب آتی ہیں۔ شاعر ایک اور شعر میں خود ہی کہتا ہے:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

داغم از پرورشِ چرخ کہ در بزمِ امید
سر شمعی کہ فروزد بہ دمِ گاز دهد

لغت: ''گاز'' = قینچی۔ ''بہ دم گاز دادن'' = کاٹنا۔

اس آسمان کے انداز پرورش سے جل گیا ہوں، کہ بزم امید میں جو شمع روشن ہوتی ہے اُسے کاٹ ڈالتی ہے۔ گردش آسمان کب کسی کی امیدوں کو پورا ہونے دیتی ہے۔ جہاں کسی نے امید کی کوئی شمع جلائی، چرخ نے بجھا دی۔

دل چو بیند ستم از دوست، نشاط انگیزد
شیشه سازی است که چو بشکند آواز دهد

دل کو جب دوست کی طرف سے کوئی دکھ پہنچتا ہے تو خوشی سے چہک اُٹھتا ہے۔ یہ دل ایک شیشہ ہے اور شیشہ ایک ساز ہے جب ٹوٹتا ہے تو آواز دیتا ہے۔

ٹوٹا ہوا ساز بے صدا ہوتا ہے لیکن دل ایک ایسا ساز ہے کہ ٹوٹنے پر اس سے نشاط انگیز نغمے اُبھرتے ہیں۔

های پُر کاریِ ساقی که به ارباب نظر
مَی به اندازه و پیمانه به انداز دهد

لغت: ''ارباب نظر'' = اہل نظر لوگ، حسن کے پرستار۔

ساقی کی چالاکی دیکھیے کہ اہل نظر کو شراب تو اندازہ کر کے دیتا ہے اور جام بڑے ناز و انداز سے پیش کرتا ہے یعنی شراب تو کم ہوتی ہے لیکن جس انداز سے دی جاتی ہے وہ انداز زیادہ کیف آور ہوتا ہے۔ شعر میں لطیف نکتہ یہ ہے کہ میخوار ساقی کی اداؤں سے مست بھی ہو جائیں اور یہ نہ کہہ سکیں کہ اُس نے بے اندازہ پلا دی۔

طرۂ ات مشک به دامان نسیم افشاند
جلوه ات گل به کف آئنه پرداز دهد

لغت: ''آئنہ پرداز'' = آئینے کو جلا دینے والا۔

تیری زلفیں، نسیم (ہوا) کا دامن مشک سے بھر دیتی ہیں اور تیرا جلوہ آئینے کو جلا دینے والے کے ہاتھ میں گویا گلدستہ رکھ دیتا ہے۔

محبوب کی زلفوں سے ہوا معطر ہو جاتی ہے اور اس کے حسین جلووں سے آئینہ شگفتہ ہو جاتا ہے۔

سعی زین بال فشانی جگرم سوخت دریغ
کاش آبی ز نمِ خجلتِ پرواز دهد

لغت: ''بال فشانی'' پر پھڑ پھڑانا۔ اُڑنا۔

افسوس میری بال فشانی کی کوشش نے میرا جگر جلا دیا۔ کاش اس پرواز کی ندامت کا پسینہ ہی اس آگ پر پانی چھڑک دے۔

ای که برخوانِ وصالِ تو قناعت کفر است
هان صلای که مرا حوصلهٔ آز دهد

تیرے خوان وصال پر قناعت کرنا کفر ہے۔ ہاں اس طرح دعوت دے کہ میری حرص اور لالچ کرنے کی ہمت پیدا ہو جائے۔

وصال محبوب سے کبھی تسکین نہیں ہوتی بلکہ شوقِ وصال اور بڑھ جاتا ہے۔ بدنصیب ہیں وہ جو قانع ہو جاتے ہیں۔

من سر از پا نشناسم به رهِ سعی و سپہر
هر دم انجامِ مرا جلوهٔ آغاز دهد

میں تو کوشش کی راہ پر اس قدر تیزی اور سرگرمی سے چلتا ہوں کہ سر پیر کی خبر نہیں ہوتی۔

اُدھر فلک کی ستم ظریفی دیکھو کہ انجام کار مجھے آغاز کار نظر آتا ہے۔

شوق کی کوئی انتہا نہیں۔ جنونِ محبت میں انتہا پر پہنچ کر بھی ابتدا کا رنگ ہوتا ہے۔

نظیری کا شعر ہے:

آغازِ جنونم شدہ پایانِ محبت
کاری است بانجام کہ انجام ندارد

پردہ داران بہ نی و ساز فشارش دادند
نالہ می خواست کہ شرحِ ستمِ ناز دھد

لغت: ''پردہ داران'' = پردہ کے ایک معنی سر کے بھی ہوتے ہیں۔ ''پردہ داران'' کا لفظ اس شعر میں بہت پر معنی ہے۔ ایک تو پردہ داروں کا مفہوم دیتا ہے یعنی کسی بات کو پردے میں رکھنے والے۔ دوسرے نے اور ساز کے اعتبار سے ''نغمہ پرداز''۔

ہماری فریاد چاہتی تھی کہ اُبھر کر محبوب کے ستم ناز و ادا کو بیان کرے لیکن پردہ داروں نے اس فریاد کو نی اور ساز میں بھینچ لیا۔

یعنی نغمہ و ساز سے جو آواز بلند ہو رہی ہے دراصل ہماری ہی فریاد ہے جس نے یہ صورت اختیار کر لی ہے۔ وہ بھی عاشق ہی کی پکار ہے جو محبوب ستم ناز کی شرح کر رہی ہے۔

ہر نسیمی کہ ز کوی تو بہ خاکم گذرد
یادم از ولولۂ عمرِ سبک تاز دھد

لغت: ''سبک تاز'' = تیز رفتار۔ ''ولولۂ عمرِ سبک تاز'' = انسانی زندگی کی تیز خرامی۔

تیرے کوچے سے جو ہوا آ کر میری خاک پر سے گزرتی ہے، مجھے یاد دلاتی ہے کہ زندگی کیسی تیزی سے گزر گئی ہے۔ اس شعر میں لطیف نکتہ یہ ہے کہ محبوب کے کوچے کی ہوا اگرچہ تیزی سے گزر جاتی ہے لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی آئی اور تیزی سے چلی گئی۔ گویا

وہ ایک لمحہ پوری زندگی ہوتا ہے۔

چون ننازد سخن از مرحمتِ دھر بخویش
کہ بر اُو عرفی و غالب بعوض باز دھد

لغت: ''سخن'' = شاعری، فنِ شعر۔

''مرحمتِ دہر'' = زمانے کی بخشش و عنایت۔

شاعری زمانے کی اس عنایت پر کیوں فخر نہ کرے کہ اُس نے اسے عرفی اور غالب جیسے سخن گو عطا کیے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۴۱)

کو فنا تا ھمہ آلائش پندار برد
از صُور جلوہ و از آئنہ زنگار برد

آئینہ پہلے فولاد کا بنتا تھا اور برسات میں یا ویسے نمی کے باعث زنگ آلودہ ہو جاتا تھا چنانچہ اس زنگار کو اتارنے کے لیے اُسے صیقل کرتے تھے۔ صوفیائے کرام دل کو آئینے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جتنا قلب صاف ہوگا اتنا ہی اس میں محبوب کا عکس نظر آئے گا۔

''صور'' = صورت (صورۃ) کی جمع ہے۔ مظاہر کائنات کو شاعر نے صور کہا ہے۔

''پندار'' = خودی، غرور خودی۔

اس شعر کا پس منظر مسئلہ وحدت الوجود ہے، یعنی کائنات کی ہر شے میں وجودِ باری

تعالیٰ ہی جلوہ گر ہے اور اشیاء کا وجود محض اُن کے اپنے غلط تصور کا نتیجہ ہے۔

انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ انا کے اس غلط تصور سے نکل کر اپنے آپ کو ذات حق میں فنا کر دے۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

کہتا ہے کہ

مقام فنا کہاں ہے کہ وہ ہمیں ان تمام غلط تصورات خودی کی آلائشوں سے پاک کر دے، ساری صورتیں مٹ جائیں اور آئینے کی جلا ہو جائے۔

شب ز خود رفتم و برشعلہ کشودم آغوش
کو بد آموز کہ پیغارہ بہ دلدار برد

رات میں بے خود ہو گیا اور اس عالم بے خودی میں میں آغوش کھول کر شعلے پر لپک پڑا تا کہ خود کو جلا دوں۔ رقیب بد آموز کہاں ہے کہ جا کر محبوب کو ہماری طرف سے طعنہ دے کہ دیکھو سچے عاشق نے یوں جان دے دی۔ طعنہ اس لیے کہ رقیب اُسے عاشق کے بارے میں غلط باتیں کہتا رہتا تھا اور وہ انہیں درست سمجھتا تھا۔ عاشق کی موت نے یہ باتیں جھٹلا دیں۔

گفتہ باشی کہ بھر حیلہ در آتش فگنش
غیر می خواست مرا بی تو بہ گلزار برد

"رقیب چاہتا تھا کہ مجھے تیرے بغیر ہی باغ میں لے جائے۔ غالباً تو نے کہا ہوگا کہ اسے (یعنی مجھے) آگ میں جلاؤ۔"

محبوب کی جدائی میں باغ میں جانا گویا آگ میں جلنا ہے۔ غالب کے یہ شعر دیکھیے:

غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دے
مجھے دماغ نہیں خندہ ہای بے جا کا
مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

باز چسپیدہ لب از جوش حلاوت باھم
مرگ مشکل کہ زما لذت گفتار برد

موت ہم سے لذت گفتار نہیں چھین سکتی۔ ہمارے لب تو معشوق کے لبوں کی حلاوت سے ایک دوسرے سے چمٹ گئے ہیں۔

عشوۂ مرحمت چرخ مخر کاین عیار
یوسف از چاہ برآرد کہ ببازار برد

لغت: "عشوہ خریدن" = فریب میں آنا۔ ناز و ادا پر فریفتہ ہونا۔

اس آسماں کی مہربانیوں اور نوازشوں پر فریفتہ نہ ہو کیونکہ یہ عیار تو یوسف کو کنویں سے اس لیے نکالتا ہے کہ اُسے سر بازار فروخت کرے۔

شوق گستاخ و تو سرمست بدان رسوائی
ھان ادای کہ دل و دستِ من از کار برد

ہماری محبت کے جذبے کی بے باکیوں نے ہمیں رسوا کر دیا اور تو ان رسوائیوں سے سرشار ہے۔ ہاں کوئی ایسی ادا دکھاؤ کہ میرا دل اور میرا ہاتھ دونوں کام سے جاتے رہیں۔

تا کہ نہ دل میں کوئی گستاخ جذبہ پیدا ہو اور نہ ہی ہاتھ دراز دستی کر سکیں۔

خونچکان است نسیم از اثر نالۂ من
کیست کز سعیِ نظر پی بہ دریارِ برد

میری فریادوں سے ہوا میں خون برس رہا ہے۔ کون ہے۔ جس کی نظریں در یار تک پہنچیں۔ گویا فضا میں خون کے بادل لہرا رہے ہیں، اب نگاہیں در یار تک کیسے پہنچیں گی۔

تو نیائی بہ لبِ بام و بکوی تو مدام
دیده ذوقِ نگہ از روزنِ دیوار برد

تو تو بام پر نہیں آتا اور اپنا جلوہ نہیں دکھاتا۔ اب تیرے کوچے میں ہماری آنکھیں ترے گھر کی دیواروں کے روزن ہی کے ذریعے لذت اندوز ہوتی ہیں یعنی تجھے ہم اب روزنِ دیوار ہی سے دیکھ لیں تو دیکھ لیں، تیرے دیدار سے فیضیاب ہونے کی اور کوئی صورت نہیں۔

ناز را آئنہ مائیم، بفرما تا شوق
بہ تو از جانبِ ما مژدۂ دیدار برد

ہم تیرے ناز و ادائے حسن کا سرتاپا آئینہ بن چکے ہیں، تو اجازت دے کہ ہمارا جذبۂ شوق ہماری طرف سے تیری طرف مژدہ دیدار لے جائے اور تو آ کر اپنی صورت اس آئینے میں دیکھ لے۔

یعنی تو تو اپنا جلوہ نہیں دکھاتا لیکن ہمارا دل تصور ہی میں تیرے حسن کو اور اُس کی ناز فرمائیوں کو دیکھ لیتا ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو آ کر ہمارے دل میں ایک نظر ڈال کر دیکھ لے۔

مژہ ات سفت دل و رفت نگاہ تو فرو
کز ضمیرم گلۂ سرزنشِ خار برد

میرے دل میں محبت کی خلش کانٹے کی طرح محسوس ہوتی تھی اور وہ اس خلش کی شکایت کرتا رہتا تھا۔ اب تیری مژگاں نے دل کو چیر دیا ہے اور تیری نگاہیں دل میں اتر گئی ہیں تا کہ یہ خلش دور ہو جائے۔

خاکی از رہگذرِ دوست بفرقم ریزند
تا ز دل حسرتِ آرائشِ دستار برد

کوئی دوست کی رہگذر کی خاک ہی میرے سر پہ ڈال دے تا کہ میرے دل سے دستار سر کی آرائش کی حسرت نکل جائے عاشق خستہ حال کی دستار کے کے لیے پھولوں کی آرائش سے بڑھ کر معشوق کی راہ کا غبار ہی زینت کا سامان ہے۔

میزند دم ز فنا غالب و تسکینش نیست
بو کہ توفیق ز گفتار بہ کردار برد

لغت: ''بو''=بود کا مخفف ہے۔

غالب مقام فنا کی باتیں کرتا ہے لیکن اس کے قلم کو تسکین حاصل نہیں ہوتی۔ اللہ اُسے گفتار کو چھوڑ کر کردار کی توفیق عطا کرے۔

یعنی مقام فنا محض مسئلہ فنا کا ذکر کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کا تعلق انسان کے عمل سے ہے۔ تسکین قلب اُسی صورت میں میسر آتی ہے جب یہ کیفیت انسانی کی عملی زندگی سے اُبھرے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۴۲)

چاک از جیبم بداماں می رود
تاچه بر چاک از گریباں می رود

لغت: ''جیب'' = گریبان کو کہتے ہیں۔
گریباں کے ہاتھوں چاک پر کیا گزری کہ اب وہ دامن تک جا پہنچا ہے۔

جوہر طبعم درخشاں است، لیک
روزم اندر ابر پنہاں می رود

میرا جوہرِ طبع تو روشن ہے لیکن میرے دن کو بادلوں کی تاریکی نے گھیرا ہوا ہے۔
روز سے مراد بخت ہے۔ اللہ نے مجھے طبعی ذہانت و فطانت تو عطا کی لیکن نصیبے کی تاریکی میں یہ جوہر چمک نہ سکا۔

گر بود مشکل مرنج ای دل کہ کار
چون رود از دست آسان می رود

اگر کام مشکل ہو تو اسے کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے۔ جب کام ہاتھ سے نکل جائے تو رواں ہو جاتا ہے یعنی کسی معاملے کی مشکلات ہی اُسے حل کر دیتی ہیں اس لئے کہ انسان اُن کے لیے بے حد کوشاں ہوتا ہے۔

جز سخن کفری و ایمانی کجاست
خود سخن از کفر و ایمان می رود

باتوں کے سوا کفر اور ایمان کہاں ہیں؟ اور باتیں بھی کفر اور ایمان کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے کی جاتی ہیں۔

ہر شمیمی را مشامی درخور است
بوئی پیراہن بہ کنعان می رود

ہر خوشبو کے لیے مناسب مشام (قوت شامہ) کی ضرورت ہے یوسف کے پیرہن کو سونگھنے کے لیے اُس کا کنعان میں حضرت یعقوب تک جانا ضروری ہے۔
کہا جاتا ہے حضرت یوسف کے پیرہن کی بو مصر سے کنعان جا پہنچی تھی اور اُس نے حضرت یعقوب کی آنکھوں کو جو فراق یوسف میں نابینا ہو چکی تھیں بینا کر دیا تھا۔

آید و از ذوق نشناسم کہ کیست
تا رود، پنداشتی جان می رود

لغت: ''پنداشتی'' = تونے خیال کیا، تو سمجھے، گویا
وہ آئے تو ذوق وصال کی فراوانی میں میں پہچان نہیں سکتا کہ وہ کون ہے اور جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے میری جان ہی چلی گئی۔

می برد اما نہ یک جا می برد
می رود اما پریشاں می رود

وہ لے جاتا ہے تو ایک جگہ نہیں لے جاتا، جاتا ہے تو پریشان جاتا ہے۔
یعنی اُس کے مزاج میں آوارگی اور ہرجائی پن ہے۔

ھر کہ بیند، در رھشن، گوید ھمی
قبلۂ آتش پرستان می رود

جو کوئی اُسے راہ میں دیکھتا ہے کہتا ہے، وہ قبلۂ آتش پرستاں جا رہا ہے۔
یعنی اُس کا حسن درخشاں، آگ کے شعلوں کی طرح بھڑکتا ہے۔

اول ماہ است و از شرم توماہ
اخر شب از شبستان می رود

چاند مہینے کے ابتدائی دنوں میں رات کو تھوڑی دیر تک روشن رہتا ہے اور پھر چھپ جاتا ہے۔ کہتا ہے مہینے کے شروع کا چاند ہے۔ تیرے رشک کے باعث رات کے آخر میں غائب ہو جاتا ہے۔

غالب کی اپنی تشریح دیکھیے:

اولِ ماہ۔ یہاں ماہ بمعنی مہینے کے ہے اور اول سے ۸،۹،۱۰ تاریخ مقصود ہے اول راتوں میں بعد آدھی رات کے چاند چھپ جاتا ہے۔ بس شاعر کہتا ہے کہ ہنوز ابتدائی حال ہے اور قمر زائدالنور ہے اور باوجود اس روز افسونی دولت کے تیرے شرم سے آخر شب کو بھاگ جاتا ہے اور تمام رات تیرے مقابل نہیں رہ سکتا۔

اس کو "حسن تعلیل" کہتے ہیں یعنی چاند کا اوائل ماہ قمری میں آخر شب غروب ہونا ضروری ہے۔ شاعر نے اس کی ایک اور وجہ قرار دی ہے۔

بگذر از دشمن، دلش سخت است سخت
آبروی تیر و پیکان می رود

رقیب (دشمن) سے قطع نظر کرلے، اس کا دل تو بہت سخت ہے اس پر تیرے تیر و پیکان چلانے کا کیا فائدہ، وہ ضائع ہو رہے ہیں۔ اُن کی آبرو لٹ رہی ہے۔ یہ تیر ہم پر آزماؤ۔

کیست تا گوید بدان ایوان نشین
آنچہ بر غالب ز دربان می رود

کون ہے جو اس قصر نشیں محبوبہ سے جا کر کہے جو کچھ غالب پر دربان کے ہاتھوں ظلم ہو رہا ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۴۳)

نومیدی ما گردشِ ایام ندارد
روزی کہ سیہ شد سحر و شام ندارد

گردشِ ایام سے زمانے میں تبدیلیاں آتی ہیں لیکن بعض لوگ ایسے بدبخت ہوتے ہیں کہ اُن کی زندگی میں ایسے قانون بھی اثر انداز نہیں ہوتے۔ کہتا ہے:

ہماری مایوسی میں کوئی انقلاب نہیں آتا۔ جو دن سیہ ہو جائے اس کی نہ صبح ہوتی نہ شام (وہ تو ہمیشہ تاریک ہی رہتا ہے)۔ یعنی ہماری مایوسی کبھی امید سے نہیں بدلتی۔

بوسم لب دلدار و گزیدن نتوانم
نرم است دلم، حوصلۂ کام ندارد

لغت: ''کام'' = خواہش، خواہش برآری۔

میں محبوب کے لبوں کو تو چُومتا ہوں لیکن اُنہیں زور سے کاٹ نہیں سکتا، میں بہت نرم دل واقع ہوا ہوں، مجھ میں خواہش کے پورا کرنے کا حوصلہ ہی نہیں۔

مفرست بہ طوفِ حرم دوستِ نسیمی
کز نکہتِ گل جامہ احرام ندارد

حرم دوست کے طواف کے لیے نسیم ایسی نہ آئے جو بوئے گل کا احرام پہنے ہوئی نہ ہو (یعنی معطر اور پاکیزہ نہ ہو۔)

ھر ذرہ خاکم ز تو رقصان بہ ھوائی است
دیوانگی شوق سرانجام ندارد

میری خاک کا ہر ذرہ تیری محبت میں فضا میں رقص کر رہا ہے۔ جنون عشق کی کوئی انتہا نہیں ہوتی (ذرے ہوا میں گھومتے رہتے ہیں اور کسی منزل مقصود پر نہیں پہنچتے)۔ جنون عشق کا بھی یہی عالم ہے۔ پیہم سرگردانی۔

رو تن بہ بلادہ کہ دگر بیم بلا نیست
مرغ قفسی کشمکش دام ندارد

اپنے آپ کو مصائب کے سپرد کر دے جہاں پھر کسی قسم کا خوف مصیبت نہ رہے۔ جو پرندہ پنجرے میں قید ہوا سے جال میں پھنسے رہنے کی کشمکش سے نجات مل جاتی ہے۔

غ بی محابا در بودن بہ از بیم بلاست

قاصد خبر آورد و ھمان خشک دماغم
طرف قدحش رشحۂ پیغام ندارد

لغت: ''خشک دماغ'' = جو نشے سے عاری ہو۔ خمارزدہ۔

قاصد محبوب کا پیغام لے کر آیا اور میں ویسا ہی افسردہ خاطر ہوں۔ قاصد کے پیالے سے پیغام کا کوئی کیف آور قطرہ نہیں ٹپکتا (یعنی کوئی خوش کن پیغام نہیں آیا)۔

بی نقشِ وجود سراپای من از ضعف
چون بستر خواب است کہ اندام ندارد

تیرے وجود کے بغیر میرا ضعیف جسم اس بستر خواب کی طرح ہے کہ جس پر کوئی لیٹا ہوا نہ ہو (خالی بستر) اللہ تعالیٰ ہی کے وجود سے تمام وجود قائم ہیں۔

گردید نشان ھا ھدفِ تیر بلاھا
آسائش عنقا کہ بجز نام ندارد

جہاں کہیں نشان ہوگا، تیر بلا کا نشانہ بنے گا (یعنی جو چیز معرض وجود میں ہے۔ وہ مصائب میں گھری ہوئی ہے) آسودگی صرف عنقا کو نصیب ہے کہ اس کا صرف نام ہے وجود کوئی نہیں۔

بلبل بہ چمن بنگر و پروانہ بہ محفل
شوق است کہ در وصل ھم آرام ندارد

وصل میں بھی شوق کو آرام نصیب نہیں۔ بلبل کو چمن میں اور پروانے کو شمع کی محفل میں دیکھ لو کتنے بے قرار ہیں۔

تلخ است رگِ ذوق کبابی کا بسوزد
زان رشک کہ سوزِ جگرِ خام ندارد

"جگر خام" وہ دل یا جگر جو عشق کی آگ سے نیم بسمل ہو کہ اُس میں عشق کی کسک بدستور چلی جاتی ہے اور اسی کسک میں ساری لذت زندگی پوشیدہ ہے۔ کہتا ہے:
جو کباب جل گیا ہے اس میں تلخی ہے۔ اس وجہ سے کہ اُس میں سوز جگر خام کا انداز نہیں اور اُسے اس پر رشک آتا ہے کہ میں بھی اس آتش نیم سوز سے لذت اندوز کیوں نہ ہوا۔

آیا بہ دلت ولولہ کسبِ ھوا نیست
یا آنکہ سرای تو لب بام ندارد

کیا تجھ میں ہوا کو جذب کرنے کا ولولہ ہی نہیں یا تیرے گھر کا کوئی لب بام ہی نہیں۔

بوسی کہ ربایند بہ مستی ز لب یار
نغزست ولی لذت دشنام ندارد

لغت: "بوس" = بوسہ۔
مستی کے عالم میں لب یار کا بوسہ بہت مزیدار ہے لیکن اس میں دشنام لذت شامل نہیں ہوتی۔

ھر رشحہ باندازۂ ھر حوصلہ ریزند
میخانۂ توفیق خم و جام ندارد

پینے والے کے ظرف اور حوصلے کے مطابق شراب ملتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے کرم و بخشش کے میخانے میں خم و جام نہیں ہوتا۔

غالب کہ بہ است از غزلم مصرعۂ اُستاد
"بادام صفای گل بادام ندارد"

غالب! میری ساری غزل سے اُستاد کا یہ مصرعہ زیادہ اچھا ہے۔
"بادام میں گل بادام کی سی پاکیزگی حسن نہیں ہوتی"

❀❀❀

غزل نمبر (۴۴)

چہ خیزد از سخنی کز درون جان نبود
بریدہ باد زبانی کہ خونچکان نبود

جو بات دل سے نہیں نکلتی وہ کچھ اثر نہیں کرتی، پس کٹیو وہ زبان جو خونچکان یعنی درد سے بھری ہوئی نہ ہو۔

حکیم ساقی و مٔی تند و من ز بدخوئی
ز رطلِ بادہ بہ خشم آیم ار گران نبود

حکیم سے مراد خدا ہے۔ کہتا ہے کہ ساقی تو اندازے سے زیادہ نہیں دیتا اور شراب (دولت دنیا) تند ہے مگر میں اپنی بدخوئی اور زیادہ طلبی سے اگر شراب کا پیالہ ہلکا پاتا ہوں تو غصے میں

آتا ہوں۔(حالی)

نگفتہ ام ستم از جانب خداست، ولی
خدا بہ عہد تو بر خلق مہربان نبود

میں یہ نہیں کہتا کہ ستم خدا کی طرف سے ہے۔لیکن خدا تیرے عہد میں خلق پر مہربان نہیں ہوتا یعنی اگر وہ مہربان ہوتا تو تو اتنا جور و ستم نہ کر سکتا۔

ز نازکی نتواند نهفت راز مرا
خیال بوسہ برآن پای بی نشان نبود

وہ اپنی نزاکت کی وجہ سے میرے راز کو چھپا نہیں سکتا، بوسے کے خیال سے بھی اُس کے پاؤں پر ایک نشان سا پڑ جاتا ہے۔

اس شعر سے معاً فارسی کے شعر کی طرف دھیان جاتا ہے۔

تو بخواب ناز بودی و من از رقیب پنھان
کف پات بوسہ دادم زحنا شنیدہ باشی

مرزا غالب نے اسی قسم کے احساس کو زیادہ مبالغہ آمیز انداز میں بیان کیا ہے۔کہتا ہے کہ بوسہ لینا تو درکنار اگر بوسے کا خیال بھی آئے تو میرے محبوب کی نزاکت کا یہ عالم ہے کہ اس خیال بوسہ سے اس کے پاؤں پر نشان سے پڑ جاتے ہیں اور میری یہ راز کی بات ظاہر ہوتی ہے۔

چو عشرتی کہ کند فاسق تنک مایہ
ز زخم، خون بہ زبان لیسم، ار روان نبود

جس طرح ایک کم مایہ عیاش گھٹیا قسم کی عیاشی کرتا ہے میں اگر میرے زخموں سے خون نہ بہے تو میں زخم کو چاٹنا شروع کر دیتا ہوں۔

ز خویشِ رفتہ ام و فرصتی طمع دارم
کہ باز گردم و جز دوست ارمغان نبود

قاعدہ ہے کہ جب آدمی کہیں سفر پر جاتا ہے تو وہاں سے کچھ سوغات و ہدیہ و ارمغان لے کر وطن میں واپس آتا ہے۔کہتا ہے کہ میں اپنے آپ سے تو جا چکا ہوں اب یہ چاہتا ہوں کہ واپس پھر کر اپنے آپے میں آؤں تو دوست (یعنی حق) کے سوا کوئی سوغات لے کر نہ آؤں۔(حالی)

زمام ناقہ بہ دست تصرفِ شوقِ است
بہ سوئی قیس گرایش ز ساربان نبود

لغت: ''گرای'' = رجحان۔

یعنی لیلیٰ کا ناقہ جو قیس کی طرف چلا ہے، بوجہ ساربان نہیں بلکہ اس وقت اس کی باگ تصرفِ شوقِ قیس کے ہاتھ میں ہے وہ جدھر چاہتا ہے لے جاتا ہے۔(حالی)

یعنی مجنوں کا جذب شوق اتنا تیز ہے کہ ناقہ لیلیٰ خود بخود کشاں کشاں اُس کی طرف جا رہی ہے، ساربان کا اس میں ہاتھ نہیں۔

فرو برد نفس سرد من جھنم را
اگر نشاطِ عطای تو درمیان نبود

خدا سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے خدا اگر ہمیں یہ خوشی نہ ہو کہ جہنم بھی تیری عطا ہے تو میرا نفس سر، اُسے نگل جائے (جہنم سرد پڑ جائے)۔

مرا کہ لب بہ طلب آشنا نخواستۂ
روا مدار کہ شاہد ضمیردان نبود

خدا سے کہتا ہے کہ اگر تو نے یہ گوارا نہیں کیا مجھے طلب آشنا لب ملتے تو یہ بھی روا نہیں کہ ہمارا محبوب ہمارے ضمیر کی بات ہی نہ جانے۔
یعنی اگر ہمیں طلب کی خو نہیں دی تو معشوق کو تو ہمارے دل کا رازداں بنایا ہوتا۔

امید بوالھوس و حسرت من افزون شد
ازین نوید کہ اندوہ جاودان نبود

یہ خوش خبری سن کر کہ غم ہمیشہ نہیں رہتا بوالھوس رقیب کی امیدیں بڑھ گئیں اور میری حسرتوں میں اضافہ ہوا۔

بہ التفاتِ نگارم چہ جائی تھنیت است
دعا کنید کہ نوعی ز امتحان نبود

میرے محبوب کا التفات میرے لئے کوئی مبارک باد کا مقام نہیں، دعا کرو کہ یہ التفات اور توجہ اور مہربانی بھی ایک نئے رنگ کا امتحان ہی نہ ہو۔

عجب بود سر ھمخوابی کسی غالب
مرا کہ بالش و بستر ز پرنیان نبود

لغت: ''بالش''=تکیہ ''پرنیاں''=ریشم ''سر''=ارادہ، خیال۔
غالب! میری کسی کے ساتھ ہم خواب ہونے کی خواہش بھی عجیب ہے، میرے پاس نہ ریشمی بستر ہے نہ تکیہ۔

❁❁❁

غزل نمبر(۴۵)

بتان شھر، ستم پیشہ شھریاران اند
کہ در ستم روش آموز روزگاران اند

خوبان شہر کیا ہیں ظالم بادشاہ کی طرح ہیں۔ زمانہ تو ستم ڈھاتا ہی ہے۔ یہ زمانے کو بھی سکھاتے ہیں کہ دیکھو طرز ستم یوں ہوتی ہے۔

برند دل بہ ادای کہ کس گمان نہ برد
فغان ز پردہ نشینان کہ پردہ داران اند

اس ادا سے دل چھین لیتے ہیں کہ کسی کو گماں تک نہیں ہوتا۔ تو! یہ پردہ نشین، کہ چھپ کر دل چراتے ہیں اور پھر اس راز کو ظاہر بھی ہونے نہیں دیتے۔

بہ جنگ تا چہ بود خوی دلبران کاین قدم
در آشتی نمک زخم دلفگاران اند

ان معشوقوں کی دشمنی اور مخالفت کا کیا عالم ہوگا جب کہ یہ لوگ صلح و آشتی کی حالت میں بھی اپنے زخمیوں (عاشقوں) کے دلوں کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہیں۔

نہ زرع و کشت شناسند نی حدیقہ و باغ
ز بہر بادہ ھوا خواہ باد و باران اند

ہوا اور مینہ کچھ اس لیے نہیں چاہتے کہ اُس سے کھیتیاں اور پھلواڑیاں اور باغ سبز و شاداب ہوں گے بلکہ صرف اس لیے کہ شراب پینے کا لطف بغیر باد و باراں کے نہیں آتا۔

مولانا حالی نے ''یادگار غالب'' میں اس شعر کی وضاحت کے ضمن میں ایک بڑی پرلطف بات کہی ہے۔ لکھتے ہیں:

''یہ مضمون مرزا صاحب کو کہیں تلاش کرنا نہیں پڑا بلکہ یہ خاص اُن کی طبیعت کا اقتضا تھا۔ جس مکان میں مرزا رہتے تھے اس کے دروازے پر ایک کمرہ تھا اور کمرے کے آگے ایک برآمدہ تھا، جس کے نیچے رستہ تھا، یہ برآمدہ گزرگاہ سے تقریباً چار گز اونچا ہوگا۔ ایک روز مینہ برس رہا تھا اور مرزا صاحب برآمدے میں بیٹھے ہوئے ابرو باراں کی مدارات میں مصروف تھے۔ اس وقت عالمِ سرخوشی میں فرمانے لگے کہ جی چاہتا ہے ایسا برسے کہ گلی کی رو کا پانی برآمدے تک آجائے اور میں یہیں بیٹھا بیٹھا گلاس بھر بھر کر پانی پیوں، کسی نے کہا حضرت! برآمدے تک پانی آگیا تو شہر پہلے ڈوب جائے گا۔ مرزا صاحب ہنس کر چپکے ہو رہے۔

ز وعدہ گشتہ پشیمان و بہر دفع ملال
امیدوار بہ مرگ امیدواران اند

وہ ایفائے عہد سے انحراف پر پشیمان ہیں اور اب اس وعدہ خلافی کے ملال کو دور کرنے کے لیے، وعدے پر امیدیں لگائے ہوئے عاشقوں کی موت کے منتظر (امیدوار) ہیں یعنی وہ

مریں تو وعدے کے سارے جھنجھٹ ختم ہو جائیں۔

زروی خو و منش نور دیدۂ آتش
بہ رنگ و بوی جگر گوشۂ بھاران اند

خو اور طبیعت میں اتنے گرم مزاج گویا آگ کی آنکھوں کا نور ہیں اور ظاہری حسن و خوبی میں اتنے شگفتہ جیسے بہار کے لختِ جگر ہیں۔

یعنی دیکھنے میں سرتاپا بہار اور باطن میں آتش بار۔

تو سرمہ بین و ورق درنورد و دم درکش
مبین کہ سحر نگاھان سیاہکاران اند

لغت: ''ورق درنوردن'' = ورق الٹ لینا۔

حسینائیں سرمہ ڈال کر آنکھوں کو اور بھی دلکش بنا لیتی ہیں۔ شاعر نے اُنہیں ''سحر نگاہاں'' کہا ہے۔ ایسے لوگ بظاہر سحر نگاہ ہوتے ہیں لیکن اُن کا باطن سیاہ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے انہیں سیاہکار کہا گیا۔ کہتا ہے:

تو ان حسینوں کی آنکھ کا سرمہ دیکھ اور معاملہ یہیں ختم کر دے اور چپ ہو جا۔ یہ نہ دیکھ کہ جادو بھری نظروں والے سیہ چشم در پردہ سیاہکار ہیں۔

ز دید و داد مزن حرف، خرد سالان اند
بہ گرد راہ منہ چشم نی سواران اند

لغت: ''نی سوار'' = طفل نے سوار، وہ بچہ جو کسی چھڑی کو گھوڑا بنا کر چلتا ہے۔ کمسن۔

ان کے دیدار اور نظارے کی بات نہ کر ابھی وہ خرد سال ہیں۔ اُن کی راہ میں اُڑنے والی گرد کا انتظار نہ کر کیونکہ یہ شہسوارِ حسن ابھی کمسن (نے سوار) ہیں۔

ز چشم زخم بدین حیلہ کی رھی غالب
دگر مگو کہ چو من در جھان ھزاران اند

لغت: ''چشم زخم'' = ترکیب مقلوب ہے یعنی زخم چشم، نظر لگنا۔

غالب یہ مت کہہ کہ میرے جیسے دنیا میں ہزاروں اور ہیں، اتنا کہہ دینے سے تو نظر بد سے نہیں بچ سکتا۔ یعنی منفرد حیثیت اور شخصیت کو نظر بد لگے ہی گے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۴۶)

دلستانان بحلند، ارچہ جفا نیز کنند
از وفای کہ نکودند حیا نیز کنند

لغت: ''بحل'' = ترک کردہ شد، معاف۔

دل چھینے والے معشوق قابل معافی ہیں اگر چہ وہ جفا بھی کرتے ہیں۔ چونکہ وہ وفا نہیں کرتے اس بات سے شرم سار بھی ہوتے ہیں اسی وجہ سے قابل معافی ہیں۔

چون ببینند، بترسند و بہ یزدان گروند
رحم خود نیست کہ برحال گدا نیز کنند

جب وہ گدائی محبت کی حالت کو دیکھتے ہیں تو ڈرتے ہیں اور خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اُن کا رحم کرنا فی الحقیقت رحم نہیں، اللہ کا خوف ہے۔

خستہ تا جان ندھد، وعدۂ دیدار دھند
مشوہ خواھند کہ در کار قضا نیز کنند

عاشق خستہ حال جب تک جان نہیں دے دیتا یہ لوگ دیدار کا وعدہ کرتے رہتے ہیں۔

قضا و قدر کے معاملے میں ناز و انداز دکھانے سے باز نہیں آتے۔

زندگی اور موت خدا اور قضا کے تصرف میں ہے معشوق اس میں دخل اندازی کرکے اپنا شوقِ ناز و ادا پورا کرتے ہیں۔

خون ناکامی سی سالہ ھدر خواھد شد
مھر با ما اگر از بھر خدا نیز کنند

لغت: ''ہدر'' = ضائع، رائگاں۔

عاشق کو مدتوں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، لیکن وہ اسی میں خوش تھا۔ اب جو معشوق نے اندازِ مہربانی اختیار کیا تو معلوم ہوا کہ وہ محض خدا ترسی تھی۔ چنانچہ عاشق کی ناکامیوں کا خون ہو گیا۔

اندر آن روز کہ پرسش رود از ھرچہ گذشت
کاش با ما سخن از حسرتِ ما نیز کنند

لغت: ''آن روز'' = اُس دن، یعنی روزِ قیامت۔

حشر کے دن جب گذرے ہوئے معاملات و حالات کے بارے میں پوچھ ہوگی، کاش اُس روز ہماری حسرتوں کے بارے میں ہم سے پوچھا جائے۔ (تا کہ اگر کچھ صلہ نہیں تو کم از کم داد، تو ملے، یہ نہ ہو کہ وہاں **بھی ایک** حسرت دل میں رہ جائے۔)

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

از درختان خزان دیدہ بناشم، کاین ھا
ناز برتازگیِ برگ و نوا نیز کنند

میں خزاں دیدہ درختوں میں سے نہیں ہوں کیونکہ انہیں تو کم از کم تازہ برگ و بار حاصل ہونے پر ناز ہوتا ہے۔ (میری زندگی تو سرتاپا اور مسلسل خزاں ہے)۔

گر بود کوتھی از عمر، تو دانی و اجل
گفتۂ کار بہ ھنگامِ روا نیز کنند

خدا سے خطاب ہے: اگر زندگی مختصر ہے تو اس کا علم یا تجھے ہے یا موت کو، تو نے تو خود فرمایا ہے کہ ہر کام اپنے مناسب وقت پر کیا جاتا ہے۔

نشوی رنجہ رندان بہ صبوحی کاین قوم
نفسِ بادِ سحر غالیہ سا نیز کنند

لغت: ''غالیہ سا'' = معطر ''صبوحی'' = صبح کی شراب۔ رندوں کی صبوحی نوشی پر رنجیدہ نہ ہو کیونکہ یہ لوگ اپنی شراب کی خوشبو سے صبح کی ہوا کو معطر بھی تو کر دیتے ہیں۔ (یعنی ان کی شراب نوشی، صبح کی طرب انگیز فضا میں اضافہ کر دیتی ہے)۔

گفتہ باشی کہ زما خواهش دیدار خطاست
این خطای است کہ در روز جزا نیز کنند

تو نے غالباً یہ کہا ہوگا کہ ہمارے دیدار کی خواہش غلط ہے۔ یہ وہ **غلطی** ہے جو روز جزا بھی کی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ طور پر موسیٰ کی طلب دیدار پر خدا نے ''لن ترانی'' کہا تھا یعنی تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔

ایسی خواہش کرنا خطا تھی لیکن یہ خطا تو تیرے بندوں سے قیامت کے دن بھی ہوگی۔ ضروری نہیں کہ وہاں تیرا دیدار عام ہو۔

حلق غالب نگر و دشنۂ سعدی کہ سرود
خوب رویانِ جفا پیشہ وفا نیز کنند

سعدی نے غالب کے حلق پر چھری چلادی جب اُس نے یہ کہا یہ حسینانِ ستمگر وفا بھی کیا کرتے ہیں۔

❁❁❁

غزل نمبر (۴۷)

دماغِ اهلِ فنا نشۂ بلا دارد
بہ فرقم ارّہ، طلوعِ پرِ ھما دارد

لغت: ''اہل فنا'' = جو اپنے آپ کھو بیٹھے ہیں۔

اہل فنا کا دماغ مصائب سے سرشار ہوتا ہے، میرے سر پر آرہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا پرِ ہما ہے۔

به وعده گاه خرام تو کرد نمنا کم

بیا که شوقم از آوارگی حیا دارد

تیرے وعدہ گاہ پر خراماں آنے نے مجھے نمناک کر دیا (مجھے پسینہ آ گیا)۔ آ کہ میرے شوق کو آوارگی سے شرم آتی ہے۔

یعنی میں اپنے معشوق کو آوارہ خرامی کرتا دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ میں یہ منظر دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔

کشاد شست ادائی تو دلنشینِ من است

اگر خدنگ تو در دل نشست جا دارد

تیرے نشانہ باندھنے کا انداز ہی دل نشیں ہے۔ اگر تیرا تیر دل میں آ کر بیٹھ گیا تو بالکل مناسب ہوا۔

زمن مترس که ناگه به پیش قاضی حشر

هجوم ناله لبم را ز ناله وا دارد

مجھ سے مت گھبرا، میں تو وہ شخص ہوں کہ اگر قیامت کے روز داور حشر کے سامنے فریادوں کا طوفان بھی میرے لبوں پر آ گیا تو رک جائے گا۔ یعنی میں تیرا شکوہ نہیں کروں گا۔

دلم فسرد، بیفزا به وعده ذوقِ وصال

چراغ کشته همان شعله خون بها دارد

لغت: ''چراغ کشتن'' = چراغ بجھانا۔ ''چراغ کشتہ'' = بجھا ہوا چراغ۔

تیرے وعدۂ وصل کے پورا نہ ہونے سے میرا ذوقِ وصال ماند پڑتا گیا ہے اور دل افسردہ ہو کر رہ گیا ہے۔ تو تجدید وعدۂ وصال سے اس ذوقِ وصال کو تازہ کر دے۔ بجھے ہوئے کا خوں بہا بھی ہوتا ہے کہ اُس کا شعلہ پھر بھڑک اُٹھے۔

یعنی وعدہ وصل سے شوق کی آگ پھر بھڑک اُٹھے گی۔ جس طرح چراغ کے بجھانے کا صلہ یہی ہوتا ہے کہ اُسے پھر جلایا جائے۔

تپم ز رشک، همانا جستجوی کسی است

که خور ز تاب خود آتش بزیرپا دارد

لغت: ''خور'' = سورج...... ''آتش بزیرپا'' = بیقرار۔

میں اس رشک سے جلتا ہوں کہ سورج اپنی طبعی گرمی ہی سے بے قرار ہے۔ نہیں یقیناً وہ بھی کسی کی جستجو میں ہوگا۔

پی عتاب همانا بهانه می طلبد

شکایتی که زمانیست هم به ما دارد

جو گلے شکوے ہم اُس سے نہیں کرتے اُن سے بھی خفا ہوتا ہے اور شکوہ کرتا ہے کہ ہم ایسا کیوں نہیں کرتے، غرض وہ ہم سے بگڑنے اور عتاب نازل کرنے کے بہانے تلاش کرتا رہتا ہے۔

خوش است دعوی آرائش سر و دستار

ز جلوهٔ کف خاکی که نقش پا دارد

جس خاک پر تیرا نقش پا ہو اس خاک کا نظارہ ہی ہمارے سر و دستار کے لیے آرائش و

زینت کا سامان ہے۔ (کیونکہ عاشق کا سر خود بخود اس نقش پا پہ سجدہ ریز ہوگا)۔

زجورِ دستِ تهی ناله از نهادم جست

نئی که برگ ندارد همان نوا دارد

ہماری تہی دستی کے ہاتھوں ہمارے تن سے فریادیں اُبھرتی ہیں جس طرح نے (بانسری) جو خالی ہاتھ (بے برگ) ہوتی ہے فریاد کرتی ہے۔

ز سادگی رمد از حرفِ عشق، و من بگمان

که دوست تجربهٔ دارد از کجا دارد

میرا محبوب محض سادگی کی وجہ سے عشق کی باتوں سے گھبراتا ہے اور کتراتا ہے اور میں اس وسوسے میں ہوں کہ اس کو عشق کا کوئی تلخ تجربہ ہو چکا ہے، وہ تجربہ کہاں ہوا ہے اور کیسے ہوا ہے۔

بہ خون طپیدنِ گلها، نشان یک رنگی است

چمن عزای شهیدان کربلا دارد

سرخ سرخ پھول خون میں تڑپ رہے ہیں، یہ سب کے سب ایک رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ چمن شہیدان کربلا کا ماتم کر رہا ہے (گویا چمن کربلا کا منظر پیش کر رہا ہے۔)

فغان که رحم بد آموز یار شد غالب

روا نداشت که بر ما ستم روا دارد

افسوس کہ دوست کو جذبۂ رحم نے گمراہ کر دیا ہے۔ اب وہ ہم پر جور و ستم کرنے کو روا نہیں سمجھتا۔ ہم مارے گئے۔

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ

ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر

❁❁❁

غزل نمبر(۴۸)

نقاب دار که آئینِ رهزنی دارد

جمالِ یوسفی و فرّ بهمنی دارد

لغت: ''نقاب دار'' = پردہ نشین (معشوق)

''بہمن'' اسفندیار کا بیٹا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایران، عرب اور یونان اور اطالیہ تک اس کی سلطنت پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے یہ اپنی فر و شوکت کے لیے مشہور ہے۔ مشہور ہے کہ اس کے ہاتھ زانو تک پہنچتے تھے اس اعتبار سے بہمن کا لفظ دراز دست کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

(بہمن ایران کے بارہ مہینوں میں سے ایک ہے۔ اور تین دنوں میں سے ایک دن کا نام بھی ہے۔ ایرانیوں میں یہ لفظ عقل اول کے لیے مستعمل ہے وہ اسے صادر اول بھی کہتے ہیں۔)

میرا محبوب پردہ نشیں جس کا دستور عاشقوں کے دلوں کو لوٹنا ہے، حسنِ یوسف رکھتا ہے اور بہمنی شان و شوکت اور دبدبہ بھی۔

وفای غیر گرش دلنشین شد است چه غم
خوشم ز دوست که بادوست دشمنی دارد

اگر رقیب کی وفا کا خیال اُس (میرے دوست) کے دل میں بیٹھ گیا ہے، تو فکر کی بات ہے۔ میں تو دوست سے خوش ہوں کہ وہ وفادار دوست سے دشمنی کرتا ہے۔ رقیب کا بھی یہی حشر ہوگا، وہ بھی اس کے ستم کا شکار ہوگا۔

چه ذوق ره روی آن را که خار خاری نیست
مرو بکعبه اگر راه ایمنی دارد

لغت: ''خارخار'' = خلش، خلجان۔

جب تک کچھ خطرہ نہ ہو سفر میں کچھ لطف نہیں۔ پس اگر کعبے کی راہ پر امن ہو تو کعبے بھی نہیں جانا چاہیے۔
کٹھن منزلیں طے کرنے کے بعد مقام مقصود پر پہنچنے کا لطف ہوتا ہے۔

به دلفریبیِ من گرم بحث و سودِ منست
نگاهِ تو به زبانِ تو هم فنی دارد

تو میرے دل کو فریب دینے میں گرم بحث ہے، اور اس میں میرا فائدہ ہے کیونکہ تیری زبان اور نگاہیں دونوں ہم فن ہیں یعنی دونوں دلفریب ہیں۔

به باده گر بودم میل، شاعرم نه فقیه
سخن چه ننگ ز آلوده دامنی دارد

اگر میں شراب کا رسیا ہوں تو کیا ہوا، میں شاعر ہوں کوئی فقیہ نہیں ہوں۔ شاعری کے لیے آلودہ دامنی کے باعثِ ننگ ہو سکتی ہے۔
شراب سے وہ پرہیز کریں جو اس کے حرام ہونے کے قوانین وضع کرتے ہیں یعنی فقیہ۔

خوشم به بزم ز اکرامِ خویش، زین غافل
که می نمانده و ساقی فروتنی دارد

لغت: ''فروتنی'' = تواضع۔

بزمِ مے میں ساقی بڑی تعظیم سے پیش آ رہا ہے اور میں اپنی اس عزت افزائی سے خوش ہوں۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میخانے میں شراب باقی نہیں رہی چنانچہ ساقی اس شرم کو چھپانے کے لیے تواضع کر رہا ہے۔

نباشدش سخنی کش توان به کاغذ برد
برو که خواجه گهرهای معدنی دارد

لغت: ''خواجہ'' = مال دار آدمی۔ طنزاً حضرت کے مفہوم میں بھی آتا ہے یہاں اس کے دونوں معنوی پہلو ابھرتے ہیں۔ خواجہ کے پاس سخن کے موتی کہاں جو وہ کاغذ پر بکھیرے، جا اُس کے پاس تو دولت (کان سے نکلے ہوئے موتی ہیں) ہے اور بس۔ شاعری کے ذوق سے بے بہرہ ہے۔

بیاورید گر اینجا بود زبان دانی
غریب شهر سخن های گفتنی دارد

مولانا حالی اس شعر کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

حد سے زیادہ بلیغ شعر ہے اگرچہ مضمون عام ہے مگر خود شاعر کے حال پر خوب چسپاں ہوتا ہے اور اُس نے یقیناً اپنی ہی نسبت کہا ہے جب کوئی غیر ملک کا مسافر شہر میں وارد ہوتا ہے اور اس کی زبان کوئی نہیں سمجھتا تو ترجمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاعر، کچھ تو اس لیے کہ کسی کو اپنا قدردان اور پایہ شناس نہیں پاتا اور کچھ اس لیے کہ اپنا نازک اور باریک خیالات کا سمجھنے والا کسی کو نہیں دیکھتا، اپنے تئیں غریب شہر قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کسی ترجمان کو بلاؤ کہ اجنبی مسافر کچھ باتیں جو کہنے کے لائق ہیں، کہنی چاہتا ہے۔

مبارک است رفیق، ارچنین بود غالب
ضیای نیّرِ ما چشم روشنی دارد

لغت: ''نیّر'' = سورج کو کہتے ہیں۔

یہاں نیر سے مراد نواب ضیاء الدین خان نیر رخشاں ہے جو غالب کے رفقا اور محسنوں میں سے تھے۔ غالب اگر ایسا رفیق ہو جیسے کہ نیر رخشاں ہیں تو بڑی بات ہے، ہمارے نیر کی چمک بصیرت رکھنے والی آنکھ کی طرح ہے۔

نیر رخشاں اک نغز گو شاعر بھی تھے اور ذوقِ سلیم بھی رکھتے تھے۔

شعر کے دوسرے مصرعے میں، ضیا، نیر اور روشنی کے الفاظ بڑی رعایتِ شعری کے حامل ہیں اور ذو معنی ہیں۔

❁❁❁

غزل نمبر(۴۹)

زرشک است این که در عشق آرزوی مردنم باشد
تو جان عالمی، حیف است گر جان در تنم باشد

عشق میں مجھے جو مرنے کی آرزو ہے یہ رشک کی وجہ سے ہے۔ رشک اس بات کا کہ دنیا کی جان ہے پھر افسوس ہے اگر میرے تن میں بھی جان ہو۔

یعنی میں یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ تیری محبت سب کے دل میں ہو۔

اس شعر کا اطلاق شاہد حقیقی پر ہے۔

زہی قسمت که ساز طالعِ عیشم کنند آن را
اگر خود جزوی از گردون به کام دشمنم باشد

''خود'' کا یہ لفظ یہاں تاکید کے لیے آیا۔

اگر آسمان کا کوئی ٹکڑا بھی میرے رقیب کی خواہش کے مطابق ہو تو میری خوش قسمتی ہوگی اگر اسے میرے عیش و نشاط کا ساز و سامان بنا دیا جائے۔

یعنی جو کچھ میرے رقیب کو میسر ہے کاش مجھے بھی مل جائے خواہ وہ گردش آسمانی ہی کیوں نہ ہو۔

بیاسا ساعتی تا بردم تیغت گلو سایم
که از خود نیز در کشتن حقی برگردنم باشد

لغت: ''بیاسا'' = مصدر آسودن سے فعل امر ہے آسا، بائے زائد کے ساتھ بیاسا بن گیا۔

"سایم" مصدر سودن سے ہے۔ (رگڑنا) رگڑ سکوں۔

مجھے قتل کرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے رک جاتا کہ میں اپنا گلا تیری تلوار کی دھار پر رگڑوں تاکہ اس قتل میں میری گردن پر میرا بھی کچھ احسان ہو۔

لذت قتل کو بیان کیا ہے۔

شناسم سعیِ بختِ خویش در نامهربانی ها
بلرزم برگلستان گر گلی در دامنم باشد

میں اپنے نصیبی کی مہربانیوں کو خوب پہچانتا ہوں۔ اگر اتفاق سے کوئی پھول میری جھولی میں آجائے تو میں باغ کی اس غیر متوقع عنایت پر لرز جاتا ہوں۔

تو داری دین و ایمانی بترس از دیو و نیرنگش
چو نبود توشهٔ راهی چه باک از رهزنم باشد

لغت: "نیرنگ" = طلسم فریب۔

زاہد سے خطاب کر کے کہتا ہے:

تیرے پاس تو دین و ایمان کا سرمایہ ہے، تجھے شیطان اور اُس کی فریب کاریوں سے ڈرنا چاہیے، مجھے کسی رہزن کا کیا ڈر، میرے پاس تو کوئی زادِ راہ نہیں ہے۔

به ذوقِ عافیت یاران روند از خویش و چون من هم
خلد در پائی من خاری که در پیراهنم باشد

پہلے مصرعے کے اخیر میں "ہم" کا لفظ دوسرے مصرعے سے پیوستہ ہے۔ کہتا ہے:

یار لوگ تو عافیت کی لذت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ سے باہر نکل جاتے ہیں، جب کہ میری حالت یہ ہے کہ اگر کانٹا میرے پیراہن میں ہو تو وہ بھی میرے پاؤں میں کھٹکتا ہے یعنی یہ لوگ تو عافیت کوش ہیں اور میرا یہ عالم ہے کہ **چبھن** کہیں ہو خار پا بن کر مجھے منزل عافیت کی طرف رخ کرنے سے روک لیتی ہے۔

بدان تا با من آویزد، چون حرف رنگ و بو گوید
دلم با اوستی، اما زبان با گلشنم باشد

جب وہ رنگ و بو کی بات کرتا ہے تو میرا دل اُس کی طرف ہی ہوتا ہے لیکن میں زبان سے گلشن کی بات کرتا ہوں تاکہ وہ مجھ سے الجھ پڑے (کہ میرے ہوتے ہوئے گلشن کے رنگ و بو کا تذکرہ کیوں کرتا ہے)۔

بدین آهنگ های پست نتوان غم برون دادن
مگر صور قیامت، سازِ شور شیونم باشد

لغت: "غم برون دادن" = غم کا باہر نکالنا، اظہار غم کرنا "شیون" = فریاد۔

ان پست سروں سے غم کا اظہار نہیں کیا جا سکتا، بجز اس کے میری فریاد کے ساز میں صور قیامت کی آواز سما جائے۔

به سوادیت همان اندازِ از خود رفتنی دارم
اگر، چون نالهٔ زنجیر، بند از آهنم باشد

لغت: "انداز از خود رفتنی" = بے خود ہونے کا انداز۔

زنجیر ذرا بھی ہل جائے تو اس سے آواز نکلتی ہے۔ یہ نالۂ زنجیر ہے۔ دیوانگی بڑھ جائے تو دیوانے کو زنجیر پہنا دیتے ہیں تاکہ وہ جوشِ جنوں میں اِدھر اُدھر نہ نکل جائے "بند از آہن" یہی زنجیر ہے۔ کہتا ہے۔

اگر نالۂ زنجیر کی طرح میری قید و بند کا سامان لوہے کا ہو تو بھی میرا جوش جنون کم نہ ہوگا اور میں اپنے آپے سے باہر نکل جاؤں گا۔

بہ زر ہمدوشِ قارون خفتن از دون ھمتی خیزد
بیاتا در سخن پیچم کہ غالب ھم فنم باشد

"قارون" مشہور دولتمند تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنس گیا تھا۔ دولت (زر) کے باعث قارون کا ہمسر ہو کر زمین میں اس کا ہم پہلو ہو کر سونا، کم ہمتی کی علامت ہے آتا کہ شعر و سخن کے ساتھ لپٹ جاؤں کہ غالب میرا ہم فن ہو جائے۔

یعنی قارون کا ہمدوش ہونا میری کسرِ شان ہے، میں تو فنِ شعر میں غالب کا ہمسر ہو سکتا ہوں کہ ہم دونوں ہم فن تو ہیں

❀❀❀

غزل نمبر (۵۰)

حورِ بہشتی زیاد آن بتِ کشمیر برد
بیم صراط از نہاد آن شمشیرِ برد

ہم کشمیری محبوبہ کو دیکھ کر، حور بہشتی کی یاد بھول گئے۔ تلوار کی دھار نے صراط کے خوف کو دل سے مٹا دیا۔

شبروئِ غمزۂ صبر و دل و دین ربود
جان کہ ازو باز ماند، شحنۂ تقدیر برد

لغت: "شبروی" = رہزنی، لوٹ، غارت گری۔

اُس کی اداؤں نے صبر، دل اور دین چھین لیے۔ جان جو باقی رہ گئی وہ قضا لے گئی۔

نالہ در ایوار شوق توشۂ راھی نداشت
بست بہ غارت کمر، فرصتِ شبگیر برد

"ایوار" و "شبگیر" دونوں مسافروں کی اصطلاحیں ہیں۔

غروب آفتاب سے پہلے دیگر کے وقت کا سفر ایوار اور صبح طلوع ہونے سے ذرا پہلے کا سفر شبگیر کہلاتا ہے۔

نالے کو شام کے سفر کے لیے زادِ راہ نہیں تھا، اُس نے لوٹ پر کمر باندھی اور صبح کی فراغت کو بھی چھین لیا۔

شوق بلندی گرای پایۂ منصور جست

حوصد نارسا، پی بہ سرِ تیر بُرد

لغت: "بلندی گرای" = مائل بہ بلندی "پی برد" = پیچھے گیا۔

شوق کی بلندی منصور کے مقام کی تلاش میں تھی لیکن حوصلہ پست اور نارسا تھا وہ تیر کے زخم کھانے پر کفایت کر گیا۔

کہاں دار پر چڑھ کر جان دینا اور کہاں تیر کا زخم کہ خود بخود آ کر لگتا ہے اور زخم کھانے والے کو کسی ہمت اور جسارت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

یاس یگانہ کا ایک شعر ہے جو اسی نوعیت کے جذبے کا آئینہ دار ہے:

کیا کہوں سفر میرا ختم کیوں نہیں ہوتا

فکر کی بلندی ہے حوصلے کی پستی ہے

زد نگہت بر دلم، مخزنِ اسرار دید

خواست کلیدش برد، طاقتِ تقریر برد

تیری نگاہ میرے دل پر پڑی وہاں اُسے اسرار باطنی کا خزانہ نظر آیا۔ اُس (نگاہ) نے چاہا کہ اس خزانے کی کنجی لے جاوے، کنجی کی بجائے قوت گویائی لے گئی۔

انسان کے دل میں نہ جانے کتنے افکار کے خزانے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ان خزانوں تک رسائی انسان کی قوت گویائی سے ہوتی ہے، جس سے اظہار خیال ہوتا ہے۔

جنبشِ ابرو نبود ازئی قتلم ضرور

غمزہ ز بی طاقتی دست بہ شمشیر برد

لغت: "غمزہ" = اشارہ چشم و ابرو۔

ابرو کی شکل شمشیر کی طرح خمیدہ ہوتی ہے۔ میرے قتل کے لیے جنبش ابرو کی بھی حاجت نہ تھی، معشوق کے غمزے (ناز و ادا) کی بے طاقتی نے تلوار پر ہاتھ ڈالا یعنی میں حسن پہ یوں ہی جان قربان کر دیتا لیکن نازِ حسن میں جاذبیت کی اتنی شدت نہ تھی اس لیے تیغ غمزہ اُٹھانی پڑی۔

روشنی داشت عشق، چاشنی داشت مہر

آن خس از آتش گرفت، این شکر از شیر برد

دوسری مصرعے میں آں کا اشارہ روشنی اور این کا چاشنی کی طرف ہے۔

خانہ زنبور شد کلبہ ام از دستِ چرخ

بسکہ ز آب و گلم، رغبتِ تعمیر برد

لغت: "زنبور" = بھڑ "آب و گل" = طینت، طبیعت۔

آب و گل یعنی پانی اور مٹی (گارے) تعمیر میں کام آتے ہیں، زنبور ویران جگہ اپنا گھر بناتا ہے۔

آسمان نے میری آب و گل سے تعمیر کی صلاحیت چھین لی اور میرا گھر، خانہ زنبور بن کر رہ گیا (یعنی اجڑ گیا)۔

سردیِ مہرِ کسی آب رخ شعلہ ریخت

گرمیِ نبضِ دلم عرضِ تباشیر برد

کسی کی سرد مہری سے شعلے کے چہرے کی رونق ماند پڑ گئی اور میرے دل کی نبض کی گرمی

نے تاثیر کا اثر زائل کر دیا۔ یعنی معشوق کی سرد مہری سے عشق کی گرمی جاتی رہی اور ہمارا دل افسردہ ہو کر رہ گیا۔

عشق ز خاکِ درت سرمۂ بینش گرفت
یاوہ در آمد ہوس، نسخۂ اکسیر بُرد

عشق کو تیرے دروازے کی خاک سے سرمۂ بصیرت مل گیا، ہوس بیہودہ کار کو نسخۂ اکسیر مل گیا۔

یعنی عشق سے عاشق کو بصیرت مل گئی اور ہوس اکسیر تلاش کرتی رہ گئی۔

باخودش افتاد کار، باک ز غالب مدار
ذوقِ فغانش ز دل، ورزشِ تاثیر بُرد

غالب اب اپنی الجھنوں میں پڑا ہے اب اس ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اب اُس کی پیہم فریادوں سے اثر انگیزی چھن گئی ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۵۱)

تا چند بلھوس می و عاشق ستم کشد
کو فتنہ تا بہ داوری ھم علم کشد

پہلے مصرعے کی نثر یوں ہے۔ "تا چند بلہوس مے کشد و عاشق ستم کشد"

لغت: "داورئ ہم" = باہمی انصاف "علم کشد" = جھنڈا بلند کرے۔

"فتنہ" = ہنگامۂ مصائب۔

کب تک اہل ہوس شراب پیتے رہیں گے اور عاشق ستم اٹھاتا رہے گا۔ فتنہ کہاں ہے کہ آ کر انصاف کے لیے علم بلند کرے۔ یعنی مصائب کا سامنا ہو تو ہوس اور عشق میں امتیاز ہو سکتا ہے۔

دل را بہ کار ناز چہ سرگرم کردۂ
یعنی بہ خویش ھم کند و از تو ھم کشد

تو نے میرے دل کو عجیب طرح کے مخمصوں میں ڈال دیا ہے اپنے آپ پہ بھی ناز کرتا ہے (کہ تیرا چاہنے والا ہے) اور تیرے ناز بھی اُٹھاتا ہے۔

رشک است و دفعِ دخل مقدر، عتاب چیست
بگذار در دلم مژہ، چندان کہ نم کشد

لغت: "مژگان" = جڑوں کی طرح ہوتی ہے۔

"نم کشیدن" = نمی حاصل کرنا۔ جب کوئی پودا زمین میں لگایا جاتا ہے تو اُسے پانی دیتے ہیں تا کہ وہ نشو ونما حاصل کرے اور وہیں جم جائے۔

عاشق کو رشک آتا ہے کہ معشوق کسی اور کو دیکھے ۔وہ چاہتا ہے کہ معشوق کی مژگان اس کے دل میں پیوست ہو کر رہ جائیں۔

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ آپ کس بات سے بگڑتے ہیں۔مقدر کی بات ہے کہ تو رقیب پر مہربان ہے اور مجھ سے بے نیاز ہے، اور مجھے اس بات سے رشک آتا ہے۔ میں رشک سے مقدر کے اثر کو دور کرنا چاہتا ہوں۔اب یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ تیری نظریں میرے ہی دل میں پیوست ہو کر رہ جائیں۔اور دوسروں کر دیکھنے کی نوبت ہی نہ آئے۔

صیدت ز بیم جان نہ رمد، بلکہ می رود
تا دشت را ز شوق در آغوشِ رم کشد

تیرا شکار (یعنی عاشق) تجھ سے اس لیے نہیں بھاگتا کہ اُسے جان کا خوف ہے بلکہ وہ تو شکار ہونے کے والہانہ جذبۂ شوق میں بیابان کو اپنے آغوش میں سمیٹنا چاہتا ہے (تا کہ بچ کر نکل جانے کی گنجائش ہی نہ رہے اور تجھے اُس کے شکار کرنے میں سہولت ہو)۔

دشوار نیست چارۂ عیش گریز پای
دورِ قدح چو سلسلہ گر سر بھم کشد

پرانے زمانے میں رندان میخوار حلقہ باندھ کر بیٹھتے تھے۔ جام ایک دوسرے تک اور دوسرے سے تیسرے تک پہنچتا تھا اور اس طرح دور جام چلتا تھا۔ زنجیر کے حلقے ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں اگر ایک دور جام زنجیر کا ایک حلقہ تصور کیا جائے تو جام مے کے مسلسل دور

سے ایک زنجیر بن جائے گی جو کہیں نہیں ٹوٹے گی۔

لغت: "عیش گریز پا" = بھاگ جانے والا عیش، عارضی خوشی۔

کہتا ہے اگر دور جام (زنجیر کے حلقوں) کی طرح باہم مسلسل چلا جائے تو اس عیش گریز پا کا چارہ کرنا دشوار نہیں۔یعنی شراب کا دور مسلسل چلتا رہے تو پھر عیش کہاں بھاگ کر جائے گا۔

آنی کہ تابِ جذبۂ ذوقِ نگاہِ تو
رنگ از گل، مَی از رز و صید از حرم کشد

لغت: "رز" = انگور۔

"حرم" کعبہ، کعبے کی چار دیواری کے اندر کسی جاندار کا شکار کرنے کی اجازت نہیں۔

حسن کی اثر انگیزی کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

تو وہ ہے کہ تیری نگاہ کشش کی تیزی، پھول سے رنگ، انگور سے شراب اور حرم سے شکار کو باہر کھینچ لاتی ہے۔

شوقم کہ رو شناسِ دل نازنین تست
کی منت نوشتن و ناز قلم کشد

میرا شوق محبت تیرے دل نازنین سے خوب آشنا ہے۔اس شوق کے اظہار کے لیے تحریر اور قلم کے ناز اُٹھانے کی کیا حاجت ہے۔

زشت آنکہ تاز زحمتِ پشت و شکم رھد
ھم رنج کار سازیِ پشت و شکم کشد

لغت: ''زشت'' = بدصورت، برا، یہاں بد بخت یا بدنصیب مراد ہے۔

''پشت وشکم'' = پیٹھ اور پیٹ۔ (پیٹ پالنے کے لیے پیٹھ پر بوجھ اُٹھانا پڑتا ہے)

جسمانی، مادی حاجتیں۔علائق دنیاوی۔

کتنا بدنصیب ہے وہ انسان جو علائق دنیاوی سے نجات حاصل کرنے کے لیے، دنیاوی وسائل مہیا کرنے کی زحمت اٹھاتا پھرتا ہے۔

یوں بھی، ضروریات زندگی کا حاصل ہونا آسائش کا باعث ہوتا ہے لیکن حاجات زندگی اگر حد سے بڑھ جائیں تو بجائے راحت کے زحمت بن جاتی ہیں۔

صہبا حلال زاہد شب زندہ دار را
اما بشرطِ آن کہ ہمان صبحدم کشد

لغت: ''شب زندہ دار'' = راتوں کو جاگنے والا۔عبادت گزار، زاہد شب زندہ دار کے لیے شراب حلال ہے بشرطیکہ وہ شراب صبح کو پیے۔

از تازگی بہ دھر مکرر نمی شود
نقشی کا کلکِ غالب خونین رقم کشد

غالب خونیں رقم جو نقش اپنے قلم سے کھینچتا ہے وہ اپنی تازگی کے باعث کبھی دوبارہ نہیں کھینچتا۔ یعنی وہ ہر بار تازہ اور نئی بات کرتا ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۵۲)

ذوقش بہ وصل گرچہ زبانم زکار برد
لب در ھجوم بوسہ زپائش نگار برد

اگر چہ وصل میں وفورِ شوق سے میری زبان بے کار ہو کر رہ گئی لیکن میرے لبوں نے اُس کے پاؤں کے اتنے بوسے لیے کہ رنگ حنا مٹ گیا۔

تا خود بہ پردہ رہ نہ دھد کام جوئی را
در پردہ رخ نمود و دل از پردہ دار برد

لغت: ''پردہ دار'' = پردہ رکھنے والا، رازدار ''کام جو'' = طالب خواہش، خواہش کا بندہ۔

محبوب حقیقی سے خطاب ہے۔

محبوب حقیقی نے پردے میں اپنا جلوہ دکھایا اور پردہ داروں کے دل موہ لیے، تاکہ کوئی بلہوس اس پردے میں بار نہ پا سکے۔

گفتند حورِ و کوثر و دادند ذوقِ کار
منع است نام شاھد و مَی آشکار برد

لغت: ''نام بردن'' = (کسی شے کا) نام لینا۔

ذکر تو حور و کوثر کا کیا گیا اور در پردہ مقصد یہ تھا کہ انسان میں جذبۂ طلب و جستجو پیدا کر دیا جائے معشوق اور شراب کا نام علانیہ لینا منع ہے۔

یعنی حور و کوثر کا ذکر اس لیے آیا کہ انسان شراب و محبوب کی طلب میں سرشار رہے۔

نعش مرا بسوز، کم از برھمن نیم
ننگ نسوختن نتوان در مزار برد

میں برہمن سے کم نہیں ہوں میری نعش کو جلا دے۔ میں یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ نہ جلنے کی ذلت لے کر مزار میں جاؤں (مر جاؤں)۔

محبت کی آگ میں جل کر جان دینا عظمت عشق کی نشانی ہے۔

گل چہرہ بر فروخت بدانسان کہ بارھا
پروانہ را ھوس بہ سرِ شاخسار برد

پھول کا چہرہ اس طرح (شمع کی طرح) بھڑک اُٹھا کر پروانہ اُس پر جان دینے کے لیے شاخسار پر لپکا۔

دادم بہ بوسہ جان و خوشم کان بھانہ جو
زخش دو چند کرد شگرفی بہ کار برد

میں نے بوسے کے عوض جان پیش کی۔ خوش ہوں کہ اس بہانہ جو نے بوسے کا نرخ دگنا کر دیا، اس معاملے میں عجیب چالاکی دکھائی۔

مَی داد و بذلہ جست، مگر ابر و قلزمیم
کاورد قطرہ گھرِ شاھوار برد

بادل (ابر) سے قطرۂ نیساں برستا ہے اور سمندر (قلزم) میں جا کر گھر بن جاتا ہے۔

لغت: ''بذلہ'' = لطیف بات، شعر نغز۔

شراب کی تعریف کی ہے کہ اُس کے کیف سے اچھے اچھے شعر ذہن میں اُبھرتے ہیں کہتا ہے:

خدا نے ہمیں شراب دی اور اس کا عوض بذلہ گوئی طلب کی۔ شاید وہ ابر ہے اور ہم سے موتی لے جاتا ہے۔

تافتنہ را ز گردشِ چشم سیاہ گفت
کینی کہ داشتم بہ دل از روزگار، برد

میں دنیا کے فتنوں اور ہنگامہ کو زمانے سے منسوب کرتا تھا لیکن جب سے اس نے یہ کہہ دیا کہ یہ سب فتنے کسی کی چشم سیاہ کی گردش نے پیدا کیے ہیں میرے دل میں زمانے کے خلاف جو کینہ بھرا ہوا تھا وہ جاتا رہا۔

پیشم از آن بپرس کہ پرسی واہل کوی
گویند خستہ زحمت خود زین دیار برد

میرے حال کی طرف متوجہ ہو پیشتر اس کے کہ میری یہ حالت ہو جائے کہ تو میرا حال پوچھے اور کوچے کے رہنے والے کہیں کہ وہ خستہ حال تو اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

نازم فریب صلح کہ غالب ز کوئی تو
ناکام رفت و خاطرِ امیدوار برد

تیرے ظاہرا انداز مدارات وآشتی کے قربان جاؤں کہ غالب تیرے کوچے سے گیا تو ناکام لیکن دل میں سوسو اُمیدیں لے کر گیا۔

❁❁❁

غزل نمبر (۵۳)

اگر داغت وجودم را در اکسیر نظر گیرد
سراپائی من از جوش بھاران پردہ برگیرد

اگر تیرا داغ محبت، میری ہستی پر اپنی اکسیر بھری نظریں ڈالے تو میں سرتاپا جوش بہاراں بن جاؤں۔

یعنی تیرے داغہائے محبت پھول بن کر نمودار ہوں اور یوں ظاہر ہو جیسے بہار پر سے پردہ اُٹھ گیا ہے۔

بہ عرض ھرگسستن کز نفس بالد زبی تابی
خیالم الفتِ مرغولہ مویان را ز سر گیرد

دل از سودای مژگانِ خوی گردید کز مستی
بہ ذوق رخنہ از ھر قطرہ رہ بر نیشتر گیرد

میرا دل کس کی تیز تیز مژگان کی محبت میں پانی ہوگیا ہے کہ مستی کے عالم میں اُس کا ہر

قطرہ نشتر کی طرف منہ کھولے ہوئے لپکتا ہے۔

یعنی میرے دل کے ہر قطرۂ خون میں کسی کی نشتر چبھے جا رہے ہیں۔

بہ چشم مدعی ھمچون چراغِ روزی بی نورم
چراغم گر بہ فرض از پر تو خورشید در گیرد

لغت: ''مدعی'' = رقیب'' چراغ روز'' = دن کو جلنے والا چراغ جو سورج کی تیز روشنی میں بے نور ہوتا ہے۔

اگر میرا چراغ سورج سے روشنی قبول کر کے بھی روشن ہو تو رقیب کی نظر میں میری ہستی دن میں جلنے والی ایک بے نور چراغ کی سی ہوگی۔

رمش نظارہ را از رقص بسمل در چمن پیچد
غمش آئینہ را از چھرۂ عاشق بہ زر گیرد

لغت: ''رمش'' = اُس (محبوب) کا خرام تیز۔

محبوب کی تیز خرامی سے نظارہ کرنے والوں کی آنکھیں یوں تڑپنے لگتی ہیں جیسے بسمل چمن زار میں تڑپ رہے ہوں۔ اور اس کا غم، عاشق کے زرد چہرے کے عکس سے آئینہ بھی زرد رو ہو جاتا ہے۔

گمم دروی زرشک است اینکہ غمخواری نمی خواھم
کہ ترسم یابد اُو را ھر کہ از حالم خبر گیرد

یہ جو میں کسی کو اپنا غم خوار بنانا پسند نہیں کرتا اس کی وجہ رشک ہے۔ میں سرتاپا محبوب

میں کھو گیا ہوں، اگر کسی کو میرے حال کا پتا چل گیا تو اُسے میرے محبوب کا سراغ مل جائے گا۔

رشک کا یہ عالم ہے کہ عاشق اپنی بے خودی کی کیفیت کا راز کسی غمخوار پر بھی کھولنا نہیں چاہتا کہ کہیں وہ بھی محبوب سے متاثر نہ ہو جائے۔

سرت گردم اگر پای نزاکت درمیان نبود
تنم از لاغری صد خورده بر موی کمر گیرد

لغت: ''سرت گردم'' = تیرے قربان جاؤں۔
''خورده گرفتن'' = نقص نکالنا۔ نکتہ چینی کرنا۔

تیرے قربان جاؤں، اگر نزاکت کا معاملہ درمیان میں نہ ہو تو میرا جسم لاغر تیری بال جیسی کمر میں سو عیب نکالے۔

کہنا یہ ہے کہ عاشق بھی معشوق کی کمر کی طرح لاغر ہے۔ لیکن معشوق کی کمر میں نزاکت کا حسن پایا جاتا ہے اور عاشق کے تن لاغر میں محض لاغری اور نقاہت ہے۔

نوردم نامه و دل بار بار از بدگمانی ها
نهد نقشِ تو پیش روی و خود را نامه بر گیرد

میں خط لکھ کر اُسے لپیٹ لیتا ہوں مگر میرے دل میں بار بار وسوسے پیدا ہوتے ہیں، اور اس عالم بدگمانی میں تیرا تصور سامنے آتا ہے اور خط قاصد کے سپرد کرنے کی بجائے میرا دل خود ہی نامہ بر بن جاتا ہے۔

یعنی دل تصور ہی میں تجھ سے باتیں کرنے لگتا ہے اور رشک سے یہ گوارا نہیں کرتا کہ خط نامہ بر کے ذریعے بھیجا جائے۔

خوشم گر استواری نیست همچو موج کارم را
که هر دم از شکستِ خود روانی بیشتر گیرد

اگر پانی کی لہر کی طرح میرے کام کا تسلسل اور استقامت نہیں ہے تو میں خوش ہوں کہ یہ کام اپنی رکاوٹ (شکست) سے ہر لحظہ زیادہ رواں ہوتا رہتا ہے۔

لہر پانی میں اُبھرتی ہے اور ٹوٹ جاتی ہے لیکن پھر ایک بار پھر اُبھرتی ہے اور اس میں زیادہ تیزی آ جاتی ہے۔ یہی حال جذبۂ عشق کا ہے کہ اس کا اُتار چڑھاؤ اس میں ہر بار ایک تازہ شدت بھر دیتا ہے۔

محبت هر دلی راکز نزاکت سر گران باشد
سبک در دامِ ذوقِ نالہ مرغ سحر گیرد

لغت: ''گران'' = بھاری، ''سبک'' = ہلکا ''سبک در دام گیرد'' = بآسانی جال میں پھنسا لیتا ہے۔ ''سرگران'' = نازاں، پرنخوت۔

محبت ہر اُس دل کو جسے اپنی نزاکت پر بہت غرور ہو آسانی سے مرغ سحر کے نغموں (نالہ) کی لذت کا گرویدہ بنا لیتی ہے۔

یعنی نازک احساسات رکھنے والا دل مرغ سحری کے نغموں سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔

خوشا روزی که چون از مستی آویزم بدامانم
گه از دستم کشد، گاهم بروی چشم تر گیرد

لغت: ''گاهم'' = کی م چشم تر کے ساتھ وابستہ ہے، یعنی گاهی بروی چشم من۔

کتنا اچھا ہوگا وہ دن جب میں عالم مستی میں اُس کے دامن سے الجھ جاؤں اور وہ کبھی تو

اُسے میرے ہاتھ سے کھینچ لے اور کبھی اُس سے میری آنکھوں کے آنسو پونچھے۔

یعنی محبوب کبھی غصے ہو اور کبھی مہربان۔

زفیضِ نطقِ خویشم با نظیری ہمزبان غالب

چراغی را کہ دودی ہست در سر زود در گیرد

مرزا غالب نے یہ غزل نظیری کی اسی طرح کی غزل سے متاثر ہو کر لکھی ہے۔ اس شعر کا دوسرا مصرعہ نظیری کے مطلع سے لیا ہے اور اُسے اپنے شعر کا جز بنا لیا ہے۔ نظیری کا مطلع یہ ہے:

محبت در دل غم دیدہ الفت بیشتر گیرد

چراغی را کہ دودی ہست در سر زود در گیرد

یعنی محبت اس شخص کے دل میں جس نے عشق کے صدمے اُٹھائے ہوں بہت زیادہ اثر کرتی ہے۔ جو چراغ تازہ تازہ بجھا ہو (اس کے سر سے ابھی دھواں نکل رہا ہو) وہ فوراً شعلے کو قبول کر لیتا ہے (یعنی جل اُٹھتا ہے)۔

نظیری کا یہ شعر بہت بلیغ اور خوبصورت ہے۔ مرزا غالب نے نظیری کے کلام سے متاثر ہونے کو نظیری ہی کے الفاظ میں بڑے فنکارانہ انداز میں بیان کیا ہے کہتا ہے:

غالب! میں اپنے ذوقِ شعر کے فیض سے نظیری کا ہم زبان بنا ہوں (اور اس کے کلام نے مجھے اکسایا ہے)۔ ٹھیک ہے جو چراغ تازہ تازہ بجھا ہو جلدی جل اُٹھتا ہے۔ یعنی میری استعداد اور ذوقِ شعر نے مجھے نظیری سے متاثر کیا ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۵۴)

تنگ است دلم حوصلۂ راز ندارد

آہ از نی تیر تو کہ آواز ندارد

لغت: ''تنگ'' = فارسی میں اس کا مفہوم افسردہ کا بھی ہوتا ہے ''دل تنگ'' = گھٹا ہوا دل۔

''نی تیر'' = وہ نی جو تیر کے پیکان سے پیوست ہوتی ہے۔ نی (بانسری) سے چونکہ آواز نکلتی ہے اس رعایت سے شاعر شعر کے دوسرے مصرعے میں آواز کا لفظ لایا ہے۔

''تیری نظروں کے تیر کس قیامت کے ہیں کہ اُن کی آواز تک نہیں آتی، ادھر میرا دل ہے کہ اس راز کو چھپائے رکھنے کی اس میں تاب نہیں۔''

یعنی حسن کے تیر خاموشی سے برستے ہیں، مگر عاشق میں اس صدمے کو چپکے سے برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اس لیے کہ دکھ بے پناہ ہوتا ہے۔

ھرچند عدو در غم عشق تو بہ ساز است

دانی کہ چو ما طالعِ ناساز ندارد

اگرچہ رقیب کے پاس تیرے غمِ عشق کا کافی سرمایہ ہے لیکن تو جانتا ہے کہ وہ ہماری طرح بدنصیبی کا شکار نہیں یعنی رقیب غمِ عشق میں مبتلا ہی سہی لیکن عاشق کی حالت اس سے کہیں ابتر ہے۔

دیگر من و اندوهِ نگاهی که تلف شد

گفتی که عدو حوصلهٔ آز ندارد

لغت: ''آز'' = لالچ، انتہا کی آرزو اور تمنا۔

محبوب سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ تو نے کہا ہے کہ رقیب میں ذوق تمنا کا حوصلہ نہیں۔ اب مجھے اُس نگاہ ناز کا غم ہو رہا ہے جو تو نے رقیب پر ڈالی اور وہ نگاہ ضائع ہو گئی حسن کی تاب لانے کے لیے حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ رقیب کم ظرف میں وہ کہاں؟

در حسن بہ یک گونہ ادا دل نتوان بست

لعلت مزہ دارد اگر اعجاز ندارد

لغت: ''لعل'' = یہاں لعل سے لب یا لب سرخ مراد ہے۔

دل حسن کی کسی ایک ہی طرح کی ادا پر فریفتہ نہیں ہوتا اگر تیرے لبوں میں اعجاز (مسیحائی) نہیں تو اُن میں ایک مزہ تو ہے۔

گستاخ زند غیر سخن با تو و شادم

مسکین سخنی از تو در آغاز ندارد

رقیب تمہارے ساتھ بڑی بے باکی سے باتیں کر لیتا ہے لیکن میں اس بات سے خوش ہوں کہ اس غریب کے لیے ابھی تیری طرف سے گفتگو کا آغاز بھی نہ ہوا۔

یعنی رقیب جتنا بے تکلف ہونا چاہے ہو لے لیکن غنیمت ہے کہ تو نے اس بے تکلفی کی ابتدا ابھی نہیں کی۔

تمکین برهمن دلم از کفر بگرداند

بت خانہ بتی خانہ برانداز ندارد

لغت: ''خانہ برانداز'' = گھر برباد کرنے والا۔ تباہی لانے والا۔

بتخانے میں برہمن کو بڑی شان اور تمکنت سے بیٹھے ہوئے دیکھ کر میں کفر سے دل برداشتہ ہو گیا ہوں۔ بتخانے میں ایک بت بھی ایسا نہیں جو بت خانے پر تباہی لائے (ورنہ برہمن کی یہ شان قائم نہ رہتی)۔

ما ذرہ و اُو مہر، ہمان جلوہ ہمان دید

آئینۂ ما حاجت پرداز ندارد

لغت: ''پرداز'' = صیقل۔

ذرات فضا میں موجود ہوتے ہیں لیکن نظر نہیں آتے۔ جب سورج کی شعاعوں کی زد میں آتے ہیں تو دکھائی دیتے ہیں۔ گویا اُن کا وجود سورج سے ہی قائم ہے۔ غالب کا شعر ہے:

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے

پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

انسان کا بلکہ کائنات کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہے نظیری کہتا ہے:

بحض التفاتی زندہ دارد آفرینش را

اگر نازی کند ازهم فروریزند قالب ها

(ذات باری تعالیٰ کی نظر التفات ہی وجود کائنات ہے، اگر وہ ناز پر اُتر آئے تو یہ تمام موجودات درہم برہم ہو جائیں) اب شعر غالب کی طرف آیئے، کہتا ہے:

''ہم ذرے ہیں اور وہ سورج، جلوہ بھی وہی دیدار بھی وہی، ہمارے آئینے کو جلا کی

حاجت نہیں۔"

حسن، جلوہ اور اس کا دیدار سب کچھ ذات حق ہی ہے۔ (مسئلہ وحدت الوجود)

ہر دل شدہ از دوست در اندازِ سپاسی است
مانا کہ نگاہِ غلط انداز ندارد

لغت: ''مانا'' = بمعنی مانند۔ یہاں بالیقین یا یقیناً کے معنی میں آیا ہے۔

''دل شدہ'' = عاشق۔

ہر عاشق دوست کا ممنوں احسان ہے۔ یقیناً وہ کسی کی طرف بے رخی سے پیش نہیں آتا۔ یعنی تعالیٰ کی نظر کرم سب پر ہے۔

بی حیلہ زخوبان نتوان چشم ستم داشت
رحم است برآن خستہ کہ غماز ندارد

لغت: ''چشم داشتن'' = امید رکھنا۔

بغیر حیلے کے معشوقوں کے کسی ستم کی امید نہیں رکھی جاسکتی۔ رحم کے قابل ہے وہ خستہ حال عاشق جس کی غمازی کرنے والا کوئی نہ ہو۔

یعنی کوئی ہونا چاہیے جو معشوق کو عاشق کی طرف سے بدظن کرے تاکہ وہ جور و ستم پر اُتر آئے ورنہ تو وہ بے نیاز ہے۔

در عربدہ چشمک زند و لب گزد از ناز
تا بوسہ لبم را ز طلب باز ندارد

میرا محبوب مجھ سے اُلجھتا ہے تو برہمی میں چشمک زنی (آنکھوں کے اشارے) بھی کرتا ہے اور بڑے ناز و انداز سے اپنے لبوں کو کاٹتا بھی جاتا ہے تاکہ میرے لب اس کے بوسے کو طلب کرنے سے باز نہ آئیں یعنی اس کا بوسہ لینے پر مجبور ہو جائیں۔

باخویش بہر شیوہ جداگانہ دو چار است
پروای حریفان نظر ناز ندارد

اُسے اپنے عاشقانِ نظرباز کی پروا نہیں، وہ اُن سے بے نیاز ہے اور ہر آن اور ہر شان میں اپنے آپ ہی سے دوچار رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

کیفیتِ عرفی طلب از طینتِ غالب
جامِ دگران بادۂ شیراز ندارد

عرفی، شیرازی تھا اور غالب اس کا بہت مداح تھا۔ چنانچہ کہتا ہے:

کہ اگر تجھے عرفی نشے کی کیفیت درکار ہے تو وہ غالب کے مزاج سے طلب کر تجھے دوسروں کے جام میں بادۂ شیراز نہیں ملے گی۔

یعنی عرفی کے کلام کا رنگ غالب کے رنگ کلام میں موجود ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۵۵)

لبم از زمزمۂ یاد تو خاموش مباد
غیرِ تمثال تو، نقشِ ورقِ ہوش مباد

لغت: ''تمثال'' = شبیہ صورت، تصور ''مباد'' فعل نہی، (دعائیہ)

اللہ کرے میرے لب تیری یاد کے نغمے گاتے رہیں اور کبھی خاموش نہ ہوں میرے ذہن کے ورق پر سوائے تیری صورت کے اور کوئی نقش نہ ہو۔

یعنی ذہن میں ہمیشہ تیرا تصور اور لب پہ ہمیشہ تیرا نام رہے۔

نگہی کش بہ ہزار آب نشویند ز اشک
محرمِ جلوۂ آن صبحِ بناگوش مباد

لغت: ''بناگوش'' = بن گوش، کان کے نیچے کا حصہ کان کی لَو۔

شعرا اس کی درخشندگی کی وجہ سے اس کے ساتھ صبح کا لفظ لاتے ہیں جیسا کہ اس شعر میں آیا ہے ''جس نگاہ کو آنسوؤں کے پانی سے ہزار بار نہ دھویا گیا ہو وہ نگاہ محبوب کے بناگوش درخشاں کے نظارے سے لذت اندوز نہیں۔''

یعنی نظارۂ حسن کے لیے دیکھنے والوں کی نظروں کا پاک ہونا ضروری ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے کہ جلوۂ دوست اُس وقت تک نصیب نہیں ہوتا جب تک کوئی درد دل سے آنسو نہ بہائے اور یہ آنسو اُس کی نگاہوں کو پاکیزہ نہ بنادیں۔

حافظ کہتا ہے:

غسل در اشک زدم کاہل طریقت گویند
پاک شو اول و پس دیدہ بران پاک انداز

ہوس چادر گل گر تہ خاکم باشد
خاکم از نقشِ کف پای تو گلپوش مباد

لغت: ''چادر گل'' = دستور ہے کہ مردے کو دفن کرنے کے بعد اُس کی قبر پر پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں۔

''کہتا ہے کہ اگر قبر میں مجھے چادر گل کی خواہش ہو تو اللہ کرے میری قبر تیرے نقش پا کے پھولوں سے محروم رہے'' مراد یہ ہے کہ مرے لیے یہی چادر گل کافی ہے کہ میرے قبر پر تیرے مبارک قدموں کے نشان ہوں۔

وعدہ گردیدہ وفا طرہ پریشانی را
یا ربِ، امشب بد رازی خجل از دوش مباد

لغت: ''طرہ پریشان'' = پریشان زلفوں والا۔

پہلے مصرعے میں'' را'' کا حرف اضافی ہے یعنی اضافت کا مفہوم دیتا ہے، اس مصرعے کی نثری ساخت یوں ہے وعدۂ طرہ پریشان وفا گردیدہ'' = محبوب کا وعدہ پورا ہوگیا۔

''دوش'' = کل گزری ہوئی رات۔

بکھری ہوئی زلفوں والے وعدہ پورا کریں۔ اللہ کرے آج کی رات (وعدۂ وصل کی کل کی رات (یعنی جورات فراق میں گزری) سے درازی میں کم نہ ہو۔

''یارب'' کے الفاظ محاورۃً آئے ہیں۔ ان'' یا'' کا حرف ندائیہ نہیں یعنی خدا سے خطاب نہیں کیا گیا بلکہ یارب کا مفہوم کاش یا اللہ کرے، ہے۔

شعر میں محبوب کے لیے پریشان زلفوں والی کے الفاظ اس لیے لائے گئے ہیں کہ بکھرے ہوئے بالوں کی درازی نمایاں ہوجاتی ہے اور یہ درازی کا پہلو دوسرے مصرعے میں

درازی کے لفظ کے ساتھ مناسبت بھی رکھتا ہے۔

غیر گردیدہ بہ دیدارِ تو محرم دارد
فارغ از اندہِ محرومیِ آغوش مباد

اگر رقیب کی آنکھیں تیرے دیدار سے شناسا ہو چکی ہیں تو خیر، اللہ کرے وہ اپنے آغوش کی محرومی سے فارغ نہ ہو یعنی اس کا آغوش خالی رہے اور تیرے وصال کو ترستا رہے۔

گہری کش نظر از ہمت پاکان نبود
صرف پیرایہ آن گردن وآن گوش مباد

دستور ہے کہ عورتیں موتیوں کے ہار گلے میں یا موتی کان میں لٹکا لیتی ہیں تا کہ اس سے آرائش حسن ہو۔

لغت: ''پیرایہ'' = آرائش و زیبائش ''پاکان'' = پاک نظر، اہل صفا لوگ۔ عالی نظر لوگ۔

جس موتی میں اہل صفا کی سی پاکیزہ نظری نہ ہو کاش وہ محبوب کی گردن اور کان کی زینت نہ بن سکیں یعنی موتیوں کی چمک میں اہلِ صفا کی نظروں کی سی آب ہونی چاہیے۔

ہر کرا رخت نمازی نبود از نم مَی
جای در حلقۂ رندانِ قدح نوش مباد

لغت: ''رخت نمازی'' = دامن آلودہ، اسے جامۂ نمازی بھی کہتے ہیں۔

جس شخص کا دامن شراب سے آلودہ نہ ہوا ہو اس کو حلقۂ رندان میخوار میں باریابی نصیب نہ ہو۔

رہرو بادیۂ شوق سبک سیرا نند
بارِ سیر نیز درین مرحلہ بردوش مباد

لغت: ''سبک سیر'' = ہلکا اور تیز دونوں معنی پر حاوی ہے۔ ہلکا بوجھ اُٹھا کر چلنے والے مسافر تیز رفتار بھی ہوتے ہیں اس لیے یہاں ''سبک سیر'' کا لفظ بڑا موزوں اور بلیغ ہے۔

سفر شوق میں چلنے والے رہرو ہلکا بوجھ لے کر چلتے ہیں۔ کاش اس منزل عشق میں اس کے کندھوں پر اُن کے سر کا بوجھ بھی نہ ہو۔

یعنی محبت کی منزلیں سر دے کر ہی طے ہوتی ہیں۔

ناصر سرہندی ایسے سبک سیر عاشقوں کے لیے سبک روح کا لفظ لایا ہے جو باسانی دنیا سے قطع علائق کر کے گزر جاتے ہیں کہتا ہے:

تو رہ از کثرت اسباب برخود تنگ می سازی
سبک روحان چو بوئ گل رہا کردند محمل ہا

تو نے تو کثرت اسباب سے اپنے لیے راستے کو تنگ بنا لیا ہے۔ سبک روح لوگ تو اس محمل زندگی کو یوں چھوڑ جاتے ہیں جس طرح پھول کی خوشبو پھول کو چھوڑ جاتی ہے۔

مفتیان بادہ عزیز است، مریزید بخاک
جوشد از پردہ دگر خونِ سیاوُش، مباد

دوسرے مصرعے کی نثر یوں ہے: مبادا خون سیاوُش دیگر از پردہ بجوشد۔ سیاوش کا قصہ مشہور ہے کہ وہ اپنے سسر افراسیاب کے ہاتھ سے بے گناہ مارا گیا تھا اور اس کے خون کے وبال میں تمام ملک کشت وخون میں مبتلا رہا۔ کہتا ہے: اے مفتیو! شراب بڑی عزیز چیز ہے اس کو زمین پر مت گراؤ ایسا نہ ہو کہ خون سیاوُش پھر جوش مارے۔ (ماخوذ از حالی)

فتوے دینے والے شراب کو حرام قرار دے کر اُس کو زمین پر گرا دیتے ہیں۔ اُن کا یہ فعل خونِ ناحق کی طرح ہوتا ہے۔

همه گر میوهٔ فردوس به خوانت باشد
غالب آن انبهٔ بنگاله فراموش مباد

اگر جنت کے تمام پھل تیرے دسترخوان پر حاضر ہوں تو بھی اے غالب وہ بنگال کا آم کبھی بھول نہیں سکتا۔

غزل نمبر (۵۶)

هر ذره را فلک به زمین بوس می رسد
گر خاک راست دعوی ناموس، می رسد

آسمان ہر ذرے کو چومنے کے لیے آتا ہے، اگر خاک اپنا ناموس کا دعویٰ کرے تو یقیناً آتا ہے۔

یعنی زمین کی عظمت کے آگے آسمان بھی جھک جاتا ہے بشرطیکہ اس خاک ارضی کو اپنا ناموس کا پاس ہو۔

زآن مَی که صاف آن به بتان وقت کرده اند
دردِ ته پیاله کاؤس می رسد

لغت: ''کاؤس'' = ایران کا ذی شان بادشاہ۔

اُس مے صاف سے جو حسینوں کے لیے وقف ہے کاؤس کو صرف تلچھٹ نصیب ہوتی ہے۔

زینسان که خو گرفته عاشق کشی است حسن
مر شمع را شکایت فانوس می رسد

''حسن کو عاشق کشی کی اتنی عادت ہوگئی ہے کہ شمع فانوس کی شکایت کرتی ہے''۔ شمع اگر فانوس میں ہو تو اُس کا عاشق پروانہ اُس تک پہنچ نہیں سکتا اس لیے وہ فانوس کے خلاف شکایت کرتی ہے۔ کہ اس کی وجہ سے مجھے پروانے کو مارنے کا موقع نہیں ملتا۔

خود پیشِ خود کفیلِ گرفتاری من است
هر دم به پرسشِ دل مایوس می رسد

مجھے عشق میں گرفتار کر کے خود ہی میری گرفتاری کی کفالت بھی کرتا ہے اور دل مایوس کا حال پوچھتا رہتا ہے۔

بیرون میا زخانه به هنگامِ نیمروز
رشک آیدم که سایه به پابوس می رسد

دوپہر کو انسان کا سایہ اُس کے پاؤں پر پڑتا ہے۔ کہتا ہے:

دوپہر کو اپنے گھر سے نکل باہر نہ آ کیونکہ تیرا سایہ تیرے پاؤں پر پڑتا ہے اور مجھے یہ رشک آتا ہے کہ سایہ تیرے پاؤں چوم رہا ہے۔

ارباب جاه را ز رعونت گزیر نیست
کاین نشه از شراب خم کوس می رسد

لغت: ''کوس'' = نقارہ۔

ارباب جاہ کے لیے غرور ونخوت ناگزیر ہے کیونکہ یہ نشہ خم کوس کی شراب کا نشہ ہوتا ہے۔''نقارہ'' اعلان شہرت کا ذریعہ ہے، ارباب جاہ کو شہرت کا نشہ ہوتا ہے۔اور وہ اسی غرور میں مست رہتے ہیں۔

گفتم به وهم پرسشِ عبرت برای چه
گفتا ز طوف دخمهٔ کاؤس می رسد

سجاده رهنِ مَی نپذیرفت مَی فروش
کاین را نسب به خرقهٔ سالوس می رسد

لغت: ''خرقۂ سالوس'' =مکروریا کا لباس۔

میں نے مے فروش کے پاس سجادہ (جائے نماز) کو رہن رکھنا چاہا اُس نے قبول نہ کیا کیوں کہ سجادہ بھی نسب میں مکروریا سے جاملتا ہے۔

یعنی سجادہ بھی ایک طرح جامۂ مکر و ریا ہے۔

خون موجزن مغز رگ جان ندیدهٔ
دانی که از تراوشِ کیموس می رسد

خشک است گر دماغ ورع غالبا، چه بیم
کز ذوقِ سودنِ کفِ افسوس می رسد

زہد وتقویٰ سے پرہیزگاروں کو کچھ حاصل نہیں ہوتا اور وہ کف افسوس ملتے رہ جاتے ہیں۔کہتا ہے: غالب! اگر پرہیزگاری کا دماغ خشک ہے تو کیا ہوا پرہیزگاری کی یہ خشک دماغی، اس لیے ہے کہ وہ دنیاوی لذتوں سے محروم ہیں اور اپنی محرومی پر افسوس کرتے رہتے ہیں۔

❀❀❀

غزل نمبر(۵۷)

دریغا که کام و لب از کار ماند
سخن های ناگفته بسیار ماند

لغت: ''کام''=حلق، زبان۔

افسوس کہ زبان ولب کام کرنے سے رہ گئے ہیں اور بہت سی ان کہی باتیں دل ہی میں رہ گئی ہیں۔

گدایم نهان خانه را که در وی
در از بستگی ها به دیوار ماند

میں ایک ایسے پوشیدہ گھر پر گدا کی طرح کھڑا ہوں کہ جس کا دروازہ کچھ ایسی تختیوں

کے ساتھ بند ہے کہ گویا دیوار ہے۔

جنون پردہ دار است مارا کہ مارا
ز آشفتگی سر بہ دستار ماند

در پردہ یہ جنوں کی کارفرمائی ہے کہ ہمیں عالم پریشانی میں سر اور دستار ایک جیسے نظر آتے ہیں (یعنی ہم دونوں میں فرق نہیں کر سکتے)۔

گویا عاشق جوشِ جنوں میں سر کو پگڑی کی طرح اتار دینا چاہتا ہے۔

نگہ را سیہ خالِ طرف عذارش
بہ تمغاچی رہرو آزار ماند

لغت: ''تمغاچی'' = راستے میں محصول وصول کرنے والا ''رہرو آزار'' = (فاعلِ ترکیبی) رہروؤں کو ستانے والا۔ تمغاچی عموماً رہروؤں سے محصول حاصل کرتے وقت سختی کرتے ہیں۔ کہتا ہے:

محبوب کے رخسار پر یہ تل ہماری نگاہوں میں اُسی طرح اُڑے آتا ہے جس طرح محصول وصول کنندہ مسافروں سے سختی برتتا ہے اور آگے سفر پر بڑھنے نہیں دیتا۔

ادای است اُو را کہ از دلربائی
نہفتن ز شوخی بہ اظہار ماند

محبوب کی اداؤں کا دلربایانہ انداز ایسا ہے کہ اگر وہ اُسے چھپانے کی کوشش بھی کرے تو اس کے چھپانے کا شوخ انداز اُسے اور بھی نمایاں کر دیتا ہے۔

چہ جویم مراد از شگرفی کہ اُو را
نشستن ز شنگی بہ رفتار ماند

لغت: ''شگرفی'' = تیز طرار معشوق ''مراد جستن'' = مراد ڈھونڈنا، مقصد بر آری۔

ایسے تیز طرار معشوق سے کسی مقصد کے پورا ہونے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ جس کا ایک جگہ بیٹھنا، رفتار سے ملتا جلتا ہے۔ یعنی اتنا بے قرار ہے کہ اُس پر نظر نہیں ٹکتی۔

در آئینۂ ما کہ ناسازِ بختیم
خطِ عکسِ طوطی بہ زنگار ماند

طوطی کا رنگ سبز ہوتا ہے اور زنگار بھی (جو آئینے میں آ جاتا ہے) سبز ہوتا ہے۔

''خط'' = کا ایک مفہوم سبزہ بھی ہوتا ہے جیسے سبزۂ خط۔

اس شعر کا پس منظر متصوفانہ ہے۔

طوطی کو جو کہ خوش گفتار پرندہ تصور ہوتا ہے باتیں سکھانے کے لیے آئینے کے سامنے بٹھا دیتے تھے۔ اُسے اپنا عکس آئینے میں نظر آتا تھا۔ آئینے کے پیچھے ایک شخص بیٹھ جاتا تھا اور وہ گفتگو کرتا تھا، طوطی سمجھتا تھا کہ یہ آواز اُس کے حریف کی ہے جو (آئینے میں) اس کے سامنے بیٹھا ہے وہ اُن باتوں کا جواب دیتا تھا در آں حالیکہ یہ آواز کہیں اور سے آتی تھی۔ صوفیاء کرام یا شعراء اس طوطی آئینہ کو شاہد ازلی قرار دیتے ہیں جو نوائے سروش کی طرح ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ وہ آئینے سے دل مراد لیتے ہیں جس میں اس طوطی کا عکس پڑتا ہے۔ گویا شاہد ازلی انسان کے قلب میں موجود ہے بشرطیکہ قلب صاف ہو۔ اگر قلب پاک و صاف نہیں تو اسی عکسِ طوطی کا رنگ سبز آئینے کا زنگار بن جائے گا۔ کہتا ہے:

ہم بد بخت ہیں، ہمارے آئینے میں طوطی کا عکس آ کر زنگار بن جاتا ہے (یعنی شاہد ازلی کا حسن) ہمارے دل میں جلوہ گر نہیں ہوتا۔

گروهی ست در دیر هستی که آن را
ز پیچش نفس ها به زنار ماند

لغت: ''دیر''= بت خانہ زنار= وہ دھاگا جو بت پرست پہنتے ہیں۔

اس بت خانۂ ہستی میں ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ جن کے سانس زنار کی طرح بل پیچ کھائے ہوئے ہیں۔ غالباً مرزا صاحب کا اشارہ اُن لوگوں کی طرف ہے جن کی باتیں الجھی ہوئی ہوتی ہیں۔

بجز عقدۂ غم چہ بر دل شمارد
زبانی کہ در بندِ گفتار ماند

جو زبان گفتگو کی قید و بند میں پڑ جائے وہ سوائے عقدۂ غم کے شمار کرنے کے اور کیا کر سکتی ہے۔

یعنی انسان زبان اظہارِ غم میں عقدہ کشائی تو کیا کرے گی اور بھی عقدے ڈال دے گی۔

ز قحطِ سخن ماندم خامہ غالب
بہ نخلی کز آوردنِ بار ماند

لغت: ''از آوردن بار ماند''= پھل دینے سے رہ جائے۔

پہلے مصرعے میں ماند کے معنی ہیں: مانند ہے، ملتا جلتا ہے۔

قحطِ سخن کے باعث میرا قلم اُس درخت کی مانند ہے جو پھل دینے سے رہ گیا ہو۔

❁❁❁

غزل نمبر (۵۸)

تُرا گویند عاشق دشمنی، آری چنین باشد
ز رشکِ غیر باید مرد گر مهر تو کین باشد

تیرے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تو عاشق کا دشمن ہے۔ ایسا ہی ہوگا۔ اگر تیری محبت عداوت ہی ہے تو پھر رقیب پر بھی رشک آنا چاہیے کہ تو اُس کو عاشق سمجھ رہا ہے اور اُس پر ستم ڈھا رہا ہے (اور ہم اس سے محروم ہیں)۔ اور اگر محروم نہیں تو وہ اس معاملے میں ہمارا شریک کیوں ہے۔

از آن سرمایۂ خوبی بہ وصلم کام دل جُستن
بدان ماند کہ موری خرمنی را در کمین باشد

اُس محبوب سے جو حسن و خوبی کا ایک خزانہ (سرمایہ) ہے میرا وصل کے عالم میں خواہشات کی تسکین کی آرزو کرنا ایسا ہے جیسے کوئی چیونٹی ایک غلے کے ڈھیر سے تمتع حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

یعنی وصل میں بھی شوق کی پیاس کم نہیں ہوتی۔

گر ترے دل میں ہو خیال، وصل میں شوق کا زوال
موج محیط آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

محبت آن چہ با آن تیشہ زن کرد از ستم نبود
چنین افتد چو عاشق سخت و شاهد نازنین باشد

لغت: ''تیشہ زن'' = فرہاد۔

محبت نے فرہاد کے ساتھ جو کچھ کیا وہ جور و ستم نہ تھا۔ جب عاشق سخت جان ہو اور معشوق نازنین ہو تو یہی کچھ ہوتا ہے۔

بہ روزی کش شبی با مدعی باید بسر بردن

بہ من ضائع کند گر صد نگاہِ خشمگین باشد

جس روز میرے محبوب کو رات رقیب کے ساتھ گزارنی ہو وہ اپنی تمام خشم آلودہ نظریں مجھ پر صرف کر کے جاتا ہے۔ (تاکہ رقیب کے ساتھ اس انداز کے اظہار کا امکان ہی نہ رہے) اور وقت فقط پیار اور محبت میں گزرے۔

نسوزد برخودم دل، گر بسوزد برق خرمن را

کہ دانم آنچہ از من رفت حقِ خوشہ چین باشد

اگر بجلی میرے خرمن کو جلا دے تو میرا دل نہیں کڑھتا کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ برق نے جو کچھ جلایا وہ میرے خوشہ چیں کا حق تھا۔ (اُس کا نقصان ہوا ہے میرا نہیں) مقصد یہ ہے کہ اگر برق خرمن کو نہ جلاتی تو خوشہ چیں اُسے لے جاتے۔

بہ پیرِ خانقہ در روضہ یکجا خوش تو آن بودن

بہ شرط آن کہ از ما بادہ و زشیخ انگبین باشد

لغت: ''روضہ'' = روضۂ خلد۔

ہم جنت میں پیر خانقہ کے ہمراہ ایک جگہ خوشی سے بیٹھ سکتے ہیں بشرطے کہ ہم

شراب پی رہے ہوں اور وہ شہد۔ یعنی ہمیں شراب میسر آئے اور وہ شہد کی نہر کا پانی پیے جو اُس کا صحیح ظرف ہے۔

جفاهای ترا آخر وفای هست پندارم

درین میخانہ صافِ می بہ جامِ واپسین باشد

لغت: ''جامِ واپسین'' = آخری جام۔

میں جانتا ہوں کہ تیری جفاؤں کا انجام وفا ہی ہوگا کیونکہ میخانۂ عشق میں آخری دور جام میں نہایت عمدہ اور صاف شراب پلائی جاتی ہے۔

بری از شحنہ دل تا خون بریزی بی گناهی را

بہ ترسی از خدا آئینِ بی باکی نہ این باشد

کوتوال کے دل کو تو اس لیے موہ لیتا ہے کہ وہ فریفتہ ہو کر تجھے بے گناہ عاشق کا خون بہانے دے۔ بے باک ہونے کا یہ انداز تو نہیں ہوتا۔ کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا''۔

چہ رفت از زہرہ با ہاروت، خاکم در دہن بادا

تو مریم باشی و کار تو با روح الامین باشد

لغت: ''خاکم در دہن بادا'' = میرے منہ میں خاک پڑے یہ الفاظ ایسے موقع پر بولتے ہیں جب کوئی گستاخانہ بات کرنی ہو۔

''ہاروت'' ہاروت و ماروت دو فرشتے ہیں جو زہرہ کے عشق میں مبتلا ہو گئے اور کہا جاتا ہے کہ قہرالٰہی سے اب تک چاہ بابل میں اوندھے لٹکے ہوئے ہیں۔

زہرہ کے ہاتھوں ہاروت کا جو حال ہوا معلوم ہے۔ خاکم بدہن، تو مریم ہے تیرے ہاتھوں روح الامین (جبریل) کا بھی وہی حال ہوگا۔

از آن گردی کہ در راھش نشیند بر رخم غالب
چہ خیزد چون ھم از من رخ، ھم از من آستین باشد

اے غالب!
اُس گرد و غبار کو جو اس کی راہ میں میرے چہرے پر پڑ جاتا ہے کیا فائدہ ہے جب کہ چہرہ بھی میرا ہے اور آستین بھی میری یعنی اُس گرد کو میرے چہرے سے اگر معشوق جھاڑتا تو مزہ آتا اور اس کی راہ میں کوفتیں برداشت کرنے کا صلہ مل جاتا۔

❁❁❁

غزل نمبر (۵۹)

از رشک کرد ھرچہ بمن روزگار کرد
در خستگی نشاطِ مرا دید، خوار کرد

زمانے نے جب مجھ کو دیکھا کہ یہ خستگی اور تکلیف میں بھی خوش ہے تو مجھے ذلیل و خوار کر دیا۔ (کہ اب تو خوش نہ رہے گا) (حالی)

در دل ھمی ز بینش من کینہ داشت چرخ
چون دید کآن نماند نھان، آشکار کرد

میری دانش و بینش کے سبب سے آسماں کینہ تو رکھتا ہی تھا اب جو دیکھا کہ وہ کینہ لوگوں پر آشکار ہو گیا ہے تو آسمان کھُل کھیلا اور علانیہ دشمنی کرنے لگا۔

بہ کرد چون سپھر بہ من، گرچہ من بدم
باید بدین حساب ز نیکان شمار کرد

اگرچہ (میں نیک نہیں ہوں) بد ہوں لیکن چونکہ آسمان نے مجھ سے بدی کی ہے اس لیے چاہیے کہ مجھے نیکوں میں شمار کیا جائے۔

آسمان ہمیشہ اچھے لوگوں سے عداوت رکھتا ہے اور اُنہیں دکھ پہنچاتا ہے۔ مجھ سے بھی ہمیشہ عداوت سے پیش آیا ہے اس لیے باوجود میری بدکرداری کے مجھے اچھے لوگوں میں شمار کرنا چاہیے۔

لنگر گسست صرصر و کشتی شکست موج
دانا خورد دریغ کہ نادان چہ کار کرد

دانا افسوس کر رہا ہے کہ اس ناداں نے کیا کر دیا حالانکہ میری کشتی کا لنگر بادِ صرصر نے توڑ دیا اور میری کشتی لہروں سے ٹوٹ گئی۔
یعنی جو کچھ ہوا وہ میری نادانی سے نہیں بلکہ قضا و قدر کے حکم سے ہوا۔

از بسکہ در کشاکشم از کار رفت دست
بندِ مرا گسستنِ بند استوار کرد

لغت: ''کشاکش'' = کشاکشِ حیات، زندگی کے بندھنوں سے چھٹکارا پانے کی کوشش۔

زندگی کے بندھنوں سے آزاد ہونے کی کشمکش میں میرا ہاتھ کام سے رہ گیا اور میں عاجز ہو کر رہ گیا۔ ان بندھنوں کو توڑنے کی کوشش نے انہیں اور بھی مضبوط کر دیا۔

عمری بہ تیرگی بسر آوردہ ام کہ مرگ
شادم بہ روشنائی شمعِ مزار کرد

میں نے ساری زندگی تاریکیوں میں بسر کی تا کہ موت آ کر اور شمع مزار جلا کر مجھے روشنی بخشے اور میں اُس سے خوش ہوں۔

تامی بہ رغمِ من فتد از دستِ من بخاک،
افراطِ ذوق دست مرا رعشہ دار کرد

لغت: ''بہ رغمِ من'' = میری خواہش کے خلاف۔

مے نوشی کے فرطِ شوق نے میرے ہاتھوں میں اس لیے رعشہ پیدا کر دیا ہے کہ مے جام لبالب سے چھلک کر زمین پر گر جائے اور مجھے اس کے گرنے کا دکھ ہو۔

یعنی قدرت کو میرا شراب پینا گوارا نہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ شراب زمین پر گر کر ضائع ہو جائے مجھے میسر نہ آئے۔

کوتہ نظر حکیم کہ گفتی ھر آئنہ
نتوان فزون ز حوصلہ جبر اختیار کرد

وہ دانا (مفکر) تنگ نظر تھا جس نے کہا انسان کو ہر صورت میں اپنے حوصلے سے بڑھ کر طبیعت پر جبر نہیں کرنا چاہیے۔

نومیدی از تو کفر و تو راضی نہ بہ کفر
نومیدیم دگر بہ تو امیدوار کرد

میں ہوں تو ناامید چونکہ تجھ سے ناامید ہونا کفر ہے اور تو کفر سے راضی نہیں اس لیے میں نے مجبوراً اپنے تئیں امیدوار بنا لیا ہے۔

غالب کہ چرخ را بہ نوا داشت در سماع
امشب غزل سرود و مرا بی قرار کرد

غالب اپنی نغمہ خوانی سے آسمان کو بھی وجد میں لاتا تھا آج رات اس نے غزل گائی اور مجھے بے قرار کر دیا۔

❁❁❁

غزل نمبر (۶۰)

بہ ذوقی سر زمستی در قفای رھروان دارد
کہ پنداری کمندِ یار ھمچون مار جان دارد

لغت: ''کمندِ یار'' = زلفِ یار جو کمند کی طرح ہوتی ہے۔ اور شیدائیوں کو پھانس لیتی ہے۔

زلفِ یار (کمندِ یار) اس مستی اور ذوق سے رہروؤں کا پیچھا کرتی ہے گویا اس میں سانپ کی طرح جان ہے۔

یعنی زلف یار اُسی طرح رہ چلنے والوں کو اسیر کرنے کو لپکتی ہے۔ جس طرح سانپ کاٹنے کی لیے رہروؤں کا پیچھا کرتا ہے۔

تنم سازِ تمنای است کز هر زخمۂ دردی
همارا مستِ آوازِ شکستِ استخوان دارد

لغت: ''زخمہ''=مضراب،''زخمۂ درد''= درد کی ٹیس جو جسم پر گویا مضراب کی مانند اس طرح لگتی ہے اور چیخ نکل جاتی ہے۔

ہما کے بارے میں مشہور ہے کہ ہڈیاں کھاتا ہے۔

میرا تن تمناؤں کا وہ ساز ہے کہ درد کی ہر ضرب پر جسم کی ہڈیاں ٹوٹتی ہیں اور اُن کی آواز شکست سے ہما مست ہو جاتا ہے (کہ یہ ہڈیاں اب میرے حصے میں آئیں گی)۔

هوای ساقیِ دارم کہ تابِ ذوقِ رفتارش
صراحی را جو طاؤسانِ بسمل پر فشان دارد

مجھے ایک ساقی کی آرزو ہے کہ جس کی رفتار کی لذت سے صراحی یوں پھڑکنے لگے کہ جیسے زخمی مور تڑپ رہا ہو۔

بنازم سادگی، طفل است و خونریزی نمی داند
بہ گل چیدن همان ذوقِ شمارِ کشتگان دارد

میں محبوب کی سادگی پر ناز کرتا ہوں۔ وہ ابھی کمسن ہے اور وہ عاشقوں کی خونریزی کے طریقے سے آشنا نہیں۔ لیکن اُس کے ذوق خونریزی کی تسکین یوں ہو جاتی ہے کہ وہ سرخ سرخ پھول توڑتا ہے اور اُن توڑے ہوئے پھولوں کو گننے میں مزہ آتا ہے جیسے وہ اپنے عاشقان کشتہ کو شمار کر رہا ہے۔

دل از هم ریزد و حسرت اساسِ محکمی خواهد
غم آذر بیزد و طاقت قماشِ پرنیان دارد

ہمارے دل کی حسرتیں ایک مضبوط اور توانا دل (اساس محکم) چاہتی ہیں کہ وہ دل انہیں برداشت کر سکے، ادھر دل کا یہ عالم ہے کہ ریزہ ریزہ ہو کر گر رہا ہے اور ختم ہو رہا ہے (از ہم ریزد)۔ غم عشق فشانی کر رہا ہے (آذر بیزد) اور ہماری طاقت برداشت کی خصلت ریشم کی سی ہے (کہ ایک لمحہ میں جل جاتا ہے)۔

یعنی حسرتوں سے دل برباد ہو گیا ہے اور آتش غم کے سہنے کی تاب نہیں۔

برون بردم گلیم از موج، دامن زیرِ کوه آمد
نمِ گرداب طوفان تا چہ رختم را گران دارد

لغت: ''از موج گلیم بیرون بردن'' = ہلاکت سے بچ جانے کی کوشش کرنا۔

شیخ سعدی عالم اور عابد میں فرق کرتے ہوئے کہتے ہیں:

گفت آن گلیم خویش برون می برد ز موج
وین سعی می کند کہ بگیرد غریق را

یعنی عابد عافیت کوشی کے باعث زندگی کے طوفان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور عالم ڈوبنے والوں کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

جب کوئی شے بھیگ جاتی ہے تو بھاری (گران) ہو جاتی ہے کہتا ہے:

میں نے موج طوفان سے کنارہ کشی کرنا چاہا میرا دامن پہاڑ کے دامن کے نیچے آ گیا۔

دیکھو طوفان کے بھنور نے میرے سامانِ ہستی کو کتنا بھاری کر دیا ہے (کہ بچنے کی کوئی صورت ہی نہیں)۔

انسان یونہی خلائق دنیا میں پھنسا رہتا ہے۔

برنجد از دمِ تیغ توصید و در رمیدن ها
بامیدِ تلافی چشم بر پشتِ کمان دارد

تیرا شکار (عاشق) تلوار کی دھار سے تو رنجیدہ ہوتا ہے لیکن بھاگتے ہوئے اس کی آنکھیں کمان پر لگی ہوتی ہیں کہ کوئی تیر آکر لگے اور اس کی تلافی کر دے۔

دلم درحلقۂ دام بلا می رقصد از شادی
ھمانا خویشتن را در خم زلفش کمان دارد

میرا دل مصیبتوں کے حلقہ ہائی دام میں پھنسا ہوا یوں خوشی محسوس کرتا ہے جیسے وہ اس کی یعنی محبوب کی زلفوں میں اسیر ہے۔

بہ گلھای بہشتم مژدہ نتوان داد در راھش
من و خاکی کہ از نقشِ کفِ پای نشان دارد

اس کی راہ میں چلتے ہوئے باغِ بہشت کے پھولوں کی خوشخبری میرے لیے کوئی کشش نہیں رکھتی۔ میں تو اس خاک کا گرویدہ ہوں جہاں میرے محبوب کا نشان کفِ پا ہو۔

یعنی مجھے جنت کی پروا نہیں مجھے تو محبوبِ حقیقی کی رہ میں سجدہ ریز ہونے میں لطف آتا ہے۔ اُس کے پاؤں کے نشاں، گلھای خلد سے کہیں زیادہ حسین و دلکش ہیں۔

بہ شرع آویز و حق می جو، کم از مجنون نہ باری
دلش با محمل است، اما زبان با ساربان دارد

شرع سے بھی وابستہ رہ اور حق (خدا) کی بھی تلاش کر؛ آخر (بارے) تو مجنوں سے کم

نہیں کہ اُس کا دل محمل میں اٹکا ہوا ہے مگر زبان کو ظاہرا ساربان سے سروکار ہے۔ یعنی باتیں ساربان سے کر رہا ہے اور دل لیلیٰ سے لگا ہوا ہے۔

شرع کو ساربان سے اور حق کو محمل سے تمثیل دی اور یہ نہایت بلیغ تمثیل ہے۔

''شعر در افکار سے ہے'' (حالی)

رم زان ترکِ صید افگن کہ خواھم صرف من گردد
گسستن ھای بی اندازۂ کاندر عنان دارد

لغت: ''گسستنِ عنان'' = تیز رفتاری۔ گسستن کے معنی ٹوٹنے کے ہیں اگر لگام (عنان) ٹوٹ جائے تو سوار، سواری کی روک تھام نہیں کر سکتا اس لیے رفتار میں تیزی آجاتی ہے۔ چنانچہ یہ محاورہ بنا۔

کہتا ہے: میں اس ترک شکاری (محبوب) سے اس لیے بھاگتا ہوں کہ وہ میرے تعاقب میں جتنی بھی تیز رفتاریاں اس کی لگام میں ہیں مجھ پر صرف ہو جائیں۔

عاشق اس لیے نہیں بھاگتا کہ بچ جائے بلکہ اس لیے کہ معشوق اس کی طرف مائل ہو۔

خدارا وقت پرسش نیست، گفتم بگذر از غالب
کہ ھم جان برلب و ھم داستان ھا بر زبان دارد

میں کہے دیتا ہوں کہ یہ پرسش کا وقت نہیں ہے۔ تو غالب کے حال سے درگزر اور پرسش کا خیال چھوڑ دے کیونکہ اس کی جان لبوں پر ہے اور داستان زبان پر۔ مبادا وہ اپنی دردانگیز داستاں بیاں کرنا شروع کر دے اور جان نکلنے سے رہ جائے اور اُسے غم سے نجات نہ مل سکے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۶۱)

صاحب دل است و نامور، عشقم بہ سامان خوش نکرد

آشوبِ پیدا تنگِ آو، اندوہِ پنہان خوش نکرد

مرزا غالب نے اس شعر میں بڑے تہ دار الفاظ استعمال کیے ہیں، ان کی وضاحت کے بغیر شعر کی معنوی خوبیاں اُجاگر نہیں ہوسکتیں۔ صاحب دل، اہل دل کو کہتے ہیں جو سینے میں محبت بھرا دل رکھتا ہے اور دوسروں کے پوشیدہ احساسات محبت کو سمجھتا ہے۔ اس کے سامنے اظہار جذبات کی ضرورت نہیں ہوتی۔

لغت: ''نامور'' = ایسا آدمی جو مشہور ہو اور اُس کی شخصیت کا لوگوں میں چرچا ہو۔

''آشوب پیدا'' = محبت کی ظاہری ہنگامہ آرائی۔ ''اندوہ پنہان'' = غم نہاں جس کا اظہار نہ ہو یہ گویا آشوب پیدا کی ضد ہے۔

عشق کا بہ سامان ہونا کیا ہے؟ ایک تو عاشق کی ظاہری نمود نمائش اور دوسرے عشق محبت کا شاعر کہتا ہے:

''محبوب صاحب دل بھی اور نامور بھی ہے، وہ میرے عشق کا باسر و سامان ہونا پسند نہیں کرتا۔ عشق کا ظاہری ہنگامہ اُس کے لیے تنگ ہے (کیونکہ اس میں نمود کا پہلو ہے) اور غم پنہاں کو یوں پسند نہیں کرتا، کہ وہ خود صاحب دل ہے۔

محبوب نہیں چاہتا کہ عاشق اپنے عشق کا چرچا کرے اور نہ ہی دل میں چھپے ہوئے غم کو گوارا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں خود اس میں موجود ہیں: صاحب دل اور ناموری۔ عاشق میں یہ وصف ہوئے تو کیا ہوا۔

دانست بی حس ناخنم الماس زد بر ریش من

سنجید شست خود قوی، در تیر پیکان خوش نہ کرد

کہتے ہیں کہ ہیرے کی کنی زخم میں چلی جائے تو اُسے گہرا کرتی چلی جاتی ہے۔

لغت: ''پیکان'' = تیر کی تیز نوک، جو آگے لگی ہوتی ہے اور زخم لگاتی ہے۔

اس نے میرے ناخنوں کو بے حس خیال کیا (کہ یہ زخموں کو چھیل کر چرکے نہیں لگا سکتے) چنانچہ اُس نے میرے زخموں پر الماس ریزی کی۔ اپنے نشانے کو اتنا سخت سمجھا کہ تیر میں پیکان لگانا پسند نہ کیا، (کہ تیر اتنے زور سے نشانے پر بیٹھے گا کہ پیکان کے بغیر ہی کارگر ہوگا)۔

آن خود بہ بازی می برد، وین را دو جومی نشمرد

بنمودمش دین خندہ زد، آوردمش جان خوش نکرد

پہلے مصرعے میں آں کا اشارہ جاں کے لیے اور این کا اشارہ دین کی طرف ہے۔

لغت: ''ببازی بردن'' = یونہی ہنسی مذاق میں چھین لینا۔

''در جو نشمردن'' = جو کے برابر بھی نہ سمجھنا، حقیر جاننا۔

میں نے محبوب کی خدمت میں دین و ایمان پیش کیا، وہ دیکھ کر ہنس دیا: جان نذر کی پسند نہ کی، اس لیے کہ جاں تو وہ یونہی لے سکتا ہے، اور دین ایمان کی اس کی نظر میں کوئی قدر و اہمیت نہیں۔

در نامہ تا بنمودش کز شہر پنہان می روم

دل بست در مضمون ولی، نامم بہ عنوان خوش نہ کرد

میں نے محبوب کو خط لکھا اور یہ ظاہر کیا کہ میں شہر سے چپکے سے جا رہا ہوں۔ یہ بات

(مضمون) تو اس کے دل میں بیٹھ گئی لیکن خط میں میرا نام کا آنا گوارا نہ کیا۔

دارم هوای آن پری کو بسکه نغز و سرکش است
ز افسوس مسخر شد ولی، زهد پریخوان خوش نه کرد

لوگوں کا یہ مشہور عقیدہ ہے کہ پری کو دو طریقے سے رام کیا جاسکتا ہے ایک جادو سے (افسون) اور دوسرے زہد سے جسے شاعر نے ''زہد پری خوان'' = کہا ہے کہ بعض آیات قرآنی پڑھنے سے جن اور پری حاضر ہوجاتے ہیں۔

لغت: ''نغز'' = پاکیزہ، حسین و لطیف۔

''مجھے اس پری کی جستجو ہے جو پاکیزہ حسن رکھتی ہے اور سرکش بھی ہے۔ وہ جادو سے رام ہوسکتی ہے۔ لیکن زہد (ریائی) کو پسند نہیں کرتی۔''

افسون سے مراد، افسونِ محبت ہے مقصود یہ ہے کہ محبوب وہ ہے جس پر محبت کا جادو چلے نہ کہ زہد کا۔

فریاد زان شرمندگی کا رند چو در محشرم
گویند اینک خیره سر، کز دوست فرمان خوش نه کرد

نہایت خوبصورت شعر ہے۔

لغت: ''خیرہ سر'' = پریشاں خیال رکھنے والا، سرکش، سر پھرا۔

ہائے وہ شرمندگی کا عالم! جب مجھے قیامت کے دن محبوب حقیقی کے حضور میں لایا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ یہ وہ سر پھرا انسان ہے جس نے دوست کے فرمان کو قبول نہ کیا۔

عاشق، عشق کا دعویٰ کرے اور پھر اس کی حکم عدولی کرے، شرمناک بات ہے۔

اس شعر سے خدا تعالیٰ کے ساتھ مرزا صاحب کی انتہائی عقیدت اور محبت ظاہر ہوتی

ہے ایسے اشعار اُن کے کلام میں جگہ جگہ آتے ہیں اور بلا استثنا اُن کے بہترین اشعار ہیں۔

عام است لطفِ دلبران، جز عام ننهد دل بر آن
عاشق، ز خاصانش مدان، گر دل نه حرمان خوش نه کرد

دلبروں کی مہربانیاں اور عنایتیں عام ہیں اور عالم لوگ ہی اس ادا پر فریفتہ ہیں۔ لیکن عاشق کو یہ گوارا نہیں؛ وہ اگر محبوب کے اس لطف و عنایت سے اپنی محرومیوں کو پسند نہ کرے تو اُسے محبوب کے خاصانِ محبت میں شمار نہیں کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں عام ہیں اور اسی لیے عوام اللہ کی ذات سے لو لگائے رہتے ہیں، ہاں محرومِ رحمت ہونے پر بھی راضی برضا رہنا، بندگانِ خاص ہی کا شیوہ ہے۔

شرع از سلامت پیشگی، عشق مجازی بر نتافت
زاهد به کنج صومعه، غوغای سلطان خوش نه کرد

لغت: ''سلامت پیشگی'' = سلامتی۔ مصیبتوں سے اجتناب کرنا اور بچنا۔

''سلطان'' = سلطان حسن، محبوب۔

شرع (زہد و دینداری) اپنی سلامت پسندی کے باعث، عشق مجازی کے مصائب کی تاب نہ لاسکی۔ زاہد گوشۂ عبادت میں بیٹھ گیا، اُسے شاہانہ ہنگامہ آرائیاں پسند نہ تھیں یعنی عشق کی سختیاں اور رسوائیاں پرہیز گاریاں اور زاہدوں کے بس کا روگ نہیں۔

بامن میاویز ای پدر، فرزند آذر را نگر
هر کس که شد صاحب نظر، دینِ بزرگان خوش نکرد

بڑوں اور چھوٹوں کے خیالات میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے جسے آج کل کے محاورے میں (جنریشن گیپ) کہتے ہیں۔ چنانچہ موحد ابراہیمؑ کا اپنے بت پرست باپ آذر سے سخت اختلاف تھا۔ اسی کا ذکر اس شعر میں ہے: اے باپ مجھ سے جھگڑا نہ کر؛ آذر کے بیٹے کو دیکھ۔ جو کوئی بھی صاحب نظر ہو گیا اسے اپنے بزرگوں کے دین سے تسلی نہیں ہوتی۔

غالب بہ فنِ گفتگو نازد بدین ارزش کہ او
ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خان خوش نکرد

غالب کو اپنے فنِ کلام کی اس عزت پر ناز ہے کہ وہ اپنی کوئی غزل درج دیوان نہیں کرتا جب تک (نواب) مصطفیٰ خاں (شیفتہ) کی نظرِ انتخاب اُسے پسند نہیں کرتی۔

❁❁❁

غزل نمبر (۶۲)

قدرِ مشتاقان چہ داند، دردِ ما چندش بود
آنکہ دایم کار بادلھای خورسندش بود

جس انسان کو ہمیشہ خوش باش دلوں سے واسطہ پڑتا ہو اُسے عاشقوں کی کیا قدر ہو سکتی ہے اور اُسے کیا معلوم کہ ہمارا درد و غم کس حد تک ہے۔

شاهد ما همنشین آرا، و رنگین محفل است
لا جرم در بندِ خویش است آنکہ در بندش بود

"همنشین آرا" و "رنگین محفل" دونوں ترکیبیں فاعلی ہیں یعنی فاعل کا مفہوم دیتی

ہیں انہیں ہم اسم فاعل ترکیبی یا سماعی کہتے ہیں۔

لغت: "همنشین آرا" = ہمنشینوں کو آراستہ کرنے والا اور "رنگین محفل" = محفل کو رنگیں بنانے والا۔ کہتا ہے:

ہمارا محبوب رنگین محفلوں کا شوقین ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے ہمنشیں بھی بنے سنورے رہیں۔ چنانچہ لازمی بات ہے کہ جو شخص بھی اس سے وابستہ ہو گا (در بندش بود) اُسے آپ اپنے کو آراستہ و پیراستہ رکھنے کی فکر دامن گیر ہو گی۔

مرزا غالب نے "بند" کے لفظ کے تکرار سے شعر میں ایک لفظی حسن پیدا کیا ہے۔

دوسرے مصرعے کی نثر یہ ہو گی۔ ہر کہ در بند او باشد در بند خویش است۔ یعنی جو شخص اُس کا اسیر محبت ہے وہ اپنا بھی اسیر ذات ہے۔

در نگارین روضۂ فردوس نکشاید دلش
آنکہ در بندِ دروغ راست مانندش بود

لغت: "دروغ راست" "مانند" = دروغ راست نما یعنی وہ جھوٹ جو سچ معلوم ہو (سچ کی مانند ہو)۔

دل نکشاید" = دل نہیں کھلتا، خوش نہیں ہوتا۔

جو انسان محبوب کے دروغِ راست نما کا گرویدہ ہو چکا ہو اسے جنت کے باغ رنگیں میں کیا خوشی نصیب ہو گی۔

محبوب نے محبت میں ہمیں وہ سبز باغ دکھائے ہیں کہ جنت کیا دکھائے گی، گویا باغ فردوس بھی ایک دروغ راست نما ہی ہے۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

آنکه از شنگی بہ خاموشی دل از ما میبرد

وای گر چون ما زبان نکته پیوندش بود

جو ادائے حسن کے ذریعے نہایت خاموشی سے ہمارا دل چھین لیتا ہے اگر اس کی زبان، ہماری طرح نکتہ سنج (نکتہ پیوند) ہوتو پھر عاشقوں کا کیا حشر ہوگا۔

در ستم حق نا شناس گفتن از انصاف نیست

آنکه چندین تکیه بر حلمِ خداوندش بود

لغت: ''حلم'' = بردباری۔ ''تکیہ'' = سہارا

خدا کی ایک صفت حلم ہے یعنی وہ انسانوں کی زیادتیوں کو دیکھتا ہے اور بردباری سے کام لیتا ہے۔ معشوق بھی اسی خیال سے عاشقوں پر ستم ڈھاتا چلا جارہا ہے کہ اُسے علم خداوندی پر پورا پورا بھروسا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جب معشوق حق تعالیٰ کی صفت بردباری پر اتنا بھروسا رکھتا ہے تو اُسے حق ناشناس کہنا انصاف نہیں۔

ہیچ دانی این همه شورِ عتاب از بهر چیست

تاجگرها تشنۂ موج شکر خندش بود

لغت: ''شکر خند'' = میٹھی ہنسی، شاعر نے اسی ہنسی کو ''تشنہ'' کے لفظ کی رعایت سے موج سے وابستہ کیا ہے اور موج شکر خند کہا ہے گویا معشوق کے لبوں پر ہنسی کی لہریں نمودار ہوں تو عاشقوں کے دل وجگر اپنی پیاس بجھا سکیں۔ کہتا ہے کہ تو جانتا ہے کہ معشوق کا یہ شورِ عتاب کس لیے ہے؟ یہ اس لیے کہ عاشقوں کے دل وجگر میں معشوق کے لبوں کو مسکراتا دیکھنے کی پیاس اور بھی بھڑک اُٹھے کہ کبھی تو اس کی برہمی مزاج دور ہوگی اور وہ خندہ پیشانی سے پیش آئے گا۔

لغت: ''شور'' ہنگامہ ہے اور اس لفظ کے ایک معنی نمک کے بھی ہیں، اس شعر میں شکر کے لفظ کے اعتبار سے شور کا مفہوم ہنگامے سے زیادہ نمکینی اور تلخی ہے۔ یہ معنی بعیدی ہیں اس لیے شعر میں ''صنعت ایہام'' آگئی ہے۔

نازم آن خود بین که نایدغیرِ خویشش در نظر

گر بخاکِ رهگذارِ دوست سوگندش بود

میں اس خود بیں انسان پر ناز کرتا ہوں (قائل ہوں) کہ اگر اسے رہگذار دوست کی قسم دلائی جائے تو اُسے اس خاک میں اپنے سوا کوئی اور چیز نظر نہیں آئے گی۔

یعنی وہ اپنے آپ کو راہ محبوب کی خاک سمجھتا ہے۔

آنکه خواهد در صفِ مردان بقائی نام خویش

خون دشمن سرخ تر از خونِ فرزندش بود

جو شخص، عالی ظرف انسانوں میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتا ہے، اس کی نگاہ میں دشمن کا خون اپنے بیٹے کے خون سے زیادہ سرخ ہوتا ہے۔

یعنی وہ دشمن کا خون بہانا ایسا ہی سمجھتا ہے جیسے کسی اپنے عزیز کو مار دیا۔

باخرد گفتم نشان اهل معنی باز گو

گفت گفتاری که با کردار پیوندش بود

میں نے عقل سے اہل عرفان لوگوں کی نشانی پوچھی، جواب ملا وہ لوگ جن کے قول اور فعل میں ربط ہو (یعنی جو کہیں وہی کریں)۔

غالبا زنہار بعد از ما بخونِ ما مگیر
قاتلِ مارا کہ حاکم آرزو مندش بود

اے غالب ہمارے قتل کے سلسلے میں ہرگز اس قاتل سے باز پرس نہ کرنا، کہ جس قاتل کا حاکم بھی چاہنے والا ہو۔

❁❁❁

غزل نمبر (۶۳)

بھر خواری بسکہ سرگرمِ تلاشم کردہ اند
پارۂ نزدیک در ھر دور باشم کردہ اند

لغت: ''دور باش'' = دور رہو، ہٹو بچو کی آواز کو کہتے ہیں جو بادشاہوں کی سواری کے آگے نقیب پکارتے چلتے ہیں۔ کہتا ہے: مجھ کو جو قضا و قدر نے سرگرم تلاش کیا ہے اُس سے مقصود میرا خوار و ذلیل کرنا ہے۔ پس راہ تلاش میں جو دھتکار مجھ پر پڑتی ہے اُس سے ظاہر ہے کہ میری ذلت و خواری زیادہ ہوتی ہے اور اس طرح جو امر میری سرگرم تلاش کرنے سے مقصود ہے وہ حاصل ہوتا ہے۔ گویا ہر دور باش پر میں کسی قدر مقصود کے نزدیک ہوتا جاتا ہوں۔

ترسم از رسوائی ام آخر پشیمانی کشند
رازم و این شاہدانِ مست فاشم کردہ اند

میں رازِ سربستہ ہوں ان شاہدانِ مست نے مجھے فاش کر دیا ہے۔ میرے رازِ عشق کے فاش ہونے سے میں رسوا ہوں گا اور میری رسوائی بالآخر ان راز فاش کرنے والوں کی پشیمانی کا باعث بنے گی کیونکہ میرا رازِ عشق انہی سے وابستہ ہے۔

چرخ ھر روزم غمِ فردا بہ خوردن می دھد
تا قیامت فارغ از فکرِ معاشم کردہ اند

آسمان ہر روز مجھے غمِ فردا کھانے کو دیتا ہے، گویا یہ غمِ فردا میرے لیے معاش یا روزی بن گیا ہے اور چونکہ اس غم کے کھانے کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا میں قیامت تک فکرِ معاش سے آزاد ہو گیا ہوں۔

غیر، گفتی، روشناسِ چشمِ گوھر بار است
راز دانِ نالۂ الماس پاشم کردہ اند

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ تو کہتا ہے کہ رقیب اشکباری سے آشنا ہے (یعنی وہ عشق میں آنسو بہاتا ہے)۔ ٹھیک ہے لیکن مجھے قضا و قدر نے ایسی فریادیں دی ہیں جو الماس کے ریزے برساتی ہیں اور جگر کو چیرتی ہیں۔

یعنی رقیب اگر روتا ہے تو ہم بھی وہ فریاد و فغاں کرتے ہیں جس کے آگے رقیب کے آنسو بے حقیقت ہیں۔

ھرچہ از بی طاقتی، مزدِ ثباتم دادہ اند
ھرچہ از اندوہ، صرف انتعاشم کردہ اند

یہاں سے چند شعر قطعہ بند ہیں اور اُن کی تہ میں ایک ہی جذباتی رو بہتی چلی جاتی ہے۔

لغت: ''ثبات'' = ثابت قدمی، استقلال۔

''انتعاش'' لغوی معنی لرزش اور جنبش کے ہیں؛ جوش، ولولہ۔ جتنی ناتوانائیاں تھیں میری ثابت قدمی کے صلے میں عطا ہوئیں، جتنے بھی غم تھے اور میری ہمت میں ولولہ اور جوش پیدا

کرنے میں صرف کیے گئے۔

یعنی عشق کے انتہائی درد و کرب میں بھی میں ثابت قدم رہا اور میری محبت کی ولولہ انگیزیاں قائم رہیں

از تفِ داغت بدل دوزخ سرشتم خوانده اند
از دمِ تیغت بہ تن مینو قماشم کرده اند

میرے دل میں تیرے غم کے داغوں کی وہ گرمیاں ہیں کہ میں سر تا پا دوزخ (دوزخ سرشت) بن گیا ہوں اور میرے تن پر تیری تیغ محبت نے وہ زخم لگائے ہیں کہ میں جنت کی رنگینیوں میں ملبوس ہوں (مینو قماش)۔

هم بہ صحرای جنون مجنون خطابم دانده اند
هم بکوه بی ستون خارا تراشم کرده اند

لغت: ''بے ستون'' = وہ پہاڑ جو فرہاد نے کاٹا تھا ''خارا'' = سخت پتھر۔ چٹان۔

صحرائے جنوں میں مجھے مجنوں کا خطاب دیا گیا ہے اور کوہ بے ستوں میں مجھے خارتراش کا منصب عطا ہوا ہے۔

چشم نبوم، از چہ رو خارم بجیب افشانده اند
دلِ نباشم، تاچرا رزق خراشم کرده اند

میں آنکھ نہیں ہوں، پھر کس لیے میرے گریباں میں کانٹے ڈال دے گئے ہیں: میں دل نہیں ہوں پھر کیوں مجھے کاوشِ غم کی نذر کر دیا گیا ہے (رزقِ خراش بنایا ہے)۔

از چہ، غالب خواجگی ھای جھان ننگ من است
گرنہ با سلمانؓ و بوذرؓ خواجہ تاشم کرده اند

لغت: ''سلمان'' جو سلمان فارسی کے لقب سے مشہور ہیں اور ''بوذر'' دونوں صحابۂ رسول ﷺ میں سے تھے اور اپنی درویش منشی اور فقر کے لیے ضرب المثل ہیں۔

''خواجہ تاش'' = ایک ہی آقا کے دو بندے ایک دوسرے کے خواجہ تاش کہلاتے ہیں۔

''خواجگی'' = امارت، سرداری اور آقائی۔

اے غالب اگر میں فقر و غنا میں سلمان اور بوذر کا خواجہ تاش نہیں ہوں تو پھر کیوں میں جہاں کی ثروت مندیوں اور خواجگیوں کو اپنے لیے باعث ننگ سمجھتا ہوں۔

غزل نمبر (۶۴)

کسی با من چہ در صورت پرستی حرفِ دین گوید
ز آذر گفت، دانم، گرز صورت آفرین گوید

لغت: ''صورت پرستی'' = ظاہرا صورت کا پرستار ہونا، بت پرستی جو دین کے منافی ہے۔

''صورت آفرین'' خالق کے لیے استعمال ہوتا ہے جس نے انسان کو یہ شکل و صورت عطا کی۔ یہاں مرزا غالب نے ''صورت آفرین'' سے بت تراش کا مفہوم بھی لیا ہے جو صورت آفرینی کرتا ہے جیسے آذر تھا کہتا ہے:

کوئی میرے ساتھ صورت پرستی کے ضمن میں دین کی باتیں کیسے کرسکتا ہے، اگر بالفرض وہ "صورت آفرین" کا تذکرہ کرے تو میں جانتا ہوں کہ اس کی مراد آذر ہے خدا نہیں ہے۔

دلم در کعبہ از تنگی گرفت، آوارۂ خواھم
کہ با من وسعت بت خانہ ھای ھند وچین گوید

میرا دل کعبہ کی تنگ دیواری سے اکتا گیا ہے، میں کوئی ایسا آوارہ مزاج انسان چاہتا ہوں جو مجھ سے ہندوچین کے بتخانوں کی وسعت کا ذکر کرے۔
شریعت کی تنگ نظری کی طرف اشارہ ہے۔یعنی شریعت کے دائرے میں رہنے سے کافرِ عشق ہونا بہتر ہے۔(خدا کو کعبے میں محصور کرنا غلط ہے، خدا تو ہر جگہ موجود ہے)۔

بہ خشم ناسزا می گوید و از لطفِ گفتارش
گمان دارم کہ حرف دلنشینی بعد ازین گوید

معشوق غصے میں برابر مجھ کو برا بھلا کہتا ہے مگر اس لطف کلام سے میں ہمیشہ اسی امید میں ہوتا ہوں کہ اب کوئی اچھی بات کہتا ہے اب کوئی مہربانی کا کلمہ اُس کی زبان سے نکلتا ہے۔(حالی)
محبوب کے لطف گفتار کو بڑے حسین پیرائے میں بیان کیا ہے۔

شناسد جائ غم دل را و خود را دلربا داند
عجب دارد اگر دلدادۂ خود را غمین گوید

معشوق یہ تو جانتا ہے کہ دل مقام غم ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کو دلربا بھی خیال کرتا ہے لیکن اُسے اپنے دل دینے والے عاشق (دلدادہ) کو غمزہ (غمیں) کہتے ہوئے کچھ تعجب ہوتا ہے۔

چو خواھم داد از غم، در جوابم لب فروبندد
دگر گویم کہ جان خواھم بہ غم داد، آفرین گوید

جب میں اپنے غم کی داد طلب کرتا ہوں تو وہ چپ ہو جاتا ہے، اور اگر میں کہوں کہ میں غم میں جان دے دوں گا تو شاباش (آفرین) کہتا ہے۔

رھم افتادہ بھر دانہ سوی دامِ صیادی
کہ حرف ذبح، باھمراز خویش، اندر کمین گوید

لغت: "کمین" = کمین گاہ صیاد کے چھپنے کی جگہ۔گھات۔
میں دانے کے لیے ایک ایسے صیاد کے دام کی طرف چلا جا رہا ہوں، جو مجھے (اسیر کرکے) ذبح کرنے کی بات، اپنی کمیں گاہ میں چپکے چپکے اپنے ہمراز سے کرتا ہے۔
یعنی میں ایک ایسے معشوق کے دام حسن میں پھنسنا چاہتا ہوں جو میرے رقیب سے مل کر مجھے ختم کرنے کے درپے ہے۔

زبی تابی برون اندازد از خویش آستین دورش
گریبان آنچہ دید از دست، گر با آستین گوید

اس شعر کی نثر یوں ہے:
آنچہ گریبان (من) از دست (من) دید اگر آن را با آستین گوید، آستیں از بی

تابی آن از خویش دور اندازد۔

جو کچھ میرے ہاتھوں سے میرے گریباں پر گزری ہے اگر میرا گریباں اس کا تذکرہ کہیں میرے آستین سے کر دے تو آستین میرے ہاتھ کو اُٹھا کر دور پھینک دے۔

یعنی میرے ہاتھوں سے گریباں کی جو حالت ہوئی ہے میرا آستین اُسے دیکھ کر گھبرا جائے اور گھبراہٹ میں میرے ہاتھ کو اپنے سے الگ کر دے، اس ڈر سے کہ کہیں اس کا بھی حشر نہ ہو۔

دل از پہلو برون آرم جمش جام خود انگارد
و گر لختی بر افشانم سلیمانش نگین گوید

جمشید ایران کا ایک قدیم بادشاہ تھا جس کے پاس جام جہان نما تھا۔ نگیں = نگینہ۔ خاتم حضرت سلیمان کے متعلق مشہور ہے کہ اُن کے قبضے میں ایک انگوٹھی تھی جس کے ذریعہ وہ جن و پری کو بلا لیتے تھے۔ کہتا ہے:

اگر میں اپنا دل پہلو سے باہر نکالوں تو جمشید اُسے دیکھ کر، اُسے اپنا جام جہاں نما سمجھے اور اگر میں اس دل کا (جو دراصل پارہ پارہ ہو چکا ہے) ایک ٹکڑا نکال کر پھینک دوں تو سلیمان اُسے نگین سمجھے یعنی اپنی خاتم سلیمانی کا نگین بنا لیے۔

گذارد آنچہ برق از خرمن اندر دشت بگذارم
کہ ترسم چون بچینم کس بہ طنزم خوشہ چین گوید

لغت: ''خوشہ چین'' = ریزہ چین، بچی کچھی چیزیں اٹھانے والا۔

میرے خرمن پر بجلی کے گرنے کے بعد جو کچھ بچ رہتا ہے وہ میں وہیں جنگل ہی میں

چھوڑ کر آ جاتا ہوں مجھے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ میں ان چیزوں کو اُٹھاؤں تو کوئی مجھے طنز سے یہ نہ کہہ دے کہ دیکھو یہ خوشہ چین ہے۔ یعنی جب ہستی کا اصل سرمایہ لٹ جائے تو باقی ماندہ کو سمیٹنا بلند ظرف کے کسر شان ہے۔

چرا رانند غالب را از آن در، رہروی باید
کہ راز خلوتِ شہ با گدای رہ نشیں گوید

کوئی ایسا رہرو مل جائے جو اُس شاہ حسن کی خلوت گاہ کا راز مجھ گدای رہ نشیں کو بتائے کہ آخر غالب کو دروازے ہی سے کیوں لوٹا دیا گیا۔

غزل نمبر (۶۵)

من بوفا مردم و رقیب بدر زد
نیمہ لبش انگبین و نیمہ تبرزد

اس ساری غزل کی شرح، مرزا غالب نے کی ہوئی ہے۔ ہم اس شرح کو من وعن درج ذیل کرتے ہیں۔ البتہ ہم نے اشعار کے شروع میں حسب ضرورت بعض لفظی توضیحات اور لفظی ترجمے کا اضافہ کر دیا ہے۔

لفظی ترجمہ: ''میں نے تو وفا میں جان دے دی اور رقیب بچ کر نکل گیا اُس کے (معشوق) لب آدھے شہد ہیں اور آدھے مصری''

شرح غالب: انگبین شہد کو کہتے ہیں اور تبرزد مصری کو کہتے ہیں، ان معنوں میں کہ یہ (یعنی تبرزد) مانند قند اور بتاشوں کے جلد ٹوٹنے والی نہیں۔ جب تک اس کو تبر (ہتھوڑا) سے نہ توڑو مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ ''بدرزدن'' اگرچہ لغوی معنی اس کے ہیں ''بدر'' باہر اور ''زدن'' مارنا، لیکن روزمرہ میں اس کا ترجمہ ہے نکل جانا۔ اب جب یہ معلوم ہوگیا تو یوں سمجھیے کہ معشوق کے ہونٹوں کو میٹھا کہتے ہیں اور قند اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں اور البتہ مکھی مٹھاس کی عاشق ہے۔ بس جو مکھی مصری پر بیٹھی جب چاہے بے تکلف اڑ جائے اور جو مکھی کہ شہد پر بیٹھے گی، جب وہ اڑنے کا قصد کرے گی پر و بال اس کے شہد میں لپٹ جائیں گے اور وہ مر کر رہ جائے گی۔ بس اب یہ کہنا ہے کہ میرے معشوق کے ہونٹ، شیرینی میں میرے واسطے شہد ہو گئے اور رقیب کے واسطے مصری، یعنی وہ چاٹ کا لطف اٹھا کر صحیح اور سالم چلا گیا اور میں پھنس کر وہیں مر کر رہ گیا۔

در نمکش بین و اعتمادِ نفوذش

کہ بہ می افگند، هم بہ زخم جگر زد

لغت: ''زدن'' (مصدر) لازمی بھی ہے اور متعدی بھی۔ لازمی کے معنی ہندی میں لگ جانا ہے اور متعدی کے معنی مارنا، یہاں زد لازمی ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ نمک شراب کو بگاڑتا ہے یعنی اگر شراب نون ڈال کر ایک آدھ دن دھوپ میں رکھیں تو اس میں نشہ جاتا رہتا ہے اور وہ سرکہ ہوتا جاتا ہے اور زخم پر اگر نمک ڈالیں تو وہ کٹاؤ کرتا ہے اور زخم کو بڑھاتا ہے۔ مقصود شاعر کا یہ کہ تو میرے معشوق کے نمک کو دیکھ اور دیکھ کہ نمک کے نفوذ پر کتنا بھروسا ہے۔ اگر اُس نمک کو شراب میں ڈال دیتا ہے وہ اس میں نہیں ملتا اور زخم جگر پر جا لگتا ہے یعنی اگر بے محل بھی کرشمہ دکھاتا ہے تو اپنا کام کرتا رہتا ہے۔

کیست درین خانہ کز خطوطِ شعاعی

مہرنفس ریزہ ھا بہ روزن در زد

یہ خیال ہے یعنی ایک گھر میں اُس کا محبوب بیٹھا ہوا ہے اور اس نے جان لیا ہے کہ کون ہے مگر بطریق متجاہل بھولا بن کر پوچھتا ہے کہ آیا اُس گھر میں ایسا کون ہے کہ مہر یعنی آفتاب نے اپنی سانس کے خطوط شعاعی کا روزنوں میں پڑنا اور خطوط شعاعی کا یعنی سورج کی کرن بصورت سانس کے ٹکڑوں کے ظاہر ہے۔

دعویِ او را بود دلیلِ بدیہی

خندۂ دندان نما بہ حسنِ گہر زد

لغت: ''خندۂ دندان نما'' اُس ہنسی کو کہتے ہیں جو تبسم سے بڑھ کر ہو اور اس میں دانت ہنسنے والے کے دکھائی دیں۔ معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا اور ہنستا کوئی اس چیز پر ہے جس کو اپنے نزدیک ذلیل سمجھ لیتا ہے۔ حاصل معنی یہ ہے کہ میرا معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا گویا اُس نے دعویٰ کیا موتی کچھ چیز نہیں۔ اب دعوے کے واسطے دلیل ضرور ہے سو شاعر یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے دعوے پر دلیل بدیہی ہے یعنی ہنسنے میں اس کے دانت نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ حسن جو لوگ موتی میں گماں کرتے تھے ہو لغو ہے۔ حسن یہ ہے کہ معشوق کے دانتوں میں ہے۔ بس اسی دلیل کو سب نے دیکھ لیا اور چونکہ بدیہی تھی، مان لیا۔

غیرتِ پروانہ هم بہ روز، مبارک

نالہ چہ آتش ببالِ مرغِ سحر زد

پروانے کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھی چاہیے۔ پروانے کی غیرت وہ غیرت

نہیں جو پروانے میں ہو یا پروانے کو ہو، بلکہ وہ غیرت جو اور کو آتی ہو پراونے پر، یعنی رشک۔ حاصل معنی یہ کہ میں تو دن رات عشق میں جلتا ہوں، رات کو جو پراونہ جلتا ہوا دیکھتا تھا تو مجھ کو اس پر رشک آتا تھا۔ دن کو کوئی ایسا نہ تھا کہ مجھ کو اس پر غشک آوے۔ لو اب وہی غیرت وہی رشک جو پروانے پر شب کو تھا اب دن کو بھی مبارک ہو۔ یعنی میرے صبح کے نالوں سے مرغ کے پروں میں آگ لگ گئی اور اپنی مستی اور بے خودی میں نہیں جانتا کہ میرے نالے کے سبب ہے۔ مجھ کو وہ رنج اور غصہ تازہ ہو گیا جو رات کو پروانے کو دیکھ کر کھاتا تھا۔ اب مرغ سحر کو دیکھ کر جلتا ہوں کہ ہائے یہ کون ہے جو میری طرح جلتا ہے۔

لشکرِ ہوشم بزور می نہ شکستی
غمزۂ ساقی نخست راہِ نظر زد

''نظر'' فکر کو بھی کہتے ہیں اور نگاہ کو بھی، یہاں نگاہ کے معنی میں شاعر کہتا ہے کہ میں ایسا نہ تھا کہ شراب کی تاب نہ لاتا اور شراب پی کر بے ہوش ہو جاتا مگر کیا کروں کہ پہلے غمزہ ساقی نے نگاہ کو خیرہ اور مغلوب کر دیا تھا۔ پھر اُس پر شراب پی گئی، بے خودی کا استعداد تو بہم پہنچ ہی چکا تھا ناچار ہوش جاتے رہے۔''

زان بت نازک چہ جائی دعویِ خون است
دست وی و دامنی کہ اُو بکمر زد

''اس شعر کا لطف وجدانی ہے بیانی نہیں۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ اس معشوق سے کہ وہ بہت نازک ہے خون کا دعویٰ کیا کریں کہ اس کو وقت عزم قتل، دامن گردانتے وقت، وہ صدمہ پہنچا ہے کہ اس کا ہاتھ ہے اور وہ دامن جو اُس نے گردان کر کمر پر باندھا تھا اس سے ایسا لچکا کمر کو پہنچا کہ وہ آپ اپنے دامن پر دادخواہ ہو رہا ہے، بس اُس سے کوئی خون کا کیا دعویٰ کرے گا۔''

برگِ طرف ساختیم و بادہ گرفتیم
ھرچہ ز طبع زمانہ بعہدہ سر زد

شاخ چہ بالد گر ارمغان گل آورد
تاک چہ نازد اگر صلای ثمر زد

یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں۔

ان کا ترجمہ ہے، جو کچھ بھی زمانے کی طینت سے نمودار ہوا، ہم نے اُسے نشاط و طرب کا سامان بنایا، (انگور سے) شراب لے لی شاخ نے اگر گلاب کے پھول کھلائے تو وہ کس بات پر پھولتی ہے اور تاک نے اگر پھل دیا (انگور) تو اسے کس بات پر ناز ہے۔ (یعنی یہ نباتاتی نشو و نما تو فطری ہیں اور یونہی ظاہر ہو جاتی ہیں)

شرح غالب:

''شاعر کہتا ہے کہ یہ روئیدگیاں بمقتضائے طینت خاک ظاہر ہوا کرتی ہیں، مثلاً گنا، اب کچھ خاک کو اور ہوا کو یہی منظور نہیں کہ اس کا رس نکلے اور قند بنے۔ یہ آدمی کی دانشمندی ہے کہ اس نے گھاس میں سے یہ بات پیدا کی ہے۔ بس اسی طرح انگور ہیں اور گلاب کے پھول ہیں شاخ کیا جانے کہ پھول میں کیا خوبی ہے اور تاک کیا جانے کہ میرے پھل میں کیا ہنر ہے۔ ہم نے اپنے زور عقل سے انگور کی شراب بنائی اور پھول کے ہر ہر رنگ کو اپنے کام میں لائے۔

کام نہ بخشیدۂ گنہ چہ شماری
غالب مسکین بہ التفات نیر زد

''یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اس عالم میں تو نے میری داد نہ دی اور

میری خواہشیں پوری نہ کیں تو بس اب معلوم ہوا کہ میں لائق التفات نہ تھا۔ پس جب میں لائق توجہ نہیں تو اب عالم عقبیٰ میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے۔ جب ہمارے مطالب آپ نے ہم کو نہ دیے تو ہمارے معاصی کو بھی شمار نہ کیجیے۔ ہم میں التفات کی ارزش ہی نہیں ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۲۶)

غمِ من از نفسِ پند گو چہ کم گردد
بر آتشم چو گل و لالہ باد دم گردد

لغت: ''نفس'' = سانس یہاں معنی پند اور کلام پند کے ہیں ''پند گو'' = ناصح۔
''گل و لالہ'' = گلاب اور لالے کے پھول دونوں سرخ مانند آگ کے ہوتے ہیں، جیسے وہ جل رہے ہوں۔
''باد دم گردد'' = ہوا سانس بن جاتی ہے۔ آگ کو پھونکیں مار کر بھڑکاتے ہیں۔
پند ناصح سے میرا غم کیا کم ہو سکے گا۔ میں تو گل ولالہ کی طرح جل رہا ہوں جس طرح ہوا کے چلنے سے گل ولالہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اسی طرح نصیحت کرنے والے کی نصیحت میری آتش غم کو بھڑکاتی ہے۔

بدان معاملہ اُو بی دماغ و من بیدل
خوش آنکہ معذرتی صرفِ ہر ستم گردد

کیا عجب معاملہ آپڑا ہے کہ وہ (معشوق) نہایت بے پروا اور میں نہایت افسردہ

خاطر ہوں، بہتر یہی ہے کہ اُس کے ہر ایک ستم پر ہماری طرف سے ایک معذرت پیش ہو...... یعنی بجائے اس کے کہ وہ اپنے جور وستم پر نادم ہو عذر خواہ ہو ہمیں اس کے ہر ستم پر ایک معذرت کرنی چاہیے۔

ترا تنی است کہ بروی سمن خسک باشد
مرا دلی است کہ دروی نشاط غم گردد

تیرا جسم ایسا ہے کہ اس پر چنبیلی کا پھول بھی خس معلوم ہوتا ہے، میرا دل وہ ہے کہ جس میں خوشی آکر غم بن جاتی ہے۔

نماندہ تاب غمش، خاطرِ رقیب مجو
کسی چہ درپی صیدِ گسستہ دم گردد

لغت: ''خاطر جستن'' = دل جستن، دلجوئی کرنا۔ پہلے مصرع میں ''غمش'' کا شین رقیب کے لیے آیا ہے۔ ''صید گسستہ دم'' = وہ شکار جو شکاری کے خوف سے جان بچانے کی خاطر بھاگ رہا ہو اور بھاگتے بھاگتے اس کا سانس ٹوٹ جائے۔ ایسی حالت میں جانور خود بخود پکڑا جا سکتا ہے۔ اس کے پیچھے صیاد کو جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کہتا ہے:
رقیب کی دل جوئی نہ کر اُس میں اب غم برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہی، کوئی کسی ٹوٹے ہوئے سانس والے شکار کا کیا پیچھا کرے (یعنی پیچھا نہیں کرتا)۔
''چہ'' استفہام انکاری ہے۔

ز ذوقِ گریہ پرستم دل و تو می نگری
نگہ، مباد، ز بارِ سرشک خم گردد

لغت: ''پُرستم دل'' = دل من پر است ''مباد'' = کہیں ایسا نہ ہو۔

میرا دل ذوقِ گریہ سے لبریز ہے اور تو اس وقت مجھے) دیکھ رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو
کہ میرے آنسوؤں کے بوجھ سے تیری نگاہ جھک جائے۔

حسن و عشق کا آمنا سامنا ہے۔ عشق کا دل بھر آیا ہے اور اُس میں آنسو کا ایک طوفان سا
ابھرتا محسوس ہو رہا ہے۔ ڈر ہے کہ کہیں آنسو نہ نکل پڑیں اور وہ جلوۂ محبوب سے محروم نہ ہو جائے۔

بدین قدر کہ لبی ترکنی و من بکم
ترا زیادۂ نوشین چہ مایہ کم گردد

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے:
بات اتنی ہے نا کہ تو شراب سے لبوں کو تھوڑا سا تر کر لے اور میں ان لبوں کو چوس
لوں اس شراب ناب سے تیرا کیا بگڑ جائیگا۔

بہ غصہ راضی ام، اما بدشنہ دریابی
دمی کہ سینہ و ناخن ہلاک ہم گردد

لغت: ''غصہ'' = فارسی میں انتہائی رنج والم کو کہتے ہیں۔

میں ویسے تو رنج والم پر قانع ہوں، لیکن مجھ پہ کیا گزرتی ہے اس کا مجھے اندازہ اس وقت
ہوگا جب تو خنجر میرے سینے میں گھونپ دے اور دیکھے کہ سینہ اور ناخن دونوں ایک دوسرے کی
ہلاکت کا باعث بنے ہوئے ہیں یعنی سینہ ناخن کی خراش سے اور ناخن سینہ کی جلن سے۔

''ہے ایک تیر جس میں دونوں چھدے ہوئے ہیں''
دونوں کی حالت خراب ہے۔

رسیدہ ایم بکوی تو، جای آن دارد
کہ عمر صرف زمین بوسی قدم گردد

ہم تیرے کوچے میں آپہنچے ہیں یہ وہ مقام مسرت ہے کہ ہمارے قدم تیرے کوچے کی
زمین کو چومتے چلے جائیں اور عمر اسی میں صرف ہو جائے۔

تو پا پرسشِ من کردہ خاکی و ترسم
کہ پای تو ہمہ تاجِ سرِ قسم گردد

تو میرے پرسش حال کے لیے چل کر آیا ہے اور میں (رشک کے باعث) اس
بات سے گھبرا رہا ہوں کہ تیرے پاؤں قسم کے سر کا تاج بن جائیں گے (یعنی لوگ تیرے
پاؤں کی قسم کھایا کریں گے کہ یہ وہ پاؤں ہیں جنھوں نے عاشق دلخستہ کی پرسش حال کے لیے
زحمت اٹھائی تھی)۔

سبک سری است بہ دریوزۂ طرب رفتن
خوشا دلی کہ بہ اندوہ محتشم گردد

خوشی کی بھیک مانگنے کے لیے جانا انسان کی رسوائی ہے۔ خوش ہے وہ دل جو غم کو اپنے
لیے باعث عزت سمجھتا ہے۔

رخی کہ در نظرستم بہ جلوہ گل پاشد
تفی کہ در جگرستم بہ دیدہ نم گردد

وہ رخ حسیں جو میری پیش نظر ہے اپنے جلووں سے گلپاشی کرتا ہے۔ وہ آگ جو

یرے جگر میں ہے، میرے آنکھوں میں آ کر آنسو بن جاتی ہے۔

گرفتہ خاطرِ غالب زھند و اعیانش
برآن شر است کہ آوارۂ عجم گردد

غالب کا دل ہند اور اس کے اکابر سے اُکتا گیا ہے۔ اب وہ یہ ارادہ کر رہا ہے کہ سرزمین ایران میں جا کر آوارہ گردی کرے۔

❁❁❁

غزل نمبر(٦٧)

بیدل نشد، ار دل بہت غالیہ مُو داد
گوئی مگر آن دل کہ زمن بُرد باو داد

معشوق کسی اور پہ عاشق ہو گیا ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے:

اگر اُس نے (یعنی معشوق نے) کسی عنبریں زلفوں والے کو دل دیا تو اس پر بے دلی کی کیفیت طاری نہ ہوئی (جیسی کہ دل دے ہوئے عشاق کی ہوتی ہے)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو دل اُس نے اپنے معشوق کو دیا ہے وہ اُس کا اپنا دل نہیں تھا یہ وہ دل تھا جو اُس نے مجھ سے چھینا تھا۔

کہنا یہ ہے کہ معشوق میں دل دینے کی اہلیت کہاں ہے؟

سخت است دل غیر وگر از ننگ نگوئی
برگشتن مژگانِ تو گوید کہ چہ رو داد

لغت: ''برگشتن مژگان'' = منقلب شدن۔ پلٹنا۔ آنکھوں کا پھر جانا۔

رقیب کا دل سخت ہے، اور اگر یہ بات تو شرم کی وجہ سے نہیں کہہ سکتا، تو تیری مژگان کی حالت (کا پھرنا) بتاتی ہے کہ اصل واقعہ کیا ہے۔

یعنی معشوق نے رقیب پر نظریں ڈالیں چونکہ وہ سخت دل تھا اس پر ان نظروں کا کچھ اثر نہ ہوا اور یہ بات معشوق کے لیے باعث شرم تھی کہ اُس کی نظریں بے اثر ثابت ہوئیں اور اب اس کی مژگاں کا پھرنا ہی بتاتا ہے کہ وہ نظارہ کیا تھا۔

شایستہ ھمین ما و تو بودیم کہ تقدیر
مارا سخنِ نغز و ترا روی نکو داد

ظاہر ہوتا ہے کہ اس دنیا میں بس میں اور تو ہی سزاوار تھے کہ تقدیر نے مجھے خوش کلامی عطا کی اور تجھے خوب روئی (یعنی معشوق کو حسن ظاہری ملا اور مجھے حسن باطنی)۔

اور یوں حسن کی داد دینے والا بھی کوئی ہونا چاہیے تھا، سو قدرت نے شاعر کو پیدا کیا۔

ساقی دگرم بُرد بہ میخانہ ز مسجد
می یک دو قدح بود و فریبم بہ سبو داد

ساقی مجھے مسجد سے دوبارہ میخانے میں لے گیا اور لالچ یہ دیا کہ وہاں صراحیاں بھری ہیں اگرچہ شراب کی مقدار وہاں صرف دو تین پیالے تھی۔

یعنی میخانے میں بھی شراب کی وہ بہتات نہیں جو ایک عالی ظرف میخوار کی تسکین کر سکے۔

برخیز کہ دل جوئی من برتو حرام است
ای آنکہ ندانی خبرم ز آن سرِ کو داد

عاشق اپنے چارہ گر سے مخاطب ہو کے کہتا ہے:

اُٹھ (چلا جا) کہ تو میری دلجوئی کے قابل نہیں، (میری دلجوئی تجھ پر حرام ہے) تو تو اُس (معشوق) کے کوچے کے بارے میں کوئی بات نہیں کر سکا۔

یعنی تو میرا غمگسار ہوتا تو میرے عشق کے کوچے کی بات کرتا۔

زین سادہ دلی داد، کہ چو دید بخوابم
ترسید خود و مژدۂ مرگم بہ عدو داد

معشوق کی اس سادہ دلی کے ہاتھوں فریاد کہ جب اس نے مجھے سویا ہوا دیکھا، خود تو ڈر گیا اور میرے مرنے کی خوش خبری رقیب کو جا کر دی۔

یہ شعر مرزا غالب کی شوخیِ بیان کو ظاہر کرتا ہے۔اس میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ایک تو عاشق کا فراق میں سو جانا، امر محال ہے۔لازماً معشوق نے سمجھا کہ مر گیا ہوگا، ورنہ نیند کسے آتی۔دوسری بات معشوق کی ستم ظریفی کو ظاہر کرتی ہے کہ اُس نے جا کر رقیب کو مرگِ عاشق کی خوش خبری دی۔

حسن تو بساقی گری آئین نشناسد
مست آمد و یکبار دو ساغر ز دو سُو داد

بزمِ مے میں دستور یہ ہوتا ہے کہ ساقی باری باری ہر میخوار کو ایک ایک جام پلاتا اور دورِ جام ایک ہی طرف سے چلتا ہے۔لیکن حسن کی ساقی گری دیکھیے۔کہتا ہے:

تیرا حسن ساقی گری کے آداب کا پابند نہیں (نہیں پہچانتا) وہ خود بدمست ہو کر آیا اور پھر ایک ہی وقت میں دو جام بھر کر دونوں طرف سے پلا دیا۔

حسن کی سرمستی اور اثر انگیزی کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

در گلشنم و آرم ازان روی نکو یاد
در دوزخم و خواهم ازآن تندی خو دوا

میں گلشن میں ہوں اور مجھے وہ حسین چہرہ یاد آ رہا ہے۔محبت کے دوزخ میں جل رہا ہوں لیکن اُس (معشوق) کی تندخوئی کے ہاتھوں فریاد کر رہا ہوں اور دادخواہی چاہتا ہوں۔

گفتن سخن از پایۂ غالب نہ ز ہوش است
امروز کہ مستم خبری خواهم ازو داد

ہوش کے عالم میں غالب کے بلند مقام کا تذکرہ نہیں کیا جا سکتا۔آج جب کہ میں مستی کے عالم میں ہوں چاہتا ہوں اس کے بارے میں کچھ کہوں۔

❀❀❀

غزل نمبر(٦٨)

نهم جبین به درش، آستان بگرداند
نشیمنش به سر ره، عنان بگرداند

لغت: ''آستان بگرداند'' = یعنی چوکھٹ کے پتھر کو اُلٹ کر اوپر کا رخ نیچے اور نیچے کا رخ اوپر کر دیتا ہے۔

اس کے دروازے پہ سر رکھتا ہوں تو وہ چوکھٹ کے پتھر کو الٹ دیتا ہے۔ اس کے راستے میں بیٹھتا ہوں تو وہ گھوڑے کی باگ پھیر لیتا ہے یعنی، واپس چلا جاتا ہے۔

اگر شفاعتِ من در تصورش گذرد
به بزمِ اُنس، رُخ از همدمان بگرداند

اگر اس کے تصور میں بھی یہ بات آجائے کہ اُس کے ہمدموں میں کوئی میری شفاعت کرے گا تو وہ اپنے ہمدموں کی طرف سے ہی رخ موڑ لیتا ہے۔

به بزمِ باده به ساقیگری از و چه عجب
که پیرِ صومعه را درمیان بگرداند

بزم مے ہو اور وہ ساقی گری کر رہا ہو تو کوئی عجیب بات نہیں کہ پیر خانقاہ کو رندوں کی خدمت گزاری میں لگا دے۔

اگر نه مائلِ بوسِ لبِ خودست چرا
به لب چو تشنه دمادم زبان بگرداند

اگر معشوق اپنے ہی لبوں کو چومنے کی طرف مائل نہیں تو وہ پیاسوں کی طرح زباں پر لب کیوں بھر رہا ہے۔ معشوق کے لبوں کی لذت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

به بندِ دام بلای تو صعوه را گردون
هُما به گردِ سرِ آشیان بگرداند

لغت: ''صعوه'' = ایک قسم کی چڑیا۔

تیرے دام مصیبت میں آسمان ایک چڑیا کو پھنسا دیکھ کر ہما آشیانے کے گرد گھماتا ہے یعنی ہما بھی اُس کے دام مصیبت میں اسیر ہونے کا مشتاق ہے۔

چو غمزهٔ توفسونِ اثر فرو خواند
بلای راهزن از کاروان بگرداند

جب تیرا ناز حسن اپنی اثر انگیزیوں کا فسوں پھونکتا ہے تو قافلے والوں کے سر سے رہزن کی مصیبت ٹل جاتی ہے۔

بهار را ز رخت تاچه رنگ در نظر است
که دمبدم ورق ارغوان بگرداند

بہار کو تیرے چہرے کا کون سا رنگ پسند ہے کہ ہر لحظہ اپنے سرخ سرخ ورق الٹتی چلی جا رہی ہے۔

بہار کی رنگینیاں ہر لحظہ بدل رہی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اپنا کوئی رنگ پسند نہیں۔
اُس نے حسن کا کوئی ایسا رنگ دیکھ لیا ہے جو وہ اپنانا چاہتی ہے وہ اپنایا نہیں جاتا۔
حسن کی دل آویزیوں کو بہار کی رنگینوں پر ترجیح دی ہے اور بڑے خوبصورت پیرائے میں دی ہے۔

تو نالی از خلۂ خار و نتگری کہ سپہر
سرِ حسینِ علی برسنان بگرداند

لغت: ''حسینِ علی'' = یعنی حسین ابن علی۔ اس میں اضافت ابنی ہے۔ ''خلہ خار'' = نوک خار۔
تو ایک نوک خار کے چبھنے سے فریاد کرتا ہے۔ یہ نہیں دیکھتا کہ یہ بے رحم آسماں تو حسین ابن علی کے سر کو نیزے پہ رکھ کر گھماتا ہے (حادثہ کربلا کی طرف اشارہ ہے)۔ شعر میں صنعت تلمیح ہے۔

برو، بہ شادی و اندوہ دل منہ کی قضا
چو قرعہ در نمطِ امتحان بگرداند

یزید را بہ بساط خلیفہ بنشاند
کلیم را بہ لباس شبان بگرداند

معاویہ نے خلاف قاعدہ یزید کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا، اس کی غلط خلافت پر ہی حضرت امام حسین نے احتجاج کیا تھا۔

حضرت موسیٰ (کلیم) گڈریا بن کر اپنے خسر حضرت شعیب کی خدمت میں رہے۔
یہ دونوں واقعات یعنی یزید کا خلیفہ ہونا اور حضرت موسیٰ کا گڈریا بننا، قدرت کی ستم ظریفوں میں سے ہے۔ یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں۔ کہتا ہے۔
جا، دنیا کی خوشی اور غم پر دل نہ لگا، کیونکہ قضا جب انسانوں کی آزمائش کے سلسلے میں قرعہ اندازی کرتی ہے تو یزید کو مسند خلافت پر بٹھا دیتی ہے اور حضرت موسیٰ کو گڈریے (شبان) کے لباس میں پھراتی ہے۔

اگر بباغ ز کلکِم سخن رود غالب
نسیم، روی گل، از باغبان بگرداند

غالب! اگر باغ میں میرے کلک سخن کا تذکرہ ہو تو ہوا پھولوں کا رخ باغباں کی طرف سے پھیر دے۔ یعنی میرے قلم سے ایسے ایسے رنگین اشعار اُبھرتے ہیں کہ باغ کے پھول شرما جاتے ہیں۔

❀❀❀

غزل نمبر (۶۹)

چو زہ بہ قصدِ نشان، برکمان بجنباند
تپد ز رشک دلم، تانشان بجنباند

لغت: ''زہ'' = کماں کا وہ حصہ جہاں تیر کو اٹکا کر نشانہ لگاتے ہیں۔
جب وہ نشانہ لگانے کی غرض سے کماں کی زہ کو ہلاتا ہے تو میرا دل رشک سے تڑپ اٹھتا ہے (کہ یہ کس کو اپنے تیر کا نشانہ بنا رہا ہے) تاکہ اُس کا نشانہ خطا ہو جائے (ہل جائے)۔

دعا کدام و چہ دشنام، دشنۂ تخیم

بہ کام ماست زبان، چون زبان بجنباند

لغت: ''کام'' = خواہش، مدعا۔

دعا کیسی اور کہاں کی گالی؟ ہم صرف اُس بات کے پیاسے ہیں۔

جب وہ زبان ہلاتا ہے تو اس زبان کی حرکت ہماری خواہش اور مدعا کے مطابق ہوتی ہے۔

یعنی معشوق کا زبان ہلا کر کوئی سی بات کرنا ہی غنیمت ہے۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ ہمارے لیے کلمۂ خیر کہتا ہے یا دشنام طرازی کرتا ہے۔

زقتلِ غیر چہ خواھد، گرش غرض شغل است

بگو ز لھو سرم بر سنانِ بجنباند

اگر اُس کا مقصد محض تفریح (شغل) ہے تو پھر قتل رقیب سے کیا حاصل، اُسے کہہ دو کہ یونہی تفریحاً میرا سر کاٹ کے نیزے پہ رکھ کر گھمائے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی (خسرو)

ز غیر نیست، ز حسن است کش مجال نداد

کہ لب بہ زمزمۂ الامان بجنباند

یہ رقیب کا کمال ضبط نہ تھا یہ تیرے رعبِ حسن کی وجہ تھی کہ رقیب کو اتنی مجال نہ ہوئی کہ (وہ تیرے ستم اُٹھاتے ہوئے) الامان الامان کے لیے لب ہلاتا۔

بہ نالہ ذوق سماع از تو چشم نتوان داشت

اگر بہ جنبشِ مھر آسمان بجنباند

لغت: ''مہر'' = سورج کے معنی بھی دیتا ہے اور محبت کے بھی۔ شعر مذکورہ میں سیاق و سباق کے اعتبار سے مہر کے معنی سورج ہونا چاہیے۔ لیکن یہاں قریبی معنی نہیں بلکہ بعیدی معنی مراد ہیں یعنی محبت۔

'جنبش مہر'' کا مفہوم محبت کی رقت۔

کہتا ہے کہ اگر ہماری فریاد رقت پیدا کر کے آسمان کو ہلا دے۔ تو ہلا دے لیکن اس فریاد کے سننے سے تجھ پر کوئی کیفیت (ذوق سماع) طاری ہوگی، اس کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔

کہ رفتہ از در زندان کہ بیقراری من

کلید در بہ کفِ پاسبان بجنباند

یہ قید خانے کے دروازے سے کون نکل کے چلا گیا ہے کہ میری بے قراری سے پاسبان زندان کے ہاتھ میں دروازے کی کنجی ہل رہی ہے۔

یعنی میں زنداں میں جانے کے لیے بے تاب ہوں اور اس کا اثر پاسبان زنداں پر ہو رہا ہے۔

بہ خانقہ چہ کندتا، پریوشی کہ بہ باغ

ز غمزہ خون بہ رگ ارغوان بجنباند

جو پری وش معشوق باغ میں اپنی ناز بھری نظروں سے ارغوان کے سرخ پھول کی رگوں میں خوں کی لہر دوڑا دیتا ہے وہ اگر کہیں خانقاہ میں چلا جائے تو وہاں کیا حشر ڈھائے گا۔

سپهر، از رخِ ناشستۂ تو شرمش باد
که عکسِ ماه در آبِ روان بجنباند

لغت: ''چہرۂ ناشستہ'' = نہ دھلا چہرہ۔

آب رواں میں عکس ماہ ہلتا ہوا نظر آتا ہے۔ کہتا ہے آسماں کو تیرے نا دُھلے ہوئے چہرے سے شرم آنی چاہئے کہ (اس کے ہوتے ہوئے) وہ چاند کے عکس کو آب رواں میں ہلا رہا ہے۔

یعنی آسماں نے عکس ماہتاب کو آب رواں میں یوں نمایاں کیا اور تیرے نا دھلے چہرے کے حسن کو جو ماہتاب کے دھلے ہوئے چہرے سے کہیں زیادہ دلکش ہے نظر انداز کر دیا۔

هنوز بی خبری زانکه جبهه بر درِ تو
نسوده ایم چنان کاستان بجنباند

ابھی تو (ہماری جبیں سائی سے) بے خبر ہے کیونکہ ابھی ہم نے تیرے در پر پیشانی کو اس طرح نہیں رگڑا کہ جس سے تیرا آستاں ہل جائے۔

نشسته ام به ره دوست، پُر ز دوست، مباد
که کس بمن رسد و ناگهان بجنباند

میں راہ دوست میں، دوست کے تصور میں ہمہ تن محو ہو کر بیٹھا ہوا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی آجائے اور مجھے ہلا دے (اور میری یہ محویت ختم ہو جائے)۔

خبر ز حالِ اسیران باغ چون نبود
مرا که چیدنِ دام، آشیان بجنباند

میری تو یہ حالت ہے کہ جال کے بچھائے جانے ہی سے میرے آشیانے میں لرزش آجاتی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مجھے اسیران باغ کی حالت کا پتا نہ ہو۔

یعنی صیاد ابھی طائران باغ گرفتار کرنے کے لیے جال ہی بچھا رہا ہوتا ہے کہ میرا آشیانہ ہل جاتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میرا دل اسیران باغ سے بے خبر ہو اور مجھ پر اس کا کچھ اثر نہ ہو۔

جنونِ ساخته دارم چه خوش بود غالب
که دوست سلسلۂ امتحان بجنباند

لغت: ''جنون ساختہ'' = مصنوعی جنون۔ ظاہراً بنایا ہوا جنوں۔

غالب! میرا جنوں نمائشی ہے، کیا اچھا ہو کہ دوست میرا امتحان لینے کا سلسلہ شروع کر دے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۷۰)

تیغت ز فرق تا به گلویم رسیده باد
شوخی ز حد گذشت، زبانم بریده باد

کاش تیری تلوار میرے سر پر پڑے اور حلق تک اتر جائے، (لیکن یہ آرزو کرنا شوخی اور گستاخی ہے) میرے زبان کٹ جائے!

گر رفته ام زکوئی تو آسان نه رفته ام
این قصه از زبان عزیزان شنیده باد

میں تیرے کوچے سے چلا تو گیا لیکن کوئی آسان بات نہ تھی۔ اس واقعہ کو ہمارے عزیز ہی بیان کر سکتے ہیں۔

نغزی و خود پسند، ببینم چه می کنی
یارب بدهر هم چو توی آفریده باد

لغت: ''یارب'' میں ہمیشہ رب سے خطاب نہیں ہوتا یعنی اس کے معنی اے خدا نہیں ہوتے یہ دعائیہ بھی آتا ہے۔ یہاں وہی مفہوم ہے۔

تو حسین ہے اور خود پسند بھی ہے۔ اللہ کرے تجھ سا کوئی دنیا میں اور پیدا ہو جائے پھر دیکھوں تو کیا کرتا ہے۔

مردن ز راز داری شوقم نجات داد
صد رنگ لاله زار ز خاکم دمیده باد

لغت: ''صد رنگ لالہ زار'' = کیا کیا لالہ زار

(میں جب تک جیا تیری محبت کو چھپاتا رہا) میرے مرنے نے مجھے اسی راز داری محبت سے نجات دلائی۔ میری خاک سے نہ جانے کیا کیا لالہ زار اُگیں گے جن سے ظاہر ہوگا کہ میرے دل میں کتنی خون گشتہ آرزوئیں تھیں جواب لالہ زار بن کر نمودار ہو رہی ہیں۔

بر روی و موی پرتوِ بینش نتافت است
درعرضِ شوق، دیده طلبگارِ دیده باد

ہماری بینائی کی تابندگی تیرے چہرے اور زلفوں پر نہ پڑ سکی۔ کاش اپنے اظہار شوق

کے وقت ہماری آنکھیں، مزید آنکھوں کی طلب گار ہوں۔

یعنی ان دو ظاہری آنکھوں سے تو جلوۂ حسن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

آتش بخانمان زدهٔ خواست صرصری
گفتم نسیم، گفت به گلشن وزیده باد

لغت: ''آتش بخانمان زدہ'' = جس نے اپنے گھر بار کو آگ لگا دی ہو۔ خانماں برباد۔
''صرصر'' = تیز و تند ہوا جو چلنے میں آواز دے۔ ''نسیم'' = نرم و نازک ہوا۔

ایک گھر بار جلائے ہوئے نے بادِ صرصر کی خواہش کی، میں نے کہا نسیم کا جھونکا نہ آئے، بولا نہیں، بادِ نسیم کو باغ میں چلنے دو۔

مرگم امان دهان که از شوق برخورم
این شعله همچو خون به رگِ خس دویده باد

آتش شوق انسان کو یوں جلا دیتی ہے جیسے شعلہ خس کو ایک آن میں جلا دیتا ہے۔

عاشق، آتش دیدار کی تاب نہیں لا سکتا اور جل جاتا ہے، کہتا ہے، کاش مجھے موت سے پناہ مل جائے تاکہ میں اپنا شوق دیدار پورا کر سکوں، کاش یہ شعلہ، خون بن کر رگ خس میں (یعنی مجھ میں) دوڑ جائے۔

یعنی شوق بجائے جلانے کے ایک زندگی کی رو بن کر رگ و ریشہ میں سرایت کرے۔

ذوقی ست همدمی به فغان، بگذرم ز رشک
خار رهت به پای عزیزان خلیده باد

اگر چہ تیرے عشق میں دوسرے کی شرکت گوارا نہیں مگر چونکہ کئی آدمیوں کے مل کر نالہ وفریاد بھی ایک لطف ہے اس لیے میں رشک سے قطع نظر کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ کاش تیری راہ کا کانٹا ہمارے عزیزوں کے پاؤں بھی چبھ جائے۔ (یعنی دوستوں کو عشق کی چاشنی نصیب ہو اور ہمیں تسکین ہو کہ ہمارے درد میں کوئی اور بھی شریک ہے۔)

چون دیدہ پای تا بہ تشنۂ کسی است

دل خون شواد و از بن ھر مو چکیدہ باد

آنکھوں کی طرح میرا وجود سرتاپا کسی کا پیاسا ہے، کاش دل خون ہو جائے اور (بجائے فقط آنکھوں سے بہنے کے) میرے ہر بُن مو سے ٹپک پڑے (تاکہ میں سرتاپا سیراب ہو سکوں)۔

غالبؔ شراب قندی ھندم کباب کرد

زین بعد بادہ ھای گوارا کشیدہ باد

لغت: ''شراب قند'' = جسے شراب شکر بھی کہتے ہیں۔ شراب ہندی ہے جو شکر سے بنتی ہے۔ اس میں ہر چند نشہ زیادہ ہوتا ہے لیکن گوارا نہیں ہوتی۔ یہ بات شراب انگور ہی میں ہوتی ہے۔

فوقی یزدی کا شعر ہے:

ہر چند از شراب شکر نشہ میچکد   اما کجا بشیرہ انگور می رسد

طالب آملی نے بھی جو عرق و معجون کا بہت رسیا تھا ایک شعر میں ''شراب قندی'' کا ذکر کیا ہے۔ اُس کی رائے بھی وہی ہے جو مرزا غالب کی ہے۔

قدح پر از مئی انگور کن کہ طالب را   شراب قندی ہندوستان ضرر داداست

مرزا غالب کہتے ہیں:

''غالب اس شراب قندی ہندوستان نے مجھے کباب کر دیا (جلا دیا) اس کے بعد کوئی شراب خوشگوار کشید ہونی چاہیے۔''

❀❀❀

غزل نمبر(۱۷)

پروا اگر از عربدۂ دوش نکردند

امشب چہ خطر بود کہ می نوش نکردند

اگر کل رات کے ہنگامے کا خیال نہیں تھا تو پھر آج رات کون سا خطرہ تھا جو شراب کا دور نہیں چلا۔

در تیغ زدن منتِ بسیار نھادند

بردند سر از دوش و سبکدوش نکردند

تلوار سے ہمارا سر اتار کر بھی معشوق نے ہمیں سبکدوش نہ کیا، پہلے سر کا بوجھ تھا اب اس احسان کا بوجھ ہے کہ ہمارا یہ بے قدر سر اتارا ہے۔

از تیرگی طرۂ شبرنگ نظرھا

پرواز در آن صبح بناگوش نکردند

لغت: ''بناگوش'' = کان کی لَبلَی، جس کی درخشانی کو شاعر نے صبح بناگوش کہا ہے۔

"طرۂ شبرنگ" = رات کی طرح سیاہ زلفیں۔

معشوق کی سیاہ زلفوں کی ایسی تاریکی چھائی ہوئی تھی کہ دیکھنے والوں کی نظریں، صبح بنا گوش یعنی (درخشندہ چہرے) کی روشن فضا میں پرواز نہ کر سکیں

یعنی گھنی زلفوں کی سیاہی، معشوق کے چہرے پر بکھری رہیں اور دوسری طرف توجہ نہ گئی۔

داغِ دلِ ما شعلہ فشان ماند بہ پیری

این شمع، شب آخر شد و خاموش نکردند

لغت: "شمع خاموش کردن" = شمع بجھانا۔

بڑھاپے میں بھی ہمارے دل میں داغ محبت شعلہ فشاں ہی رہا۔ رات ختم ہوگئی لیکن یہ شمع (داغ) نہ بجھی۔ یعنی عمر گزر گئی، بڑھاپا آگیا لیکن جذبات محبت جواں ہی رہے۔

روزی کہ بہ می زور و بہ نی شور نهفتند

اندیشہ بہ کار خرد و ہوش نکردند

جب قدرت نے شراب میں زور، اور نے (نغمے میں شور بھر دیا تھا اُس وقت یہ نہ سوچا عقل وہوش کا کیا حشر ہوگا۔

ساقی بہ جلوہ دشمن ایمان و آگہی

مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے

گر داغ نهادند و گر درد فزودند

نازم کہ بہ ہنگامہ فراموش نکردند

خواہ ہمارے دل میں داغ حسرت لگایا گیا، یا دردِ محبت کو بھڑکایا گیا۔ ہمیں اس بات پر ناز ہے کہ ہنگامہ شوق کو نظر انداز نہیں کیا گیا یعنی ہنگامہ شوق دونوں حالتوں میں گرم رہا۔

خون می خورم از حسن کہ این گنج روان را

در کارِ تہی دستیِ آغوش نکردند

شاعر نے حسن کے لیے گنج روان (چلتا پھرتا خزانہ) کا استعارہ استعمال کیا ہے جو ایک متحرک تشبیہ پر مبنی ہے اور اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ حسن ایسی دولت ہے جو خود چل پھر کر لوگوں کی آسائش کا سامان مہیا کرتی ہے۔

دوسری طرف عاشق نامراد کی محرومی کو تہی دستی آغوش سے تعبیر کیا ہے۔

لغت: "درکار چیزی کردن" = کسی مفید مصرف میں لانا۔

کہتا ہے:

مجھے حسن کو دیکھ کر کتنا دکھ ہوتا ہے کہ یہ ایک گنج روان ہو کر بھی عاشق محروم کے خالی آغوش میں نہیں آتا۔ یہ دولت حسن عاشق کی تہیدستی کو دور نہ کر سکی۔

اکنون خطری نیست کہ تا پُر نشد از دل

خود چاہ زنخدانِ تو خس پوش نکردند

لغت: "چاہ زنخدان" = چاہ ذقن۔

"چاہ خس پوش" = وہ کنواں جس کے دہانے کو خس وخاشاک سے ڈھانپا گیا ہو۔ عام طور پر شکاری، کسی شکار کو جو بآسانی قابو میں نہ آسکتا ہو، پکڑنے کے لیے، چاہ خس پوش تیار کرتے تھے اور شکار کو گھیر کر اس طرف لاتے تھے تاکہ وہ اُسے عام زمین سمجھ کر اس پر سے گزرے اور اس

میں گر پڑے۔

"جب تک تیرے چاہ زنخدان میں میرا دل گر نہیں پڑا اور اُس سے وہ چاہ زنخدان پر نہیں ہو گیا اسے خس پوش نہیں کیا گیا۔ اب جب کہ میرا دل اس میں پھنس ہی گیا اب کیا خطرہ ہے۔

چاہ زنخدان کا خس پوش ہونا یہ ہے کہ رخسار پر سبزہ خط نمودار ہو جائے جس سے حسن کی جاذبیت میں فرق آ جاتا ہے۔

گر خود بہ غلامی نپذیرند، گدا باش
بردر بزن آن حلقہ کہ در گوش نکردند

ایک حلقہ وہ ہوتا ہے جو غلام کے کان میں ڈالتے تھے، اسی لیے غلام کے لیے حلقہ بگوش کا لفظ آتا ہے ایک "حلقہ در" ہوتا ہے یعنی دروازے کا کنڈا۔

کہتا ہے کہ اگر تجھے غلامی میں قبول نہ کیا جائے تو اس (معشوق) کے دروازہ کا گدا بن جا اور جو حلقہ تیرے کان میں نہیں پڑ سکا وہ دروازہ میں ڈال کر دروازے کو کھٹکھٹا جیسے گداؤں کا دستور ہے۔

غرض عشق میں معشوق کی غلامی ہو یا گدائی دونوں درست ہیں۔

غالب ز تو آن بادہ کہ خود گفت نظیری
در کاسۂ ما بادۂ سر جوش نکردند

اس شعر کا دوسرا مصرعہ نظیری کا ہے جس کی طرف غالب نے اشارہ بھی کیا ہے "بادۂ سر جوش"، خم کے اوپر کے حصے کی شراب، شراب صاف جو "دُرد" کی ضد ہے۔

غالب تیرے حصے میں وہ شراب آئی ہے جس کے بارے میں نظیری نے کہا تھا کہ ہمارے پیالے میں بادۂ سر جوش نہیں ڈالی گئی۔

❁❁❁

غزل نمبر (۷۲)

تاجر شوق بدان رہ بہ تجارت نرود
کہ رہ انجامد و سرمایہ بغارت نرود

شوق الٰہی کا تاجر اس رستے نہیں چلتا کہ جو رستہ چلتے چلتے ختم ہو جائے اور اُس رستے میں سرمایہ لوٹا نہ جائے۔ (حالی)

چہ نویسم بہ تو درنامہ کز انبوہی غم
نیست ممکن کہ روانی زعبارت نرود

میں خط میں تمھیں کیا لکھوں، کیونکہ ہجوم غم میں یہ ممکن ہی نہیں کہ عبارت کی روانی قائم رہے یعنی اتنے دکھڑے ہیں کہ معرض تحریر نہیں آ سکتے۔

از حیا گیر نہ از جور، گرآن مایۂ ناز
کشتۂ تیغ ستم را بزیارت نرود

اگر وہ محبوب سرتاپا ناز اپنے کشتہ تیغ ستم کو دیکھنے کے لیے نہیں جاتا، تو اسے ستم پر محمول نہ کر بلکہ اس کی وجہ اس کی حیا ہے۔

وصلِ دلدار نہ خلدست، ہمان بہ ہمدم
کہ نگوئی سخن و عرض بشارت نرود

لغت: ''عرض'' = ناموس وفخر

وصلِ دلدار کوئی خلد نہیں۔ اس لیے اے ہمدم یہی بہتر ہے کہ اس کا تذکرہ نہ کرے اور بشارت ضائع نہ ہو۔ یعنی جنت کی بشارت اور وصلِ محبوب کی بشارت ایک جیسی نہیں۔ جنت کی بشارت تو شاید پوری ہو جائے، وصلِ دلدار ایک ناممکن الوقوع شے ہے۔

دل بدان گونہ بپالای کہ در خواہش دید
دیدہ خون گردد و از دیدہ بصارت نرود

محبت میں دل کو اس طرح سے معشوق سے وابستہ کر کہ دیدارِ محبوب کی تمنا میں آنکھیں خون ہو کر رہ جائیں لیکن آنکھوں کی بصارت نہ جائے۔

یعنی شوقِ دیدار قائم ہے۔

قصر و مہمان کدۂ حاتم و کسریٰ بگذار
نام از رفتنِ آثارِ عمارت نرود

حاتم کی سخاوت اور مہمان نوازی اور کسریٰ کے محلات کی شان شکوہ ضرب المثل ہے۔ کہتا ہے کہ حاتم کے مہمان خانے اور کسریٰ کے محلات کا تذکرہ چھوڑ دے۔ وہ تباہ و برباد ہو گئے تو کیا ہوا، عمارتوں کے نشانات (آثار) کے مٹ جانے سے نام تو نہیں مٹ جایا کرتے۔

حاتم و کسریٰ کے نام ابھی زندہ ہیں۔

حج درویش طمع پیشہ نیرزد بقبول
تا کہ اندوختۂ گدیہ بہ غارت نرود

لالچی درویشوں کا حج قبول ہونے کے قابل نہیں اس میں یہ اندیشہ ہے کہ انھوں نے طمع میں حج کے لیے جو سرمایہ جمع کیا ہے وہ کہیں لٹ نہ جائے۔

گدیہ گداگری ہے۔ شاعر نے ایسے درویشوں کو جو حج کے لیے دولت مانگ کر جمع کرتے ہیں درویش طمع پیشہ کہا ہے، یعنی وہ لوگ حج کی نیت سے نہیں بلکہ مال کے لالچ کی وجہ دولت جمع کرتے ہیں۔

تو بہ یک قطرۂ خوں ترکِ وضو گیری وما
سیلِ خون از مژہ رانیم و طہارت نرود

خون بہنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کہتا ہے:

تیرا وضو تو ایک قطرہ خون کے بہہ جانے سے ٹوٹ جاتا ہے اور ہماری حالت یہ ہے کہ ہماری آنکھوں (مژگاں) سے خون کا سیلاب بہہ جاتا اور ہماری طہارت قائم رہتی ہے۔

محبت کے خونیں آنسوؤں سے انسانی نفس کی تطہیر ہوتی ہے۔

رمز بشناس کہ ہر نکتہ ادای دارد
محرم آن است کہ رہ جز بہ اشارت نرود

ہر نکتے یعنی ہر چیز کی رمز کو سمجھنا چاہیے کیونکہ محرم راز وہی ہے جو بغیر اُدھر کے اشارے کے ایک قدم نہیں اٹھاتا یعنی قدرت کی ہدایت کے بغیر کچھ نہیں کرتا (حالی)۔

زاهد از حور بهشتی بجز این نشناسد

که شود دست زد شوق و بکارت نرود

لغت: ''دست زد شوق ہونا'' =شوق کے ریزِ مشق ہونا۔

''خلاصۂ مطلب یہ کہ زہدِ شریعت کے تمام الفاظ سے اُن کے حقیقی معنی مراد لیتا ہے اور کسی بات کو استعارے اور کنائے پر محمول نہیں کرتا۔'' (حالی)

شاعر کے نزدیک حورِ بہشتی کا وجود تمثیل ہے۔ وہ خلد کی نشاط و طرب کی علامت ہے۔ زاہد کا وجود حقیقی سمجھ لیتا ہے اور پھر اس حور سے اپنے رشتے کے پاکیزہ ہونے کی توجیہیں بھی پیش کرتا ہے بکارت، عفت و دوشیزگی ہے۔

''بکارت نرود'' یعنی حور کا کنوارپن ضائع نہیں ہوتا۔

غالب خسته بکوی تو رهینِ تپشی است

که به شاهی نه نشیند، به وزارت نرود

غالب خستہ تیرے کوچے میں محبت کی تڑپ کے لیے وقف ہو گیا ہے اس کے لیے یہی بڑا اعزاز ہے۔ اُسے شاہی شکوہ یا کسی وزارت کے منصب کی حاجت نہیں۔

❁❁❁

ردیف ذ

غزل نمبر(۱)

زبس تاب خرام کلکم آدر بیزد از کاغذ

مداد اندوزم از دودی که هردم خیزد از کاغذ

لغت: ''آدر بیزد'' = آگ چھنتی ہے۔ مداد = سیاہی۔

میرے قلم کی تیز خرامی سے کاغذ سے آگ چھننے لگتی ہے۔ کاغذ جل جاتا ہے اور اُس سے دھواں نکلتا ہے، چنانچہ اُس دھوئیں سے میں لکھنے کے لیے سیاہی جمع کر لیتا ہوں۔

یعنی میرے اظہارِ شوق کی گرمی سے کوئی چیز بھی معرضِ تحریر میں نہیں آسکتی۔ قلم اٹھاتا ہوں تو کاغذ جل جاتا ہے۔

ندانم تا چه خواهد کرد باچشم و دلِ دشمن

رمِ کلکم در جنبش غبار انگیزد از و کاغذ

لغت: ''رمِ کلک'' = قلم کی تیزی رفتاری...... دوڑ۔

میرے قلم کی تیزی رفتاری (دوڑ) سے جو گرد و غبار اٹھتا ہے معلوم نہیں اُس کا اثر دشمن کی آنکھوں اور دل پر کیا ہوگا۔

یعنی میں بڑی تیزی سے کلام لکھتا ہوں، میرا دشمن اسے دیکھ کر رشک کرتا ہے اور اس کے دل میں کدورت پیدا ہوتی ہے۔

بکزلک از ورق جو بسترم سطرِ مکرر را
تو گوئی سونش لعل وگہر می ریزد از کاغذ

لغت: ''کزلک'' قلمتراش......... ''ستردن'' = چھیلنا۔

دستور تھا جب کوئی لفظ یا سطر غلطی سے دوبارہ لکھی جاتی تو اُسے چاقو سے چھیل کر صاف کر دیتے تھے۔ ''سونش'' لوہے یا سونے چاندی کے باریک ریزے جو ریتی چلاتے وقت دھات سے الگ ہو جاتے ہیں۔

''جب میں ورق سے دوبارہ لکھی ہوئی سطر کو چاقو سے چھیلتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ لعل و گہر کے ریزے کاغذ سے گر رہے ہیں۔''

یعنی میری تحریر گویا لعل و گہر کی سی ہے۔

ندانم حسرت روی کہ میخواھم رقم کردن
کہ ھر جا بنگرم ذوقِ نگاھم خیزد از کاغذ

''نہ جانے میں کس کے (دلنواز) چہرے کو دیکھنے کی حسرت کا اپنی تحریر میں اظہار کر رہا ہوں کہ کاغذ پر جہاں بھی نظر پڑتی ہے، میرا ذوقِ نظارہ اُبھرتا دکھائی دیتا ہے۔''

شاعر نے دیدارِ روئے یار کی تشنگی کا اظہار کیا ہے۔

من و ناسازی خوئی کہ در تحریر بیدادش
رمد حرف از قلم گر خود قلم نگریزد از کاغذ

اِدھر میں ہوں اور اُدھر میں میرے محبوب کی خوئی مخالف، کہ جب میں اُس کے بیداد کو تحریر کرنے لگتا ہوں تو اگر کاغذ سے میرا قلم نہ بھاگ جائے تو قلم سے لفظ ہی بھاگنے لگتے ہیں۔

یعنی محبوب کی خوئی تند کے تذکرہ کرنے کی تاب نہ میرے قلم میں ہے نہ کاغذ میں۔

محبوب کی ناسازگار طبع کا اثر دونوں میں آ جاتا ہے۔

چہ باشد نامۂ گل جانب مرغ اسیر، آن بہ
کہ کس گلدستۂ پیش قفس آویزد از کاغذ

کسی مرغ اسیر کے پاس پھولوں کا پیغام نامہ بھیجنا کیسا؟ بہتر تو یہ ہے کہ کوئی آدمی کاغذ کے پھولوں کا گلدستہ قفس کے سامنے لٹکا دے۔

یعنی مرغ اسیر کے لیے پھولوں کا تحفہ بھیجنا بے معنی ہے۔

چو استیلای شوقم دید، کرد از نامہ محروم
مگر بر آتشم بیدرد دامن می زد از کاغذ

جب میرے محبوب نے میرے وفورِ شوق کو دیکھا تو اُس نے مجھے میرے خط کے جواب سے محروم رکھا۔ شاید اُس نے میرے ہی خط کے کاغذ کو دامن بنا کر میری آتشِ شوق کو تیز کر دیا۔

گویا میرے معشوق نے، میرا خط ہلا کر میری آتشِ شوق کو اور بھی بھڑکایا۔

زبی تابی رقم سویش دود چون نامہ بنویسم
بہ عنوانی کہ دانی دود برمی خیزد از کاغذ

جب میں محبوب کو خط لکھتا ہوں تو میری تحریر بے تابی سے اُس کی طرف لپکتی ہے۔ اس انداز سے کہ گویا کاغذ سے دھواں اُٹھ اُٹھ کر ادھر کو جا رہا ہے۔

چہ گویم از خرام آن کہ در انگارۂ قدّش

صریرِ خامہ شورِ رستخیز انگیزد از کاغذ

میں اس محبوب کے خرام ناز کے بارے میں کیا لکھوں کہ اُس کے آتشین قد کے تصور سے، میرے قلم کی آواز سے کاغذ پر سے شور قیامت اُبھرنے لگتا ہے۔

ظہور آمد تنزل حان بچشم کم مبین غالب

بہ پیدائی زخاک استم چو نامِ ایزد از کاغذ

❁❁❁

ردیف (ر)

غزل نمبر(۱)

بُتی دارم زشنگی روزگاران خو، بھاران بر

بہ مستی خویش را گرد آرو گوی از ھوشیاران بر

لغت: ''شنگی'' = شوخی۔ ''روزگاران خو'' = زمانے کی سی خو رکھنے والا یعنی متلون مزاج اور ستمگر۔ ''بہار ابر'' = بہار کی طرح تر و تازہ۔

میرا ایک ایسا معشوق ہے جو شوخی میں زمانے سے ملتا جلتا ہے اور بہار کی طرح شگفتہ بھی ہے۔ اپنی حسن مستی میں سرشار اور ہوشمندوں سے بھی سبقت لیجانے والا یعنی سادہ و پرکار اور مست و ہشیار۔

خمی از می بما بفرست و آنگہ ھر قدر خواھی

روان کن جوئی از شیر و دل از پرھیزگاران بر

شراب کا ایک مٹکا ہماری طرف بھیج دے اور اس کے بعد جتنا چاہے دودھ کی نہر بہا کر متقیوں اور پرہیزگاروں کے دل موہ لے۔ خدا سے کہتا ہے کہ ہمیں تو شراب درکار ہے۔ وہ ہمیں عنایت فرما باقی جنت کی نعمتیں پرہیزگاروں کے لیے رکھ لے۔ ان نعمتوں کے تذکرے سے انہی کے دل خوش ہوتے ہیں۔

مرا گوئی کہ تقوی ورز، قربانت شوم، خود را

بیارای و بہ خلوت خانۂ تقوی شعاران بر

مجھ سے تو کہتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرلے۔ تیرے قربان جاؤں، اپنے آپ کو آراستہ کر کے تقویٰ پرستوں کی خلوت میں جا (اور دیکھ کہ اُن کا کیا حشر ہوتا ہے) یعنی تجھ سے وابستہ ہونے پر تقویٰ کیسا۔

چہ پرسی کاین چنین داغ از کدامین تخم می خیزد
دلم از سینہ بیرون آر و پیش لالہ کاران بر

تو کیا پوچھتا ہے کہ یہ داغ (محبت) کس بیج سے پھوٹتے ہیں، آ اور میرے دل کو میرے سینے سے باہر نکال اور اُسے لالے کے پھول بونے والے باغبانوں کے پاس لے جا۔
یعنی داغ محبت دل ہی سے اُبھرتے ہیں جو محبت میں لالے کے پھول کی طرح خوں سا ہو گیا ہے۔

درین بیھودہ میری آنچہ با من درمیان داری
بگو لختی و از من زحمتِ اندُہ گساران بر

میرے بے فائدہ جان تباہ کرنے کے بارے میں جو باتیں تو مجھ سے کرتا ہے، ان میں سے کچھ بیان کرتا کہ انہیں سن کر میرے غمخواروں کو اس زحمت سے جو میری غمگساری کرنے میں انہیں اُٹھانی پڑتی ہے نجات مل جائے۔

ندارد شیر و خرما، ذوق صھبا، رحم می آید
نشاطِ عید از ماھدیہ سوی روزہ داران بر

دودھ اور کھجور سے روزہ کھولتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ مجھے تو روزہ داروں پر رحم

آتا ہے۔ شیر و خرما میں شراب کی سی لذت کہاں، میری طرف سے روزہ داروں کو عید کی خوشی کا تحفہ دے۔

بیا رضوان مگر تہ جرعہٴ بخشندت از ساغر
گل از گلبن بیفشان و بہ بزم شاد خواران بر

لغت: ''رضوان'' = جنت کا پاسبان فرشتہ۔

اے رضواں آ، باغ خلد کی کیاریوں سے کوئی پھول توڑ اور اُسے میخواروں کی محفل میں لے آ، شاید وہاں تجھے کسی جام کی تہ میں بچے ہوئے چند قطرے ہی پلا دیں (تو جنت میں کیا کر رہا ہے)۔

پشیمان می شوی از ناز، بگذر زین گران جانان
دل از دلدادگان جو و قرارِ بی قراران بر

لغت: ''گران جانان'' = سخت جاں لوگ جن پر حسن کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے: ان گران جان لوگوں کو چھوڑ، یہاں کی ناز و ادا بے فائدہ ہے تجھے اپنی ناکامی پر پشیمانی ہوگی۔ دل لینا ہے تو اہل دل کا دل چھین اور قرار چھیننا ہے تو تڑپ رکھنے والوں کے دل کا قرار چھین۔

نمک کم نیست ھان همت بیا و داد شوخی دہ
غرورِ ننگ زنھار از نھاد لفگاران بر

لغت: ''داد شوخی دادن'' = شوخی کرنا، بڑے انداز سے شوخیاں کرنا۔

''زنهار؟؟'' = پناه۔ طبیعت۔ ''دلفگاران'' = زخمی دل عاشق۔

زخم پر نمک چھڑکا جائے تو زخم خراب ہو جاتا ہے اور تکلیف بڑھ جاتی ہے۔

دلفگاران یعنی عشاق کو اس بات کا غرور ہوتا ہے کہ وہ اس نمک پاشی کے دکھ کو برداشت کر لیتے ہیں۔ چنانچہ کہتا ہے:

دنیا میں نمک کی کوئی کمی نہیں، ہاں نمک پاشی کے لیے ہمت درکار ہے، آ اور آ کر اپنی ستم ظریفی دکھا اور زخمی دل عاشقوں کے غرور کو توڑ دے۔ اتنا نمک چھڑک کہ وہ تڑپ اٹھیں۔

مپرس ای قاصدِ اهل وطن از من که من چونم

سپارس نامه از اغیار گریابی به یاران بر

اے اہل وطن کے قاصد مجھ سے یہ مت پوچھ کہ میں کیسا ہوں۔ اگر غیروں سے کوئی نامہ مل جائے تو وہ دوستوں کو جا کے پہنچا دو۔

شکستِ ما بود آرائشِ خویشان ما غالب

زنند از شیشهٔ ما گل بفرق کوهساران بر

غالب ہماری شکست سے ہمارے اپنوں کی آرائش ہوتی ہے۔ ہماری صراحی کو توڑتے ہیں اور اُس سے پتھروں پر گلپاشی کرتے ہیں۔ یعنی ہمارے سامان عیش برباد کر کے ہمارے عزیز خوش ہوتے ہیں۔

❀❀❀

غزل نمبر(۲)

مژده ای ذوقِ خرابی که بهار است بهار

خرد آشوب تر از جلوهٔ یار است بهار

لغت: ''خرابی'' فارسی میں خراب کا لفظ، مست اور برباد دونوں معنی دیتا ہے۔ اس شعر میں جو خراب کی مصدری حالت ہے، دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے۔

بہار آتی ہے تو طبیعتوں میں جنوں کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ میخوار اور عاشق کو بربادی کر دیتی ہے چنانچہ کہتا ہے:

بہار آ گئی ہے اور ہمارے جذبہ مستی و بربادی کے لیے مژدہ لے کر آئی ہے یہ بہار تو جلوۂ یار سے کہیں زیادہ عقل و ہوش کو پریشان کرنے والی ہے۔

چه جنون تاز هوای گل و خار است بهار

کاین چنین قطره زن از ابر بهار است بهار

لغت: ''جنون تاز'' = جوش و حشت میں بھاگنا۔

''قطره زدن'' = باریدن اور گریختن دونوں مفہوم دیتا ہے۔ ''قطره زن'' = تیزی سے برسنے والا یا دوڑنے والا۔

بہار، گل و خار کے اشتیاق میں کس تیزی کے ساتھ دشت و صحرا میں پھیل گئی ہے کہ ابر بہار سے بھاگ بھاگ کر زمین پر آ رہی ہے۔ یعنی ابر بہار برس رہا ہے اور ہر طرف چمن زار کھل رہے ہیں۔

نازم آئین کرم را کہ بسرگرمی خویش

دشت را شمع و چراغ شب تار است بہار

فطرت کی بخشش پر نازاں ہوں کہ اُس نے اپنے جوش بخشش میں جنگل کی سیاہ رات میں بہار کے دیے جلا دیے ہیں۔

رنگ برنگے جنگل میں اس طرح فروزاں ہیں جیسے چراغ جل رہے ہوں۔

شوخی خوی ترا قاعدہ دان است خزان

خوبی روئی ترا آئنہ دار است بہار

خزاں کیا ہے؟ تیری خوی تند کی مزاج داں اور بہار کیا ہے تیرے حسین و رنگین چہرے کی آئینہ دار۔ یعنی بہار تیرے حسن رنگیں کی عکاسی کرتی ہے اور خزاں تیرے مزاج تند کی۔

درغمت غازۂ رخسارۂ ہوس است جنون

در رہت شانۂ گیسوی غبار است بہار

تیرے غم میں جنوں شوق کی کیفیت، ہوش کے چہرے پہ غازے کا کام دیتی ہے اور بہار تیری راہ سے اٹھنے والی گرد و غبار کو (جو گیسوؤں کی طرح بکھرا ہوا ہے) کر رہی ہے۔

یعنی تیرے غم میں جنوں کی کیفیت سے ہوش و خرد پیدا ہوتے ہیں اور تیری راہ میں چلنے والوں کو تیری راہ کے غبار میں بہار کی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔

ہم حریفانِ ترا طرف بساط است چمن

ہم شہیدانِ ترا شمع مزار است بہار

ایک طرف تیرے حریفانِ بزم کے لیے چمن (خوشیوں کا) ایک فرش رنگین ہے اور دوسری طرف تیرے عاشقانِ زار کے لیے بہار ایک شمع ہے جس نے شہیدوں کے مزاروں کو روشن کر رکھا ہے۔

معشوق جن پر مہربان ہے اُن کے لیے بہار بساطِ عیش ہے اور ستم زدہ عاشقوں کے لیے بہار ایک شمع مزار۔

جعدِ مشکین ترا غالیہ سائیست نسیم

رخ رنگینِ ترا غازہ نگار است بہار

نسیم تری سیاہ زلفوں کو معطر کر رہی ہے اور بہار تیرے چہرۂ زیبا پر سرخی مل رہی ہے۔

وحشی می دمد از گردِ پر افشانیِ رنگ

از کمین گاہ کہ رم خوردہ شکار است بہار

لغت: ''رم خوردہ شکار'' = وہ شکار جو صیاد سے جان بچا کر بھاگا ہو۔

''پرافشاندن'' = اُڑنے کے لیے پر پھڑپھڑانا ''پرافشانیِ رنگ'' = رنگ کا اڑنا۔

شاعر نے بہار کے بکھرے ہوئے رنگ کو گرد کہا ہے۔ کہتا ہے: کس کی کمین گاہ سے بھاگا ہوا شکار ہے۔ جس طرح شکار جو صیاد کی کمینگاہ سے بچ کر بھاگا ہو، وحشت زدہ ہوتا ہے اسی طرح بہار، محبوب کی بزم سے (جو بہار سے کہیں زیادہ رنگین ہے) وحشت زدہ ہو کر نکلی ہے۔

بجہان گرمی ہنگامۂ حسن است ز عشق

شورش اندوز ز غوغای ہزار است بہار

لغت: ''ہزار'' = ہزار داستان، بلبل۔ ''غوغای ہزار'' = بلبل کا شورِ نغمہ۔

دنیا میں عشق ہی سے ہنگامۂ حسن گرم ہوتا ہے۔ بہار کا زور شور بھی، بلبل کے نغموں کے شور سے ہے یعنی بہار کے پھولوں کا جوبن بھی بلبل کے نغموں ہی سے اُبھرتا اور نکھرتا ہے۔

سنبل و گل اگر از گلشنیان است چہ غم

بہر ما گلخنیان دود و شرار است بہار

گلشن سے گلشنی اور گلخن سے گلخنی یعنی مکین گلشن اور مکیں گلخن۔

گلشن عیش و نشاط کی جگہ ہوتی ہے، اور گلخن (آتشدان) اس کی ضد ہے، ماتم زدہ لوگوں کی۔

اگر سنبل اور گل گلشن کے عشرت پرست ہیں تو کیا ہوا ہم جیسے ماتم زدہ (افسردہ خاطر) لوگوں کے لیے بہار دود و شرار کا کام دے رہی ہے۔

یعنی خوش دل لوگ سنبل و گل کے نظارے سے لذت اندوز ہوتے ہیں تو کیا ہوا۔ ہم غم میں جلنے والوں کے لیے بہار، دود و شرار ہی سہی، اس دود و شرار میں ایک گرمی ہنگامہ تو ہے۔

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی، نغمۂ شادی نہ سہی — غالب

خارها در رہِ سودا زدگان خواهد ریخت

ورنہ در کوه و بیابان بچہ کار است بہار

یہ عشق کے مجنونوں کی راہ میں کانٹے بکھیرے گی ورنہ کوہ و بیابان میں بہار کا کیا کام۔

بہار کا اثر کوہ و بیاباں میں نمایاں ہے۔ وحشت زدہ عاشقوں کی آنکھوں میں جو کوہ و بیابان میں

بھٹک رہے ہیں۔ بہار کا یہ منظر، کانٹوں کی طرح کھٹکتا ہے۔ گویا بہار، ان بیاباں نوردی کرنے والوں کے پاؤں میں کانٹوں کی طرح چبھ رہی ہے۔

میتوان یافتن از ریزش شبنم غالب

کہ ز رشک نفسم درچہ فشار است بہار

لغت: ''فشار'' = گھٹن، ''درچہ فشار است'' = کس قدر گھٹن میں ہے۔
''نفس'' = سانس۔

غالب! (موسم بہار میں) اس شبنم ریزی سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہار میرے آتشیں سانس کے رشک سے گھٹن میں ہے اور اُس گھٹن سے اس میں سے جو شبنم ٹپک رہی ہے وہ اشکِ رشک ہیں۔

❁❁❁

غزل نمبر (۳)

بیا و جوش تمنای دیدنم بنگر

چو اشک از سر مژگان چکیدنم بنگر

آ اور دیدار کی تمنا جو میرے دل میں جوش مار رہی ہے اُس کو دیکھ اور پلکوں کے رستے سے آنسو کی طرح میرا ٹپکنا ملاحظہ کر۔ جوش تمنائے دیدار کے تصویر اس سے بہتر غالباً کسی نے نہ کھینچی ہوگی ''کہ میں آنسو کی طرح پلکوں کے رستے سے ٹپکا جاتا ہوں''۔ (حالی)

زمن بجرمِ طپیدن کناره می کردی
بیا بخاکِ من و آرمیدنم بنگر

تو مجھ سے ہمیشہ میری بے تابیوں سے گھبرا کر کنارہ کشی کیا کرتا تھا۔اب (مرنے کے بعد) میری قبر (خاک) پر آ اور دیکھ کہ میں کس قدر آرام سے سویا ہوں۔

گذشته کارمن از رشک غیر، شرمت باد
به بزم وصل تو خود را ندیدنم بنگر

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے، میرا معاملہ اب رشک رقیب سے بھی آگے گزر چکا ہے۔تو دیکھ کہ تیری بزم وصال میں مجھ جیسے مخلص عاشق کا نہ ہونا کتنی شرم کی بات ہے۔

شنیده ام که نه بینی و ناامید نیم
ندیدنِ تو شنیدنم، شنیدنم بنگر

میں نے سنا ہے تو مجھے دیکھتا بھی نہیں۔ پھر بھی ناامید نہیں ہوں، میں نے تیرے نہ دیکھنے کی بات کو سنا اور سننے کی تاب لے آتا، ذرا میرے اس سننے کی کیفیت کو دیکھ کہ کیا ہوگی۔

دمید دانه و بالید و آشیان گه شد
در انتظار هما دام چیدنم بنگر

ہما کے انتظار میں میرا جال بچھانا تو دیکھو۔ جو دانہ جال کے نیچے ہما کے پھنسانے کے لیے ڈالا تھا وہ اُگا اور بڑھا اور یہاں تک بڑھا کہ اس میں گھونسلے بن گئے مگر ہما دام میں نہ آیا (حالی)

نیاز مندیِ حسرت کشان نمی دانی
نگاهِ من شو وزدیده دیدنم بنگر

تو حسرت کے مارے عاشقوں کی نیاز مندی کو نہیں جانتا، میری نگاہ بن جا اور دیکھ کہ میں کس طرح آنکھ چرا کر تجھے دیکھتا ہوں یعنی کس حسرت سے دیکھتا ہوں۔

اگر هوای تماشای گلستان داری
بیا و عالمِ در خون تپیدنم بنگر

اگر تجھے سیر باغ کی خواہش ہو تو آ اور میرا خون میں تڑپنے کا نظارہ کر۔ (کہ یہ منظر بھی ویسا ہی ہے)۔

جفای شانه که تاری گسسته زان سر زلف
ز پشتِ دست بدندان گزیدنم بنگر

کنگھی کی ستم ظریفی دیکھو کہ اُسنے تیری زلفوں سے بال بھی نوچ لیے ادھر میں ہوں کہ تیری زلفوں کو فقط چھونے ہی کی حسرت میں بیٹھا دانتوں سے اپنے ہاتھوں کو کاٹ رہا ہوں۔

بهارِ من شو و گل گل شگفتنم دریاب
بخلوتم بر و ساغر کشیدنم بنگر

میری بہار بن جاؤ اور دیکھ کہ میں کس طرح شگفتہ ہو جاتا ہوں۔ مجھے اپنی خلوت میں لے چل اور مسرت کے جام پہ جام پئے جانے کا نظارہ کر۔

❀❀❀

غزل نمبر(۴)

بہ مرگِ من کہ پس از من بہ مرگِ من یاد آر
بہ کوی خویشتن آن نعش بی کفن یاد آر

''بمرگِ من'' کے الفاظ شعر میں دو دفعہ آئے ہیں پہلے ''بمرگِ من'' میں ''ب'' قسمیہ ہے اور ''بمرگِ من'' کا مطلب ہے مری موت کی قسم۔ ''یادآر'' یاد کر، تصور کر، چونکہ ''یادآر'' کے الفاظ بطور ردیف کے بار بار آئے ہیں اس لیے شرح میں ہم نے اُن کا اعادہ نہیں کیا محض مفہوم لیا ہے۔

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے، تجھے میری موت کی قسم میرے بعد ذرا میری موت کا تصور کر، تصور کر کہ تیرے کوچے میں ایک نعش بے کفن پڑی ہے۔

من آن نیم کہ ز مرگم جہان بھم نخورد
فغانِ زاھد و فریاد برھمن یاد آر

میں وہ نہیں ہوں کہ میری موت سے جہاں درہم برہم نہ ہو۔ زاہد کی فغاں اور برہمن کی فریاد کو یاد کر (یعنی وہ دونوں فریاد کر رہے ہوں گے)۔

ببام و در ز ھجوم جوان و پیر بگو
بگوی و برزن از اندوہ مرد و زن یاد آر

دروازوں اور چھتوں پر جوانوں اور بوڑھوں کا ہجوم ہوگا، اور گلیوں کوچوں میں مرد اور عورتیں غم زدہ کھڑی ہوں گی۔

بسازِ نالہ گروھی ز اھل دل دریاب
بہ بند مرثیہ جمعی ز اھل فن یاد آر

ایک طرف تجھے اہلِ دل کا ایک گروہ نالہ و فریاد کرتا دکھائی دے گا اور دوسری طرف کچھ اہلِ فن مرثیہ گوئی میں مصروف نظر آئیں گے۔

ملالِ خلق و نشاط رقیب در ھر حال
غریو خویش بہ تحسین تیغ زن یاد آر

خلقت ملول ہوگی اور رقیب ہر حال میں خوش ہوگا اور تو، جلاد (تیغ زن) کو پرشور انداز میں تیغ زنی کی داد دے رہا ہوگا۔

(کہ سبحان اللہ! کیسے تلوار چلائی)۔

بخود شمار وفاھای من ز مردم پرس
بمن حسابِ جفاھای خویشتن یاد آر

اُس وقت تم لوگوں سے پوچھنا کہ میں نے تمہارے ساتھ کتنی وفائیں کیں۔ اور پھر سوچنا کہ میں نے تمہاری جفاؤں کو کتنی بار گنوایا تھا (اور تم پر اُس کا کچھ اثر نہ ہوا تھا)۔

چہ دید جانِ من از چشم پر خمار بگوی
چہ رفت بہ سرم از زلف پر شکن یاد آر

پھر بتانا کہ میری جان پر تیری چشمِ مست سے کیا گزری اور سوچنا تیری زلف شکن نے مجھ پر کیا کیا ستم ڈھائے۔

خروش و زاری من در سیاهی شب زلف
دم فتادن در چه ذقن یاد آر

پھر تصور کرنا کہ تیری گھنیری زلفوں کی شب سیاہ میں میں نے کیا نالہ وزاری کی اور میرا دل کس طرح (اس اندھیرے میں) تیرے چاہِ ذقن میں ڈوب گیا۔

به سنج تا ز تو برمن در آن محل چه گزشت
نخوانده آمدنِ من در انجمن یاد آر

پھر اندازہ لگا کہ جب میں تیری محفل میں بن بلائے آیا تیرے ہاتھوں اس وقت میرا کیا حال ہوا۔

زمن پس از دوسه تسلیم یک نگه وانگه
ز خود پس از دوسه دشنام یک سخن یاد آر

یہ بھی سوچ، کہ ایک طرف میرا یہ عالم ہوتا ہے کہ میں دو تین بار تسلیم بجالاتا ہوں اور تو ایک نظر ڈالتا ہے۔ اور دوسری طرف تیری یہ حالت کہ دو چار گالیاں دینے کے بعد ایک بات کرتا تھا۔

هزار خسته و رنجور در جهان داری
یکی ز غالبِ رنجور خسته تن یاد آر

لغت: ''یاد آر'' یاد کر

دنیا میں تیرے ہزاروں عاشقانِ دلخستہ اور رنجور ہیں، کبھی ایک بار غالب رنجور کو بھی یاد کرلے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۵)

بی دوست زبس خاک فشاندیم بسر بر
صد چشمه روان است بدان رهگذر بر

دوست کے بغیر ہم نے بہت خاک سر پر ڈالی ہے۔ اُس رہگذر میں کئی چشمے رواں ہیں، ہمیں وہاں لے چلو۔

غلطانی اشکم بود از حسرت دیدار
آبی است نگاهم که به پیچد به گهر بر

میرے آنسوؤں کا ٹپکنا، حسرت دیدار کی وجہ سے ہے۔ میری نگاہ ایک ایسی چمک (آب) ہے جو موتیوں سے لپٹ جاتی ہے۔

از گریهٔ من تا چه سرایند ظریفان
زین خنده که دارم به تمنای اثر بر

امید که خالِ رخ شیرین شود آخر
چشمی که سیه ساخته خسرو بشکر بر

از خلد و سقر تا چه دهد دوست که دارم
عیشی بخیال اندر و داغی بجگر بر

دوسرے مصرعے میں اندر اور بر زائد ہیں۔ ''بخیال اندر'' یعنی بخیال یا در خیال ''بجگر بر'' یعنی بجگر یا در جگر۔

دوست مجھے جنت اور دوزخ سے کیا عنایت کرے گا؟ میں تصور میں عیش لیے بیٹھا ہوں اور وہی جنت ہے اور جگر میں آتشیں داغ ہے وہی میرے لیے دوزخ ہے۔

بالد بخود آن مایه که در باغ نگنجد

سروی که کشندش به تمنای تو در بر

لغت: ''بر'' = آغوش۔

جس سرو کو تیری تمنا میں سینے سے لگایا جاتا ہے وہ اپنے پہ اتنا ناز کرتا ہے اور خوشی سے پھول جاتا ہے کہ باغ میں سما نہیں سکتا۔

عمری که بسودای تو گنجینهٔ غم بود

اینک بتو دادیم تو در عیش بسر بر

لغت: ''بر'' بردن سے فعل امر ہے۔ ''بسر بر'' = بسر کر۔

جو زندگی تیری لگن میں غموں کا خزانہ تھی لو وہ ہم نے تجھے سونپ دی، اب تو اُسے عیش سے بسر کر (یعنی خوش ہو جا کہ تجھے ہمارے غموں کا کسی طرح کوئی ملال نہیں ہوگا)۔

جان می دهم از رشک بشمشیر چه حاجت

سر پنجه بدامن زن و دامن به کمر بر

میں تو رشک سے جان دے دوں گا تلوار کی کیا ضرورت ہے۔ اپنا ہاتھ دامن پہ ڈال اور دامن کو کمر تک لے جا۔

مطرب بغزل خوانی و غالب بسماع است

ساقی می و آلات مَی از حلقه بدر بر

مطرب نغمہ گا رہا ہے اور غالب اس کے سننے میں محو ہے۔ اے ساقی! یہ شراب، یہ جام و مینا (آلاتِ مَے) محفل سے اُٹھا کے باہر لے جا۔

یعنی اس وقت نغمۂ مطرب سے ہم پر شراب کے نشے کی سی کیفیت طاری ہو رہی ہے۔ شراب کی حاجت نہیں۔

❁❁❁

غزل نمبر (۶)

ای دل از گلبن امید نشانی بمن آر

نیست گر تازه گلی برگ خزانی بمن آر

لغت: ''گلبن'' = پھولوں کی کیاری۔ چمن۔

اے دل، گلبن امید کی کچھ تو نشاندہی کر۔ اگر باغ امید سے کوئی تازہ پھول میسر نہیں آتا تو کوئی خزاں زدہ پتا ہی اٹھا لا۔

تا دگر زخم به ناسور تونگر گردد

هدیهٔ از کفِ الماس فشانی بمن آر

لغت: ''ناسور'' = گہرا اور ہمیشہ رسنے والا زخم، وہ زخم جس کے دونوں طرف سوراخ ہوں اور کبھی نہ بھر سکے۔

''الماس'' = ہیرا۔ کہتے ہیں کہ ہیرے کا کوئی ٹکڑا اگر زخم میں پڑ جائے تو وہ کاٹتا چلا

جاتا ہے۔

''کفِ الماس فشان'' = ہیرے بکھیرنے والا ہاتھ، معشوقِ ستمگر۔

''کسی الماس پاش ہاتھ سے کوئی تحفہ لے آتا کہ ہمارا زخم محبت دوبارہ ناسور کی دولت کر کے تونگر ہو جائے۔

''تونگر'' توان گر کا مخفف ہے۔ ''قوی'' چونکہ امارت ایک طرح کی قوت ہوتی ہے اس لیے دولتمند کا مفہوم بھی دیتا ہے۔ شاعر نے تونگر کا لفظ بڑی معنوی رعایت سے استعمال کیا ہے الماس ایک قیمتی شے ہے۔ جس زخم میں ہیرے کے ٹکڑے پڑ جائیں گے وہ گہرے ہو جائیں گویا ناسور کی دولت سے مالا مال ہوگا۔

همدم روزِ گدائی سبک از جا بر خیر
جان گرو، جامه گرو، رطلِ گرانی بمن آر

فقیروں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ ایک مقررہ دن گداگری کے لیے نکلتے ہیں۔ اُسے ''روز گدائی'' کہتے ہیں۔ جو دو آدمی مل کر گدائی کریں اور ایک دوسرے کے ہمدم روز گدائی ہوں گے۔

لغت: ''رطل گران'' = بڑا پیالہ۔

اے روز گدائی کے ہمدم! جلدی سے اٹھ، جاں جائے، جامہ جائے، دے دو، کہیں سے شراب کا ایک پیالہ لے آؤ۔

دلم ای شوق ز آشوب غمی نکشاید
فتنۂ چند زهنگامه ستانی بمن آر

لغت: ''ہنگامہ ستان'' = ''ہنگاموں کی جگہ'' وہ جگہ جہاں فتنے اور ہنگامہ پرورش پاتے ہیں۔ ہنگاموں کا ٹھکانا۔

اے شوق، کسی ایک آدھ غم کے دکھ سے میرے دل کی کلی نہیں کھلتی، اس کے لیے کسی ہنگامہ ستان سے چند ہنگامہ فتنے سمیٹ کے لے آ۔

گیرم ای بخت هدف نستم، آخر گاهی
غلط انداز خدنگی ز کمانی بمن آر

لغت: ''گیرم'' = میں نے مانا۔

اے میرے نصیبی! میں نے مان لیا کہ میں نشانہ نہیں ہوں، آخر کبھی کسی کمان سے کوئی غلط جگہ پڑنے والا تیر ہی میرے لیے لے آؤ۔

یعنی یوں تو میں اتنا خوش نصیب نہیں ہوں کہ کوئی مجھے اپنی محبت کے تیر کا نشانہ بنائے کبھی کوئی تیر نشانہ خطا ہو کر ہی میرے دل پر آ لگے۔

ای نیاورده بکف نامۂ شوقی زکفی
به زبان، مژده وصلی ز زبانی بمن آر

قاصد سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ تو اپنے میں کسی کے ہاتھ سے لکھا ہوا نامہ شوق تو لے کر نہیں آتا، مژدہ وصال کے بارے میں کوئی زبانی پیغام ہی سنا دو۔

ای در اندوه تو جان داده جهانی از رشک
مکش از رشکم و اندوهِ جهانی بمن آر

تیرے غم محبت میں ایک دنیا نے ایک دوسرے سے رشک کے باعث جان دے دی۔ مجھے اس رشک سے نہ مار بلکہ دنیا بھر کے غم میرے ہی سپرد کردے۔ سارے غم میرے ہوں گے تو مجھے کسی پہ رشک نہیں ہوگا۔ قہر ہو یا بلا جو کچھ ہو۔ کاش کے تم میرے لیے ہوتے۔

ای ز تارِ دم شمشیر تو ام بسترِ خواب
شمع بالین ز درخشندہ سنانی بمن آر

میرا بستر خواب تیری تلوار کی دھار پر ہے۔ کسی چمکتے ہوئے نیزے کو لا کے (اس بستر کی) شمع بالیں بنادے۔

یا رب این مایہ وجود از عدم آوردۂ تست
بوسۂ چند ھم از کنج دھانی بمن آر

اے خدا! تو کائنات کے اس ہجوم کو عدم سے وجود میں لیے آیا۔ میرے لیے کسی (محبوب) کے کنج لب سے چند بوسے میسر آنے کا امکان ہی پیدا کردے۔

سخن سادہ دلم را نفریبد غالب
نکتۂ چند ز پیچیدہ بیانی بمن آر

غالب سیدھی سادی بات میرے دل کو نہیں بھاتی۔ میرے لیے کوئی دقیق اور پیچیدہ اندازِ سخن کے چند اعلیٰ نمونے لے آ۔

❁❁❁

غزل نمبر(۷)

بر دل نفس غم سر آور
چون نالہ مرا زمن بر آور

میرے دل سے یہ غم بھری سانس ختم کردے۔ جس طرح میری فریاد سینے سے باہر آتی ہے اسی طرح مجھے بھی، میرے وجود سے نکال دے۔

یا پایۂ آرزو بیفزا
یا خواہش ما ز در در آور

یا تو ہماری آرزو کا مقام ہی بلند کردے یا پھر ہر دروازے پہ ہماری خواہش کے پورے ہونے کا اہتمام کر۔ یعنی یا تو ہماری آرزو اتنی بلند ہو کہ ہم ہر دروازے سے بے نیاز ہو جائیں اور کسی سے اس آرزو کے پورے ہونے کی توقع نہ رکھیں یا پھر خواہش اتنی ادنیٰ ہوں کہ جگہ جگہ پوری ہو جائیں۔

عمری ز ہلاک تلخ تر رفت
مرگی ز حیات خوشتر آور

اک عمر ہلاکت سے زیادہ تلخ گزاری، اب کوئی ایسی موت عطا کر جو اس زندگی سے اچھی ہو۔ یعنی ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔

دردی بشکستِ ما بر انگیز

نی نی علی بہ خیبر آور

ہمیں شکستہ حال کرنے کے لیے کوئی بے پناہ درد پیدا کر، نہیں نہیں (اس سے بھی کیا ہوگا) اس کے لیے کوئی علیؓ لا جو اس خیبر کو توڑے۔

(حضرت علیؓ نے درِ خیبر کو فتح کیا تھا۔ اس لیے انہیں خیبر شکن بھی کہتے ہیں)۔

بی کاریِ ما گدازشِ ماست

زخمی بہ تراوش اندر آور

شاعر کہتا ہے کہ نہ کوئی شغل ہونا چاہیے۔ اور کچھ نہیں تو ایک زخم ہی ہو جو رسنے لگے ورنہ یوں تو اس عالمِ بیکاری میں اندر اندر گلتے چلے جا رہے ہیں۔

و انگاہ ز ما بعرصۂ حشر

چسپیدہ تنی بہ بستر آور

(یہ شعر پہلے شعر سے قطعہ بند ہے)

یہ زخم رستا رہے اور پھر ہم یونہی عرصۂ محشر میں پہنچ جائیں اور ہمارا جسم بستر سے چپکا ہوا ہو (رستے ہوئے زخم کی وجہ سے)۔

ور زانکہ بہیچ می نیرزیم

مارا بربائی و دیگر آور

اگر ہم کسی قابل نہیں ہیں، ہمیں ختم کر دے اور ہماری جگہ کسی اور کو لے آ۔

رنگین چمنی ز شعلہ آرای

ابراهیمی ز آذر آور

شعلوں سے کوئی رنگیں چمن آراستہ کر اور آگ سے ابراہیم کو باہر لے آ۔ حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تھا لیکن وہ آگ گلزار بن گئی تھی۔

آثار سہیل از یمن جوی

خورشید ز طرفِ خاور آور

سہیل ایک ستارہ ہے جو یمن کی طرف سے طلوع ہوتا ہے اور اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کی کرنیں اگر چمڑے پر پڑیں تو چمڑے میں ایک خوشگوار مہک پیدا ہو جاتی ہے۔

یمن میں سے سہیل کے نشان نمودار کر اور خورشید کو مشرق سے طلوع کر۔

لبهای بشکر دُرفشان را

دلهای بہ غم تونگر آور

جو لب تیرا شکر ادا کرنے میں دُرفشانی کرتے ہیں اُن کے لیے ایسے دل لا جو غم سے مالا مال ہوں یا غم سے توانا ہوں۔

یعنی تیرا عطا کیا ہوا غم ہوگا تو وہ تیرے اس عطیے پر نازاں ہوں گے اور تیرا مزید شکر بجا لائیں گے۔

جان ھای براحت آشنا را

طوبیٰ بنشان و کوثر آور

اور جن جانوں کو تو نے راحت سے آشنا کیا ہے اُن کے لیے طوبیٰ کا درخت کھڑا کر دے اور حوضِ کوثر مہیا کر۔

ای ساختہ غالب از نظیری

ھا قطرہ ربای گوھر آور

❁❁❁

غزل نمبر (۸)

ای ذوق نوانجی بازم بخروش آور

غوغای شبیخونی بر بنگۂ ھوش آور

یہ غزل مسلسل ہے اور ایک ہی کیفیت کی حامل ہے۔ غالب کے کلام میں دو طرح کے احساسات بہت نمایاں ہیں۔ کبھی وہ طوفان جذبات سے گھبرا کر الگ تھلگ ہونا چاہتا ہے۔ اور کہتا ہے رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو اور کبھی اس بیدلی سے اُکتا کر پھر طوفانِ جذبات میں کھو جانا چاہتا ہے۔ اُردو میں اس کی مشہور غزل میں یہی جذبہ کارفرما ہے۔

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے

جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

لغت: ''بنگہ'' = بنگاہ کا مخفف ہے۔ منزل، مکان یا ٹھکانا۔ ایسی جگہ جہاں زر و نقد محفوظ کرتے ہیں ''شبیخون'' یا ''شب خون'' = رات کو چپکے سے چھاپہ مارنا۔

اے میرے شوق نوانجی ایک بار مجھے پھر آمادۂ فریاد کر دے۔ میرے ہوش و خرد کی خوابگاہ میں ایک ہنگامہ پیدا کر دے تاکہ عقل سے جو افسردہ دلی سی پیدا ہو چکی ہے دور ہو جائے اور جنون شوق اُبھر آئے۔

گرخود بجھد از سر از دیدہ فرو بارم

دل خون کن و آن را در سینہ بجوش آور

میرا دل خون کر دے اور اُس خون سے میرے سینے میں ایک تلاطم بپا کر تا کہ اگر یہ جوشِ جنوں سر میں اُبھرتا تو میں اُسے خون کے آنسوؤں کی صورت میں آنکھوں ہی سے ٹپکا سکوں۔

ھان ھمدم فرزانہ دانی رہِ ویرانہ

شمعی کہ نخواھد شد از باد خموشی، آور

لغت: ''ویرانہ'' غریب خانہ۔

اے میرے دانا ھمدم، تو میرے غریب خانے کی راہ جانتا ہے۔ جو شمع ہوا سے نہ بجھے میری کلبۂ احزاں میں لے آ۔ یعنی شراب۔

شورابۂ این وادی تلخست، اگر رادی

ازشھر بسوئی من سرچشمۂ نوش آور

لغت: ''راد'' = فیاض۔

میں جس وادی میں ہوں اس کا پانی تو تلخ ہے (اے میرے ہمدم فرزانہ!) اگر تو فیاض ہے تو شہر سے میرے لیے سرچشمۂ نوش یعنی شراب لے آ۔

دانم کہ زری داری ھرجا گذری داری

می گرندھد سلطان از بادہ فروش آور

تیرے پاس دام بھی ہیں اور تو ہر جگہ آتا جاتا بھی ہے۔ اگر بادشاہ عطا کرے فبہا،

ورنہ بادہ فروش سے لا۔

گرمغ بکدو ریزد برکف نہ و راهی شو

ور شہ بسبو بخشد بردار و بدوش آور

اگر مغ (آتش پرست) یعنی بادہ فروش تو نبے میں ڈال دے تو تو نبا ہاتھ پر رکھ اور چل دے۔اور جو بادشاہ گھڑا بھر کر عنایت کرے تو کندھے پر اُٹھا اور لے آ۔

ریحان دمداز مینا رامش چکد از قلقل

آن در رہ چشم افگن، این از پی گوش آور

مینا سے سنبل نمودار ہو رہی ہے اور قلقل صراحی سے نغمہ ابھر رہا ہے۔ریحاں کو ہماری نظر کے سامنے رکھ اور قلقل کو ہمارے کانوں میں ڈال دے۔

گاهی بسبکدستی از بادہ ز خویشم بر

گاهی بہ سیہ مستی از نغمہ بهوش آور

کبھی جلدی سے شراب پلا کر مجھے مدہوش کر دے اور پھر جب میں مدہوش ہو جاؤں تو مجھے نغمہ سنا کر ہوش میں لے آ۔

غالب کہ بقالیش باد، همپای تو گرناید

باری غزلی فردی زان موئینہ پوش آور

لغت: "ہمپا" = ہمراہ۔ "موئینہ پوش" اونی کپڑے پہننے والا۔مرزا غالب جاڑے

میں روئی دار کپڑے کی جگہ اونی یا پشمینے کا چغہ کوٹ اور ٹوپی پہنتے تھے...... "فرد" = ایک شعر
غالب اللہ اُسے سلامت رکھے، اگر تمہارے ہمراہ نہیں آتا اس پشمینہ پوش کی کوئی غزل یا ایک شعر ہی لے آ۔

❁❁❁

غزل نمبر(۹)

در گریہ از بس نازکی رخ ماندہ بر خاکش نگر

وان سینہ سودن از تپش بر خاک نمناکش نگر

یہ غزل نظیری کی زمین میں ہے اور اس میں نظیری ہی کے احساسات کا تتبع بھی کیا گیا ہے۔اس غزل میں خود معشوق کے کسی پہ عاشق ہو جانے کا تذکرہ ہے۔

دیکھ کہ وہ (معشوق) اپنی نازکی کے باعث، گریہ وزاری سے نڈھال ہو کر خاک پر منہ رکھے پڑا ہے۔اور محبت کی تڑپ اور سوز سے بیقرار ہو کر اپنا سینہ خاک سے مل رہا ہے جو اُس کے آنسوؤں سے تر ہو رہی ہے (تا کہ اُس سے سینہ کا سوز کچھ کم ہو)۔

برقی کہ جانها سوختی دل از جفا سردش ببین

شوخی کہ خون ها ریختی دست از حنا پاکش نگر

وہ برق (معشوق) جو کبھی عاشقوں کی جانوں کو جلا دیتی تھی، اُس کا دل اپنے محبوب کی جفا سے سرد پڑ گیا ہے۔ وہ شوخ جو اپنے چاہنے والوں کا خون بہایا کرتا تھا آج اُس کے ہاتھ

حنا سے عاری ہیں یہ رنگ حنا گویا حنا نہیں خونِ عشاق ہی ہوا کرتا تھا۔

آن کو بخلوت با خدا هرگز نکردی التجا
نالان به پیش هرکسی از جور افلاکش نگر

وہ جو کبھی تنہائی میں چھپ کر خدا سے بھی التجا نہیں کیا کرتا تھا اب اُس کی یہ حالت ہے کہ ہرایک کے سامنے آسمان کے جور و ستم کی شکایتیں کرتا پھرتا ہے۔
یعنی کبھی معشوق کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ خدا کے آگے بھی نہیں جھکتا تھا۔ اب وہ اپنے محبوب سے تنگ آ کر ہرایک کے سامنے اپنے دکھڑے روتا پھرتا ہے۔

تا نام غم بردی زبان، می گفت دریا درمیان
دریای خون اکنون روان از چشم سفاکش نگر

اگر زبان پر غم کا لفظ آتا تو وہ کہتا کہ سمندر درمیان میں ہے۔ اب اُس کی سفاک (خونخوار) آنکھوں سے خونیں اشکوں کا ایک سمندر بہ رہا ہے۔
یعنی کبھی غم اس کے پاس نہیں پھٹکتا تھا اب وہ خود غم میں غرق ہے۔

آن سینه کز چشم جهان مانند جان بودی نهان
اینک به پیراهن عیان از روزنِ چاکش نگر

اُس کے لطیف جسم کا وہ سینہ جو کبھی دنیا والوں کی نظروں سے یوں نہاں ہوتا تھا جیسے جان، اب دیکھو یہ سینہ اُس کے پھٹے ہوئے لباس کے چاک کے روزن سے صاف صاف دکھائی دے رہا ہے۔

برمقدم صیدافگنی گوشی بر آوازش ببین
در باز گشتِ توسنی چشمی بفتراکش نگر

لغت: ''مقدم صیدافگنی'' = صیدافگنی کے موقعے پر۔ آمد شکار پر۔ ''توسن'' = گھوڑا۔ ''فتراک'' = لوہے کا وہ حلقہ جو زین کا حصہ ہوتا ہے اور جس پر شکاری اپنے شکار کو باندھ کے لٹکا دیتے ہیں۔
دیکھ کہ اب صیدافگنی کے وقت ایک کان اُس کے آواز پر لگا ہوا ہے، گھوڑے کے مڑنے پر ایک آنکھ فتراک پر لگی ہوئی ہے۔ یعنی کبھی وہ دوسروں کو شکار کر کے انہیں فتراک میں باندھ لیا کرتا تھا اب اُس کا معشوق اُسے شکار کر رہا ہے۔

برآستانِ دیگری در شکر دربانش ببین
در کوئی از خود کمتری در رشک خاشاکش نگر

دیکھ کہ اب وہ کسی دوسرے کے آستانے پہ کھڑا، دربان کا شکر ادا کر رہا ہے اور اپنے سے ایک کم درجہ انسان کے کوچے میں اس کوچے کی خاک راہ پر رشک کرتا نظر آتا ہے۔

تا گشته خودنفرین شنو، تلخ است برلب خنده اش
زهری که پنهان می خورد پیدا از تریاکش نگر

لغت: ''نفرین'' = ضد آفرین۔ طعن و تشنیع کرنا ''تریاک'' علاج زہر۔
(کبھی وہ اپنے عاشق کو کوسا کرتا تھا اور ہنسا کرتا تھا) اب جب کہ خود اپنے محبوب سے طعن و تشنیع سننے لگا ہے اُس کے لبوں کی ہنسی بھی اس کے لیے تلخ ہو کر رہ گئی ہے۔ اب جو زہر غم وہ اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہے وہ زہر اس کے تریاک سے (یعنی تلخ ہنسی سے) ظاہر ہو رہی ہے۔

یعنی اُس کی مصنوعی اور تلخ ہنسی سے ظاہر ہے کہ اس کا دل سخت غم زدہ ہے۔

هاخوبیِ چشم و دلش، ها گرمیِ آب و گلش

چشم گهر بارش به بین، آهِ شرر ناکش نگر

لغت: ''ها'' = ایک۔ یہ لو۔ یہ دیکھو۔

دیکھو یہ اس کی چشم و دل کی رعنائی۔ یہ اس آب و گل کی گرمی۔ اس کی آنکھیں موتی برسا رہی ہیں اور آہوں سے چنگاریاں اُبھر رہی ہیں۔

خواند بامید اثر، اشعارِ غالب هر سحر

از نکته چینی در گذر، فرهنگ وا دراکش نگر

اب وہ اثر انگیزی کی امید پر ہر صبح غالب کے شعر پڑھتا ہے۔ اب اس بات پر نکتہ چینی نہ کر، اُس کی عقل و دانش کو دیکھ۔

کبھی وہ غالب کے شعر سننے کے لیے آمادہ نہیں تھا اور انہیں خاطر میں نہیں لاتا تھا۔

اب وہ اپنے محبوب کو موہ لینے کے لیے غالب ہی کے اشعار پڑھتا ہے کہ محبوب کے دل پر ضرور اثر کریں گے۔

❁❁❁

(ردیف ز)

غزل نمبر(۱)

یا رب ز جنون طرحِ غمی در نظرم ریز

صد بادیه در قالب دیوار و درم ریز

لغت: '' طرح ریختن'' طرح بنیاد کو کہتے ہیں۔ مجازاً صورت اور نمونہ۔ طرح ریختن = بنیاد رکھنا۔ حافظ کا مشہور شعر ہے:

نبود نقش دو عالم که نقش رنگ تو بود

زمانه طرح محبت نه این زمان انداخت

لفظی ترجمہ:۔

'' اے خدا میری نظر میں جنونِ غم کی بنیاد رکھ دے۔ میرے در و دیوار کے قالب میں سینکڑوں بیاباں ڈال دے۔''

میرے غمِ عشق میں جنوں کی ایسی کیفیت پیدا کر دے کہ مجھے اپنے گھر کے در و دیوار بیاباں نظر آئیں۔

از مهر جهان تاب اُمید نظرم نیست

این تشت پُر از آتشِ سوزان بسرم ریز

مہر جہاں تاب کو دہکتی ہوئی آگ سے بھرے ہوئے تھال سے تشبیہ دی ہے۔ اس دنیا کو روشن کرنے والا سورج سے مجھے مہربانی کی نظر کی امید نہیں، اس جلا دینے والی آگ کے بھرے

ہوئے تھال کو میرے سر پر گرا دے۔

سورج نکلتا ہے تو آنکھوں میں روشنی آتی ہے لیکن ایک غمزدہ انسان کے لیے جو غم کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہو سورج سے سوائے تمازت اور آگ کے کیا میسر آ سکتا ہے۔

دل را ز غم گریۂ بی رنگ بجوش آر

اجزای جگر حل کن و در چشم ترم ریز

لغت: ''گریۂ بے رنگ'' = ایسی اشک ریزی جس میں خون کی آمیزش نہ ہو، بے دلی کے ساتھ رونا۔ آنسو بے رنگ ہو کر رہ گئے ہیں، دل پر ایک بے دلی کا عالم طاری ہے اور مجھے اس کا غم ہے۔ اس غم سے میرے دل میں ایک تڑپ پیدا کر اور میرے جگر کے اجزا کو حل کر کے میری نمناک آنکھوں میں ڈال دے تا کہ خون کا ایک سیلاب آنکھوں سے بہ نکلے اور یہ بیدلی دور ہو۔

ہر برق کہ نظارہ گداز است نهادش

بگداز و بہ پیمانۂ ذوقِ نظرم ریز

''ہر ایسی برق کہ جس کی طینت (نہاد) نظارے کو گداز کر دیتی ہو، لا اور اُسے پگھلا کر میرے ذوق نظر کے پیمانے میں ڈال دے''۔

یعنی میرا ذوق نظر اتنا کر دے کہ بجلیوں کے نظارے کی تاب لانا تو درکنار، اُن بجلیوں کی تجلی اور گداز میری آنکھوں کا جز بن جائے۔

سرمست می لذتِ دردم، بخرام آر

این شیشۂ دل بشکن و در رهگذرم ریز

میں تیرے دردِ عشق کی لذت میں سرشار ہوں، اس سرشاری کے عالم میں مجھے رقص میں لا اور میرا شیشۂ دل توڑ کر اُس کے ریزے میرے راستے میں بکھیر دے تا کہ میرے پاؤں زخمی ہوں اور میری لذت میں اور بھی اضافہ ہو۔

ہر خون کہ عبث گرم شود در دلم افگن

ہر برق کہ بی صرف جهد بر اثرم ریز

جو خون یونہی گرم ہو جائے قلب میں ڈال دے اور جو برق بے فائدہ لپک اٹھتی ہو اُسے مجھ پر گرا دے۔

ہر جا نمِ آبی است بمژگانِ ترم بخش

از قلزم و جیجون کفِ خاکی بسرم ریز

لغت: ''قلزم'' ایک خاص سمندر یعنی بحیرۂ قلزم ہے لیکن یہاں عام بحر مراد ہے۔ اسی طرح جیجوں خراسان کا مشہور دریا ہے اور یہاں عام دریا کے مفہوم میں آیا ہے۔

جہاں کہیں پانی کا کوئی قطرہ ہو وہ میری مژگان تر کی نذر کر دے۔ اور قلزم و جیجوں کو کفِ خاک بنا کر میرے سر پر ڈال دے۔

یعنی دنیا کے دریا اور سمندر کا سارا پانی مجھے آنسو بہانے کے لیے عنایت فرما اور جب سمندر اور دریا خشک ہو جائیں تو اُن کی مٹی سر پر ڈال دے۔

از شیشۂ گر آئین نتوان بست شمم را

باری گل پیمانہ بجیب سحرم ریز

لغت: ''آئیں بستن'' = آراستہ کرنا۔ ''شیشہ'' = صراحی ئے۔

اگر میری رات صراحی مے سے آراستہ نہیں ہو سکتی تو کم از کم جام شراب کی ٹھیکری ہی میری صبح کی جیب میں ڈال دے۔

یعنی اگر رات کو عیش میسر نہیں تھا تو صبح کا آغاز ہی اچھا ہو۔

گیرم کہ بافشاندن الماس نیرزم
مشتی نمک سودہ بہ زخم جگرم ریز

میں نے مانا کہ میں نا قابل نہیں ہوں کہ میرے زخموں پر الماس پاشی کی جائے۔ مٹھی بھر پسا ہوا نمک ہی میرے زخم جگر پر ڈال دے۔

این سوز طبیعی نگدازد نفسم را
صد شعلہ بیفشار و بہ مغز شررم ریز

زندگی کی اس فطری حرارت سے تو میرے سانس کو گداز نصیب نہیں ہو سکتا۔ تو بھڑکتے ہوئے شعلے لے کر انہیں بھینچ اور اُن کا آتشیں شیرہ، میری ان چنگاریوں کے مغز میں ڈال دے۔

مسکین خبر از لذت آزار ندارد
خارم کن و در رهگذر چارہ گرم ریز

میرے چارہ گر بے چارے کو کیا خبر کہ دکھ اٹھانے میں کیا لذت ہوتی ہے۔ مجھے کانٹا بنا دے اور اس چارہ گر کی رہ میں ڈال دے (تا کہ یہ کانٹا اس کے پاؤں میں چبھے اور اُسے درد محسوس ہو)۔

وجھی کہ بہ پا مزد توان داد، ندارم
آبم کن و اندر قدمِ نامہ برم ریز

لغت: ''وجہ'' = رقم

نامہ بر کو اُس کے پاؤں کی محنت کی مزدوری دینے کے لیے میرے پاس کوئی رقم نہیں۔ مجھے اس شرمساری سے پانی پانی کر دے تا کہ میں یہی پانی نامہ بر کے قدموں پر ڈال سکوں۔

دارم سرِ ھمطرحی غالب چہ جنون است
یا رب ز جنون طرحِ غمی در نظرم ریز

غالب کی ہم طرحی کا ارادہ کر رہا ہوں۔ یہ کیا جنون ہے؟ اے خدا جوشِ جنوں سے میری نگاہوں میں غم کی طرح ڈال دے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۲)

ای شوق، بما، عربدہ بسیار میاموز
ابرام بدریوزۂ دیدار میاموز

لغت: ''عربدہ'' = جھگڑا، تقاضا۔ ''ابرام'' = اصرار۔

اے شوق ہمیں زیادہ جھگڑا کرنے کا طریق نہ سکھا۔ ہم میں معشوق کے دیدار کو طلب کرنے کی عادت نہ ڈال۔

از نغمۂ مطرب نتوان لخت دل افشاند

ای نالہ پریشان رو و ھنجار میاموز

لغت: ''ہنجار'' =طور طریقہ، ادب اداب۔

نغمۂ مطرب کو سن کر ہم میں وہ بے تابی اور وحشت پیدا نہیں ہوسکتی کہ ہمارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے اور ہم اُن لخت ہائے دل کو اِدھر اُدھر بکھیر دیں۔ اے میری فریاد! آداب فریاد کو چھوڑ دو اور پریشان ہو کر فضا میں گونج اٹھو۔

گویا نغمہ بھی ایک طرح کی فریاد ہے جو ضبط و نظم میں ہوتی ہے۔ جنونِ عشق کے اظہار کے کے لیے ایسی باضابطہ آواز نا کافی ہے اس کے لیے تو بے پناہ والہانہ فریاد کی ضرورت ہے۔

صورت کدہ شد کلبۂ من سر بسر ای چشم

انگیختن نقش ز دیوار میاموز

میرا غریب خانہ سرتاپا تصویر خانہ بن گیا۔ اے آنکھ! اب دیوار سے (محبوب کے) نقش اُبھارنا چھوڑ دے یعنی عاشق، معشوق کے تصور میں دیوار پر نظر ڈالتا تھا تو اُس کی تصویر اُبھر آتی تھی۔ اور اب یہ عالم ہے کہ سارا گھر ہی معشوق کے تصور سے تصویر خانہ بن چکا ہے۔

ھمت زدم تیشہ فرھاد طلب کن

مجنون مشو و مردن دشوار میاموز

فرہاد سے ہمت طلب کر کہ اُس نے تیشہ سر پر مار کر ایک آن میں جان دے دی۔ تو مجنوں کیوں بنتا ہے سخت جانی سے جان دینا کیوں سیکھ رہا ہے۔ (موت کو کٹھن بنانا نہ سیکھ)۔

ای غمزہ ز ھم طرحیِ نخچیر چہ خیزد

رم شیوۂ آھو است بہ دلدار میاموز

لغت: ''غمزہ'' آنکھوں کے وہ اشارے جو بقول شاعر ڈرتے ہوئے شکار کی طرح عاشق سے بھاگ رہے ہیں۔ ''ہم طرحی'' = ہم شیوہ ہونا۔

چنانچہ معشوق کے غمزوں کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ شکار کا سا طور طریقہ اختیار کرنے سے کیا حاصل؟ انسانوں سے بھاگنا تو ہرن کا شیوہ ہے، یہ شیوہ معشوق کو کیوں سکھا رہا ہے۔

منگر بسوی نعش من و لب مگز از ناز

جان دادنِ بی ھودہ باغیار میا موز

لغت: ''جان دادن بے ہودہ'' = رائگان جان دے دینا۔

میری نعش کی طرف مت دیکھ اور دیکھ کر ناز سے اپنے لب نہ کاٹ۔ تیرا یہ انداز دیکھ کر رقیب میری طرح مفت جان دینے پر آمادہ ہو جائیں گے اُنہیں یہ طریقہ مت سکھا۔ (وہ اس بات کا اہل نہیں ہے یہ بات عاشق ہی کر سکتا ہے)۔

با غنچہ مگر دان ورقِ بحثِ شگفتن

برداشتن پردہ ز رخسار میاموز

غنچہ کھلنے لگتا ہے۔ تو اس کی پتیاں کھلنے لگتی ہیں گویا اس کے چہرے سے نقاب سرک جاتا ہے، معشوق کے چہرے سے نقاب اُٹھانا ایسا ہی عمل ہے۔ چنانچہ کہتا ہے کہ کلی کے ساتھ شگفتہ ہونے کی بحث میں پڑ کر ورق گردانی نہ کر۔ اپنے چہرے سے نقاب الٹنے کا سبق نہ سیکھ۔ غنچے کی طرح تو نے بھی چہرے سے حجاب اٹھا دیا تو ستم ہو جائے گا۔

طوطی شکرش طعمہ و بلبل جگرش قوت

جان تازہ کن از نالہ و گفتار میاموز

طوطی میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے جسے شاعر نے دوسرے مصرعے میں گفتار کہا ہے۔ بلبل فریاد کرتی ہے اُس کے لیے "نالہ" لفظ لایا ہے۔

لغت: "قوت" = خوراک۔ پہلے مصرعے کی ساخت یوں ہے۔ طعمۂ طوطی شکر است و قوتِ بلبل جگر، یعنی طوطی میٹھی بات کرتا ہے گویا مٹھاس کھاتا ہے۔ بلبل فریاد کرتی ہے گویا اپنا خون جگر پیتی ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ دیکھ طوطی کی شیریں گفتاری، شکر خوری کی مرادف ہے اور بلبل کی فریاد جگر خوری کی طرح ہے۔ تو نالہ و فریاد سے اپنے میں ایک تازہ جان پیدا کر، طوطی کی شیریں بیانی (گفتار) نہ سیکھ۔

از ذوقِ میانِ تو شدن سر بسر آغوش

بی مہر! فن ماست، بہ زنار میاموز

لغت: "زنار" وہ دھاگا جو ہندو لوگ بدن کے گرد باندھ لیتے ہے۔ جنیو۔

کہتا ہے تیری کمر سے لپٹنے کے شوق میں ہم سر بسر آغوش بن جاتے ہیں۔ یہ ہمارا شیوہ بلکہ فن ہے۔ یہ شیوہ تو زنار کو کیوں سکھا رہا ہے۔ یعنی زنار لپیٹنے کی بجائے ہم سے لپٹ جا کہ ہمارے دل میں جذبہ شوق ہے۔ زنار بے جان شے ہے اُسے ہم آغوشی کا کیا لطف آئیگا۔

بلبل ز خراشِ رخِ گلبرگ بیندیش

شغلِ نگہِ شوق بہ منقار میاموز

بلبل بے تابیِ محبت میں پھول کی پتی پر چونچ مارتی ہے، شاعر کہتا ہے اے بلبل ڈر کہیں پھول کی پتی پہ خراش نہ آجائے۔ پھول کو پیار سے دیکھتی جا۔ یہ نگاہِ شوق کا مشغلہ اپنی چونچ کو مت سکھا۔

غالب ہلہ کردار گزاران بہ کمین اند

گفتم بتو آزادہ رو و کار میاموز

لغت: "کردارگزار" = اعمال صالحہ کی نمائش کرنے والا۔

غالب ہشیار! اعمال کی نمائش کرنے والے تیری گھات میں ہیں کہیں اُن کے نرغے میں نہ آجانا۔ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ آزاد منش انسان کے طرح زندگی کی رہ سے گزر جا اور یہ کارگزاریاں نہ سیکھ۔

بارہا گفتم و از گفتۂ خود دلشادم

بندہ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم   حافظ

❀❀❀

غزل نمبر (۳)

خون قطرہ قطرہ می چکد از چشم تر ہنوز

نکستہ ایم بخیۂ زخمِ جگر ہنوز

ابھی ہم نے اپنے زخم جگر کے ٹانکے (بخیہ) نہیں کھولے۔ ابھی تو ہماری آنکھوں سے خون، قطرہ قطرہ بہ رہا ہے (جب ان میں خون جگر کھل کر بہے گا تو گویا سیلاب خون بہے گا)۔

با آنکہ خاک شد بسر راہِ انتظار

پر می زند نفس بھوای اثر ھنوز

باوجود اس کے کہ ہمارا سانس انتظارِ محبوب کی راہ میں خاک ہو چکا ہے پھر بھی یہ اثر انگیزی کی امید میں کوشاں ہے (پر می زند)۔

تا خود پس از رسیدن قاصد چہ رو دھد

خوش می کنم دلی بامیدِ خبر ھنوز

ابھی تو میں محبوب کی طرف سے کوئی خبر آنے کی امید میں دل خوش کر رہا ہوں۔ نہ جانے قاصد کے آجانے کے بعد کیا ہوگا۔

بختم ز بزم عیش بہ غربت فگند و من

ستم چنانکہ پانشناسم ز سر ھنوز

میری بدنصیبی نے مجھے بزم عیش سے اٹھا کر پردیس کی کٹھن راہ پر ڈال دیا ہے پھر بھی میری مستی کا یہ عالم ہے کہ سر اور پاؤں میں فرق نہیں کر سکتا۔

یعنی راہ چلتے چلتے اب سر کے بل چل رہا ہوں۔

مستانہ طے کرے ہوں رہِ وادیِ خیال

دیدار جُوست دیدہ و دارد خجل مرا

از جوشِ دل نہ بستن راہِ نظر ھنوز

ایک طرف میرے دل میں جوشِ محبت کا یہ عالم ہے کہ راہِ نظر بند کرلوں یعنی آنکھیں بند

کرلوں اور اس کے تصور ہی میں کھویا رہوں۔ لیکن ابھی تک مجھ سے یہ گوارہ نہیں ہو سکا جس کے باعث میں شرمندہ ہوں۔ دوسری طرف، آنکھیں اس کے دیکھنے کے لیے بھی بے تاب ہیں۔

یعنی آنکھیں اور دل دونوں باہم رقیب ہیں۔

باہمدگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب

شد روز رستخیز و بیاد شب وصال

محوم ھمان بلذت بیم سحر ھنوز

قیامت کا دن آپہنچا اور میں ابھی تک شب وصال کی یاد میں صبح کے طلوع ہونے کے خوف کی کیفیت میں کھویا ہوا ہوں۔

ای سنگ بر تو دعوئ طاقت مسلم است

خود را ندیدۂ بکفِ شیشہ گر ھنوز

اے پتھر تیری طاقت کا دعویٰ ابھی تک مسلم ہے اس لیے کہ تو نے اپنے آپ کو ابھی تک شیشہ گر کے ہاتھ میں نہیں دیکھا (جو پتھر کو پگھلا کر شیشہ بنالیتے ہیں)۔

پرویزن است تارگم از زخم خارپا

از سر برون نرفتہ ھوای سفر ھنوز

لغت: ''پرویزن''=غربال۔

میرے پاؤں میں چبھنے والے کانٹوں نے میری رگوں کو چھلنی کر رکھا ہے، اس لیے سر سے سفر (یعنی صحرانوردی) کا سودا نہیں جاتا۔

یعنی محبت کی خلش مسلسل چلی جارہی اور پیہم بیقرار رکھتی ہے۔

بلبل سزد ز غیرت پروانہ سوختن

رنگین بہ شعلہ نیست ترا بال و پر ہنوز

بلبل پھول پہ عاشق ہے اس کے گرد گھوم کر فریاد کرتی ہے۔لیکن پروانے کی طرح جو شمع پر عاشق ہے، آتش حسن کے شعلوں پر گر کر جل نہیں جاتی۔گویا شاعر کے نزدیک اس کا عشق بھی ابھی خام ہے۔چنانچہ کہتا ہے:

بلبل! تجھے پروانے کو دیکھ کر غیرت آنی چاہیے کہ (عاشق ہوئے بھی) ابھی (پروانے کی طرح) تیرے بال و پر شعلوں سے رنگین نہیں ہوئے۔

پروانے کا شعلے سے جل جانا گویا اس کے بال و پر رنگیں بناتا ہے جو بلبل کو نصیب نہیں۔وہ تو پھولوں میں چہچہاتی ہے۔

غالب نگشتہ خاک براہت، تو وخدا

گردی است پر فشان بستر رہگذر ہنوز

لغت: "پرفشان" = پھڑ پھڑانا۔پھڑ اپھڑانے کی حالت میں۔

"تو وخدا" محاورہ ہے، تجھے اللہ کی قسم۔تو ہی بتادے یہ حالت کیوں ہے۔

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ غالب ابھی تیری راہ وفا میں خاک ہو کر نہیں پڑا ہے۔دیکھ ابھی تو رہگذر میں ایک غبار ادھر اُدھر پریشانی کے عالم میں اُڑتا چلا جا رہا ہے۔

کسی کی محبت میں جان دے دینا اور پھر غبارہ رہ بن کر پریشان گھومنا اور بات ہے۔لیکن ابھی وہ مقام دور ہے جب یہی غبار بیٹھ جائے اور جس کے لیے جان دی ہے اس کی راہ کی خاک بن جائے تا کہ وہ اس پر سے گزر سکے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۴)

یقین عشق کن و از سر گمان بر خیز

بہ آشتی بنشین یا بہ امتحان بر خیز

لغت: "از سرِ گمان برخاستن" = شک و شبہ کو چھوڑ دے۔

ہمارے دعوائے عشق کا اعتبار کر لے اور اس بارے میں تمام شبہات کو چھوڑ دے۔یا تو پیار اور محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر ہمارے پاس بیٹھ جا یا پھر ہمارے جذبۂ وفاداری کو آزمانے کا اہتمام کر لے (یہ گومگو حالت ٹھیک نہیں)۔

گل از تراوش شبنم بہ تست چشمک زن

ز رخت خواب بلبہای می چکان بر خیز

لغت: "رخت خواب" = بستر خواب۔

صبح کا وقت ہے پھول پر شبنم کے قطرے پڑے ہیں اور چمک رہے ہیں اور وہ اپنے شبنمی حسن پر ناز کرتا ہوا چشمک زنی کر رہا ہے۔شاعر اپنے معشوق سے کہتا ہے کہ تو بھی اپنے بستر خواب سے اٹھ اور اپنے لبوں کو رعنائی سے جن سے مستی (شراب) ٹپک رہی ہے، پھول کے اس غرور حسن کو توڑ دے۔

محبوب کے مستی بھرے لب، شبنم زدہ پھول سے کہیں زیادہ حسین و دل آویز ہیں۔

بہ بزمِ غیر چہ جوئی لب کرشمہ ستای

بدور باش تقاضای الامان برخیز

لغت: "کرشمہ ستا" = ناز و انداز کی تعریف کرنے والا۔اُس کی داد دینے والا۔

''دور باش''، لفظی معنی ہیں'' دور رہ'' ایسے آلہ کو بھی کہتے ہیں جس سے کسی شاہی
جلوس وغیرہ میں عام لوگوں کے ہجوم کو گزرگاہ سے دور رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہاں
''دور باش'' احتیاط برتنے اور بچنے کے لئے آیا ہے۔

رقیب کی محفل میں محبوب کے حسن کی ستائش کون کرے گا وہاں تو اُس کی تاب
لانے والا ہی کوئی نہیں۔ وہ تو اُسے دیکھتے ہی ''الاماں'' کا نعرہ لگاتے ہیں۔

معشوق سے خطاب کرکے کہتا ہے کہ محفل رقیب میں اپنے حسن کی داد دینے والے کو کیا
تلاش کر رہا ہے۔ وہاں تو الاماں! الامان! کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں اُن کا تقاضا یہی ہے کہ تو
وہاں سے اٹھ کر آ جائے۔

چرا بہ سنگ و گیا پیچی ای زبانۂ طور
ز راہ دیدہ بدل در رو و زجان بر خیز

لغت: ''زبانۂ طور'' = شعلۂ طور۔ وہ آگ یا جلوۂ خدا جو حضرت موسیٰ کو طور پر چمکتا
نظر آیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اُس آگ سے کوہ طور جل گیا تھا۔ ''سنگ و گیا'' پتھر اور گھاس جن سے
پہاڑ کی ساخت ہوتی ہے۔

جلوۂ خدا کا صحیح مظہر، انسان کا دل ہے پہاڑ نہیں۔ چنانچہ کہتا ہے:
اے شعلۂ طور تو پتھروں اور گھاس پھوس سے کیا الجھتا ہے ہماری آنکھوں کی راہ سے
دل میں اتر جا اور روح میں سما کر ابھر آ۔

تو دو دی ای گلہ کام وزبان نہ درخورِ تست
بدل فرو شو واز مغز استخوان برخیز

لغت: ''کام وزبان'' = حلق وزبان۔

گلہ وشکوہ ایک آتشیں شے ہے، اس کا زبان پر آنے کا کیا کام۔ اس کے لیے تو
مناسب یہی ہے کہ شکایت ہو تو دل میں ڈوب جائے اور مغزِ استخوان سے اُبھرے۔

گر از کشاکش جا رفتۂ، خودی باقی است
بذوق آنکہ نباشی، ازین میان برخیز

لغت: ''ازین میان برخیز'' = ان چیزوں سے بالاتر ہو جا۔ انہیں ترک کردے۔

اگرچہ تو کشاکش مکان (جا) سے آگے نکل گیا ہے پھر بھی تجھ میں خودی کی رمق باقی
ہے۔ نیست کی لذت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو ان ظاہری امتیازات سے بھی بے نیاز ہو جا۔

یعنی ترک مکان یا ترک علائق مادی سے مقام نیست میسر نہیں آتا۔ نیست کا مقام
تو یہ ہے کہ ان مادی علائق کا تصور بھی ذہن میں نہ آنے پائے۔

فناست آنکہ بدان کین ز روزگار کشی
غبار گرد و ازین تیرہ خاکدان بر خیز

فنا اس کا نام ہے کہ تو زمانے سے برسرِ پرخاش رہے۔ سرتاپا غبار بن کر اس
خاکدان سے اٹھ جا۔

رقیب یافتہ تقریب رخ بہ پا سودن
ترا کہ گفت کہ از بزم سرگران برخیز

تجھے کس نے کہا تھا کہ بزم سے یوں سرگراں ہو کر اٹھ۔ دیکھ کہ تیرے ایسا کرنے

سے رقیب کو جبہہ سائی کا موقع نصیب ہوا۔ بزم سے کوئی بگڑ کر جانے لگے تو میزبان کو منت سماجت کرنی پڑتی ہے۔ یہاں بزم میں رقیب محبوب کے جانے پر خوشامد کا موقع ملا ہے جسے عاشق برداشت نہیں کرسکتا۔

عیادت است نہ پرخاش، تند خوئی چیست

بیاو غم زدہ بنشین و لب گزان برخیز

لغت: ''لب گزان'' = لب کاٹنے کی حالت میں۔ دکھ درد میں۔

تو میری عیادت کے لیے آیا ہے، دشمنی کے اظہار کے لیے نہیں آیا پھر تند خوئی کیسی؟ اور غمزدہ ہو کر بیٹھ اور جانے لگے تو انتہائی رنج والم کے عالم میں (لب کاٹتے ہوئے) جا۔

سبو چہ دھمت ھر سحر زمی غالب

خدای را ز سر کوچۂ مغان بر خیرز

لغت: خدائے را۔ راقسمیہ ہے = خدا کی قسم۔

اے غالب! خدا کے لیے کوچہ مغان سے اٹھ جا۔ آ میں ہر صبح تجھے شراب کا ایک چھوٹا سبو دوں گا۔

❀❀❀

غزل نمبر (۵)

باھمہ گم گشتگی خالی بود جایم ھنوز

گاہ گاھی در خیالِ خویش می آیم ھنوز

لغت: ''گم گشتگی'' = کھوئے جانے کی حالت۔ عالم بیخودی۔

عالم بے خودی کے باوجود ابھی میری جگہ یہاں خالی پڑی ہے کبھی کبھی اپنے آپ میں آجاتا ہوں۔

ترک خودی میں اس بات کا احساس بھی ہونا کہ میں نے اپنے آپ کو کھودیا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ میری بے خودی کی تکمیل نہیں ہوئی۔

مرزا صاحب کا یہ شعر دیکھیے۔ ذرا دقیق ہے لیکن اسی کیفیت کو ادا کرتا ہے۔

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز

چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

تاسر خار کدامین دشت درجان می خلد

کز ھجوم شوق می خارد کف پایم ھنوز

(خدا جانے!) یہ کون سے بیابان کے کانٹے کی نوک پاؤں میں چبھتی چلی جارہی ہے کہ میرے پاؤں کے تلوے ہجوم شوق سے کھجلا رہے ہیں۔ رہ عشق میں فرط شوق کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

خشک شد چندانکہ می جز و بدن شد شیشہ را

ھمچنان گوئی در انگور است صھبایم ھنوز

شراب اتنی خشک ہوگئی کہ صراحی کا جزو بدن بن کر رہ گئی۔ گویا میرے حصے کی شراب ابھی خوشۂ انگور ہی ہے، وہاں سے ٹپک کر صراحی میں نہیں آئی۔

حرماں نصیبی کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ کہتا ہے کہ صراحی سے تو کوئی قطرہ ہمارے نصیب میں نہیں تھا شاید ہمارا کچھ حصہ انگوروں میں کہیں پڑا ہو۔

بعد مردن مشتِ خاکم در نوردِ صرصر است
بیقراری می زند موج از سراپا یم هنوز

لغت: ''بیقراری موج می زند'' = بیقراری کا ایک طوفان امڈ آیا ہے۔

میرے مرنے کے بعد میری مشتِ خاک تند جھونکوں (صرصر) کی لپیٹ میں آگئی۔ موت کے بعد بھی میری بے قراری کا یہ عالم ہے۔

تازہ دور اُفتادهٔ طرفِ بساطِ عشرتم
می توان افشرد می از لای پالایم هنوز

لغت: ''تازہ دور افتادہ'' = جو ابھی ابھی دور جا پڑا ہو۔ بزم سے تازہ تازہ باہر نکلا ہوا۔

میں ابھی ابھی بزم نشاط سے باہر نکل کر آیا ہوں۔ میرے جام کی تہ میں جو تلچھٹ ہے اس سے شراب صاف نچوڑی جا سکتی ہے۔ اس سے دو مفہوم اُبھرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس جام کو ابھی ابھی چھوڑا ہے اس میں تلچھٹ خشک نہیں ہوئی۔ شراب الگ ہو سکے گی دوسرے یہ کہ پینے والے کے شوق مے نوشی نے، درد کو شراب کا رنگ دے دیا ہے۔

چشمم از جوشِ نگہ، خون گشت واز مژگان چکید
همچنان در حلقهٔ دام تماشایم هنوز

میرا شوق دید دیکھو کہ میری آنکھوں میں جوش دیدار سے میری نظریں خون ہو کر مژگان سے ٹپک پڑیں اور میں ابھی تک اسی طرح دامِ نظارہ میں اسیر ہو کر پڑا ہوں۔

مرزا کا یہ شعر اسی جذبے کی ترجمانی کرتا ہے۔

دمیدِ دانه و بالید و آشیان گہ شد
در انتظار هما دام چیدنم بنگر

صد قیامت در نوردِ هر نفس خون گشته است
من ز خامی در فشارِ بیمِ فردایم هنوز

قیامت کے روز نظامِ روز و شب درہم برہم ہو جائے گا اور آج اور کل (امروز و فردا) کا امتیاز یکسر جاتا رہے گا۔

فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا
کل تم گئے ہم پہ قیامت گزر گئی (غالب)

شاعر کہتا ہے کہ یہاں تو زندگی کے ہر سانس میں سو قیامتیں خون ہو کر رہ گئیں اور میری خامی دیکھو کہ میں ابھی تک کل کے خوف کی گھٹن میں پڑا ہوں۔

مرزا نے انسانی زندگی کے ہر لمحے کو ایک قیامت کہا ہے۔ جب زندگی کے کٹھن ہنگاموں کا یہ عالم ہو تو پھر فردائے قیامت کے انتظار کے کیا معنی۔

تا کجا یارب فروشست اشکِ من ظلمت ز خاک
لاله بی داغ از زمین روید بصحرام هنوز

اے خدا میرے آنسوؤں کے طوفان نے زمین کی کدورتوں (ظلمتوں) کو کتنا دھو

ڈالا ہے کہ اب زمین سے جو لالہ کا پھول اُگتا ہے کہ اس میں سیاہ داغ بھی نہیں ہوتا۔

اس میں ایک لطیف پہلو یہ بھی ہے کہ لالۂ بے داغ یکسر سرخ ہے گویا وہ سرتاپا خون میں ڈوب کر نکلا ہے جو میرے خونیں آنسوؤں کا نتیجہ ہے۔

باتغافل بر نیاید طاقتم، لیک از ھوس

در تمنای نگاہِ بی محابایم ھنوز

محبوب کی نگاہ تغافل آمیز ہی سے نپٹنے کا یارا نہیں ہے لیکن ہوس کا عالم دیکھو کہ ابھی تک اُس کی بے دھڑک نگاہوں کی تمنا لیے ہوئے ہوں۔

ھمرھان در منزل آرامیدہ و غالب ز ضعف

پابرون نا رفتہ از نقش کفِ پایم ہنوز

میرے ہمراہ چلنے والے تو منزل پر پہنچ کر آرام کر رہے ہیں اور غالب! میرا پاؤں ضعف کی وجہ سے ابھی نقش سے الگ نہیں ہوا (باہر نہیں آیا)۔

لوگ منزل پر پہنچ گئے اور میں نے ابھی پہلا قدم بھی نہیں اٹھایا۔

نقشِ پا جن کے سہارے آگے بڑھنا تھا انہیں پر پاؤں دھرے کھڑا راستے کو دیکھتا ہوا رہ گیا ہوں۔

ردیف (س)

غزل نمبر(۱)

داغ تلخ گویانم لذتِ سم از من پرس

محوِ تند خویانم حیرتِ رم از من پرس

لغت: ''تلخ گویان'' = تلخ باتیں کرنے والے۔ جن کی تلخ باتوں میں زہر کی سی لذت ہے۔

''تندخویان'' = تندمزاج محبوب۔

عام طور پر تلخ گوئی سے لوگ گھبرا جاتے ہیں لیکن مرزا غالب کو اس کی زہریلی تلخی میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ لوگ تندخوئی سے بھاگتے ہیں لیکن مرزا صاحب اس میں اتنے محو ہو گئے ہیں گویا خود سرتاپا عالم رمیدگی بن کر رہ گئے۔ کہتے ہیں کہ میں معشوق کی تلخ گوئی کا مارا ہوا ہوں اُس کے زہریلے پن کی لذت پوچھنی ہو تو مجھ سے پوچھو۔

میں معشوقوں کی تندخوئی میں یوں محو ہوں کہ جیسے حیرت کا ایک مجسمہ ہو۔

موجی از شرابستم، لختی از کبابستم

شور من ھم از من جو، سوز من ھم از من پرس

میرا وجود خود شراب کی ایک لہر اور کباب کا ٹکڑا ہے۔ مجھے دیکھو کہ جوش شراب کیا ہوتا ہے اور مجھ سے پوچھو کہ مجھ میں سوز محبت کا کیا عالم ہے۔

نیست باغنودن ہر برگ پرکشودن ہا

از عدم برون آمد، سعیِ از من پرس

لغت: "غنودن" = اونگھنا "برگ" = سازوسامان۔

شاعر نے عدم کی حالت کو غنودگی سے تعبیر کیا ہے اور عالم غنودگی میں زندگی کی حرکات بے کار ہو کر رہ جاتی ہیں؛ اس حال میں زندگی کو اپنے بال و پر کھولنے کا کوئی سامان میسر نہیں آتا۔ گویا یہ انسان ہی کی کوشش کا کارنامہ ہے کہ وہ عدم سے عالم وجود میں آیا تا کہ زندگی کی تمام پوشیدہ استعدادوں اور قوتوں کو بروئے کار لا سکے۔ وہ عدم میں ایسا تھا جیسے کوئی اونگھ رہا ہو۔

بے حد خوبصورت شعر ہے۔ انسانی زندگی کے بارے میں بہترین افکار کا حامل ہے۔

نفس چون زبون گردد دیو را بفرمان گیر

محرمِ سلیمانم نقشِ خاتم از من پرس

اس شعر میں صنعت تلمیح ہے یعنی حضرت سلیمانؑ اور اُن کی انگوٹھی (خاتم) کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے وہ دیو کو قابو کر لیتے تھے اور اس سے جو کام چاہتے تھے لیتے تھے۔

شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ انسان کی اپنی ذات ہی خاتم سلیمانی کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ اپنے نفس سرکش کو قابو میں لا سکتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے۔

نفس اگر سرکش ہو جائے تو دیو کو حکم دے کہ وہ تیرے فرمان کو بجا لائے مجھ سے پوچھو کہ خاتم سلیمانی کی حقیقت کیا ہے میں سلیمان کا راز دار ہوں۔

ای کہ در دل آزاری بیش را کم انگاری

در شمارِ غم خواری بیشی کم از من پرس

اگر معشوق کی دل آزاریوں کو زیادہ ہونے کے باوجود کم سمجھتا ہے تو عاشق، معشوق کی غم خواریوں کو جو بے حد کم ہیں، بہت زیادہ تصور کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ تو اتنی دل آزاریوں کے بعد یہ خیال کرتا ہے کہ یہ کم ہیں تو ادھر دیکھ کہ میں تیری تھوڑی سی غمخواریوں کو بہت زیادہ سمجھتا ہوں۔

بوسہ از لبانم دہ، عمرِ خضر از من خواہ

جامِ می بہ پیشم نہ، عشرت جم از من پرس

حضرت خضر کی درازیِ عمر اور جمشید کی بزم عشرت ضرب المثال ہے۔ شاعر کہتا ہے:

اپنے لبوں کا ایک بوسہ عنایت کر اور دیکھ کہ یہ ایک بوسہ میرے لیے عمر خضر مل جانے کے مترادف ہے میرے سامنے جامِ مے لا کر رکھ دے اور پھر مجھ سے پوچھ عشرت جمشید کیا شے ہے؟

تیغ غمزہ با اغیار آنچہ کرد میدانی

خنجر تغافل را تیزیِ دم از من پرس

تجھے معلوم ہے کہ تیری تیغ غمزہ نے رقیبوں کا کیا حال کیا ہے (تو نے ہم سے تو تغافل برتا)۔ اس خنجر تغافل کے دھار کی تیزی کا عالم ہم سے پوچھ کہ اس سے ہم پہ کیا گزری۔

رقیب بوالہوس پر معشوق کے ناز و انداز کا بھی اثر نہیں ہوتا اور سچا عاشق تو نگاہ تغافل شعار بھی شہید ہو جاتا ہے امیر خسرو نے کیا خوب کہا:

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

سرِ دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

خلد را نھادم من، لطفِ کوثر از من جوی

کعبہ را سوادم من شور زمزم از من پرس

لغت: ''خلد را نهادم'' اور کعبہ را سوادم'' = دونوں جگہ ''را'' اضافی ہے یعنی اضافت کے لیے آیا ہے۔ یعنی نثر یوں ہوگی۔ من نہاد خلدام (ہستم) اور من سواد کعبہ ام (ہستم)

میرا وجود خود بہشت ہے۔ مجھ سے کوثر کی لذتیں حاصل کر۔ میری ذات خود کعبہ ہے مجھ سے پوچھ کہ آب زمزم کیا شے ہے۔

وردِ من بود غالب یا علی بو طالب
نیست بخل با طالب اسم اعظم از من پرس

غالب، میں علی بن ابو طالب کے نام کا ورد کرنے والا ہوں۔ یہی ورد اسم اعظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس سے طالب کی ہر خواہش پوری ہو جاتی ہے اور خواہشیں پوری کرنے والا کبھی بخل سے کام نہیں لیتا۔

❁❁❁

غزل نمبر (۲)

کاشانہ نشین، عشوہ گری راچہ کند کس
بی فتنہ سرِ رہگذری را چہ کند کس

لغت: ''کاشانہ نشین'' = خانہ نشین، پردہ نشین۔

ایک ایسے محبوب کا جو پردہ میں رہ کر اپنی عشوہ گریاں دکھا رہا ہے کوئی کیا کرے، اُس رہگذر کا کیا فائدہ جس میں کسی کے جلوۂ حسن کی فتنہ انگیزیاں بروئے کار نہیں آتیں۔

بگداخت دل از نالہ مگر انجمہ بس نیست
بیہودہ امید اثری را چہ کند کس

کیا یہی کافی نہیں کہ دل آتشین فریادوں کے ہاتھوں گداز ہو کر رہ گیا۔ اب بے فائدہ یہ امید باندھنا کہ اس کا کوئی اثر ہوگا کیا معنی رکھتا ہے۔

کیموس مپیما و ز اخلاط مفرما
تا دشنہ نباشد جگری را چہ کند کس

در ھدیہ دل و دین بصد ابرام پذیرد
منت نہِ سرمایہ بری را چہ کند کس

لغت: ''ابرام'' = اصرار، ''منت نہ'' = احسان دھرنے والا۔ ''سرمایہ بر'' = سرمایہ خورد برد کر دینے والا۔

میرا معشوق، دل و دین کو ہدیے کے طور پر بھی ہزار اصرار کے بعد قبول کرتا ہے۔ ایسے شخص سے جو سرمایہ بھی لوٹ لیتا ہے اور پھر احسان بھی جتاتا ہے کوئی کیسے نبٹ سکتا ہے۔

انصاف دھم چون نگراید بمن از مھر
دلدادۂ آشفتہ سری را چہ کندکس

تو خود ہی انصاف کر کہ وہ (یعنی معشوق میری طرف کیسے مہربانی سے مائل ہو سکتا ہے۔ ایک آشفتہ سر انسان (عاشق) ہوں ایسے آشفتہ سر عاشق سے کیسے نبٹا جا سکتا ہے۔

یا خویشتن از رشک مدارا نتوان کرد
در راہ محبت خضری را چہ کندکس

عشق میں تو اپنے آپ پہ رشک آنے کو بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ پھر بتائیے کہ راہ
محبت میں خضر کی رہنمائی کو بھی کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے۔

گر سرخوشی از بادہ مراد است بیا شام
واعظ تو و یزدان، خبری را چہ کندکس

لغت: ''تو و یزدان'' = محاورہ تجھے اللہ کی قسم مراد ہے۔
اے واعظ اگر جنت کی سرخوشیوں سے مقصود شراب ہے تو پی لے۔ ورنہ تجھے اللہ کی قسم
خود ہی بتا کہ خوشخبری دینے سے کیا بنتا ہے۔

جی کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

نا یافتہ بارم بہ زراندن چہ شکیم
گیرم کہ خود از تست دری را چہ کندکس

لغت: ''باریافتن'' = باریابی حاصل کرنا۔
اگر تو نے مجھے اپنے دروازے سے واپس نہیں لوٹا دیا تو اس سے مجھے کیا تسکین ہوسکتی
ہے جب کہ تیرے گھر میں باریابی کا شرف حاصل نہیں ہوسکا۔ مان لیا کہ یہ سب کچھ تو نے ہی کیا
ہے۔ یعنی دروازہ کھلا رکھا ہے اور مجھے وہاں سے لوٹایا بھی نہیں اس سے کیا بنتا ہے۔

آن نیست کہ صحرای سخن جادہ ندارد
واژون روشِ کج نگری را چہ کندکس

لغت: ''واژون روش'' = الٹی راہ چلنے والا۔ ''کج نگر'' = غلط بیں، دوسروں کی بات کا
غلط مفہوم سمجھنے والا۔

یہ بات نہیں کہ سخن گوئی کے میدان کی راہیں کھلی نہیں (بات کرنے کے سو انداز ہیں)۔
ہاں اگر سننے اور سمجھنے والا کج فہم ہو اور غلط مفہوم لے تو اس کا کیا علاج۔

غالب بجہان بادشہان از پی دادند
فرمان دہِ بیداد گری را چہ کندکس

غالب! دنیا میں بادشاہ عدل وانصاف کے لیے ہوتے ہیں لیکن ایسے فرماں روا کا
کوئی کیا کرے جو داد دنیا تو در کنار الٹا بیدادگر ہو۔

❀❀❀

غزل نمبر(۳)

لطفی بہ تحتِ ہر نگہِ خشمگین شناس
آرایش جبین شگرفان ز چین شناس

لغت: ''شگرف'' = نادر، خوبصورت، نہایت عمدہ، مرزا غالب نے اپنے شعر
میں شگرفان کا لفظ بڑے موزوں انداز میں استعمال کیا ہے: ایسے حسین وجمیل لوگ جو اپنا
جواب نہیں رکھتے۔

شناس کا لفظ بطور ردیف کے آیا ہے اور مختلف جگہ اس کا مفہوم سیاق سباق کے مطابق
مختلف ہے۔ کہیں دیکھ، کہیں پہچان، کہیں امتیاز کر کا مفہوم دے رہا ہے۔
دیکھ کہ حسینوں کی ہر خشم آلودہ نگاہ کی تہ میں لطف ومحبت کی جھلک ہے۔ ان حسینوں کی
جبیں کی آرائش ہی ان کے چینِ بجبین سے ہوتی ہے یعنی معشوق کا چین بجبین ہونا اُسے اور
خوبصورت بنا دیتا ہے۔

باز آ کہ کار خود بہ نگاہت سپردہ ایم
مارا خجل ز تفرقۂ مہر و کین شناس

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے، آ کہ ہم نے اپنا معاملہ تیری نگاہ ہی پر چھوڑ دیا ہے، وہ نگاہ مہر آلود ہو یا خشم آلود ہمارے لیے دونوں اندام برابر ہیں (کیونکہ دونوں کا اپنا اپنا حسن ہے) اور ہم محبت و کینہ (مہر و کین) سے بے نیاز ہو گئے ہیں اور مہر و کین میں امتیاز کرنے پر نادم ہیں۔

بی پردہ تاب محرمی را زما مجوی
خون گشتن دل از مژہ و آستین شناس

ہم سے علی الاعلان اس بات کی توقع نہ رکھ کہ ہم نے راز کو کیسے سینے میں چھپا رکھا ہے۔ ہمارا دل اس رازِ محبت کو چھپانے کی کوشش میں خون ہو گیا ہے اس کا اندازہ ہم سے پوچھنے سے نہیں ہوگا۔ ان خونی آنسوؤں سے پتا چل جائے گا جو ہماری مژگان اور آستین پر پڑے ہیں۔

داغم کہ وحشتِ تو بیافزود ز انتظار
جز صیدِ دام دیدہ نباشد کمین شناس

لغت: ''کمین'' = کمین گاہ گھات۔ صید دام بیدہ = وہ شکار جو پہلے کبھی جال میں پھنس چکا ہو۔ چنانچہ ایسا شکار ہی کمین گاہ سے آشنا ہو سکتا ہے۔ ایسا شکار ہمیشہ کمین گاہ سے بچ کے چلے گا۔ اور شکاری اس کے انتظار ہی میں بیٹھا رہ جائے گا۔ شاعر اپنے محبوب کو ایسے ہی شکار سے تشبیہ دیتا ہے اور کہتا ہے:

میرے انتظار سے تیری وحشت بڑھ گئی ہے (اور تو میرے پاس آنے سے گھبراتا ہے)

یہ بات میرے سے الگ الگ رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ تو کسی صیاد کے دام میں پھنس چکا ہے اور اسی لیے مجھ سے گھبراتا ہے۔

میخواھد انتقام ز ھجران کشیدنی
خون گرمی دل از نفس آتشین شناس

لغت: ''خون گرمی'' = گرمی خون۔ جوش نفس = سانس۔

عاشق فراق میں بیٹھا ہوا آہیں بھر رہا ہے۔ اس کے سانس سے شعلے اُبھر رہے ہیں۔ گویا یہ آتشیں آہیں اس کے دل کے جوش کی علامت ہیں۔ اُس کا دل دراصل فراق سے انتقام لینا چاہتا ہے۔

شاعر نے فراق میں آتشین آہیں کرنے کی عجیب شاعرانہ توجیہ کی ہے۔

آرائشِ زمانہ ز بیداد کردہ اند
ھر خون کہ ریخت غازہ روی زمین شناس

لغت: ''غازہ'' = وہ سرخی جو چہرے پر حسن کو چمکانے اور آرائش دینے کے لیے لگائی جاتی ہے۔

کہتا ہے: زمانے کی آرائش ہمیشہ جور و ستم ہی سے ہوتی رہی ہے۔ یہ خون جو زمین پہ بہایا جاتا ہے اُسے روی زمین کا غازہ کہنا چاہیے۔

در راہ عشق شیوہ دانش قبول نیست
حیف است سعی رھرو پا از جبین شناس

لغت: ''رہرو پا از جبین شناس'' = پا از جبین شناس'' کے الفاظ رہرو کی صفت ہیں۔

'' پا از جبین شناس'' اسم فاعل ترکیبی ہے یعنی فاعلی معنی دیتا ہے۔ مراد وہ شخص جو پاؤں اور جبین (پیشانی) میں فرق کر سکتا ہے۔ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی راہ چلنا ہو تو پاؤں کے ذریعہ چلتے ہیں۔ لیکن عشق کی راہ طے کرنے کے لیے یہ شیوہ یا طریقہ قابل قبول نہیں۔ عشق کی راہ سر کے بل طے کرنی چاہیے اسی لیے شاعر کہتا ہے کہ ایسے رہرو پر افسوس ہے جو راہ عشق میں پاؤں اور جبین یا سر میں تمیز کرتا ہے۔

از دھرِ غیر گردشِ رنگی پدید نیست
این روضہ سراب گل و یاسمین شناس

لغت: ''دہر'' = وقت ''زمانہ مجازاً دنیا۔ سراب = دھوکہ۔

یہ دہر سوائے گردش رنگ کے اور کچھ نہیں۔ اس باغ عالم کو گل و یاسمن کا سراب ہی کہنا چاہیے۔

زمانہ کیا ہے، ایک رنگ آتا ہے ایک جاتا ہے اور کوئی بھی حقیقی رنگ نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی سراب، دیکھ رہا ہو جو دور سے پانی نظر آتا ہے اور وہ ریت ہوتی ہے۔

حسرت صلای ربطِ سرو دست می زند
نقشِ ضمیرِ شاہ ز تاج و نگین شناس

لغت: ''نگین'' = خاتمِ شاہی کا نگیں جو مہر کا کام دیتا ہے۔ شاہی انگوٹھی کا نگینہ جس میں اسم شاہی کے الفاظ والقاب کندہ ہوتے ہیں اور وہ فرمانِ شاہی پر مہر کا کام دیتا ہے۔

تاج اور نگین کو دیکھ کر اندازہ کر لے کہ بادشاہ کے ضمیر میں کیا نقش پوشیدہ ہے۔ ایک عالم حسرت ہے جو پکار کر کہہ رہا کہ ہے کاش اس شاہی ہاتھ میں (جو نگین لیے ہوئے ہے) اور

سر (جو تاج شاہی پہنے ہے) کوئی باہمی ربط ہوتا۔

ایک بادشاہ کی زندگی کی بے بسی کی کتنی خوبصورت تصویر ہے۔ شاہی ہاتھ نظامِ حکومت کے ماتحت فرمان پر مہر لگائے چلے جا رہے ہیں۔ بادشاہ کے دماغ میں کیا افکار ہیں اور اس کا دل اندر سے کیا چاہتا ہے، اس کے کیفیت کسی کو کیا معلوم۔ اس کا سر تو تاج شاہی کا بوجھ اٹھائے ہے اور بس۔

حافظ کا شعر دیکھیے:

شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج است
کلاہ دلکش است اما بدردِ سرنمی ارزد

بی غم، نہادِ مرد گرامی نمی شود
زنہار قدر خاطر اندوھگین شناس

مرزا غالب کا نظریۂ غم یہ ہے کہ غم ہی سے انسان کی خوابیدہ طبعی استعدادیں بیدار ہوتی اور ابھرتی ہیں اور اسی سے انسانی زندگی سنورتی ہے اور ایک اعلیٰ شخصیت کی تعمیر اور تکمیل ہوتی ہے۔

اس شعر میں اسی نظریے کو پیش کیا گیا ہے۔

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے: بغیر غم کے انسان کی ہستی کوئی مقامِ عظمت حاصل نہیں کر سکتی۔ دیکھ (عاشق کے) غمگین دل کی قدر و اہمیت کو پہچان۔

دور قدح بنوبت و می خوارگان گروہ
آوخ زساقیان یسار ازی یمینِ شناس

لغت: ''یسار'' = بائیں۔ ''یمین'' = دائیں۔ ''آوخ'' = افسوس۔

"یسار از یمین شناس" = دائیں سے بائیں کی تمیز کرنے والے۔ "بنوبت" = باری سے باری، باری۔

میخواروں کا ہجوم ہے اور شراب کا دور باری کے مطابق چلتا ہے۔ افسوس ہے اُن ساقیوں پر جو اس ہجوم میں یہ سوچیں کہ دورِ جام بائیں طرف سے چلیں یا دائیں طرف سے۔

غالب مذاق مانتوان یافتن زما
رو شیوهٔ نظیری وطرز حزین شناس

مرزا غالب کو جن قدیم اساتذۂ سخن کا اسلوب بہت مرغوب تھا اُن میں نظیری اور حزین بھی تھے۔

کہتا ہے کہ غالب! تجھے ہمارے مذاقِ سخن کا پتا ہم سے نہیں چلے گا، اسے معلوم کرنا ہے تو جا نظیری اور حزیں کے کلام کا طرز و اسلوب پہچان کہ وہ کیا تھا (اسی کا عکس ہمارے کلام میں بھی ہے)۔

❁❁❁

غزل نمبر (۴)

تیغ از نیام بیهده بیرون نکرده کس
ما را بهیچ کشته و ممنون نکرده کس

کسی نے (یوں) تلوار کو نیام سے رائگاں نہیں نکالا ہوگا، ہمیں یونہی مار دیا گیا اور ہمارے قتل سے کسی کو ممنون بھی نہ کیا گیا۔

فرصت ز دست رفته و حسرت فشرده پا
کار از دوا گذشته و افسون نکرده کس

لغت: "پافشردن" = پاؤں پھیلا کر بیٹھ جانا۔

موقع ہاتھ سے نکل گیا اور حسرت پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئی، مرض مداوا کی حد سے گزر گیا اور کسی نے کوئی سحر بھی نہ پھونکا (کہ شاید افاقہ ہو جائے)۔

داغم ز عاشقان کم ستم های دوست را
نسبت به مهربانیِ گردون نه کرده کس

میں ان عاشقوں کے رویے سے جل گیا ہوں کہ انہوں نے محبوب کے جور و ستم کو لطفِ گردشِ آسماں سے منسوب نہیں کیا۔ گویا محبوب کے جور و ستم، عطیہ آسمانی تھا، جس کا تذکرہ اور شکر یہ ضروری تھا۔

یا پیش ازین بلای جگر تشنگی نبود
یا چون من التفات به جیحون نه کرده کس

لغت: "جیحون" = سرحد خراسان پر ایک دریا کا نام ہے۔

شاعر اپنے شوق کی گرمی اور تشنگی (پیاس) کی افراط کا ذکر کرتا ہوا کہتا ہے:

یا تو اس سے پہلے، کسی عاشق کی تشنگی شوق کا یہ عالم ہی نہ تھا یا پھر میری طرح کسی نے (اس پیاس کو بجھانے کے لیے) دریا کا رخ ہی نہ کیا تھا (دریا پی لیا مگر تشنگی نہ گئی)۔

بقدر ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا (غالب)

یا رب به زاهدان چه دهی خلد رائگان
جور بتان ندیده و دل خون نکرده کس

اے خدا تو ان پرہیزگاروں کو جنت یونہی بلا کسی جواز کے کیوں عطا کر رہا ہے۔ ان میں سے کسی نے معشوق کے جور و ستم اٹھائے نہ ہی محبت میں کسی کا دل ہی خون ہوا۔ جنت تو عاشقانِ ستم زدہ کے لیے ہونی چاہیے۔

جان دادن و به کام رسیدن ز ما ولی
آه از بهای بوسه که افزون نکرده کس

ہم نے تو (بوسۂ محبوب کے لیے) جان دے دی اور اپنا مقصد پالیا۔لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ بوسۂ محبوب کی یہ قیمت کچھ زیادہ نہ تھی اس قیمت کو بڑھانے کی کسی نے کوشش نہ کی۔

شرمندۂ دلیم و رضا جوی قاتلیم
ما چون کنیم چارۂ خود چون نہ کردہ کس

ہم تو صرف قاتل کی رضا جوئی پر خوش ہیں اور اپنے دل کے ہاتھوں شرمندہ ہیں کہ ہم نے اس کا کچھ خیال نہ کیا۔ہم اس بات کا خود چارہ کرتے بھی تو کیا کرتے جب کہ کسی اور نے اسکا کوئی چارہ نہ کیا۔

کسی اور سے مراد، دوستانِ چارہ ساز بھی ہو سکتے ہیں اور خود محبوب بھی کہ جس کے لیے عاشق نے یوں جان دے دی اور اپنے محبت بھرے دل کو یوں برباد کر کے اُس کے لیے کچھ چارہ نہ کیا۔

پیچد بخود ز وحشتِ من پیش بین من
تشبیه من هنوز به مجنون نکرده کس

میری وحشت کو دیکھ کر میرے آئندہ کے بارے میں پیش گوئی کرنے والا بڑے پیچ و تاب میں ہے کہ مجھے ابھی تک کسی نے مجنون سے تشبیہ نہیں دی۔یعنی میری وحشت، وحشتِ مجنوں تک پہنچ گئی اور ابھی تک کسی نے مجھے مجنوں نہیں کہا۔میرے بادے میں پیشگوئی کرنے والے اس گومگو کی حالت میں ہے کہ اگر اس کی وحشت کا یہ عالم ہے تو پھر اسے مجنوں بھی نہیں کہا جا سکے گا۔کچھ اور کہنا ہوگا۔

گیرد مرا به پرسش بی رنگی سرشک
گوئی حساب اشکِ جگرگون نکرده کس

میں نے آنسوؤں میں اپنا سارا خون جگر ختم کر دیا ہے اور اب آنسو بے رنگ ہو کر رہ گئے ہیں میرا معشوق میرے آنسوؤں کی بے رنگی پر معترض ہے۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ جو خون کے آنسو میں اب تک بہا چکا ہوں اس کا ابھی تک کسی نے حساب نہیں کیا۔یعنی وہ رائیگاں گئے۔

غالب ز حسرتی چه سرائی که درغزل
چون اُو تلاش معنی و مضمون نکرده کس

لغت: ''حسرتی'' نواب مصطفیٰ خان شیفتہ فارسی شاعری میں حسرتی تخلص کرتے تھے۔ اس شعر میں انہی کی طرف اشارہ ہے۔

اے غالب تو حسرتی کی کیا تعریف کر رہا ہے، اُس کی طرح تو کسی نے بھی مضمون و معنی کی تلاش نہیں کی ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۵)

هر کرا بنی زمی بی خود ثنایش می نویس
بهر دفع فتنه حرزی از برایش می نویس

لغت: ''حرز=تعویذ۔

جس کسی کو تو مے سے بے خود دیکھے اُس کی تعریف کر، ایک تعویذ اُس کے لیے لکھ کہ اُس کی بے خودی میں کوئی رخنہ پیدا نہ ہوا اور ہر طرح کا فتنہ اُس سے دور رہے۔

ای رقم سنج یمین دوست بی کاری چرا
خود سپاس دست خنجر آزمائش می نویس

لغت: ''یمین'' = دایاں ہاتھ، ''رقم سنج'' =تحریر نویس۔

کوئی حکم جاری کرنا ہو، یا خنجر چلانا ہو بالعموم دائیں ہاتھ ہی کو کام میں لایا جاتا ہے کہتا ہے: تو اُس کے دائیں ہاتھ کی کارگزاری کی تحریر پر مامور ہے کیوں یوں بے کار بیٹھا ہے۔ ذرا اُس کے خنجر آزما ہاتھ کی کارگزاریوں کا سپاس نامہ ہی لکھ ڈال۔

آنچه همدم هر شب غم بر سرم می بگذرد
هر سحر یکسر بدیوار سرائش می نویس

هر که بعد از مرگِ عاشق بر مزارش گل برد
فتوی از من در بتان زود آشنائش می نویس

لغت: ''زود آشنا'' = جلدی سے آشنا ہو جانے والا۔ دیر آشنا کی ضد۔ یہاں زود آشنا طنزاً استعمال ہوا ہے۔ کہتا ہے کہ جب کبھی کوئی معشوق اپنے عاشق کی موت کے بعد اُس کی قبر پر پھول چڑھانے کے لیے لے جائے اُس کے بارے میں فتویٰ مجھ سے لے اور اُسے زود آشنا معشوقوں کی فہرست میں لکھ دے۔

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

اس شعر میں بھی زود پشیماں کا لفظ طنزاً آیا ہے۔

رحمی از معشوق هرجا در کتابی بنگری
برکنار آن ورق جانها فدایش می نویس

''کتاب'' یہاں لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور تحریر کا مفہوم دیتا ہے'' جان ہا فدایش'' = اس پر جانیں فدا ہوں۔

جہاں کہیں کسی معشوق کی طرف سے رحمدلی کے اظہار کا ذکر آئے تو اس ورق کے حاشیے پر یہ الفاظ بھی لکھ دے'' ایسے رحم دل معشوق پر عاشقوں کی جانیں فدا ہوں۔''

ای که بایارم خرامی گر دل و دستیت هست
نام من در رهگذر برخاکِ پایش می نویس

لغت: ''گر دل و دستیت ہست'' = اگر ترا دل و دست ہست۔ یعنی تجھ میں دل گردہ ہے، تجھ میں حوصلہ اور قوت ہے۔

اے کہ تجھ یہ شرف حاصل ہے کہ تو میرے محبوب کے ہمراہ جا رہا ہے اگر تجھ میں حوصلہ

اور ہمت ہو تو اُس کی رہگذر کی خاک پر میرا نام ہی لکھ دے تا کہ یہ سعادت حاصل ہو کہ اگر میں وہاں نہیں تو کم از کم میرا نام تو اُس کی راہ میں ہے۔

تیرے پاؤں تک نہیں دسترس تیرے رہگذر کی زمیں سہی

ھر کجا غالب تخلص در غزل بینی مرا
می تراش آن را و مغلوبی بجایش می نویس

جہاں کہیں بھی تو غزل میں میرا تخلص غالب لکھا ہوا دیکھے اُسے تراش کر مٹا دے اور اس کی جگہ "مغلوب" لکھ دے۔

یعنی شاعری میں نام تو غالب رہا لیکن زندگی ایک مغلوب انسان کی سی گزری۔

❁❁❁

(ردیف ش)

غزل نمبر(۱)

دوشم آهنگ عشا بود که آمد درگوش
ناله از تارِ ردائی که مرا بود بدوش

یہ غزل مسلسل ہے۔ اس کی ہیئت بظاہر غزل کی سی ہے لیکن ایک نظم ہے۔ جس میں شاعر نے ایک زاویۂ نگاہ کے ماتحت اظہار خیال کیا ہے۔ کل رات میں نماز عشا کا ارادہ کیے ہوئے تھا کہ میری چادر کے ایک تار سے جو میں کندھے پہ ڈالے ہوئے تھا ایک آراز ابھری اور میرے کانوں میں آئی۔

کای خسِ شعلۂ آواز موذن، زنهار
از پی گرمی هنگامه منه دل بخروش

لغت: "خس" = تنکا۔ خس شعلہ آواز موذن یعنی موذن کے شعلہ آواز سے جل جانے والا۔ زنہار حرف تنبیہ۔

اے موذن کی بھڑکتی ہوئی آواز پر فریفتہ ہونے والے! دیکھ ہنگامہ آرایوں کے شوق میں ایسے شور (شور اذان) پر دل کو مائل نہ کرنا۔

تکیه بر عالم و عابد نتوان کرد که هست
آن یکی بیهده گو، این دگری بیهده کوش

لغت: ''بیہدہ کوش'' = بے فائدہ کام میں مصروف۔

عالم اور عابد پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ عالم بیہدہ گوئی کرتا ہے اور عابد بیہدہ عمل میں محو ہے یعنی عالم کا فضول وعظ اور عابد کی عبادت کوشی دونوں بے کار ہیں۔

نیست جز حرف در آن فرقهٔ اندرز سرای

نیست جز رنگ درین طائفه ارزق پوش

لغت: ''اندرز'' = وعظ و نصیحت.......... ''اندرز گو'' = وعظ گو۔

اس وعظ گو فرقے (یعنی فرقۂ علما) میں سوائے لفاظیوں کے اور اس نیلا لباس پہننے والے (یعنی عابد) گروہ میں سوائے زیبائش رنگ کے اور کچھ نہیں۔

جاده بگذار وپریشان رو و در راه روی

بفریب مَی و معشوق مشو رهزنِ هوش

اس پرانی ڈگر کو چھوڑ اور آزادانہ چل اور رہ چلنے میں شراب اور معشوق کی فریب کاریوں میں اپنے ہوش مت کھو دے۔

بوسه گر خود بود آسان، مبر از شاهد مست

باده گر خود بود ارزان مخر از باده فروش

اس شعر میں خود کا استعمال بڑا بلیغ ہے اور زورِ کلام کے لیے ہے۔

بوسے کا ملنا آسان ہی کیوں نہ ہو پھر بھی معشوق سے قبول نہ کر اور شراب ارزاں بھی کیوں نہ ہو جائے بادہ فروش سے مت خرید۔

این نشید است که طاعت مکن و زهد مورز

این نهیب است که رسوا مشو و باده منوش

لغت: ''نشید'' = نغمہ۔ نہیب = خوف، خوفناک آواز۔

یہ تو ایک مژدۂ خوش آیند ہے کہ بندگی نہ کر زہد و تقوی کی ورزش چھوڑ دے۔ اور یہ تنبیہ کہ رسوا نہ ہو اور شراب نہ پی یہ سب ڈرانے والی باتیں ہیں۔

حاصل این است درین جمله نبودن که مباش

مانه افسانه سرائیم وتو افسانه نیوش

اور یہ جو بار بار کہا گیا ہے کہ یہ نہ ہونا وہ نہ ہونا (نبودن) ان تمام کا خلاصہ یہ ہے کہ کہ نفی ذات کرلو۔ ہم افسانہ گو نہیں تو ان افسانوں کو نہ سن۔

منکه بودی کفم از مزد عبادت خالی

چون دلم گشت توانگر به ره آورد سروش

میرا ہاتھ تو عبادت کے سرمایے سے بالکل خالی ہوتا تھا۔ جب میرا دل اس فرشتۂ غیبی کی خوش خبری کی دولت سے مالا مال ہوا۔

گفتم از رنگ به بیرنگی اگر آرم رو

ره دگر چون سپرم، گفت زخود دیده بپوش

میں نے کہا اگر میں اُس رنگ سے بے رنگی کا رخ کرنا چاہوں تو راستہ کیسے چلوں، جواب ملا اپنے آپ سے آنکھیں بند کرلے۔

جستم از جای ولی هوش و خرد پیشا پیش
رفتم از خویش ولی علم و عمل دوشا دوش

میں اچھل پڑا اور اپنی جگہ سے ہلا لیکن ہوش و خرد میرے آگے تھے۔ میں اپنے آپ سے نکل گیا لیکن علم و عمل ہمراہ تھے۔

تابزمی کہ بہ یک وقت در آنجا دیدم
بادہ پیمودنِ امروز و بخون خفتنِ دوش

یہاں تک ایک ایسی بزم میں پہنچا کہ میں نے دیکھا کہ وہاں بیک وقت کل رات کا خوں میں غوطہ زن ہو کر سونا اور آج کی مے نوشی دونوں جاری تھیں۔

خانقاہ از روش زھد و ورع، قلزم نور
بزم گاہ از اثر بوسہ و مَی، چشمۂ نوش

خانقاہ زہد و ورع کے باعث سراپا قلزم نور بنی ہوئی تھی اور بزم گاہ بوسہ و مے کے اثر سے یکسر چشمۂ شیریں تھی۔

شاھد بزم در آن بزم کہ خلوت گہ اوست
فتنہ بر خویش و بر آفاق کشودہ آغوش

اس بزم میں شاہد بزم نے کہ یہ بزم (دراصل بزم نہیں) اس کی خلوت گاہ تھی اس کے حسن نے اپنے تمام آفاق پر فتنے کا آغوش کھول رکھا تھا۔

خود حسن اور جلوۂ حسن سے سرشار ہونے والے دونوں اُس ہنگامہ زار حسن میں کھو گئے تھے۔

ھمچو خورشید کز و ذرہ درخشان گردد
خوردہ ساقی می و گردیدہ جھانی مدھوش

سورج کی طرح کہ جس (کی ضوفشانیوں سے) ذرہ چمک اٹھتا ہے ساقی نے شراب پی تھی اور ایک دنیا بدمست ہو گئی تھی۔

رنگھا جستہ زبیرنگی ودیدن نہ بچشم
رازھا گفتہ خموشی و شنیدن نہ بگوش

اس مقام پہ بیرنگی سے عالم رنگ ابھر رہا تھا اور یہ عالم بیرنگی آنکھوں سے دیکھنے کا نہیں تھا۔ خموشی راز کہہ رہی تھی اور یہ راز گوئی کانوں سے سننے کی چیز نہ تھی۔

قطرہ ناریختہ از طرف خم و رنگ ھزار
یک خم رنگ و سرش بستہ و پیوستہ بجوش

خم سے ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکا تھا اور ہزار رنگ رونما تھے۔ ایک خمِ رنگ تھا اور اس کا منہ بند تھا اور وہ ہمیشہ جوش سے لبریز تھا۔

ھمہ محسوس بود ایزد و عالم معقول
غالب این زمزمہ آواز نخواھد، خاموش

لغت: ''زمزمہ'' = زرتشتی لوگوں کا وہ بھجن جو وہ اپنے معبدوں میں دھیمے سروں میں گاتے تھے۔ نغمہ۔

یہاں یہ لفظ اپنے اصلی معنوں میں آیا ہے اور بڑا موزوں ہے۔

خدا بھی محسوسات میں سے ہے اور یہ کائنات بھی احاطہ عقل میں ہے۔ لیکن اے غالب! یہ زمزمۂ راز، آواز میں سما نہیں سکتا اس لیے خاموش ہو جا۔

❁❁❁

غزل نمبر(۲)

نیست معبودش حریف تاب ناز آوردنش
پیش آتش دیده ام روزی نیاز آوردنش

لغت: ''معبود'' = سے یہاں مراد آتش ہے جو آتش پرستوں کی معبود ہے۔

ایک نگار عجمی کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ میرے معشوق کے نازِ حسن کی تاب، آگ بھی نہیں لا سکتی۔ میں نے اس کو آتش حسن کے سامنے عالم نیاز میں دیکھا ہے۔

موعظت را سنگسارِ قلقلِ مینا کند
از رہ گوشم بدل یک رہ فراز آوردنش

نصیحت کو سن کر کانوں کی راہ سے دل میں لاتے ہی اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ مینا کی قلقل کی آواز نے اُس کو سنگسار کر دیا ہے۔ یعنی ہمارے کانوں میں نصیحت کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ صراحی کی آواز ہی اُسے درہم برہم کر دیتی ہے۔

تا خود از بهر نثار کیست، می میرم ز رشک
خضر و چندین کوشش و عمر دراز آوردنش

مجھے یہ رشک مارے ڈالتا ہے کہ آخر خضر نے جو اتنی سعی و کوشش کی ہے اور عمر دراز کو حاصل کیا ہے، کس (محبوب) پر قربان کرنے کے لیے ہے۔ گویا حضرت خضر جو ابھی تک زندہ ہیں، اس لیے عمر جاوداں لیے پھرتے ہیں کہ انہیں کوئی ایسا محبوب میسر نہیں آیا جس پر وہ اپنی جان قربان کر سکیں۔ یہ بات میرے جیسے جان نثار کے لیے قابل رشک ہے۔

رحمت حق باد بر همدم که داند مستِ مست
بر سر نعشم به تقریب نماز آوردنش

اُس دوست پر اللہ رحمت نازل فرمائے جو مرے محبوب کے عالم مستی ہی میں مری نعش پر نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے لے آیا۔

محبوب کا نشے کے عالم میں نماز کے لیے آنا، خاص کر جب مستی میں نماز کی اجازت نہیں، بہت بڑی بات ہے اس لیے جو شخص اُسے اس کار ثواب پر آمادہ کرے وہ رحمت حق کا سزاوار ہے۔

شوق گستاخ است و من در لرزه، کاخر سهل نیست
صبحدم در دل بچشم نیم باز آوردنش

لغت: ''چشم نیم باز'' = معشوق کی نیم وا آنکھیں صبح کو خواب سے بیدار ہوتے ہوئے ایک خاص انداز حسن رکھتی ہیں۔

چنانچہ کہتا ہے کہ میرا شوق بے حد بے تاب اور بے باک ہے، اس لیے صبح کو اس کی نیم

باز آنکھوں کا دل میں خیال لانے سے بھی گھبراتا ہوں اور لرز رہا ہوں کیونکہ ایسا تصور کرنا کوئی آسان کام نہیں۔

وای ما کز غیر اندر خاطرش جا کردہ است
رفتن و پیرایہ و پیرایہ ساز آوردنش

لغت: ''پیرایہ'' = آرائش، سامان آرائش۔ ''پیرایہ ساز'' = آرائش کرنے والا۔

یہ بات ہمارے لیے کتنی افسوس ناک ہے کہ معشوق کے دل میں غیر (رقیب) کا خیال سما گیا ہے اور وہ اس کی آمد پر اپنے مکان کی آرائش کی دھن میں لگا ہوا ہے۔ کہیں آرائش کا سامان فراہم ہو رہا ہے کہیں آرائش کرنے والے کو … نے کا اہتمام ہے۔

امتحانِ طاقت خویش است از بیداد نیست
خلق را در نالہ ھای جانگداز آوردنش

ہمارے محبوب نے جو خلق خدا کو جاں گداز نالہ و فریاد کرنے پر لگایا ہوا ہے یہ اس کے شوق جور و ستم کے باعث نہیں بلکہ اس کا اپنی طاقت کا امتحان کرنا ہے (زورِ حسن کو آزمانا ہے)۔

چون نمیرد قاصد اندر رہ کہ رشکم بر نتافت
از زبانت نکتہ ھای دل نواز آوردنش

میرے رشک کو یہ گوارا نہ ہوا کہ قاصد میرے معشوق کی زبان سے دلنواز نکتے سنے اور انہیں بطور جواب کے آ کر مجھے سنائے اس لیے قاصد راہ ہی میں کیوں نہ مر جائے۔

مفت، یارانِ وطن کز سادگی ھای من است
در غریبی مردن و از جور باز آوردنش

لغت: ''غریبی'' = پردیس، غربت۔

میرا غربت میں جان دینا اور اس طرح محبوب کو جور و ستم سے باز رکھنا میری سادگی کی وجہ سے تھا۔ اب میری ان سادگیوں سے میرے یارانِ وطن کو اچھے مواقع نصیب ہونگے اب وہ جو چاہیں کریں۔

بی زبانی ھای غالب را چہ آسان دیدۂ
ای تو ناسنجیدہ تابِ ضبطِ راز آوردنش

تو نے غالب کی حالت بے زبانی (خموشی) کو کتنا آسان سمجھ لیا ہے۔ اُسے ضبط راز کی تاب لانے میں کیا کچھ کرنا پڑا اس کا تجھے کوئی اندازہ نہیں۔

❁❁❁

غزل نمبر (۳)

مپرس حالِ اسیری کہ درخمِ ھوسش
بقدرِ کسب ہوا نیست روزن قفسش

ہماری اسیری کا حال مت پوچھ کہ اُس کی ہوس کے پیچ و خم کے قفس میں کوئی ایسا روزن بھی نہیں جہاں سے سانس لینے کے برابر ہوا آ جا سکے۔

اسیری میں رہنے کا شوق تو بے حد ہے لیکن اس اسیری میں زندہ رہنے کا ساز و سامان بھی نہیں۔

؎ گھٹ کر مر جاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

بعوضِ شہرت **خویش** احتیاجِ ما دارد
چون شعلہٗ کہ نیاز اوفتد بخار و خسش

اُسے اپنی شہرت کے لیے ہماری ضرورت ہے، ایک شعلہ کی طرح جو خود بھڑکنے کے لیے معمولی تنکوں کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ خیال کہ حسنِ ازلی نے اپنی جلوہ فرمائی کے لیے اس کائنات کو بنایا، ہزار طرح سے شعر میں باندھا گیا ہے لیکن مرزا غالب نے شعلہ و خس کا استعارہ استعمال کر کے اس میں فکر کی ندرت اور بیان کی جدت کا ثبوت دیا ہے۔ یہ شعر محاکاتی جذبات نگاری (Imagery) کی عمدہ مثال ہے۔

صفا نہ یافتہ قلب از غش و مرا عمری است
کہ غوطہ می دہم اندر گدازِ ہر نفسش

لغت: ''غش'' = آلودگی، آلائش۔

ایک عمر گزر گئی کہ میں اپنے ہر سانس کو گداز کر کے اس میں اپنے دل کو غوطہ دے کر اُسے مادی آلائشوں سے پاک کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن ابھی تک کامیاب نہیں ہوا۔

غالب کا یہ اردو شعر دیکھیے:

یک الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

زیاس گشتہ سگ نفس در تلاش دلیر
مگر ز رشتۂ طول **امل** کنم مرسش

لغت: ''مرس'' دراصل مرسہ کی جمع ہے۔ مرسہ رسی کو کہتے ہیں۔ یہاں مرس کو واحد باندھا گیا ہے۔ ''طول امل'' ۔ لمبی امیدیں۔

ہمارا سگ نفس خواہشات کو **پورا کرتے** کرتے مایوس ہو گیا اور اس مایوسی نے **اس کی تلاش و جستجو یعنی حرص کو زیادہ تیز کر دیا** ۔ اس کی روک تھام کے لیے اُس کی لمبی امیدوں ہی کی رسی سے اُسے باندھ لینا چاہیے۔

ز رنگ و بوی **گل** و غنچہ در نظر دارم
غبار قافلۂ عمر و نالہ جرسش

جب میں گل و غنچہ کے رنگ و بو پر نظر ڈالتا ہوں تو کاروانِ حیات اور اس کے نالۂ جرس کا منظر میرے سامنے آ جاتا ہے۔

مرا بہ غیر ز یک جنس در شمار آورد
فغان کہ نیست ز پروانہ فرق تا مگسش

میرا محبوب مجھے اور رقیب کو ایک ہی جنس میں شمار کرتا ہے افسوس اس کی نظر میں پروانے اور مکھی میں کوئی فرق نہیں۔ شاعر نے رقیب کے لئے مکھی کا لفظ استعمال کیا ہے اور اپنے لئے پروانے کا۔

جگر ز گرمی این جرعہ تشنہ گردید
فغان ز طرز فریب نگاہ نیم رسش

لغت: ''نگاہ نیم رس'' = وہ نگاہ جو زیادہ دور نہیں جاتی۔

شاعر، معشوق کی نیم رس نگاہ کو ایک قطرۂ شراب سے تشبیہ دیتا ہے۔ جس کے پینے سے جگر کی تشنگی اور بھی تیز ہو جاتی ہے۔

اک عمر کے پیاسے کے لیے ایک ہی ساغر
ساقی یہ تری تنگ دلی یاد رہے گی — یاس یگانہ

خوشم کہ دوست خود آنمایہ بی وفا باشد
کہ در گمان نہ سگالم امید گاہ کسش

لغت: ''سگالیدن'' = خیال کرنا۔ سوچنا۔

میں خوش ہوں کہ دوست کو اتنا بے وفا ہونا چاہیے کہ مجھے اتنا گمان بھی ہو کہ کسی نے اسے (محبوب کی ذات کو) اپنی امید گاہ بنایا ہوا ہے۔

یعنی کسی کو اس سے امیدیں وابستہ کرنے کا حوصلہ ہو میں اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور یہی محبوب کے بے وفا ہونے کا خوش آیند پہلو ہے۔

بھار پیشہ جوانی کہ غالبش نامند
کنون بہ بین کہ چہ خون می چکد زھر نفسش

مرزا غالب نے اپنے لیے ''بہار پیشہ'' = کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی بہاروں میں کھیلنے والا۔ باغ و بہار آدمی۔

وہ باغ و بہار آدمی جسے لوگ غالب کہتے ہیں۔ آج اُس کی حالت دیکھو کہ اُس کے ہر سانس سے خون ٹپک رہا ہے۔ یعنی وہ انتہائی المناک حالت میں ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۴)

خوشا حالم، تن آتش بستر آتش
سپندی کو کہ افشانم بر آتش

لغت: ''سپند'' = ہرمل۔ جسے نظر بد سے بچنے کے لیے آگ میں جلایا جاتا ہے۔

سبحان اللہ! کیا خوش جسے نظر بد سے بچنے کے لیے آگ، بستر سرتا پا آگ ہے۔ ہرمل کہاں ہے کہ آگ میں جلاؤں (اور اپنے آپ کو نظر بد سے بچاؤں)۔

یہاں آگ سے مراد الگ آگ نہیں یہی شاعر کا جلتا ہوا تن بدن اور بستر ہے۔

ز رشک سینۂ گرمی کہ دارم
کشد از شعلہ برخود خنجر آتش

میرے تپتے ہوئے سینے کی گرمی کو دیکھ کر آگ کو مجھ پر رشک آ رہا ہے اور وہ اپنے ابھرتے ہوئے شعلے کو جو خنجر کی طرح ہے اپنے سینے میں گھونپ رہی ہے۔ (گویا آگ سے جو شعلہ ابھر رہا ہے وہ ایک خنجر ہے جو آگ کے سینے میں ڈوبا ہوا ہے)۔

بہ خلد از سردیِ ھنگامہ خواھم
بر افروزم بگردِ کوثر آتش

جنت میں دنیا کے ہنگاموں کی سی گرم بازاری نہیں ہوگی۔ ایک سرد مہری کا عالم ہوگا چنانچہ شاعر اس پر طنز چاہتا ہے کہ کوثر کے ارد گرد کچھ آگ جلائی جائے۔ تاکہ زندگی کی گرمی کا کچھ سماں نظر آئے۔

خنک شوقی کہ در دوزخ بغلتد

مَی آتش، شیشہ، ساغر آتش

دلی دارم کہ در ھنگامۂ شوق

سرشتش دوزخست و گوھر آتش

لغت: ''سرشت''=طینت۔ ''گوہر''=اصل

مجھے اللہ نے وہ دل دیا ہے کہ عالم شوق میں اُس کی طبیعت دوزخ کی طرح ہوتی ہے اور اس کی اصل آگ ہے۔

بسان موج می بالم بطوفان

برنگ شعلہ می رقصم در آتش

میں لہر کی طرح طوفان میں پھلتا ہوں اور شعلے کی طرح آگ میں رقصاں ہوتا ہوں۔

بدان ماند ز شاھد دعویٔ مھر

کہ ریزد از دمِ افسون گر آتش

معشوق کی زبان سے محبت کا دعویٰ یوں معلوم ہے ہوتا ہے جیسے کسی سحر پھونکنے والے کے منہ سے آگ برس رہی ہو (جو مصنوعی اور نظر کو دھوکا دینے کے لیے ہوتی ہے)

دلم را داغ سوز رشک مپسند

مزن یارب بجانِ کافر آتش

اے خدا کسی کافر کو دوزخ کی آگ میں مت ڈال کیونکہ مجھے اس عالم میں دیکھ کر

اس پر رشک آئے گا اور میں رشک کی آگ میں جلوں گا۔ مراد یہ ہے کہ میں تو عمر بھر غموں کی آگ میں جلتا رہا اور اس سے لذت اندوز ہوتا رہا اب یہ لذت کسی اور کو کیوں نصیب ہو۔

چھار است آن کہ ھریک را ازان چار

بود از ناخوشی آبشخور آتش

قمر در عقرب و غالب بہ دھلی

سمندر در شط ماھی در آتش

یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں۔

چار چیزیں ہیں جن میں سے ہر ایک کو صحبت ناساز گار سے دکھ ہوتا ہے۔ قمر کو عقرب میں، غالب کو دہلی میں، سمندر (آگ میں رہنے والا کیڑا) کو دریا میں اور مچھلی کو آگ میں۔

❁❁❁

غزل نمبر(۵)

مرزا غالب نے اس غزل کے بیشتر شعروں میں اس کائنات کے بارے میں ایک خاص زاویہ پیش کیا ہے کہ یہ سب کچھ جو ہمیں نظر آرہا ہے اس کا وجود خارجی کوئی نہیں۔ یہ انسانی ذہن ہی کی تخلیق ہے۔ یہ ایک سیمیا ہے ایک طلسم ہے جو انسانی وہم نے باندھ رکھا ہے خاکسار نے اس غزل کے بعض شعروں کو اردو میں نظم کیا ہے۔ مناسب مواقع پر انہیں درج کر دیا جائے گا۔

دود سوادی تتق بست، آسمان نامیدمش
دیده برخواب پریشان زد، جهان نامیدمش

لغت: ''تتق''=تتق بست

خیال خام کا ایک دھواں سا ہمارے سر پر چھا گیا، میں نے اُس کا نام آسماں رکھ دیا۔

آنکھوں نے ایک پریشان خواب دیکھا اور میں نے اُس کو جہان کہہ دیا۔

دود افسون نظر تھا، آسماں کہنا پڑا
اک پریشان خواب دیکھا اور جہاں کہنا پڑا (تبسم)

وهم خاکی ریخت در چشم بیابان دیدمش
قطرهٔ بگداخت، بحر بیکران نامیدمش

وہم نے میری آنکھوں میں خاک ڈال دی اور وہ مجھے بیاباں بن کر نظر آئی۔

ایک قطرہ تھا جو پگھل کر رہ گیا میں نے اُسے بحر بیکراں کا نام دیا۔

تھا غبار وہم وہ، میں نے بیاباں کہہ دیا
تھا گداز قطرہ، بحر بیکراں کہنا پڑا (تبسم)

باد و امن زد بر آتش نوبهاران خواندمش
داغ گشت آن شعله، از مستی خزان نامیدمش

ہوا نے آگ کو بھڑکایا میں نے اسے بہار کہہ دیا۔ اسی آگ کے شعلے جل کر جب داغ بن کر رہ گئے تو میں نے اسے خزاں کا نام دیا۔

آگ بھڑکائی ہوا نے، میں نے اُسے سمجھا بہار
شعلہ بن کر داغ جب اُبھرا خزاں کہنا پڑا (تبسم)

قطرهٔ خونی گره گردید، دل دانستمش
موج زهرابی بطوفان زد زبان نامیدمش

لغت: ''گرہ گردید'' = پیچ و تاب کھا کر گرہ بن گیا۔

ایک قطرۂ خوں تھا بل کھا کر گرہ بن گیا اور میں نے اُسے دل سمجھ لیا۔ ایک زہراب کی لہر تھی۔ اس میں تلاطم برپا ہوا (جوش آیا) میں نے اُسے زباں کہہ دیا۔

قطرۂ خوں کا تھا پیچ و تاب، دل جانا اُسے
لہر تھی زہراب غم کی اور زباں کہنا پڑا (تبسم)

یعنی دل کیا ہے ایک قطرہ خون ہے جو تڑپ کر، پیچ و تاب کھا کر، گرہ بن کر رہ گیا ہے۔ انسانی زباں کیا ہے، انسان کے قلب سے غم کی ایک لہر اٹھی ہوئی ہے۔

غربتم ناسازگار آمد وطن فهمیدمش
کرد تنگی حلقهٔ دام، آشیان نامیدمش

پردیس مجھے راس نہ آیا ناچار میں نے اُسے وطن سمجھ لیا۔ حلقۂ دام، تنگ نکلا میں نے اُسے آشیاں کہہ دیا۔

صوفیہ کے نزدیک یہ زندگی ایک سفر کی سی ہے جہاں انساں بھولے سے آ کر اس پردیس ہی کو دیس بنا کر بیٹھ گیا ہے اور اس غربت سے ابھرنا نہیں چاہتا۔

حافظ کہتا ہے:

ترا ز کنگرهٔ عرش می زنند صفیر
ندانمت که درین دامگه چه افتاد است

ناموافق تھی بہت غربت وطن کہتے بنی
تنگ نکلا حلقۂ دام آشیاں کہنا پڑا (تبسم)

بود در پہلو بہ تمکینی کہ دل می گفتمش

رفت از شوخی بہ آئینی کہ جان نامیدمش

وہ ہمارے پہلو میں اس شان سے بیٹھا تھا کہ میں نے اُسے دل کہا۔ وہ اس انداز سے اٹھ کر گیا کہ اُسے جان کہنا پڑا۔

یعنی معشوق آغوش میں تھا کہ تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ پہلو میں دل حرکت کر رہا ہے۔ ہم سے اس طرح وہ جدا ہوا جیسے جاں بدن سے نکل جاتی ہے (دوسرا مصرعہ اس بے بسی کے عالم اور بے جاں سی زندگی کی تصویر ہے)۔

اس طرح پہلو میں آ بیٹھا کہ جیسے دل تھا وہ

اس روش سے وہ گیا اُٹھ کر کہ جاں کہنا پڑا (تبسم)

ھرچہ از جان کاست در مستی بسود افزودمش

ھرچہ بامن ماند از ھستی زیان نامیدمش

مستی (شوق) کے عالم میں جو کچھ زندگی (مال) میں کمی واقع ہوئی میں نے اُسے نفع میں شمار کیا اور میری ہستی میں سے جو کچھ بچ رہا اُسے نقصان سمجھ لیا۔ یعنی زندگی کے وہی لمحات تھے جو عالم مستی اور ذوق وشوق میں گزر گئے۔ بقیہ زندگی تو گویا زندگی ہی نہیں تھی۔

کٹ گئی جو عمر مستی میں وہی تھا سود زیست

بچ رہا ہے کچھ بھی مستی میں زیاں کہنا پڑا (تبسم)

یہ زندگی نہ سمجھو کہ زندگی سے مراد ہیں بس

وہ عمر رفتہ کی چند گھڑیاں جو اُن کی صحبت میں کٹ گئی ہیں

تازہ من بکست عمری خوشدلش پنداشتم

چون بمن پیوست لختی بد گمان نامیدمش

جب تک وہ مجھ سے ایک طویل عرصے کے لیے الگ ہو کر رہا میں اُسے ایک خوش ذوق سمجھتا رہا۔ جب وہ تھوڑی مدت کے لیے مجھ سے آملا تو میں نے اُسے بدگماں کا لقب دیا۔

او بہ فکر کشتنِ من بود، آہ از من کہ من

لااُبالی خواندمش، ناھربان نامیدمش

وہ میرے مارنے کی فکر میں تھا۔ کتنی افسوس کی بات ہے کہ میں اُسے لااُبالی کہتا رہا اور ناہرباں کے نام سے پکارتا رہا۔

تا نھم بروی سپاس خدمتی از خویشتن

بود صاحب خانہ اما میھمان نامیدمش

وہ صاحب خانہ تھا اور میں اُس میہماں کہتا رہا تاکہ میں اُس کی خدمت کر کے اُس پر کوئی احسان دھر سکوں۔

تھا مجھے منظور اُسے مرہون منت دیکھنا

تھا وہ صاحب خانہ لیکن میہماں کہنا پڑا (تبسم)

دل زبان را راز دان آشنائی ھا نخواست

گاہ بھان گفتمش، گاھی فلان نامیدمش

میرا دل نہیں چاہتا کہ میری زباں محبت اور دوستی کی راز داں ہو اس لیے میں نے جب

بھی محبوب کا تذکرہ آیا میں نے اُسے کبھی فلاں، کبھی فلاں۔ یعنی اصلی نام کو حذف کر دیا۔

غالب کے دو شعر اس طرح کے یاد آ گئے۔

چھلن بہ قاصد بسپرم پیغام را
رشک نگذارد کہ گویم نام را

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

ھم نگہ جان می ستاند، ھم تغافل می کشد
آن دمِ شمشیر و این پشت کمان، نامیدمش

اُس کا التفات (محبت بھری نگہ) بھی جاں ستاں ہے اور اُس کا تغافل بھی مار ڈالتا ہے۔ اس کی توجہ تلوار کی دھار ہے اور اس کی بظاہر بے التفاتی پشت کمان کی طرح ہے کہ جس سے تیر نکل کر زخم لگاتا ہے۔

در سلوک از ھرچہ پیش آمد گزشتن داشتم
کعبہ دیدم، نقش پائی رھروان نامیدمش

راہِ سلوک میں جو کچھ راستے میں آیا اُسے نظر انداز کر کے آگے نکل گیا۔ کعبے کو دیکھا تو اُسے رہروان راہ سلوک کا نقش پا کہہ دیا۔

کعبے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں
یوں طریقت میں ہر ایک شے سے نظر آگے پڑی
کعبے کو بھی نقش پائے رہرواں کہنا پڑا (تبسم)

بر امید شیوۂ صبر آزمائی زیستم
تو بریدی از من و من امتحان نامیدمش

میں اس امید پر جیتا تھا کہ تیرا جور و ستم کا شیوہ میری طاقت صبر کو آزمانے کے لیے ہے۔ تو مجھ پر ستم ڈھاتا رہے گا اور میں زندہ رہوں گا۔ لیکن تو مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ اور میں نے اس ترے چلے جانے کو امتحان قرار دیا۔

شیوۂ صبر آزمائی پر ترے جیتا تھا میں
یوں تری فرقت کو اپنا امتحان کہنا پڑا (تبسم)

بود غالب عندلیبی از گلستان عجم
من ز غفلت طوطی ھندوستان نامیدمش

غالب تو گلستان ایران کی ایک بلبل تھا میں نے غفلت میں اسے طوطی ہندوستان کہہ دیا۔

❁❁❁

غزل نمبر (۶)

ز لکنت می تپد نبضِ رگ لعل گھر بارش
شھید انتظار جلوۂ خویش است گفتارش

لغت: ''لعل'' = سرخ لب۔ ''لعل گھر بار'' = لب جو باتیں کرتے ہوئے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے موتی ٹپک رہے ہیں۔

لکنت کے باعث معشوق رک رک کے باتیں کرتا ہے۔ یہ رک رک کے باتیں

کرنے کا انداز بہت پیارا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے معشوق ایک بات جو اُس کے لبوں سے نکلی ہے، دوسری بات کا انتظار کر رہی ہے اور اس پر جان نثار کرنا چاہتی ہے۔ معشوق کا باتیں کرنے کا انداز پیارا ہے لیکن لکنت کے باعث اس میں اور دلآویزی آ گئی ہے دوسرے تو اس کی باتوں پر فریفتہ ہیں خود اس کا اپنا حسین اندازِ گفتار اپنے پر فریفتہ ہو رہا ہے۔

ادای لا ابالی شیوه مستی در نظر دارم
سر پر شورم از آشفتگی ماند بدستارش

لغت: ''لا اُبالی شیوہ'' = بے پروا۔ ''سر پر شور'' = وہ سر جس میں جنون عشق سمایا ہوا ہو۔ ''آشفتگی'' = پریشانی۔

مستی کے عالم میں بدمست اور بے پروا انسان کو اپنے سر پیر کا ہوش نہیں ہوتا اور اگر سر پر دستار ہو تو جگہ سے ہل جاتی ہے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ بھی نشے میں لہرا رہی ہے۔

کہتا ہے:۔ ایک بے پروا مست (ناز) کی ادائیں میری چشم تصور میں ہیں اور اس سے میرا سر پر شور اُس کی دستار کی طرح درہم برہم نظر آ رہا ہے۔

ندانم راز دار کیست دل، کز ناشکیبائی
کشم تا یک نفس، لرزد بخود صد ره، زهنجارش

لغت: ''ہنجار'' = راستہ، طریق۔

معلوم نہیں میرا دل کس کے رازِ محبت کو چھپائے ہوئے بیٹھا ہے کہ بے صبری کے عالم میں جب کوئی ایک سانس لینے لگتا ہوں تو وہ دل سو بار لرز کر رہ جاتا ہے۔ یعنی دل کو یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں سانس میں راز ہی بیان نہ ہو جائے۔

بدین سوزم رواجی نیست، هی فرهاد را نازم
که از تاب شرار تیشهٔ گرم است بازارش

میرے سوزِ عشق کا یہاں کوئی چرچا (رواج) نہیں۔ فرہاد کے کمال کو تسلیم کرنا پڑے گا جس کے تیشہ، گرم کی شرر ریزیوں سے اس کی شہرت کا بازار گرم ہے۔

چو بینم زلفِ خم درخم بعارض هشتهٔ گویم
که اینک حلقه در گوش کمند عنبرین تارش

لغت: ''حلقۂ در گوش'' پرانے زمانے میں زرخرید غلام کے کانوں کو چھید کر اُس میں حلقہ ڈال دیتے تھے جو اُس کی غلامی کی نشانی ہوتی۔ ''بعارض ہشتہ'' = گالوں پر لٹکتی ہوئی۔

جب میں کسی حسینہ کی بل کھائی ہوئی زلف اُس کے رخسار پر لہراتی ہوئی دیکھتا ہوں تو بول اٹھتا ہوں یہ دیکھو ایک حلقہ بگوش (غلام کس طرح عنبریں (سیاہ) تار والی کمند میں پھنسا ہوا ہے۔

زهم پاشیدن گل افگند در تاب بلبل را
اگر خود پاره های دل فروریزد زمنقارش

لغت: ''زہم پاشیدن گل'' = پھول کی پتیوں کا بکھر جانا۔ ٹوٹ کر درہم برہم ہونا۔
''اگر'' یہاں اگرچہ، خواہ کا مفہوم دیتا ہے۔

پھول کی پتیاں ٹوٹ کر بکھر جائیں تو بلبل کا دل پیچ و تاب کھانے لگتا ہے خواہ اُس کی اپنی منقار سے دل کے ٹکڑے کیوں نہ ٹپکیں۔ بلبل کی فریاد دردناک کی طرف اشارہ ہے کہ اُس کی اپنی فریاد میں اس کا اپنا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر رہا ہے۔ لیکن وہ پھول کی پتیوں

کو ذرا سی ٹھیس لگتے گوارا نہیں کرتی۔

بتی دارم کہ گوئی گر بروی سبزہ بخرامد
زمین چون طوطی بسمل تپد از ذوق رفتارش

میرا وہ معشوق ہے کہ اگر وہ سبزہ زار پر خرام ہو تو زمین اس کے حسن خرام کی لذت سے سرشار ہو کر طوطی بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔

بدا، گردوست، زندان مرا تاریک بگذارد
بدین حسنی کہ در گیرد چراغ از تاب رخسارش

لغت: ''بدا'' میں الف چہ قدر، کتنا کے معنی دیتا ہے جیسے خوشا میں۔

میری کتنی بدنصیبی کہ مرا دوست میرے زنداں کو اتنا تاریک چھوڑ دے جب کہ اُس کے حسن کا یہ عالم ہے کہ اُس کے روئے درخشاں کی بھڑک سے چراغ جل اٹھتے ہیں۔ یعنی محبوب کا حسن تو ہر شے کو نور بخشے اور میں بدنصیب غم کی تاریکیوں میں پڑا رہوں۔

بنای خانہ ام ذوقِ خرابی داشت پنداری
کز آمد آمد سیلاب، در رقص است دیوارش

لغت: ''پنداری'' = تو خیال کرے، معلوم ہوتا ہے، گویا۔

سیلاب کی آمد آمد سے میرے گھر کی دیواریں رقص کرنے لگی ہیں یوں لگتا ہے جیسے میرے گھر کی بنیاد ہی میں تباہی اور بربادی کی لذت سمائی ہوئی ہے۔

غم افگند در دشتی کہ خورشید درخشان را
گدازد زہرہ وقتِ جذب شبنم از سرِ خارش

مرزا غالب نے اپنے غم کے درد و کرب کو طرح طرح سے باندھا ہے۔ یہ شعر بھی اس کے طرز فکر کی ندرت اور اسلوب بیان کی جدت کا نمونہ ہے کہتا ہے۔ کہ غم نے مجھے ایک ایسے بیابان میں لا ڈالا ہے کہ جہاں کانٹوں کی نوک سے شبنم کے قطروں کی نمی کو جذب کرتے ہوئے خورشید درخشاں کا زہرہ (پتا) پانی ہو جاتا ہے۔

شبنم میں تازگی ہوتی ہے لیکن بیاباں کی گرمی کا یہ عالم ہے کہ سورج کی شعاعیں شبنم پر پڑنے سے پگھل جاتی ہے۔

وکالت کرد خواہم روز محشر کشتگانش را
نباشد تا در آن ھنگامہ جز با من سرو کارش

میں قیامت کے روز، اپنے معشوق کے کشتگانِ عشق کی وکالت کروں گا تا کہ ہنگامۂ محشر میں اُسے میرے سوا کسی اور سے سرو کار نہ ہو۔

نہ از مہر است کز غالب بمردن نیستی راضی
سرت گردم میدانی کہ مردنِ نیست دشوارش

معشوق سے مخاطب ہو کر کہتا ہے، اگر تو غالب کے مرنے پر راضی نہیں تو یہ بات تیرے لطف و کرم کی وجہ سے نہیں، تیرے قربان جاؤں تو جانتا ہے کہ غالب کا مرنا کوئی دشوار کام نہیں (ایسے کو مارنا کیا)۔

❁❁❁

غزل نمبر(۷)

بیا بباغ و نقابِ از رخ چمن برکش
دل عدو نہ اگر خون شود در آذر کش

باغ میں آ اور چمن کے چہرے سے نقاب اٹھا دے۔ اگر دشمن (رقیب) کا دل خوں ہو کر نہ رہ جائے تو اُسے آگ میں ڈال دے۔

بیا و منظر بامِ فلک نشیمن ساز
بیا و شاهد کامِ دو کون در برکش

لغت: ''منظر''=نظارہ کرنے کی جگہ۔ دریچہ۔ ''کام''=خواہش، مقصود، حصول، حصول مقصد۔

آ اور بامِ فلک کے دریچے میں بیٹھ جا، آ اور دونوں جہاں کے شاھد مقصود کو آغوش میں لے لے۔

سمن بجیب غنا از نوای مطرب ریز
تتق بروی هوا از بخور مجمر کش

لغت: ''غنا''=موسیقی، نغمہ، کیف نغمہ۔

''مجمر''=انگیٹھی۔ ''بخور''=خوشبو جو کمرے کو مہکانے کے لیے آگ میں جلا کر پیدا ہوتی ہے۔ ''جیب''=گریبان۔

آ کہ تیرے آنے سے مطرب کی آواز سے گریبانِ نغمہ سمن زار بن جائے اور بخور کی معطر خوشبو ہوا میں شامیانے کی طرح سروں پر لہرانے لگے۔

نسیم طرزِ خرامِ تو در نظر دارد
تو طیلسانِ روش را طراز دیگر کش

لغت: ''طیلسان''=چادر۔

''روش''=رفتار۔ طراز آرائش=بیل بوٹے جو زیبائش کے لیے کپڑے پر بنائے جاتے ہیں۔

نسیم کے خرام میں تیرا انداز خرام ہے تو اپنی چادر رفتار کو نیا رنگ آرائش دے کر سنوار یعنی نسیم تیرے خرام ناز کی نقل کرتی ہے تو اپنے انداز خرام میں کوئی نیا اور نرالا حسن پیدا کر۔

ھزار آئنۂ ناز در مقابل نہ
ھزار نقشِ دل افروز در برابر کش

ناز و انداز کے طرح طرح کے آئینے سامنے رکھے (تزئین حسن کر) اور ہزاروں دلکش رعنائیوں کے تصور کو سامنے لا کر اور سنور کر جلوہ افروز ہو۔

اگر بہ بادہ گرائیٔ قدح ز نرگس خواہ
وگر بہ، سبحہ ز شبنم برشتہ گوھر کش

اگر تیری طبع شراب کی طرف مائل ہو تو نرگس سے جام طلب کر (یعنی گل نرگس کو جام بنا لے) اور تسبیح کی طرف رغبت ہو تو شبنم کے قطروں کے موتی دھاگے میں پرو لے۔

"زشبنم برشتہ گوہر کش" کی نثر یوں ہوگی "گوہر شبنم بہ رشتہ کش"، یعنی شبنم سے پہلے حرف "ز" اضافت کے لیے آیا ہے۔

به لاله گو که هان بسدین قدح درده
به مرغ گوی که هین خسروی نوا برکش

لغت: "بسد" مرجان = بسدیں مرجان کا۔ "خسروی" ایک سُر کا نام ہے۔

"ہاں اور ہیں" دونوں حروف تاکید اور زور کے لیے ہیں۔

گلِ لالہ سے کہہ کہ وہ مرجان کا پیالہ پیش کرے اور مرغ نغمہ سرا کو حکم دے کہ وہ خسروی نوا چھیڑے۔ لالہ کا رنگ سرخ ہوتا ہے اس لیے مرجان یا بسد کے پیالے سے مقصود خود لالہ ہی ہے۔

بدان ترانه که ممنوع نیست مستی کن
ازآن شراب که نبود حرام ساغر کش

اس نغمے (راگ) سے جو (شرع میں) ممنوع نہیں ہے، کیف اندوز ہو اور اس شراب کے جام بھر بھر کے پی جو حرام نہیں۔

مذاق مشرب فقر محمدی داری
می مشاهدهٔ حق نیوش و دم درکش

لغت: "مشرب" = مسلک، طریق، چونکہ دوسرے مصرعے میں مے کا ذکر آیا ہے اس لیے مسلک کی جگہ مشرب بہت موزوں ہے۔

تجھے فقرِ محمدی کا ذوق ہے تو مشاہدۂ حق کی شراب نوش کر اور خاموش ہو جا۔

ز سر فرازی بختِ جوان بخویش ببال
بروی چرخ و طرف کلاه خنجر کش

اپنے بختِ جواں کی سربلندی پر نازاں ہو اور اپنی کلاہِ پُرشکوہ کے کنارے سے (جو خنجر کی طرح تیز ہے) چرخ کے سینے میں چھری گھونپ دے۔ یعنی کلاہ پرشکوہ چرخ بلند افرازی مات کر دے۔

نشاط ورز و گهر پاش و شادمانی کن
جهان ستان و قلمرو کشا، و لشکر کش

عیش ونشاط سے سرفراز ہو، گہر پاشی کر اور خوش ہو۔ دنیا کو فتح کر، سلطنت کو وسیع کر اور لشکر کشی کر۔

ترا که گفت که منت کشی ز چرخ کبود
به قهر، کام دل خویشتن ز اختر کش

تجھ سے کس نے کہا کہ تو نیلگوں آسماں کا احسان اُٹھا، تحکمانہ انداز میں ستاروں کو حکم دے کہ وہ تیری خواہشیں پوری کریں۔

ز نقشِ بندگی خویش در خرد مندی
رقم به ناصیهٔ والیِ دوپیکر کش

لغت: ''دوپیکر'' = جوزا۔ برج جوزا۔

ز فرِ فرخیِ بخت در جهانداری
علم بسر حد فرمان روای خاور کش

اپنے بخت جہاں کی شان وشوکت اور دبدبے کے بل پر جو تجھے سلطانی جہاں کی بدولت حاصل ہے اپنے علم بلند کے شہِ مشرق کے حدودِ حکومت تک بلند کر۔ یعنی تیرا مرتبہ تو آفتاب (فرماں روائے خاور) پر غالب ہے۔

سپس به تیغ تو خونم هدر که خواهم گفت
بگیر غالب دلخسته را و در برکش

میرا خون تجھ پر حلال کہ اِس کے بعد کہوں گا کہ غالب دلخستہ کو اُٹھا کر اپنے گلے سے لگا لے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۸)

من و نظارهٔ روی که وقت جلوه از تابش
همی بر خویشتن لرزد پسِ آئینه سیمابش

لغت: ''سیماب'' پارہ جس کا ایک لیپ شیشے کے پیچھے چڑھا ہوتا ہے۔
میں ہوں اور ایک ایسے حسن کا نظارہ ہے کہ جب وہ حسن جلوہ آرا ہو جاتا ہے تو اُس کی

تب وتاب سے آئینہ کے پیچھے کا سیماب بے تاب ہو کر لرزنے لگتا ہے۔ پارہ لرزتا رہتا ہے اُس کے لرزش کی شاعر نے ایک حسین توجیہہ کی ہے۔ اس صنعت کو ''حسن تعلیل'' کہتے ہیں۔

بذوقِ باده، داغِ آن حریف دوزخ آشامم
که هرجا بنگرد آتش بگردد دهن آبش

لغت: ''حریف'' = مقابل اور موافق دونوں کے لیے آتا ہے۔ حریف ہم پیشہ کو کہتے ہیں جو دوست بھی ہو سکتا ہے اور دشمن بھی۔
یہاں حریف سے مراد ''مَی نوش'' ہے۔
''آشامیدن'' = پینا۔ ''دوزخ آشام'' = وہ شخص جو دوزخ پی جائے۔ شراب کو آتشِ سیال کہتے ہیں رندِ بلانوش کو دوزخ آشام کہا ہے اور ایسے حریف پر غالب کو رشک آرہا ہے جو صرف آتشِ سیال ہی نہیں بلکہ دوزخ ہی نگل جانے والا ہے۔ ''داغ آن حریف'' = اُس حریف کے ہاتھوں جلا ہوا۔ اُس کو دیکھ کر رشک سے جلنے والا۔
''در دہن آب بگردد'' = منہ میں پانی بھر آتا ہے۔
''بذوق بادہ'' میں پہلی ''ب'' قسمیہ ہے یعنی ذوقِ مے یا ذوق مینوشی کی قسم۔
مجھے اپنے ذوق مے نوشی کی قسم کہ مجھے اپنے اس حریفِ بلانوش پر رشک آتا ہے کہ جہاں کہیں آگ دیکھتا ہے تو اس کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ چاہتا ہے کہ اُس آگ کو پی جاؤں کیوں کہ اس میں شراب کی جھلک پائی جاتی ہے کہ وہ آتشین ہے۔

زلیخا چهره با یعقوب شدنازم محبت را
بوی پیرهن مانند قماش پردهٔ خوابش

لغت: ''چہرہ با کسی شدن'' = مقابل ہونا۔ ''قماش'' = انداز

میں محبت (کی کارفرمائیوں پہ) پہ نازاں ہوں کہ اس کی بدولت زلیخا بھی حضرت یعقوب کی حریف بن گئی۔ اُس کی خواب گاہ کے پردے میں وہی انداز پایا جاتا ہے جو یوسف کی بو پیرہن میں تھا (جس سے حضرت یعقوب کی نابینا آنکھوں میں بینائی آگئی تھی۔)

به گیتی ترکِ ذوق کامجوئی مشکل است اما

نویدِ خرمی آن را کہ گیرد دل ز اسبابش

لغت: ''گیرد دل ز اسبابش'' = دل اُوازاسباب (اسباب دنیا) گیرد یعنی جس کا دل مادی دنیا کے سازوسامان سے بے نیاز ہوجائے۔

''ذوقِ کامجوئی'' = خواہشات کے پورا کرنے کا شوق۔

دنیا میں خواہشات مادی کے پورا کرنے کے شوق کو ترک کرنا مشکل کام ہے۔

وہ شخص (جواں ہمت اور خوش بخت) قابل ستائش ہے جو دنیاوی اسباب زندگی سے دل برداشتہ ہوجائے۔

به فیضِ شرع برنفس مزور یافتم دستی

چو آن وزدی کہ گیرد شحنہ ناگاهان بہ مهتابش

لغت: ''نفس مزور'' = (زور سے) نفسِ فریب کار۔ گمراہ کرنے والا نفس......

''شحنہ'' = کوتوال...... ''مہتاب'' = چاندنی۔

فیض شرع کی بدولت میں نے اپنے جوانی پر قابو پالیا۔ میرے اس نفس کی حالت اس چور کی طرح ہے جسے کوتوال چاندنی رات میں اچانک پکڑ لیتا ہے۔

چاندنی سے مراد مقصود یہاں نورِ ہدایت شرع ہے۔

به مستی چتر بستن هاى طاؤس است، پنداری

نشستِ ساقی و انگیز مینای می نابش

لغت: ''انگیز'' = انگیخت، جوش۔ ''چتر بستن طاؤس'' = مور کا اپنی دم چتر بنا کر رقص کرنا۔

ساقی کا بڑے ناز و تمکنت سے بیٹھنے کا انداز اور اُس کی شراب کے نشے کا جوش ایسا ہے جیسے مور چھل بنا کر مستی میں ناچ رہا ہوئی تشبیہ ہے۔

خرابی چو پدید آمد بطاعت دادتن زاهد

خمیدن هاى دیوار سرا گردید محرابش

جب زاہد کو اپنی زندگی میں بربادی اور تباہی کی صورت نظر آئی تو اُس نے بندگی اور اطاعت کا شیوہ اختیار کرلیا گویا اس کے گھر کی جھکی ہوئی دیواریں اس کے لیے محراب کا کام دینے لگ گئیں۔

بساطی نیست بزم عشرتِ قربانی مارا

مگر بافند از تارِ دمِ ساطور قصابش

لغت: ''ساطور'' = چھری۔ ''دم ساطور'' = چھری کی دھار۔ ''بساط'' = فرش۔

ہماری قربانی کی بزم عشرت کے لیے کوئی فرش نہیں جو بچھایا جائے سوائے اس کے کہ قصاب چھری کی تیز دھار کے تار ہی سے اُس لبادۂ فرش کو تیار کریں۔

ز تار شمع نیز آهنگ ذوق ناز می بالد

بشرط آن کہ سازی از پر پروانہ مضرابش

لغت: ''آہنگ'' = سر۔ ''مضراب'' وہ چھلا جس سے ساز بجایا جاتا ہے۔

شمع کے تار سے بھی ذوق ناز کے سُر اُبھر سکتے ہیں بشرطیکہ تو پروانے کے پروں سے اس کا مضراب بنائے۔ جس طرح مضراب سے ساز کی تار چھیڑے جائیں تو نغمے اُبھرتے ہیں اسی طرح اگر پروانہ ہو تو شمع بھی پھلتی پھولتی ہے۔

مناز ای منعم و دیماہ گلخن تاب را بنگر

کہ خوابش مخمل و خاکسترِ گرم است سنجابش

لغت: ''دے ماہ'' = سردی کا ایک مہینا۔ ''گلخن'' = انگیٹھی۔ وہ جگہ جہاں آگ جلائی جائے۔ ''دیماہِ گلخن تاب'' = سردی کا مہینا جو انگیٹھیوں کو جلاتا ہے (یعنی جب مکان کو گرم کرنا پڑتا ہے)۔

امیر لوگ تو سمور اور سنجاب کے بستروں میں لیٹ کر سردی کے دن گزار لیتے ہیں ناداروں کے لیے گلخن کی خاکسترِ گرم ہی بسترِ خواب اور سنجاب لحاف کا کام دیتی ہے۔

ازین رخت شراب آلودہ ات ننگ آیدم غالب

خدا را یا بشویا بفگن اندر راہِ سیلابش

غالب تیرے شراب آلودہ کپڑوں سے مجھے شرم آتی ہے۔ خدا کے لیے یا تو انہیں دھولے یا انہیں کسی سیلاب کے راستے میں ڈال دے کہ طوفانِ آب بہالے جائے۔

❀❀❀

ردیف ص

غزل نمبر(۱)

چو عکس پُل بہ سیل بذوقِ بلا برقص

جا رانگا ہدار و، ہم از خود جدا برقص

پُل کے عکس کی طرح، جو پانی کے بہاؤ میں ہوتا ہے طوفانِ بلا میں خوش ہوتا ہوا اور رقص کرتا ہوا چلا جا۔ اپنے مقام سے باخبر بھی رہ اور پھر بے خود ہو کر عالم وارفتگی میں رقصاں رقصاں گزرتا چلا جا۔

نبود وفای عہد دمی خوش غنیمت است

از شاہدان بنازش عہد و فا برقص

زمانے میں عہد وفا پائدار نہیں۔ خوشی کا ایک لمحہ بھی غنیمت ہے۔ معشوق کی طرح سے عہد وفا پر ناز کر اور رقص کر۔

ذوقی است جستجو چہ زنی دم ز قطع راہ

رفتار گم کن و بصدای درا برقص

جستجو خود ایک لذت ہے۔ راہِ شوق کو ترک کرنے کا خیال چھوڑ دے۔ حرکت رفتار کو بھلا دے اور قافلے کی بانگ درا پر رقص کر۔

سر سبز بودہ و بچمن ہا چمیدہ ایم

ای شعلہ در گدازِ خس و خار ما برقص

ہم تازہ و شگفتہ رہے ہیں اور چمن زاروں کی سیر کی ہے۔ (آج ہم خس و خاشاک ہوگئے ہیں تو کیا) ہماری خس و خاشاک کی آگ سے اُبھرنے والے شعلے، ہمارے اس خس و خاشاک کے گداز میں رقص کر۔

ایسے انسانوں کے جنہوں نے زندگی انتہائی شگفتگیوں میں گزاری ہو، خس و خاشاک میں بھی زندگی کا گداز پایا جاتا ہے۔

ہم بر نوای چغد طریقِ سماع گیر
ہم در ہوای جنبش بال ہما برقص

لغت: ''چغد'' = اُلو۔

اُلو کی منحوس آواز سے بھی لذت اندوز ہو اور فضا میں ہما کے مبارک پروں کے ارتعاش پر رقص کر۔

در عشق انبساط نمی رسد
چو گردباد خاک شو و در ہوا برقص

لغت: ''گرد باد'' = بگولا۔

عشق میں خوشیوں کا سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوتا۔ بگولے کی طرح خاک ہو جا اور دوش ہوا پر رقص کر۔

فرسودہ رسم ہای عزیزان فرو گذار
در سور نوحہ خوان بزم عزا برقص

بزرگوں کی فرسودہ رسموں کو چھوڑ دے۔ بزم طرب (سور) ہو تو نوحہ خوانی کر، اور بزم عزا ہو تو رقص کر۔

چو چشم صالحان و ولای منافقان
در نفس خود مباش ولی بر ملا برقص

لغت: ''صالحان'' = وہ برگزیدہ لوگ جن کا ظاہر و باطن دونوں پاکیزہ ہیں۔ ''منافقان'' = وہ لوگ جن کا باطن کچھ ہے اور ظاہر کچھ۔ صالح لوگوں کی پاک باطنی اُن کی آنکھوں سے نمایاں ہوتی ہیں اور منافق کا زہد و ولا فقط ظاہری ہوتا ہے وہ صاحب حال نہیں ہوتے یونہی مصنوعی وجد کرتے ہیں۔ کہتا ہے:

صالحین کی آنکھ اور منافقوں کے (ظاہراً) اتقا کی طرح، اپنی خودی سے باہر آ اور علانیہ رقص کرتا کہ منافقت کا کوئی شائبہ تجھ میں نہ رہ جائے۔

از سوختن الم، ز شگفتن طرب مجو
بیہودہ در کنار سموم و صبا برقص

لغت: ''سموم'' = گرم ہو۔ ''صبا'' = صبح کی تازہ اور بالخصوص مشرق سے آنے والی ہوا۔

زندگی کے دکھوں میں جلنے سے غمزدہ نہ ہو اور زندگی کی شگفتگیوں میں طرب و نشاط کو تلاش نہ کر۔ اور زندگی کی سموم اور صبا جو بھی میسر آئے، اُن میں یونہی رقص کرتا رہ، کیوں کہ یہ حرکت ہی زندگی ہے۔

غالب بدین نشاط کہ وابستۂ کہ
برخویشتن ببال و بہ بند بلا برقص

غالب تو نے اپنے آپ کو اس طرب و نشاط سے کیا وابستہ کر لیا ہے۔ اپنے آپ سے خوشی کی بالیدگی حاصل کر اور اپنے ہی غموں کی مصیبتوں پر رقص کر۔

❁❁❁

ردیف ض

غزل نمبر(۱)

دل در غمش بسوز کہ جان می دھد عوض
ورجان دھی غمی بہ آزان می دھد عوض

دل کو اُس کے غم میں جلا کہ اُس کے عوض میں تجھے جان ملے گی اور اگر تو جان دے گا تو پھر تجھے وہ غم عطا ہوگا جو جان سے بھی بہتر ہوگا۔

بہ ازآں میں آن کا اشارہ جان بھی ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا اور پھر غم بھی، یعنی دوسرا غم جو جان دینے کے عوض میں ملے گا پہلے سے بہتر ہوگا۔ بہر حال مرزا غالبؔ نے اس شعر میں غم کا نہایت اعلیٰ تصور پیش کیا ہے اور اس کا اظہار وہ جگہ جگہ کرتا ہے۔ اس کے نزدیک غم یاس و حرماں کے احساس کا نام نہیں بلکہ وہ ایک ایسا جذبہ ہے جو انسانی زندگی کو صحت اور توانائی بخشتا ہے اور اس سے انسان کی تمام خوابیدہ استعدادیں بیدار ہوتی ہیں اور بروے کار آتی ہیں۔ وہ غم ہی کو اپنے فنکا سرچشمہ خیال کرتا ہے۔

فارغ مشو ز دوست بہ مَی در ریاضِ خُلد
از ما گرفت آنچہ ھمان می دھد عوض

دوست سے اسی بات پہ خوش اور مطمئن نہ ہو جا کہ باغ جنت میں اُس نے تجھے شراب (طہور) عطا کی ہے۔ اُس نے جو کچھ ہم سے لیا وہی لوٹا دیا۔ یعنی دنیا میں سے شراب (ممنوع قرار دے کر) چھین لی اور پھر وہی جنت میں دی، تو بات کیا ہوئی۔ وہ تو ہماری ہی دی ہوئی تھی بخشش تو نہ ہوئی۔

داغم از آن حریف کہ چون خانمان بسوخت
چشمی بسوی در نگران می دھد عوض

میں اُس حریف مقابل سے جلتا ہوں کہ جب میرا گھر بار جل گیا (یا جلا دیا) تو پھر (حسرت سے) اُس گھر کو دیکھنے والی آنکھ عطا کر دی۔ یعنی ہم ایک تو خانماں برباد ہوئے اور دوسرے حسرت سے اپنی خانہ بربادی کو دیکھ رہے ہیں۔

سرمایۂ خرد بجنون دہ کہ این کریم
یک سود را ھزار زیان می دھد عوض

اس سرمایۂ عقل و خرد کو جنوں کی نذر کر دے کیوں کہ یہ کریم ایک نفع کے عوض ہزاروں نقصان بخشتا ہے۔ کریم سے مقصود خرد ہے۔

نبود سخن سرائی ما رایگان کہ دوست
دل می برد زما و زبان می دھد عوض

ہماری سخن سرائی (شاعری) رائگاں شے نہیں ہے، یہ تو دوست کی عنایت ہے کہ اُس نے ہم سے ہمارا دل چھینا اور اُس کے بدلے میں زباں عطا کر دی۔ یعنی قوت گویائی دی کہ جس سے ہمارا فن شعر اُبھرا۔

از ھرچہ نقش وھم و گمان است در گذر
کو خود برون زوھم و گمان می دھد عوض

وہم و گمان سے یکسر گزر جا کیوں کہ ہمارا محبوب (خدا) ہمیں ہمارے وہم و گماں سے بڑھ کے دیتا ہے۔

آن را کہ نیستی نظر از ماہ و مشتری

چشم سہیل و زہرہ فشان دھد عوض

جس پر ماہ و مشتری کی نظریں نہیں پڑتیں انہیں تو ایسی آنکھیں عطا کرتا ہے جس سے خود سہیل اور زہرہ ٹپکتے ہیں۔ ''ماہ و مشتری'' دو مبارک ستارے ہیں۔

نازم بدست سبحہ شماری کہ عاقبت

شوقش کفِ پیالہ ستان می دھد عوض

تسبیح کے دانے گننے والے ہاتھوں پر قربان کہ آخر کار انہیں ہاتھوں میں جامِ مے اُٹھانے کی توفیق عطا ہوتی ہے۔

آہ از غمش کہ چون ز دل آرام می رود

ناسازیِ ہمنفسان می دھد عوض

اس کا غم بھی کیا بلا ہے کہ جب اس غم کے ہاتھوں دل کا چین چھن جاتا ہے تو ہم نفس (قریبی دوست) کی دوستی سازگار نہیں ہوتی یعنی وہ ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔

پاداش ہر وفا بجفائی دگر کند

غالبؔ ببین کہ دست چسان می دھد عوض

غالبؔ، ہمارا دوست ہر وفا کی پاداش میں نئی جفا کرتا ہے دیکھ کہ اُس کے بدلہ اتارنے کا انداز کتنا انوکھا ہے۔

❀❀❀

ردیف (ط)

غزل نمبر۱

گوئی کہ ھان وفا کہ وفا بودہ است شرط

آری ھمین ز جانب ما بودہ است شرط

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے:

تو نے کہا کہ وفا پر قائم رہو کہ وفا کا ہونا شرط ہے، بالکل بجا ہے ہماری طرف سے بھی وفا کی شرط ضروری ہے۔

ھی ھی نہ یاد داشت نخستینہ شرط بود

گفتی زیاد رفت چھا بودہ است شرط

افسوس کہ یہ بھی یاد نہیں کہ محبت میں پہلی شرط کیا تھی۔ تو نے کہا کہ میں بھول گیا کہ شرط کیا تھی۔

بس نیست اینکہ می گزرد در خیال ما

گفتی بہ عشق آہِ رسا بودہ است شرط

یہی کافی نہیں کہ صرف خیال تک محدود رہے۔ عشق میں آہ رسا کا ہونا لازمی ہے (شرط ہے)۔

لب برلبت نھادن و جان دادن آرزوست

در عرضِ شوق حسن ادا بودہ است شرط

تمنا ہے کہ تیرے لبوں پر لب رکھ کر جان دے دوں، کیونکہ اظہارِ شوق کے لیے یہ بھی لازمی شرط ہے کہ اس میں حسن ادا ہے کہ نہیں یعنی اظہار کس خوبصورتی سے کیا گیا ہے (گویا جاں دے دینا حسن ادا ہے)۔

میرم ز رشک گر همه بویت بمن رسد

کامیزشِ شمال و صبا بوده است شرط

لغت: ''شمال'' = شام کے وقت شمال سے چلنے والی ہوا۔

''صبا'' = صبح کو مشرق سے چلنے والی ہوا۔

اگر تیرے گل حسن کی تمام خوشبو کا رخ میری ہی طرف ہو تو میں رشک سے جان دے دوں گا کیوں کہ اس میں کچھ شمال اور صبا کا انداز ہونا چاہیے۔ یعنی کبھی اِدھر کا رخ کرے کبھی اُدھر کا۔ اتنی توجہ سے شبہ ہونے لگتا ہے۔

گو درمیان نیامده باشد ولی به دهر

اندازهٔ ز بهر جفا بوده است شرط

اگرچہ کبھی ایسا ہوا نہ ہو لیکن زمانے میں جور و ستم کی حد مقرر ہے۔

گرم است دم بناله، سرشکی فرو ببار

پاکی پی بساط دعا بوده است شرط

نالہ و فریاد سے سانس میں گرمی پیدا ہوگئی کچھ آنسو بھی بہالے۔ دعا مانگنے کے لئے پاکیزگی اور طہارت (وضو) کی شرط ہے۔

همدم نمک به زخم دلم مشت مشت ریز

آخر نه پرسشی بسزا بوده است شرط

اے میرے ہمدم! میرے زخموں پر مٹھی بھر بھر کے نمک چھڑک۔ پرسشِ حال حالت کی خرابی کے مطابق ہونی چاہیے۔ ہمدم علاجِ عشق تو کیا کرے گا اس کی چارہ گری زخموں پر نمک ہی چھڑکتی ہے۔ اسی لیے طنزاً نمک پاشی پر زور دیا۔

تا نگزرم ز کعبه چه بینم که خود ز دیر

رفتن به کعبهٔ رو به قفا بوده است شرط

شاعر نے عجیب انداز میں بات کی ہے۔ کہتا ہے دیر کو چھوڑ کر کعبے کی طرف جانے کی بھی یہ شرط کہ منہ پچھلی طرف ہی رہے (یعنی دیر کی طرف)۔ اب بتائیے کہ جب تک کعبے کو نہ ترک کروں اُسے کیسے دیکھ سکوں گا۔ کیوں کہ ترک کرتے ہوئے آنکھ پیچھے کی طرف رکھنی ہوگی اور یہی صورت اسکے دیکھنے کی ہے اور اس کے لیے کعبے سے رخصت ہونا شرط ہے۔

مقصود یہ ہے کہ دیر سے قدم کعبے کی طرف نہیں اٹھتے۔

غالب بعالمی که توئی خونِ دل بنوش

از بهر باده برگ و نوا بوده است شرط

لغت: ''برگ و نوا'' = ساز و سامان یعنی گزک یا وہ چیزیں جو شراب کے ساتھ کھائی جائیں۔

غالب! تو جس عالم میں ہے خونِ دل پی۔ شراب کے لئے کچھ تو کھانے کا سامان ہونا چاہیے۔

غزل نمبر(۲)

تکیہ بر عہد زبان تو غلط بود غلط
کا ین خود از طرز بیان تو غلط بود غلط

تیرے زبانی وعدے پر بھروسا کرنا غلط، کیوں کہ تیرے وعدہ کرنے کے انداز ہی سے پتا چلتا تھا کہ ایسا ہی ہے۔

آنگہ گفت از منِ دل خستہ بہ پیش تو رقیب
کہ غلط بود، بجان تو غلط بود غلط

یہ جو میرے رقیب نے تجھ سے میری خستہ حالی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ بالکل غلط بات ہے تو تیری جان کی قسم یہ واقعی اُس نے غلط کہا، یعنی اُس نے جھوٹ بولا۔

غنچہ را نیک نظر کردم ادائی دارد
وین کہ ماند بہ دہان تو غلط بود غلط

میں نے کلی کو بڑے غور سے دیکھا اس میں ایک حسن تھا لیکن یہ کہ وہ تیرے دہن تنگ کی طرح ہے، غلط ہے۔

دل نھادن بہ پیام تو خطا بود خطا
کام جستن بہ لبان تو غلط بود غلط

تیرے زبانی پیام پر دل لگانا یعنی اُسے درست ماننا، غلطی تھی (جو ہم سے سرزد ہوئی

تیرے لبوں سے کسی خواہش کا پورا ہونے کی توقع ہی غلط تھی۔

این مسلم کہ لب ھیچ مگوئی داری
خاطرِ ھیچمدانِ تو غلط بود غلط

لغت: ''لب ہیچ مگو'' = جن لبوں سے کوئی بات نہ نکلے۔لب خاموش۔
''خاطرِ ہیچمدان'' = وہ دل جو کچھ نہ جانتا ہو۔ بالکل بےخبر دل، بےاحساس دل۔
یہ تسلیم ہے کہ تیرے لب سرتاسر خاموش ہیں لیکن یہ کہ تیرا دل یکسر بےخبر غلط ہے۔

ھر جفائی تو بپاداشِ وفائی است ھنوز
دعوی مابہ گمانِ تو غلط بود غلط

ہمارا خیال تھا کہ تیری جفا کاریوں کی کوئی حد نہیں لیکن یہ خیال کرنا ہماری غلطی تھی اس بارے میں ہمارا دعویٰ غلط نکلا) اب تک تو نے جو جفا کی ہے وہ ہماری وفا کے صلے میں ہے اور محض اس وفا کے عوض میں ہے **اور** بس۔

آخر ای بو قلمون جلوہ کجائی کا ینجا
ھرچہ دادند نشان تو غلط بود غلط

لغت: ''بوقلمون جلوہ'' = رنگ رنگ کے انداز میں جلوہ گر ہونے والا۔(اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے)۔

ایسے سو انداز میں جلوہ افروز ہونے والے تو کہاں ہے کیوں کہ یہاں تو جو بھی تیرے بارے میں نشان دہی کی تھی غلط نکلی۔

تھک تھک کے رہ گئی ہے میری چشمِ جستجو
کس گوشۂ جہاں میں نہاں ہو صدا تو دو

شوق می تافت سر رشتۂ وهمی ورنہ
هستی ما و میان تو غلط بود غلط

ہمارے شوق وصال ہی نے ایک طلسم باندھ لیا ورنہ ہمارے اور تیرے درمیان کسی غیر ہستی کا ہونا یکسر غلط ہے۔

آن تو باشی کہ نظیر تو عدم بود عدم
سایہ در سرو روان تو غلط بود غلط

تو وہ ہے کہ تیری نظیر کالعدم ہے (تیرا کوئی ثانی نہیں) تیرے سرو رواں کا سایہ غلط تھا۔

می پسندی کہ بدین زمزمہ میرد غالبؔ
تکیہ بر عهد زبان تو غلط بود غلط

کیا تو یہ گوارا کرتا ہے کہ غالب یہی راگ الاپتا جان دے دی کہ تیرا زبانی وعدہ غلط تھا۔

❁❁❁

ردیف ظ

غزل نمبر(۱)

مرا کہ بادہ ندارم، ز روزگار چہ حظ
ترا کہ هست ونیاشامی، از بهار چہ حظ

لغت: ''روزگار'' = زمانہ، دنیا، دنیاوی زندگی...... ''حظ'' = لذت۔

میرے پاس شراب نہیں، مجھے اس زندگی سے کیا لذت حاصل ہوگی۔ تیرے پاس ہے اور تو پیتا نہیں، تجھے بہار کا کیا مزا آئے گا۔

خوش است کوثر و پاک است بادۂ کہ دروست
ازآن رحیق مقدس، درین خمار چہ حظ

لغت: ''رحیق'' = شراب صاف، مےناب۔

حوضِ کوثر کے کیا کہنے، خوب جگہ ہے اور پاک ہے وہ شراب جو اس میں ہے لیکن ہمیں اس حالتِ خمار میں اُس مقدس اور پاکیزہ مےناب کا فائدہ۔

چمن پُر از گل و نسرین و دلربائی نی
بدشتِ فتنہ ازین گرد بی سوار چہ حظ

چمن گل و نسریں سے پُر ہے لیکن محبوب نہیں۔ اس بیابان فتنہ زار ہستی میں یہ بے سوار گرد کیسا بے کیف ہے۔

شاعر نے ایسے چمن زار کو جہاں محبوب نہیں ہے ایک ایسے دشت سے تشبیہ دی جہاں گردِ راہ تو ہے لیکن اُس میں کوئی سوار نہیں ہے۔اس عالم گل ونسریں کے پھول گرد وغبار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس شعر میں ایک مؤثر محاکاتی کیفیت ہے جو صاحب ذوق سے پوشیدہ نہیں۔

بذوق بی خبر از در در آمدن محوم

بو عدہ چہ نیاز و ز انتظار چہ حظ

میں تو اس ذوق میں محو ہوں کہ کوئی اچانک اندر آ جائے گا، مجھے کسی کے آنے کے وعدہ پر کیا احساس نیازمندی اور انتظار سے کیا لذت۔

درآں چہ من نتوانم ز اختیار چہ سود

بدانچہ دوست نخواهد ز اختیار چہ حظ

جو بات میں کر نہیں سکتا اُس میں اختیار دے دینا کس کام کا اور جو بات دوست نہیں چاہتا اس بات کو کرنے پر ''اختیار'' حاصل ہونے سے کیا لذت نصیب ہو سکتی ہے جبر و اختیار کے مسئلے کی بڑی خوبصورت توجیہہ کی ہے کہتا ہے:

قدرت نے انسان کو اختیار تو دیا لیکن اُس اختیار کو بروئے کار لانے کی طاقت نہ دی۔اور جہاں کچھ طاقت دی وہاں روک دیا گیا۔

چنین کہ نخل بلند است وسنگ ناپیدا

زمیوہ تانفتد خود ز شاخسار چہ حظ

یا تو پھر کے درخت کی شاخیں اتنی نیچی ہوں کہ انسان ہاتھ اُٹھا کر پھل توڑ سکے یا پھر کوئی

پتھر یا اینٹ کا ٹکڑا ہو کہ وہ مار کر پھل کو شاخسار سے گرا لیا جائے۔اب جب کہ درخت بلند اور پتھر نایاب ہے ایسے پھل سے کہ جب تک وہ شاخ سے خود بخود نیچے نہیں آ گرتا کیا لذت نصیب ہو گی۔

نہ هر کہ خونی و رهزن بپانہ منصور است

بدین حفیض طبیعی زاوجِ دار چہ حظ

لغت: ''حفیض'' = پستی .... ''حفیض طبیعی'' قدرتی پستی، دنیا۔

ہر خونی اور رہزن (جسے پھانسی دی جاتی ہے) منصور کا مرتبہ نہیں رکھتا۔اس طبعی مقام پستی میں دار کی بلندی سے کیا لذت حاصل ہو سکتی۔

بہ بند زحمت فرزندوزن چہ می کُشیم

ازین نخواستہ غمھائی گوار چہ حظ

فرزند و زن کی مصیبت کے قید و بند میں ڈال کر ہمیں کیوں مار رہا ہے۔ان بن مانگے ناگوار غموں میں ہمیں کیا ملے گا۔

تو آنی آنکہ نشانی بجائی رضوانم

مرا کہ محوخیالم زکار و بارچہ حظ

تیری ذات وہ ہے کہ جو مجھے رضوان کی جگہ پر بھی بٹھا سکتی ہے لیکن میری یہ حالت ہے کہ میں اپنے خیالات میں محو ہوں مجھے اس کاروبار بے معنی سے کیا فائدہ۔

''رضوان'' باغ جنت کے پاسبان فرشتے کو کہتے ہیں۔ جہاں وہ نیک لوگوں کو فردوس میں جانے کی اجازت دیتا ہے لیکن ایک ایسا انسان جوان تمام امور سے بے نیاز ہوا سے اس بلند مرتبے سے کیا غرض۔

بعرضِ غصہ نظیری وکیلِ غالبؔ بس
اگر تو نشنوی از نالہ ھای زار چہ حظ

لغت: ''غصہ فارسی میں انتہائی غم واندوہ کے لئے آتا ہے۔
غالبؔ انتہائی رنج والم کے اظہار کے موقع پر نظیری ہی ہمارا وکیل کافی ہے (جس کا یہ مصرعہ ہے) کہ:
اگر تو سنتا نہیں تو ہماری یہ گریہ و زاری کس کام کی۔

❀❀❀

غزل نمبر (۲)

تار رغبتِ وطن، نبود از سفر چہ حظ
آن را کہ نیست خانہ بہ شہر از خبر چہ حظ

جب تک وطن سے دلی لگاؤ نہ ہو سفر سے کیا حظ نصیب ہوگا۔ جس شخص کا کسی شہر میں گھر نہ ہوگا اُسے اُس نگری کی خبروں سے کیا فائدہ۔

از نالہ مستِ زمزمہ ام ھمنشین برو
چون نیست مطلبی زنوید اثر چہ حظ

میں فریاد کررہا ہوں اور اس فریاد کی نغمہ بھری آواز ہی میں کھوگیا ہوں، اے ہم نشیں میرا ساتھ چھوڑ دے اور جا۔ جب مجھے فریاد کرنے سے کسی مقصود کے پورا ہونے سے غرض نہیں ہے تو پھر نالہ اور فریاد کی اثر انگیزیوں کا مجھ سے تذکرہ کرنا بے سود ہے۔ اس سے مجھے کیا حظ نصیب ہوگا۔

درھم فگندہ ایم دل و دیدہ راز رشک
چون جنگ باخود است زفتح وظفر چہ حظ

ہم نے رشک سے دل و دیدہ دونوں کو برباد کرلیا ہے۔ جب جنگ اپنے آپ سے ہے تو اس میں فتحیابی اور کامیابی سے کیا لذت حاصل ہوگی۔ یعنی عشق میں اگر مزہ ہے تو ہار میں ہے۔ فتح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

عشق کی بازی کیا کہیے   سوچ سمجھ کر کھائی مات

دلھائی مُردہ را ز نشاط نفس چہ کار
گلھائی چیدہ را ز نسیم سحر چہ حظ

افسردہ اور بجھے ہوئے دلوں کو خوشیوں سے سانس لینے سے کیا سروکار، جو پھول شاخ سے چن لیے گئے ہوں انہیں نسیم سحر کے جھونکوں کا فائدہ؟
دلہائے مردہ کو گلہائے چیدہ سے تشبیہ دینا بڑی خوبصورت بات ہے۔

تا فتنہ در نظر ننہی از نظر چہ سُود

تا دشنہ بر جگر نخوری از جگر چہ حظ

جب محبت کا کوئی ہنگامہ نظر کے سامنے نہ ہو تو نظر کا کیا فائدہ۔ جب تک تو جگر پر خنجر نہیں کھاتا جگر کس کام کا۔

زان سوئی کاخ روزنِ دیوار بستہ اند

بی دوست از مشاہدۂ بام و در چہ حظ

محبوب کے مکان (محل) کے اس طرف تو دیواروں کے روزن بھی بند ہیں تو پھر دیدارِ دوست کے بغیر فقط بام و در کو دیکھتے رہنے میں کیا لذت حاصل ہوگی۔

اس شعر کا اطلاق شاہدِ حقیقی پر بھی ہو سکتا ہے جو گنبدِ بے در کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا ہے اور دنیا کی نظریں اوپر کی طرف لگی ہوئی ہیں۔

لرزد بجانِ دوست دلِ سادہ ام زمہر

بیچارہ را ز غمزۂ تاب کمر چہ حظ

میرا سادہ دل محبت کے باعث دوست کی حالت کو دیکھ کر لرز اُٹھتا ہے بیچارے کو کمر کے بل کھانے کی ادا سے کیا لذت نصیب ہوگی کہ کمر ہے ہی نہیں۔ (بجانِ دوست) کا ایک مفہوم تو یہ بھی ہے کہ جانِ دوست کی قسم اور دوسرا یہ کہ دوست کی جان پر۔

چون پردۂ محافہ ببالا نمیزند

از وی بہ داعیانِ سرِ رہگذر چہ حظ

لغت: ''محافہ''=محمل۔

جب محمل کے پردے ہی کو اوپر نہیں اُٹھایا جاتا تو پھر سرِ رہگذر بیٹھنے والوں کا دعوی محبت کس کام کا۔

باید بنشت نکتۂ غالبؔ بہ آبِ زر

بی آنکہ وجہ می شود از سیم و زر چہ حظ

غالبؔ کے اِس نکتے کو آبِ زر سے لکھ لینا چاہیے کہ اُس چاندی سونے سے کیا لذت جو وجہ سے نہیں۔

ردیف ع

غزل نمبر(۱)

تا تفِ شوق تو انداختہ جان در تن شمع
شرر از رشتۂ خویش است بہ پیراهن شمع

لغت: ''شرر در پیراہن بودن'' فارسی میں محاورہ ہے، بے چین ہونا۔

جب سے تیری محبت کی گرمی نے شمع کے تن میں جان بھر دی ہے (یعنی تیری محبت شمع کے تن سمائی ہے) شمع کا دھاگا اُس کے پیرہن کا شور بن گیا ہے۔

یعنی تیری محبت نے شمع کے دل میں بھی آگ لگا دی ہے اور وہ اس آگ میں جل کر بے تاب ہو رہی ہے۔

جان بہ ناموس دهی چند فراهم شده اند
ورنہ خود با تو چہ بود است رگِ گردنِ شمع

ناموس پر جان دینے والے چند پروانے تیرے گرد جمع ہو گئے ہیں ورنہ تیرے پاس اے شمع تھا کیا۔

مجمعی از دل و جان است بگرد در دوست
تودۂ از پر و بال است بہ پیرامن شمع

لغت: ''پیرامن یا پیرامون'' = اردگرد۔

یہ جو (پروانوں کے) پر و بال کا ایک ڈھیر شمع کے گرد اکٹھا ہوا ہے یہ عاشقوں کے دل و جان دوست کے دروازے پر پڑے ہیں۔

روزم از تیرگی آن وسوسہ ریزد بنظر
کہ شب تار بهنگام فرو بُردن شمع

میرا دن اپنی تاریکی کے باعث میری نظر میں کچھ ایسا وسوسہ پیدا کر رہا ہے (دکھائی دے رہا ہے) جیسے سیاہ رات اپنی سیاہی کے باعث شمع ہی کو نگل جائے یعنی یوں محسوس ہو کہ بجھ گئی ہے۔

بی تو از خویش چہ گویم کہ بہ بزم طربم
پردۂ گوش گل افگار شد از شیون شمع

تیرے بغیر میں بتاؤں کہ بزم طرب کا کیا عالم ہوا۔ شمع کی فریاد سے پھولوں کے کان کے پردے پھٹ گئے۔

نازم آن حسن کہ در جلوہ ز شهرت باشد
خاطر آشوبِ گل و قاعدہ برهمزنِ شمع

لغت: ''خاطر آشوب'' = دل کو پریشان کرنے والا ''قاعدہ برہم زن'' = بنیاد اکھیڑ دینے والا۔

میں اس حسن پر نازاں ہوں کہ جو اپنے جلوہ ریزوں کی شہرت سے بلبل کے دل کو پریشان کر دے اور شمع کو لرزا دے۔

بر نتابد زبتان جلوہ گرفتار کسی
صبح را کردہ هوا داری گل دشمن شمع

لغت: ''گرفتارِ کسی'' = کسی کا دل گرفتہ، کسی کا عاشق ''ہواداری'' = طرفداری۔
جو شخص کسی کے حسن پر فریفتہ ہو وہ دوسرے حسینوں کا جلوہ آرا ہونا گوارہ نہیں کرتا۔ دیکھو کہ پھول کی محبت (ہواداری) نے صبح کو شمع کا دشمن بنا دیا ہے۔ (صبح ہوتی ہے تو شمع بجھ جاتی ہے ''ہواداری'' کا لفظ صبح کی مناسبت سے یہاں بہت موزوں ہے۔

می گدازم نفسی بی شرر و شعلہ و دود
داغِ آن سوز نھانم کہ نباشد فنِ شمع

میں بغیر شرر، شعلہ اور دھویں کے سانس کو جلا رہا ہوں میں اس سوز نہاں کا مارا ہوا ہوں کہ جو شمع کا فن نہیں ہے۔
یعنی میں سوز باطن سے جل گیا ہوں اور یہ سوز شمع کو نصیب نہیں۔

وقتِ آرائشِ ایوانِ بھار است کہ باز
کوہ از جوش گل و لالہ بود معدن شمع

ایوان بہار کی آرائش کا وقت آ گیا کہ کوہسار ایک بار پھر جوش گل و لالہ سے شمعوں کی کان معلوم ہوتا ہے۔

غالب از ھستی خویش است عذابی کہ مراست
ھم ز خود خارِ غم آویختہ در دامنِ شمع

اے غالب میں جس عذاب میں مبتلا ہوں یہ میری اپنی ذات کا پیدا کردہ ہے۔
یوں سمجھو کہ جیسے شمع کے دامن میں چھپا ہوا کانٹا اُس کا اپنا چبھویا ہوا ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۲)

شادم کہ بر انکار من شیخ و برھمن گشتہ جمع
کز اختلاف کفر و دین خود خاطر من گشتہ جمع

میں نے کفر و دیں کے باہمی اختلاف سے انکار کیا ہے اور میں خوش ہوں کہ میرے اس انکار نے شیخ و برہمن کو جمع کر دیا ہے اور اس کفر و دین کے اختلاف نے میرے دل کو تسکین بھی دی ہے (مجھے دلجمعی حاصل ہے)۔
شیخ دین کا حامی ہے اور برہمن کفر کا۔ میں نے دونوں کے وجود سے انکار کیا ہے۔ اس پر شیخ و برہمن دونوں ان کی حمایت میں جمع ہو گئے ہیں اور مجھے یہ خوشی ہوئی یہ باہم مل تو بیٹھے اور مجھے اس کشمکش سے نجات مل گئی۔

مقتول خویشانِ خودم، جوئید خون ریز مرا
زینان کہ بر نعشِ من اند از بھر شیون گشتہ جمع

میں اپنوں کے ہاتھوں قتل ہوا ہوں، یہ لوگ جو میری نعش پر ماتم کرنے کی غرض سے جمع ہوئے انہی میں سے میرے قاتل (خون ریز) کو تلاش کرو کہ کون ہے۔

درگریہ تافتم زخود اندوھم از سر تازہ شد
برھئیت دل، لختِ دل، بازم بدامن گشتہ جمع

لغت: ''اندوہم ازسر تازہ شد'' = میرا غم ازسرِنو تازہ ہوگیا...... ''بر ہیئت دل'' = دل کی شکل وصورت پر، اُسی سانچے میں ڈھل کر۔

مٙیں رو رو کر بے خود (نڈھال) ہوگیا لیکن بجائے اس کے کہ اِس سے میرا غم ہلکا ہوجاتا میرا غم ازسرنو تازہ ہوگیا۔ یہ جو میرے دامن پر میرے خونیں اشک بہانے سے دل کے ٹکڑے جمع ہوگئے ہیں انہوں نے ازسرنو میرے دل کی صورت اختیار کر لی ہے۔

رقصم بذوق روی اُو، چون بینم اندر کوئی اُو
ھم رفتہ نفت و بوریا، ھم سنگ و آھن گشتہ جمع

ای آنکہ برخاک درش، تن ھائی بی جان دیدہ ای
برگوشۂ بامش نگر، جان ھای بی تن گشتہ جمع

لغت: ''تن ہائی بے جان'' = بے روح جسم، اُن لوگوں کی نعشیں جو معشوق کے ہاتھوں جان دے چکے ہیں۔

'' جاں ہائے بےتن'' = وہ شہیدانِ محبت جن کی موت کے بعد اُن کی نعشیں اُٹھائی گئی ہیں اور اب اُن کی روحیں، محبوب کے گھر کی چھت پر منڈلا رہی ہیں۔

تونے اُس کے دروازے (یعنی محبوب کے) کی خاک پر بے جاں جسم (نعشیں) تو دیکھی ہیں، اوپر بام پر نظر ڈال کہ کتنے عشاق کی بے جسم روحیں جمع ہوگئی ہیں۔

شہیدانِ محبت کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔

ھی ھی چہ خوش باشد بہ دی، آتش بہ پیش و مرغ و می
از بذلہ سنجان چندکس در یک نشیمن گشتہ جمع

سبحان اللہ! سردی کے موسم میں کیسا اچھا سہانا سماں ہے کہ آگ سامنے ہے، شراب ہے اور مرغ کباب اور پھر کتنے بذلہ سنج لوگ ایک جگہ جمع ہوئے ہیں۔ یعنی ایک ایسی محفل ہے جس نے سردی میں گرما رکھا ہے

صبح است و گونا گون اثر غالب بہ خسپی بی خبر
نیکان بہ مسجد رفتہ در، رندان بگلشن گشتہ جمع

صبح کا سماں ہے، اور فضا پر طرح طرح کی کیفیتیں طاری ہیں۔ غالب بے خبر تو کیا سو رہا ہے، دیکھ کہ پرہیزگار اور زاہد لوگ مسجد میں آ چکے ہیں اور رند مشرب باغ میں جمع ہوگئے ہیں، تو بھی اُٹھ اور اس کیف اور سحر سے لطف اندوز ہو۔

''بہ مسجد رفتہ در'' میں در زائد ہے۔

جیسے سعدیؔ کے اس مصرعے میں در زائد ہے:

بہ دریا در منافع بے شمار است۔

❀❀❀

ردیف غ

غزل نمبر(۱)

بخون تپم بسرِ رهگذر دروغ دروغ

نشان دهم برهت صد خطر دروغ دروغ

میں تیری رہ گزر میں تڑپ رہا ہوں غلط ہے اور اس طرح تڑپنے سے دنیا کو تیری راہ کی مصائب کی نشان دہی کروں سرتا پا غلط بات ہے۔

مرو بگفتِ بد آموز و بیم ناک مباش

من و ز نالہ تلاشِ اثر دروغ دروغ

لغت: ''بدآموز'' = برا سبق سکھانے والا۔ گمراہ کرنے والا (مراد رقیب)

رقیب بدآموز کے کہنے میں مت آ اور یونہی گھبرا نہیں، میں (تیری محبت میں فریاد کروں) نالہ و زاری کروں اور پھر اس سے اثر انگیزی کی توقع بھی غلط ہے۔ (یعنی میری فریادوں میں اثر کہاں، تو رقیب کے کہنے پر ہراساں کیوں ہو رہا ہے)۔

فریب وعدۂ بوس و کنار یعنی چہ

دهن دروغ دروغ و کمر دروغ دروغ

محبوب کا بوس و کنار کا وعدہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور کون اس فریب میں آ سکتا ہے، بوسہ کیسا کہ اسکا دہن ہی نہیں اور ہمکنار ہونا کیسا کہ کمر ندارد۔

معشوق کے دہن تنگ اور باریک کمر کو مبالغے سے عدم قرار دیتے ہیں کہ سرے سے ہے ہی نہیں۔

طراوت شکن جیب و آستینت کو

زنانہ دم مزن ای نامہ بر دورغ دروغ

اے قاصد اُس کے (محبوب کے) خط کے لانے کا ذکر نہ کر۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ اس خط کی تہوں میں اس کے جیب و آستیں کی شکن کا انداز کہاں ہے؟

من و بذوقِ قدم ترکِ سر، درست درست

تو و زهر بخاکم گزر دورغ دروغ

میں تیری قدم بوسی کے صدقے میں اپنا سر (اپنی جاں) دے دوں بالکل بجا اور درست لیکن یہ کہ تو از رہ لطف و محبت میری خاک پر سے گزرے، یکسر غلط اور جھوٹ۔

تو و زبیکسی ام اینهمہ شگفت شگفت

من و بہ بندگیت اینقدر دروغ دروغ

تجھے میری بے کسی پر اتنا تعجب! اور میں تیری بندگی میں قبول ہو جاؤں اتنا جھوٹ!

اگر بہ مهر نخواندی بناز خواهی، کشت

نہ هرچہ وعدہ کنی سر بسر دورغ دروغ

تو جو وعدہ کرتا ہے وہ سر بسر غلط اور جھوٹ نہیں ہوتا۔ اگر تو محبت سے پیش نہیں آتا (نہیں بلاتا) نہ سہی تو اپنے ناز و ادا ہی سے مار ڈالے گا۔ یعنی تیرا مارنے کا وعدہ پورا ہو کے

رہے گا۔ مہر و محبت سے نہیں ناز و ادا ہی سے سہی۔

دگر کرشمہ در ایجاد شیوۂ نگہی است
تو زعر بدہ قطع نظر دروغ دروغ

لغت: ''کرشمہ'' = لغوی معنی آنکھوں کا اشارہ، ناز و انداز سے دیکھنا، غمزہ۔

تیرا نازِ حسن اب ایک اور انداز نگاہ ایجاد کرنے کی فکر میں ہے ورنہ تو اور ہم سے الجھنے سے قطع نظر کرے، غلط بات ہے۔ تیری بے التفاتی یا بے اعتنائی کا یہ مفہوم نہیں کہ تو ہم سے الگ ہونا چاہتا ہے بلکہ تو کسی اور رنگ میں جلوہ گر ہوگا۔

درین ستیزہ ظہوری گواہ غالب بس
''من وز کوئی تو عزم سفر دروغ دروغ''

ہماری اور تمہاری کشمکش عشق و حسن میں غالب کا گواہ ظہوری ہے۔ جس نے کہا تھا کہ 'میں تیرے کوچے سے اُٹھ کر چلا جاؤں، غلط ہے''۔

اس شعر کا دوسرا مصرعہ ظہوری کا ہے۔ جس کا تتبع میں یہ غزل کہی گئی ہے۔

غزل نمبر(۲)

ھنگام بوسہ برلب جانان خورم دریغ
در تشنگی بچشمۂ حیوان خورم دریغ

بوسہ لیتے ہوئے مجھے محبوب کے لب بھی مایوس کرتے ہیں افسوس میں پیاس، چشمۂ حیوان بھی نہیں بجھا سکتا۔

عاشق کی تشنگی شوق کا یہ عالم ہے کہ محبوب کا بوسہ لیتے ہوئے بھی گویا بوسے کو ترستا ہے۔

بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی
جو تو دریا ے ہے تو ے خمیازہ ہوں ساحل کا

(غالب)

آن سادہ روستائی شہرِ محبتم
کز پیچ و خم بہ زلفِ پریشان خورم دریغ

میں شہر محبت کا وہ سادہ گنوار سا شہری ہوں کہ مجھے زلف پریشاں کے پیچ وخم پر دکھ ہوتا ہے کہ کس پیچ و تاب میں الجھی ہوئی ہے۔

در رشکم از صلا، و ملولم، ز دور باش
بر خوانِ وصل و نعمت الوان خورم دریغ

لغت: ''صلا'' = دعوت، بلاوا۔ دور باش، صلا کا الٹ رد کردینا۔

بزم وصال میں، سامان دعوت اور خوان نعمت دونوں سے طبیعت گھبراتی

ہے۔ دعوت ہو تو رشک مارے ڈالتا ہے اور نہ بلایا جائے تو محرومی پر دکھ ہوتا ہے۔

خواہم زبہر لذتِ آزار زندگی

بر دل بلا فشانم و برجان خورم دریغ

میں چاہتا ہوں کہ زندگی میں دکھ کی بھرپور لذت پیدا کرنے کے لئے اپنے دل کو مصائب میں غوطہ دوں اور جاں کی نوحہ خوانی کروں۔ گویا درد و غم ہی سے زندگی میں لذت پیدا ہوتی ہے۔

رفتار گرم و تیشۂ تیزم سپردہ اند

از خویشتن بکوہ و بیابان خورم دریغ

قیس کی صحرا نوردی اور فرہاد کی تیشہ سے کوہکنی مشہور ہے اور دونوں اس وجہ سے عشق و عاشقی میں سرفراز ہیں۔ کہتا ہے:

مجھے قدرت نے رفتارِ گرم بھی دی ہے اور تیشۂ تیز بھی، میرے سامنے یہ کوہ و بیاباں کیا ہیں مجھے ان دونوں کی کم مائگی پہ رونا کیا آتا ہے:

عرفی نے خوب کہا

رفتم این راہ و لیکن نہ چون ایشان رفتم

از خود برون نرفتہ و درہم فتادہ تنگ

در راہِ حق بگبر و مسلمان خورم دریغ

حق کی راہ میں مجھے گبر و مسلماں دونوں کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ دونوں اپنی خودی

سے باہر نہ آسکے اور ایک تنگ دائرے میں ایک دوسرے سے الجھے رہے۔

زین دود زین شرار، کہ در سینۂ من است

سازم سپہر گر نہ بہ سامان خورم دریغ

ان آہوں کے دھوئیں اور ان آتشیں فریادوں کے شرار سے جو میرے سینے میں دبے ہوئے ہیں ایک آسماں کھڑا کر سکتا ہے لیکن پھر خیال آتا ہے کہ یہ سارا ساز و سامان ضائع ہو جائے گا۔

ل ز آنِ تست، ہدیۂ تن کن کنار و بوس

چند از تو بر نوازش پنہان خورم دریغ

میں کب تک تمہاری پنہاں نوازشوں کو دیکھ کر جن سے تم مرا دل لبھاتے ہو، افسوس کرتا رہوں گا، کیوں کہ دل تو تمہارا ہی مال ہے اُسے چھوڑو اور کچھ میرے بدن کی تسکین کا بھی سامان کرو یعنی کچھ بوسے اور کچھ ہم آغوشیاں اس جسم کی نذر کرو۔

کاری ندید آنکہ توان در من آفرید

در شورہ زار خویش بباران خورم دریغ

جس ہستی نے مجھ میں زندگی کی توانائی (تواں) بھر دی اُس نے اور کچھ اور بہتر نہ سوجھا جو وہ کرتی۔ مجھے اس بارانِ رحمت پر جو میرے شورہ زار پر ہو رہی ہے اور ضائع ہو رہی ہے سخت افسوس آتا ہے۔

ھمہ حیرتم کہ دھقان بچہ کا رکشت مارا

غالبؔ شنیدہ ام ز نظیری کہ گفتہ است

''نالم ز چرخ گر نہ بافغان خورم دریغ''

غالب میں نے نظیری سے یہ نکتہ سنا ہے جو کہتا ہے ''اگر مجھے فریاد کہ ضائع ہونے کا ڈر نہ ہو تو آسماں سے جو دکھ پہنچے ہیں اُن کے ہاتھوں نالہ وفغاں کروں''۔

❁❁❁

ردیف ف

غزل نمبر(۱)

گل و شمعم بہ مزارِ شهدا گشت تلف

نشدی راضی و عمرم بدعا گشت تلف

مرزا غالب کی یہ غزل بھی اُس کی غزلوں کی طرح ایک خاص کیفیت کی حامل ہے او اُس کے انفرادی طرزِ فکر اور اسلوب بیان کی آئینہ دار ہے۔

شہدا کے مزار پر پھول اور شمعیں چڑھائی جاتی ہیں اور پھر حصول مقصد کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ کہتا ہے کہ کتنے پھول اور شمعیں مزار شہدا پر ضائع ہوگئیں، تو مائل التفات نہ ہوا اور میری عمر دعائیں مانگنے میں بسر ہوگئی۔

سعی در مرگِ رقیبان گران جان کردی

می شناسم کہ چہ از ناز و ادا گشت تلف

لغت: ''گران جان'' = سخت جاں۔

تو نے کتنی کوشش کی کہ رقیب تیرے عشق میں جان دے دے لیکن وہ سخت جان نکلے اور میں جانتا ہوں کہ تیری ان کوششوں میں کتنی حسین ادائیں اور کتنے لطیف ناز و انداز اکارت گئے۔

باغمت مرگِ پدر سنجم و گویم ھیھات
نالۂ چند کہ در کار قضا گشت تلف

آمدی دیر بہ پرسش، چہ نثارت آرم
من و عمری باندوہِ وفا گشت تلف

میں اورمیری ساری عمرتو وفا کے غم میں ضائع ہوچکی ہے۔اب تو پرسش حال کے لیے آیا ہےاب تجھ پرکیانثار کروں۔

رنگ و بو بود ترا برگ ونوا بود مرا
رنگ و بوگشت کھن، برگ ونوا گشت تلف

توحسن کی رنگینیوں سے مالا مال تھااور میں شباب وجذبات محبت سے سرشار۔افسوس نہ وہ رنگینیاں رہیں نہ وہ سرشاریاں۔

گل و مل باید و میرم کہ درین رنج دراز
ھر چہ بود از زر و سیم بہ دوا گشت تلف

لغت:''گل و مل'' = پھول اورشراب۔سامان نشاط وطرب۔

سامان نشاط درکار ہےاور مجھے اس دکھ نے مارڈالا کہ اس مرض کہن (زیست) کے معالجے میں جو کچھ پونجی تھی وہ دواؤں پرصرف ہوگئی۔رنج دراز سے خود زندگی کے دکھ مراد ہیں۔کیوں کہ اس سے زیادہ دکھ کونسا ہوسکتا ہے۔

بال و پر شاید و میرم کہ درین بند گران
تاب و طاقت بہ خمِ دامِ بلا گشت تلف

لغت:''بندگران'' = بھاری زنجیریں۔ ''خم دام''=حلقہ دام۔یہاں بھی بندگراں سے مقصود زندگی کے دکھ ہیں۔

انسان ان دکھوں کے جال میں اسیر ہےاور حلقۂ ہائے دام اتنے کڑے ہیں اور دام اتنا بھاری ہے کہ اُن سے نجات نہیں مل سکتی۔ایک ہی مداوا ہے کہ بال و پر ہوں تو اس سارے جنجال کو ساتھ لے کر اُڑ جائے۔لیکن وہ اب کہاں، بال و پراور اُن کی طاقت پرواز تو اس جنجال کی الجھنوں میں جاتی رہی۔

لطف یک روزہ تلافی نکند عمری را
کہ بدریوزۂ اقبالِ جفا گشت تلف

لغت: ''اقبال''=قبول کرنا۔ ''اقبال جفا''=حصول جفا۔ ''دریوزہ'' = بھیک۔

عرفی کہتا ہےاقبال کرم می گزد ارباب ہمم را (اہل ہمت لوگوں کو بخشش کا قبول کرنا کاٹنے کو دوڑتا ہے)۔ایک دن کی مہربانی عمر بھر کی کسی تلافی کرسکتی ہے وہ عمر جو تیری جفا کو طلب کرتے کرتے گزر گئی۔

گیرم امروز دھی کام دل آس حسن کجا
اجر ناکامیِ سی سالۂ ما گشت تلف

میں نے مانا کہ ہمارے دل کی خواہشات اب پوری کردو گےلیکن اب وہ تمہارا پرانا جوبن کہاں؟ ہماری تیس سالہ ناکامیوں کا اجر ضائع ہوگیا۔

نظیری:

قسمت چنین فتاد کہ ترکان مست او
در دور ما بطاق نہادند جام را

کاش پائی فلک از سیر بماندی غالب
روزگاری کہ تلف گشت چرا گشت تلف

غالب! کاش اس آسمان گرداں کے پاؤں اس گردش کرنے سے رک جاتے جو زمانہ ضائع ہوا کیوں ضائع ہوا۔ (یہ آسماں بے معنی گھومتا رہا)۔

❁❁❁

غزل نمبر (۲)

ای گردہ غرقم بی خبر شوزین نشانھا یک طرف
رختم بساحل یک طرف، شستم بدریا یک طرف

لغت: ''رخت'' = لباس۔ = ''دریا'' سمندر۔ ''نشان ہا'' = نشانیاں۔

تو نے مجھے عالم بے خبری میں ڈبو دیا، اب ان نشانیوں کو چھوڑ۔ میرا لباس ایک طرف پڑا ہے اور میں سمندر میں نہا اور کہیں رہا تھا۔ (تجھے کیا پتا چلے گا میں کہاں ڈوبا ہوں)۔

از عشق وحسن ما و تو باھمدگر در گفتگو
خسرو بمجنون یک طرف شیرین بہ لیلیٰ یک طرف

میرے عشق اور تیرے حسن کے بارے میں محو گفتگو ہیں، خسرو مجنوں کے ساتھ الگ اور شیریں لیلیٰ کے ساتھ الگ۔

تادل بدنیا دادہ ام در کشمکش اُفتادہ ام
اندوہِ فرصت یک طرف، ذوقِ تماشا یک طرف

جب سے میں نے دنیا سے دل لگایا ہے عجب کشمکش میں پڑ گیا ہوں۔ ایک طرف ذوق تماشا کا جذبہ ہے اور دوسری طرف مہلت تماشا۔

جی چاہتا ہے کہ دنیا کے نظارے سامنے رہیں اور اُن سے جی بھر کے محظوظ ہوں۔ دوسری طرف اتنی فرصت کہاں کہ یہ کرسکوں۔

ای بستہ در بزمِ اثر بر غارتِ ہوشم کمر
مطرب بالحان یک طرف، ساقی بہ صہبا یک طرف

مطرب اور نغمہ اک طرف اور ساقی اور جام مے اک طرف، تو نے ان دونوں کو مہیا کر کے میرے ہوش و خرد کے لوٹنے کا اہتمام کر رکھا ہے۔

ساقی بہ جلوہ دشمن ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزن تمکیں و ہوش ہے

غالب

خار افگنان در راہ من، ترسان ز برق آہِ من
طفلانِ نادان یک طرف، پیرانِ دانا یک طرف

ایک طرف نادان بچے راہ میں کانٹے بکھیر رہے ہیں اور دوسری طرف بوڑھے دانا
میری برقِ آہ سے ہراساں کھڑے ہیں

وا ماندہ در راہ وفا از بی خودی ھا جابجا
نقدم بہ منزل یک طرف، رختم بہ صحرا یک طرف

وفا کی راہ میں مجھ پر جا بجا مختلف بے خودی کے عالم طاری ہوئے اور میں ایسا عاجز
اور بے بس ہو کر رہ گیا کہ میرا نقد سرمایہ منزل میں پڑا رہا اور لباس صحرا میں۔
یعنی راہ وفا میں چلا تو زندگی کا سرمایہ لٹا کر آیا اور صحرا میں پہنچا تو دیوانے کی طرح
کپڑے اتار پھینکے اور عریاں دشت نوردی کرنے لگا۔

با دیدہ و دل از دو سو ماندم بہ بند غم فرو
اندوہِ پنھان یک طرف، آشوبِ پیدا یک طرف

ایک طرف میری اشکبار آنکھیں ہیں اور دوسری طرف درد بھرا دل، اور میں دونوں کے
درمیان اسیر غم ہو کر رہ گیا ہوں۔ ایک طرف اندوہ پنہاں ہے (جو دل میں ہے) اور دوسری طرف غم
نمایاں (آنسو بہانے والی آنکھیں)۔

ھم مھر دارد ھم حیا، بر نعشم آریدش چرا
خویشان بشیون یک طرف، خصمان بغوغا یک طرف

میرے محبوب میں محبت کا جذبہ بھی ہے اور حیا کا مادہ بھی۔ اُسے میری نعش پر کیوں لا
رہے ہو۔ وہاں میرے عزیز و اقارب رو رہے ہوں گے اور دوسری طرف دشمن شور مچا رہے

ہوں گے۔

ایسی حالت میں اُس کا موجود ہونا مناسب نہیں۔ غیروں کے سامنے آتے ہوئے حیا
مانع آئے گی اور اگر وہ سامنے آئے تو غیر چہ میگوئیاں کریں گے۔ اور اگر اپنوں کے ساتھ مل کر اظہار
غم کیا تو اُن کے دلوں میں شکوک پیدا ہوں گے کہ شریک غم ہونے والا کون ہے؟

ای آئنہ پیش نظر، مستانہ بر خود جلوہ گر
رحمی بہ جانِ خویش کن غمخواری ما یک طرف

تو مستانہ وار آئینے کے سامنے بیٹھا ہوا اپنی جلوہ نمائیوں میں محو ہے۔ ہماری غم خواری
کو چھوڑ، کچھ اپنے پہ رحم کر کہیں اپنے حسن کا ہی شکار نہ ہو جائے۔

غالب چہ تسکینم دھی در ھجران سروِ سھی
رشک رقیبم میکشد فرطِ تمنا یک طرف

غالب تو مجھے اُس سرو سہی محبوب کے فراق میں کیا تسکین دلا رہا ہے ایک طرف فرط تمنا
مجھے مارے ڈالے ہے اور دوسری طرف رقیبوں کا رشک ہلاک کر رہا ہے۔ سکون ہو تو کیوں کر۔

❁❁❁

ردیف ق

غزل نمبر(۱)

بگونه می نه پذیرد ز همدگر تفریق
تجلیِ تو به دل همچو می بجامِ عقیق

لغت: ''گونہ'' = رنگ۔ ''ز ہمدگر تفریق نپذیرد'' ایک دوسرے سے الگ پہچانی نہیں جاتیں۔ ''عقیق'' = سرخ رنگ کا قیمتی پتھر، ''جام عقیق'' = عقیق کا جام۔

دل کو جام عقیق کہا اور اس میں شراب بھی اسی رنگ کی یعنی سرخ ہے۔ جو محبوب کے حسن کی تجلی ہے۔ شاعر کہتا ہے محض رنگ سے ایک شراب دوسری شراب سے الگ پہچانی نہیں جاتی۔ (اُن میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا) تیرے حسن کی تجلی میرے دل میں یوں سمائی ہوئی ہے جیسے شراب جام عقیق میں ہو۔

براهِ شوق بر آن آب خون همی گریم
که قطره قطره چو اُبرم چکیده از ابریق

میں محبت کی راہ میں اُس پانی پر خون کے آنسو بہاتا ہوں جو صراحی سے ابر کی طرح قطرہ قطرہ گرتا ہو (محبت کی تشنگی کبھی قطروں سے دور نہیں ہو سکتی۔)

بجز دمی نکند خسته ام چو سنگ در آب
هجوم ریزشِ غمهائی سخت و قلب رقیق

لغت: ''رقیق'' = نرم و نازک۔ قلبِ رقیق، وہ دل جس پر آسانی سے رقت طاری ہو جائے۔ جذبات سے لبریز۔ جس طرح پانی میں کوئی پتھر گرتا ہے تو پانی میں ایک لحظہ کے لئے لرزش آجاتی ہے اور پھر دور ہو جاتی ہے یہی حال میرے قلبِ رقیق کا ہے جس میں سنگین غم کثرت سے آکر گرتے ہیں اور یہ قلب اُنہیں سکون کے ساتھ برداشت کرتا رہتا ہے مرزا نے قلب کے غم زدہ ہونے اور اپنے حوصلہ کے لیے نادر تشبیہ استعمال کی ہے۔

بهیچ پایه نگشت اضطرار مازائل
بود ستارهٔ عاشق در اوجِ دستِ غریق

لغت: ''غریق'' = ڈوبا ہوا، ڈوبتا ہوا۔ ''اضطرار'' = بے بسی کا عالم۔ دستِ غریق ڈوبنے والے ہاتھ۔

ہماری اضطراری کیفیت کسی مقام پر زائل نہ ہوئی، ڈوبنے کی انتہائی حالت بھی ایسی تھی کہ جسے ستارۂ عاشق کا اوج کہا جائے۔

بهانه جوست کرم زآن که در گذارشِ کار
بنوده حسنِ عمل بی علاقهٔ توفیق

لغت: ''حسن عمل'' نیک عمل، نیک اعمالی...... ''توفیق'' = اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا انسان کے موافق حال یا شامل حال ہونا۔ حق تعالیٰ کے فضل و کرم کا احسان ہے۔ اور اُس کا کرم ہمیشہ اس بات کی تلاش میں ہوتا ہے کہ کب کسی کو اپنے سائے میں لے لے، یہی وجہ ہے کہ انسانی اعمال کے سلسلے میں، حسن عمل کے قبول ہونے کے لیے توفیق ایزدی بھی لازمی ہے اور اسے بخشش ایزدی کی بہانہ جوئی کہنا چاہیے کہ نیک اعمال کے ساتھ توفیق کو اس لئے شامل کیا گیا کہ بے عمل لوگوں کو بھی اس کرم سے کچھ حصہ نصیب ہو سکے۔

مرا کہ ذرہ لقب دادہٗ، ھمی رقصم
کہ نسبتی بزبان تو کردہ ام تحقیق

مجھے تو نے ذرے کا لقب دیا ہے اور میں خوشی سے رقصاں ہوں کہ اس طرح مجھ سے حقیر کو تیری زبان سے ایک نسبت پیدا ہوگئی ہے۔یعنی یہ لفظ تیری زبان پر آیا ہے۔

حدیث تشنگی لب بہ پیرِ رہ گفتم
ز پارہ جگرم در دھن نھاد عقیق

میں نے اپنے لبوں کی پیاس کا تذکرہ پیرِ رہ سے کیا۔اُس نے میرے پارۂ جگر کے عقیق کو لے کر میرے منہ میں ڈال دیا یعنی محبت کے پیاسوں کی پیاس خون جگر ہی سے بجھ سکتی ہے۔

براہ کعبہ ھلاکم نمی کنی باور
تو ای کہ بیھدہ باز آمدی زبیت عتیق

ندیدہ بہ بیابان بہ زیرِ خار بنی
شکستہ مشربہٗ آب و پارہٗ ز سویق

ترا بہ پھلوی میخانہ جا دھم غالب
بشرط آن کہ قناعت کنی ببوی رحیق

لغت: ''رحیق''=شراب ناب۔

غالب! میں تجھے میخانے کے پہلو میں جگہ دوں گا بشرطیکہ تو شراب ناب کی بو (سونگھنے) ہی پر قناعت کرے۔

اک تشنہ شراب کے لیے بوئے شراب بھی کافی ہوتی ہے کہ کچھ تو حاصل ہوا۔

❀❀❀

غزل نمبر(۲)

شدم سپاس گزارِ خود از شکایتِ شوق
زھی زمن بدل بی غمش سرایت شوق

لغت: ''شوق''=محبت،اشتیاق محبت۔ ''سپاس گزار''=ممنون۔

محبت میں جو جو شکایتیں میرے لبوں پہ آئیں اُن کا میں خود ہی ممنون ہوں کیوں کہ اُن کی بدولت میرے محبوب کے غم سے بے نیاز دل پر میری محبت کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا۔

بہ بزم بادہ، گریبان کشودنش نگرید
خوشا بھانۂ مستی، خوشا رعایت شوق

شراب مستی بھی پیدا کرتی ہے اور جسم میں گرمی بھی۔میخوار اکثر شراب پیتے وقت اپنا گریباں کھول دیتے ہیں۔شاعر محبوب کے گریباں کھولنے کو دو باتوں پر محمول کرتا ہے۔ایک تو یہ کہ نشے کا بہانہ ہے (مستی) اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے چاہنے والوں کے ذوق وشوق سے خود بھی متاثر ہوا ہے اور اسی رعایت سے اُس نے اپنی گریبان کشائی کی ہے۔اور وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ

اسی بہانے سے ذرا حسن کی نمائش ہو جاے۔ انہی تاثرات کو قلم بند کرنے کے لئے شاعر نے "خوشا بہانہ مستی اور خوشا رعایت شوق" کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو صحیح منظر کشی کرتے ہیں۔

ھرآن غزل کہ مرا خود بخاطر است ھنوز
ببانگ چنگ ادامی کند ز غایت شوق

جو غزل ابھی میرے ذہن میں ہے (اور لب پر یا صفحہ قرطاس پہ نہیں آئی) وہ وفور شوق کے باعث ساز کی آواز سے ادا ہو رہی ہے۔

یعنی عاشق کے شوق کا یہ عالم ہے کہ ساز بھی اس کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کر رہا ہے۔

دُخان ز آتش یاقوت گردمد عجب است
عجب تراست ازین برلبش حکایتِ شوق

لغت: "دخان" = دھواں۔ "یاقوت" = سرخ رنگ کا پتھر جس کی چمک دمک میں آگ کا اشتباہ ہوتا ہے اگر یاقوت کی آتشیں چمک سے دھواں اُٹھنے لگے تو بڑی عجب بات ہے لیکن اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اُس کے (محبوب کے) سرخ لبوں سے محبت کی داستان بلند ہو۔

یعنی محبوب کی محبت کا باتیں کرنا عجیب ماجرا ہے، یاقوت کے جلنے سے بھی زیادہ عجیب۔

غلط کند رہ و آید بہ کلبہ ام ناگاہ
صنم فریب بود شیوۂ ھدایت شوق

محبت کچھ ایسے انداز خاص سے ہدایت فرماتی ہے کہ صنم بھی دھوکا کھا جاتا ہے۔ میرے محبوب کو دیکھو کہ اُسے جانا کہیں اور ہوتا ہے اور وہ راہ بھول کر میرے یہاں آ پہنچتا ہے۔

محبت کی ہدایت کاری سے مراد، محبت کی اثر انگیزی ہے جو محبوب کو کشاں کشاں عاشق تک لے آتی ہے۔

متاع کاسد اھل ھوس بھم برزن
کنون کہ خود شدۂ شحنہ ولایت شوق

اب جب کہ تو خود شہر محبت کا کوتوال ہو گیا ہے تجھے اہل ہوس کے تمام جھوٹے ساز وسامان کو درہم برہم کر دینا چاہیے۔ شہر محبت کے کوتوال سے ایسا شخص مقصود ہے جسے محبت کا پورا شعور حاصل ہے اور وہ سچے اور جھوٹے عشق کو پرکھ سکتا ہے۔

بخود مناز و بہ آموزگار ھم بپذیر
من و نھایت شوق و تو و بدایت شوق

لغت: "آموزگار" = اُستاد۔ "بپذیر" = قبول کر لے۔ "بدایت" = ابتدا۔

اپنے آپ پہ اتنا ناز نہ کر۔ کچھ اُستاد کی طرف بھی راغب ہو کر سیکھ لے۔ دیکھ کہ تو ابھی محبت میں مبتدی ہے اور میں منتہی ہوں۔ (ہمارے وفور شوق کا مقابلہ تو کیسے کرے گا)

محبوب کو اپنی طرف راغب کرنے کی خوبصورت توجیہ کی ہے۔

مکن بورزشِ این شغل جھد، می ترسم
کہ چون رسی بخطِ خطوۂ نھایت شوق

تراز پرسشِ احباب بی نیاز کند
غرور یکدلی و نازشِ حمایت شوق

(محبت کے) اس شغل میں مشق کرنے کی اتنی سعی وکوشش نہ کر کیوں کہ میں ڈرتا ہوں کہ جب تو منزل شوق کے آخری قدم پر پہنچے گا تو تو دوستوں کی پرسش حال سے بے نیاز ہو جائے گا اور یہ بے نیازی تجھ میں اس لیے پیدا ہوگی کہ تجھے محبت میں اپنے یک دل ہونے کا غرور ہوگا اور تو کسی ایک کے شوق کو دل میں لیے ہوئے ہونے پر ناز کرے گا۔

یکدل کا مفہوم یہ ہے کہ تو صرف ایک کو چاہے گا اور ترا دل اُسی کی محبت کے گن گائے گا اور دوست نظرانداز ہو جائیں گے۔

سرِ تو سبز تر از حرفِ غالب است بدھر
خجستہ باد بفرقِ توظل رایتِ شوق

زمانے میں تیرا سر غالب کے کلام سے زیادہ سرسبز (آباد اور شاداں و فرحاں ہے) ہے۔ تیرے سر پر محبت کے پرچم کا سایہ مبارک ہو۔

❁❁❁

ردیف ک

غزل نمبر(۱)

مرد آنکہ در ہجومِ تمنا شود ہلاک
از رشکِ تشنۂ کہ بدریا شود ہلاک

جواں مرد وہ ہے جو تمناؤں کے ہجوم میں جان دے دے اور اُسے اُس پیاسے پر رشک آئے جو سمندر میں رہ کر پیاسا جان دے دیتا ہے۔

عشق کی تشنگی کبھی نہیں جاتی۔ ایک تمنا پوری ہونیکے بعد ہزاروں تمنائیں اُبھر آتی ہیں۔ یہ تمنائیں یہ آرزوئیں اور خواہشیں پوری ہوں نہ ہوں ان خواہشات کی دنیا ہی منتہائے شوق ہے:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں و لیکن پھر بھی کم نکلے (غالب)

گردم ہلاکِ فرۂ فرجام رہروی
کاندر تلاشِ منزلِ عنقا شود ہلاک

میں اُس رہرو کی عالی ہمتی اور مبارک انجامی پر قربان جاؤں جو عنقا کی منزل کی تلاش میں جان دے دے۔ عنقا ایک فرضی پرندہ ہے اُس کو تلاش کرنا اور اسی دھن میں جان دے دینا، سعی وکوشش کی انتہا ہے اور یہی زندگی ہے۔

نازم بکشتۂ کہ چو یابد دوبارہ عمر

در عذر التفاتِ مسیحا شود ھلاک

میں اُس شہید مرنے والے پر ناز کرتا ہوں کہ جب اسے دوبارہ زندگی ملے تو وہ اس بات پر مر جاتا ہے کہ اس میں مسیحا کی نظر التفات کا شائبہ تھا۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسیحا اپنے دم معجز نما سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

دارم، کنج غم کدہ رشک کسی کہ اُو

در جلوہ گاہِ دوست بغوغا شود ھلاک

مجھے اپنے غم کدہ میں گوشہ نشیں ہو کر اُس شخص پر رشک آتا ہے جو جلوہ گاہ دوست میں آ کر محبوب کے جلوؤں کی ہنگامہ آرائی پر جان دے دیتا ہے۔

رشک اس بات کا ہے کہ میں تو جلوۂ دوست کو ترس رہا ہوں لیکن اُدھر دیکھو ایک انسان ہے جو محبوب کو یوں ہنگامہ آرا دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتا اور مر جاتا ہے۔

منمائی رخ بما کہ بدعویٰ نشستہ ایم

در خلوتی کہ ذوقِ تماشا شود ھلاک

اپنے چہرے کو بے نقاب نہ کر کہ ہم بڑے ادعا سے ایک ایسی خلوت میں بیٹھے ہیں کہ جہاں جلوؤں سے لذت اندوزی کا ذوق ہی فنا ہو جاتا ہے۔

با عشق امتیاز تغافل نشان دھد

تا خود ز شرم شکوۂ بی جا شود ھلاک

وہ عاشق کو تغافل شناسی کو پہچاننے کا انداز عطا کرتا ہے تاکہ عاشق اُس کے تغافل کا شکوہ کرے اور وہ یہ کہہ سکے کہ دیکھو تمہارے سارے شکوے بیکار ہیں اور ان بے جا شکووں نے مجھے مار ڈالا ہے۔

یعنی محبوب اس انداز سے تغافل برتا ہے کہ تغافل معلوم نہ ہو، اس پر اگر عاشق تغافل کا انداز پہچان لے اور شکایت کرے تو وہ اُسے شکوۂ بے جا کہتا ہے۔

نامرد را بلخلخہ آسائش مشام

مرد از تفِ سموم بہ صحرا شود ھلاک

لغت: ''لخلخہ'' = وہ تیز خوشبو جس سے بے ہوش آدمی ہوش میں آجاتا ہے۔

''سموم'' = گرم ہوا۔

ایک نامرد ہی کو لخلخے سے سکون دماغ حاصل ہوتا ہے۔ مرد تو وہ ہے جو صحرا کی گرم ہوا کی تمازت کو برداشت کرتا کرتا جان قربان کر دے۔

باخضر اگر نمی رویم از بیم ناکسی است

ترم زننگِ همرهی ما شود ھلاک

اگر ہم خضر کے ہمراہ نہیں چل سکتے تو یہ ہمارے ناکس (نااہل) ہونے کے دلیل ہے۔

ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں خضر ہماری ہمراہی کو اپنے لیے باعث ننگ سمجھ کر جان نہ دے دے۔

غم لذتی است خاص کہ طالب بذوقِ آن

پنهان نشاط و رزد و پیدا شود ھلاک

غم ایک خاص لذت کا نام ہے کہ اُس کا طالب اُس کے ذوق میں پوشیدہ طور پر خوش رہتا ہے لیکن ظاہر میں ہلاک ہو جاتا ہے۔

غالب ستم نگر کہ چو ولیم فریزری
زیشان بچیرہ دستیِ اعدا شود ہلاک

غالب، ستم دیکھ کہ ولیم فریزر جیسا انسان اس طرح دشمنوں کی چیرہ دستیوں سے ہلاک ہو جائے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۲)

بحر اگر موج زن است از خس و خاشاک کہ چہ باک
باتو ز اندیشہ چہ اندیشہ و از باک چہ باک

لغت: ''اندیشہ'' = فکر، خدشہ، خوف۔ ''باک'' = خوف، ڈر۔

سمندر میں اگر تلاطم بپا ہے تو پھر خس و خاشاک کا کیا ڈر ہے۔ 'تو ہے تو پھر خوف کیا ہے اور ڈر کیا ہے۔ سمندر میں طوفان ہو تو تنکے وغیرہ اُبھر کر سطحِ آب پر آ جاتے ہیں لیکن اگر محبوب کا ساتھ ہو تو پھر طوفان کا خوف نہیں ہوتا۔ ایسے میں خس و خاشاک انسان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

شاعر نے ایک طرح، خطرات کو خس و خاشاک سے تشبیہ دی ہے۔ خس و خاشاک تو طوفان میں خود بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔

فیض سرگرمیِ دورِ قدحِ مَی دریاب
برگریز است بہ دی ماہ اگر تاک چہ باک

لغت: ''دیماہ'' = سردی کا مہینا۔ ''تاک'' = انگور کی بیل۔ ''برگریز است'' = بھاگا جا رہا ہے۔ تیزی سے گذر رہا ہے''دریاب'' = لذت اندوز ہو، تمتع حاصل کر لے۔

اگر دی کے مہینے میں انگوروں کی بیل تیزی سے ختم ہو رہی ہے تو کیا خوف، بزم میں دور جام کی گرمی سے لذت اندوز ہوتا رہ۔

دشتی نیست اگر خانہ چراغی دارد
با دل از تیرگیِ زاویۂ خاک چہ باک

لغت: ''زاویۂ خاک'' = ظلمت کدۂ خاک، یہ دنیا۔

اگر گھر میں چراغ ہے تو پریشانی کیسی۔ سینے میں دل ہے تو پھر اس ظلمت خاک سے گھبرانا کیسا۔ یعنی دل ہی سے زندگی میں روشنی اور چمک آتی ہے دل کو نہیں بجھنا چاہیے۔

حاش للہ کہ درین معرکہ رُسوا گردی
باچنین خستگیم از جگر چاک چہ باک

حاشا کہ اس ہنگامہ محبت میں رسوا ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ اس میری خستگی کے ہوتے ہوئے میرے جگر چاک کی کیا حیثیت ہے، رسوائی کس بات کی۔

غافل، این برق بر اجزای وجودھم زدہ است
مرترا از نفسِ گرمِ اثرناک چہ باک

لغت: ''اثر ناک'' = اثر انگیز۔ ''اجزائے وجود'' = میری ہستی کے رگ و ریشے میں۔

اے میرے غافل ہمدم تو میری ان آتشیں آہوں کی اثر انگیزی سے کیوں گھبرا رہا ہے۔ یہ برق بلا (محبت کی گرمی) تو میرے وجود کے رگ و ریشے میں سرایت کیے ہوئے ہے اور میں جل گیا ہوں۔ اس تپتے ہوئے سانس سے کیا خوف۔

با رضای تو ز ناسازیِ ایام چه بیم
با وفائی تو ز بی مهریِ افلاک چه باک

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے:

تو ہم سے خوش ہے تو زمانے کے ناموافق ہونے (ناسازگاری) سے کیا خطرہ اور تو باوفا ہے تو آسمان اور سیاروں کی بے مہری کا کیا ڈر۔

هان بگو تا خمِ زُلفت بفشارد دل را
خون صیدار چکد از حلقهٔ فتراک چه باک

لغت: ''فشردن یا فشاردن'' بھینچنا۔ ''فتراک'' = گھوڑے کی زین کا وہ لوہے کا حلقہ (کنڈا) جس سے شکار کو مار کر باندھ لیتے تھے۔

معشوق کے خم زلف کو حلقۂ فتراک سے تشبیہ دے کر کہتا ہے:

ہاں اپنی پر پیچ زلفوں سے کہہ دے کہ وہ میرے دل کو بھینچ لے۔ اگر شکار کا خون اس بھینچنے سے فتراک سے ٹپک پڑے تو کیا ڈر ہے۔

دردم از چاره گری ها نپذیرد تسکین
با چنین زهر زدم سردیِ تریاک چه باک

لغت: ''تریاک'' = زہر کے اثر کو دور کرنے والی دوا۔

میرے دل کا مداوا کرنے سے میرے درد میں کوئی افاقہ نہیں ہوتا، ایسے تیز زہر کے ہوتے ہوئے تریاک کی ٹھنڈک کا کیا ڈر۔

کلک ما تا بکفِ ماست ز دشمن چه هراس
چون فریدون علم آراست زضحاک چه باک

لغت: ''ضحاک'' = قدیم ایران کا ایک ظالم بادشاہ (جو کہا جاتا ہے غیر ایرانی تھا) جس کے جور و ستم سے تنگ آ کر ایک لوہار (کاوہ) نے سر اٹھایا اور فریدوں نے جو ایک قدیم شاہی خاندان سے تھا، باغیوں کی سپہ سالاری کر کے ضحاک پر فتح پائی۔ یہ واقعہ ایران اور ایران کے باشندوں کی آزادی کی تاریخ میں ایک یادگار دن ہے اور ادب کا ایک جز بن چکا ہے۔

جب تک قلم ہمارے ہاتھ میں ہے دشمن سے کیا خوف۔ جب فریدوں نے پرچم کشائی کی ہو تو ضحاک کا کیا ڈر۔

❁❁❁

غزل نمبر (۳)

سبک روحم بود بار من اندک
چرا نشماری آزار من اندک

لغت: ''سبک روح'' = وہ شخص جس نے دنیاوی زندگی کے ساز و سامان کا بوجھ اپنی

روح پہ نہ ڈالا ہو۔

''اندک شماردن یا شمردن'' = تھوڑا سمجھنا، معمولی خیال کرنا۔

میں سبک روح ہوں، میرا بوجھ بہت ہلکا ہے۔ تو جو جور و ستم مجھ پر ڈھاتا ہے اُسے معمولی خیال کیوں نہیں کرتا اور مزید ظلم و ستم پر آمادہ کیوں نہیں ہوتا۔ (جس نے اپنی زندگی کو دنیا سے بے نیاز بنا لیا ہو وہ دنیا کے دکھوں کو کیا سمجھتا ہے)۔

تنم فرسود در بند تو بسیار
دلت بخشود برکار من اندک

تیری محبت کی قید و بند میں میرے جسم نے کیا کیا دکھ اٹھائے۔ تیرے دل نے میرے معاملے میں بہت کم توجہ دی۔

ازین پرسش کہ بسیار است از تو
شد اندوہِ دل زار من اندک

تیری پرسش میرے حال پر (جو کم ہونے کے باوجود) بہت زیادہ ہے، میرے دل کا دکھ کم ہوگیا ہے۔

همانا ز آن حکایت ها کہ دارم
شنیدستی ز غمخوار من اندک

یقیناً میری اتنی زیادہ داستانوں کو تو نے میرے غمخوار سے تھوڑی بہت ضرور سنی ہوں گی۔

ز خاصانت گرامی گوهری هست
کہ می داند ز اسرار من اندک

تیرے خاص ندیموں میں ایک ایسی عظیم ہستی بھی ہے جو کچھ تھوڑا سا میرے راز کو جانتی ہے۔

سر کوچک دلیهائی تو گردم
کہ آسان کردہ دشوار من اندک

لغت: ''کوچک دلی'' = تنگ دلی = چھوٹے دل کا ہونا۔

تیری اس تنگ دلی کے قربان جاؤں جس نے میری دشواریوں کو آسان کر دیا۔

برائی از نورد موج تشویر
نهی گر دل بگفتار من اندک

لغت: ''تشویر'' = پریشانی۔ ''نورد'' = لپیٹ۔ ''از نورد موج تشویر'' = پریشانیوں کی الجھنوں سے اگر تو میری باتوں پر ذرا سی توجہ دے تو تو پریشانیوں کی الجھنوں سے نجات پا لے گا۔

مدان کز دست برد تست گر هست
متاع صبر در بار من اندک

اگر میرے صبر کا سرمایہ (متاع) کم ہے تو یہ مت سمجھ کہ یہ تیری دست برد کی وجہ سے کم ہے۔

وجودم خوانِ یغما بود غم را
تو هم بردی ز بسیار من اندک

لغت: ''وجود''=ہستی۔''خوان یغما''=لوٹ کا سامان۔

میری ہستی (زندگی) غم کے لئے لوٹ کا سامان تھی اُس میں سے تو بھی تھوڑا سا اٹھالے گیا۔

(نوٹ):(یہ شعر پہلے شعر سے قطعہ بند ہے)۔

نگویم تا نباشد نغز غالب
چہ غم گرهست اشعار من اندک

غالب اگر میرے اشعار کی تعداد کم ہے تو کیا غم۔ جب تک اچھے نہ ہوں میں شعر نہیں کہتا۔

همچو فرهادیکی گویم و شیرین گویم

❁❁❁

ردیف (گ)

غزل نمبر (۱)

ای ترا و مرا درین نیرنگ
دهن و چشم و دست و دل همه تنگ

لغت: ''نیرنگ'' = یہ دنیا جہاں طرح طرح کی نیرنگیاں (حالات عجیب) ظہور میں آتی ہیں۔

دہن تنگ سے مراد چھوٹا اور تنگ منہ...... دست تنگ سے مراد افلاس زدہ ہاتھ۔ خالی ہاتھ۔
''چشم تنگ'' وہ آنکھ جس کا ظرف تنگ ہو۔ دل تنگ سے مراد غمزدہ دل۔ گھٹا ہوا دل۔
اس عالم نیرنگ میں تجھے اور مجھے دو دو چیزیں ملی ہیں، دونوں کی دونوں تنگ۔ تجھے دہن و چشم تنگ عطا ہوئے ہیں اور مجھے دست و دل تنگ میسر آئے ہیں۔

هم تو خود در کمین خویشتنی
ای برخ ماه و ای بخوی پلنگ

تو خود اپنی گھات میں آپ ہے۔ چہرے کے اعتبار سے چاند اور طبیعت کے اعتبار سے چیتا۔

هان مغنی کہ در هوائی شراب
مَی سرائی غزل بنالۂ چنگ

لغت: ''می سرائی'' = ماضی استمراری، فعل امر کا مفہوم دے رہا ہے یعنی نغمہ سرا ہو۔
اے مغنی اس فضائے مستی میں ساز چنگ کے ساتھ ایک غزل چھیڑ۔

زخمہ می ریز ھم بدین انداز
نغمہ می سنج ھم بدین آھنگ

اس انداز سے مضراب کو چلاتا جا اور اسی لے میں گاتا جا۔

فرصت باد ساقی چالاک
ای بہ دفع غم، ایزدی سرھنگ

لغت: ''ساقی چالاک'' = چابک دست ساقی۔ساقی ہشیار۔
''ایزدی سرہنگ'' = سرہنگ سے مراد سپاہی، کارکن، کارفرما ہے۔یعنی کارفرمائے ایزدی۔جسے قدرت نے کام پر لگایا ہو گویا غیبی فرشتہ۔

اے ساقی! اللہ تجھے زندہ رکھے غموں کے دور کرنے کیلئے تیرا وجود فرشتہ غیبی کا ہے۔

شیشہ بشکن، قدح بخم درزن
تانہ گنجد درین میانہ درنگ

لغت: ''درنگ'' = تاخیر، دیر۔

صراحی توڑ ڈال اور پیالے کو واپس خم میں انڈیل دے تاکہ ان کے باعث ذرا سی تاخیر واقع نہ ہو خم سے منہ لگا کر ہی پی لیں۔۔یا خود تیرا قرب ہی کیف طاری کردے۔

شود انبان، ادیم، کو آن فیض
گردد اندہ، نشاط کو آن رنگ
پرتو خاص در نھادِ سہیل
بادۂ ناب در دیار فرنگ

لغت: ''انبان'' = معمولی بوریا۔ ''ادیم'' = چمڑہ عمدہ، خاص چمڑہ۔
''سہیل'' ایک ستارہ جس کے متعلق مشہور ہے کہ اگر اُس کی روشنی رات کو ''ادیم'' یعنی چمڑے پر پڑے تو اُس میں سے بدبو دور ہو جاتی ہے اور خوشبو آجاتی ہے۔دراصل ایسے چمڑے ہی کو ادیم کہا جاتا ہے۔عرب میں ایک جگہ طائف ہے وہاں کا چمڑہ مشہور ہے اُسے ادیم طائفی کہتے ہیں۔

مولانا جامی نے ''یوسف زلیخا'' میں پیغمبر کو خطاب کرتے ہوئے ادیم طائفی کا ذکر یوں کیا ہے:

ادیم طائفی نعلین پا کن شراک از رشتۂ جان ھائی ما کن

(یعنی طائف کے چمڑے کے بنے ہوئے نعلین پہن اور ہمارے رشتۂ جاں کو ان نعلین کا تسمہ بنا لے)۔

معمولی بوریا ادیم بن جائے ایسا (چشمہ) فیض کہاں۔غم، خوشی بن جائے وہ کیفیت کدھر ہے۔ایسی خاص چمک تو صرف وجود سہیل میں ہے اور ایسی شراب (ناب) تو دیار فرنگ میں ہے ہمیں کہاں نصیب۔

شکوہ وشکر ھرزہ و باطل
غالب و دوست آبگینہ و سنگ

معشوق کا شکوہ کرنا یا اُس کا شکر ادا کرنا، بے کار اور سراسر غلط ہیں، کیوں کہ غالب اور معشوق ایسے ہیں جیسے شیشہ اور پتھر۔

غالب اللہ کا کیا شکر کرے اور کیا شکایت، وہاں سے اُس کے شیشۂ ہستی پر پتھر ہی پتھر برسے ہیں۔

❀❀❀

ردیف (ل)

غزل نمبر(۱)

نہ مرا دولت دنیا، نہ مرا اجر جمیل
نہ چو نمرود توانا نہ شکیبا چو خلیل

لغت: ''اجر جمیل'' لغوی معنی اچھا اجر کے ہیں۔ اصطلاح میں وہ مراد ہے جو نیک لوگوں کو آخرت میں عطا ہوگا۔

''شکیبا'' میں ''ا'' الف فاعلی ہے۔ معنی ہیں صبر کرنے والا۔ ''نمرود وہ مغرور بادشاہ جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور جب حضرت ابراہیم نے اُس کی خدائی کو تسلیم نہ کیا تو انہیں آگ میں ڈال دیا۔ ''خلیل'' حضرت ابراہیم جنہوں نے آگ میں خود کو بے خطر ڈال کر اپنے صبر و شکیب کا ثبوت دیا۔

مجھے نہ دنیا کی دولت حاصل ہے نہ ہی آخرت میں اجر جمیل کی توقع ہے۔ نہ میں نمرود کی طرح صاحب اقتدار ہوں نہ خلیل کی طرح صاحب صبر۔

با رقیبان کفِ ساقی بمیِ ناب کریم
با غریبان لب جیحون بہ دم آب بخیل

ہمارے رقیبوں کو ساقی کا ہاتھ بڑی سخاوت سے شراب ناب پلاتا ہے اور (ہم) اجنبیوں کے لئے جیحوں دریا کا کنارا بھی ایک قطرۂ آب دیتے وقت بخل سے کام لیتا ہے۔

غریب یا اجنبی کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ معشوق، عاشق کو غیر ہی سمجھتا ہے۔

بُنہ و بار بہ شبگیر در افگندہ براہ
آنکہ دانست سراسیمگیِ صبح رحیل

لغت: ''شب گیر'' کا ایک مفہوم رات کو لوٹنے والا ہے۔ یہاں وہی معنی دیتا ہے۔ دوسرا مفہوم ''رات کے آخری وقت میں سفر پر روانہ ہونا۔''

''بنہ و بار'' = ساز و سامان (بالخصوص وہ سامان جو مسافر سفر میں ساتھ لے جاتا ہے)

''صبحِ رحیل'' = سفر کی صبح۔ ''سراسیمگی'' = پریشانی (سفر پر روانگی کے وقت ایک پریشانی سی طاری ہوتی ہے)۔

جس کسی کو بھی سفر کی صبح کی پریشانی کا احساس ہوا اُس نے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ہی اپنا سارا ساز و سامان رہزن کی راہ میں ڈال دیا کہ نہ سفر میں کوفت ہو نہ رہزن کا ڈر دامنگیر ہو۔

ناصر علی سرہندی کا شعر ہے:

تو رہ از کثرت اسباب برخو تنگ می سازی
سبکرو حان چو بوی گل رہا کردند محملہا

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو (غالبؔ)

ھان و ھان ای گھرین یارہ و سیمین ساعد
کز دم تیغ بہ لیسی بہ زبان خونِ قتیل

لغت: ''یارہ'' = چوڑی .... ''ساعد'' = کلائی۔ گہرین یارہ'' اور ''سیمین ساعد'' دونوں اسم فاعل ترکیبی ہیں مفہوم ہے موتیوں کی چوڑیوں والا اور چاندی کی کلائی والا۔ مراد نازک اندام اور نازک مزاج معشوق۔

''قتیل'' بمعنی مقتول۔ شہید عشق۔ ہان و ہان حرف تاکید ہے۔

اے زیور سے آراستہ نازک مزاج ذرا غور تو کر کہ تو باطن میں کتنا ظالم اور بے رحم ہے کہ اپنے مقتول عاشق کا خون (قتل کے بعد) تلوار کی دھار سے اپنی زبان کے ساتھ (مزے لے کر) چاٹتا ہے۔

بس کن از عربدہ تا چند رہائی بفسوس
از گدایان سر و از تارک شاہان اکلیل

لغت: ''بہ فسوس'' = فریب کاری سے۔ ''تارک'' = سر۔ ''اکلیل'' تاج۔ ''عربدہ'' جنگ، مخاصمت۔

یہ مخاصمت چھوڑ دے تو کب تک فریب سے گداؤں کا سر کاٹتا رہے گا اور شاہوں کے سر سے تاج اُتارتا رہے گا۔ یعنی کب تک تیرا جور و ستم شاہ و گدا پر جاری رہے گا۔

تو نباشی دگری کوئی تو نبود چمنی
کی شدستیم بہ دلتنگی جاوید کفیل

تو نہیں ہوگا اور تیرا کوچہ بھی نہیں رہے گا۔ ہم کیوں ہمیشہ کے لئے غم و اندوہ کی زندگی کے کفیل بن کر رہیں۔

ترس موقوف، چہ شد رشک ، بہ بینی کہ دگر
دارم آہنگ نیایشگری رب جلیل

خوف کھانا تو درکنار، رشک کو کیا ہوگیا (تجھے رشک بھی نہیں آتا کہ تیرے ہوتے ہوئے) میں دوبارہ رب جلیل کے آگے التجائیں (نیایش گری) کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔

اس جگہ سے شاعر خدا کو خطاب کر کے اپنی التجا شروع کر رہا ہے۔

ای بہ مسمارِ قضا دوختہ چشم ابلیس
بدمِ گرم روان سوختہ بالِ جبریل

لغت: ''گرم روان'' = گرم رو کی جمع، راہ حق میں تیز چلنے والے۔ سالکان برحق۔ ''مسمار'' = میخ۔

تو نے قضا کی میخ سے ابلیس کی آنکھ کو سی دیا اور اپنے گرم رووں کے سانس سے جبریل کے پروں کو جلا دیا۔

قضائے الٰہی ہی سے ابلیس گمراہ ہوا اور جبریل کو پیغام رسائی کے منصب میں تیز رفتاری ملی۔

باتو ام خرمیِ خاطر موسیٰ بر طور
با خودم خستگی لشکرِ فرعون بہ نیل

تیرا ساتھ ہو تو میرے دل کو وہی راحت قلبی نصیب ہوتی جو حضرت موسیٰ کو طور پر ہوئی تھی اور میں اگر اپنے آپ پر چھوڑ دیا جاؤں تو میرا وہی برا حال ہوتا ہے جو لشکر فرعون کا دریائے نیل میں = (تباہی)۔

بر کمال تو در اندازہ کمال تو محیط
بر وجود تو در اندیشہ وجود تو دلیل

تیرے کمال کا اندازہ لگانے کے لئے خود تیرا کمال ہی اس پر احاطہ کر سکتا ہے۔ تیری

ہستی کے اثبات کے سلسلے میں خود تیرا وجود ہی دلیل کا کام دیتا ہے۔ یعنی تیرے کمال کا اندازہ تیرا کمال ہی کر سکتا ہے اور تیری ہستی کو ثابت کرنے کے لئے خود تیری ہستی ہی دلیل ہے کسی اور کے بس کا روگ نہیں۔

نہ کنی چارہ لب خشکِ مسلمانی را

ای بہ ترسا بچگان کردہ مَی ناب سبیل

لغت: ''ترسا'' = آتش پرست، زرتشتی۔ ''ترسا بچگان'' زرتشتیوں کی اولاد.....
سبیل کے لفظی معنی طریق کے ہے۔

درست راستہ = جائز راہ۔ آتش پرستوں کے نزدیک شراب حلال ہے۔

تو ایک مسلمان کے لب خشک کا تو کوئی چارہ کرتا نہیں اور اُدھر تو نے ترسا بچوں کے لئے شراب ناب کو جائز قرار دیا ہوا ہے۔

غالب سوختہ جان دار چہ بگفتار آری

بدیاری کہ ندانند نظیری را ز قتیل

تو نے غالب سوختہ جاں کو ایسے دیار میں سخن سرائی پر کیوں مامور کیا ہے۔ جہاں لوگ نظیری اور قتیل میں فرق نہیں کر سکتے۔

لغت: ''نظیری'' = نظیری نیشاپوری اکبر اور جہانگیر کے عہد میں فارسی کا بہت بڑا شاعر تھا جس نے ایک اسلوب خاص میں امتیاز حاصل کیا اسے اس رنگ میں یکتا کہا جا سکتا ہے۔ وہ عرصے تک عبدالرحیم خانخانان کے دربار سے وابستہ رہا ''قتیل''۔

غزل نمبر (۲)

راھی ست کہ در دل فتد از خون، رود از دل

ناید بہ زبان شکوہ و بیرون رود از دل

خون دل کے راستے سے داخل ہو کر باہر آتا ہے اور پھر سارے جسم میں گردش کرتا ہے کہتا ہے: کہ ایک راہ خون کے ذریعے سے دل میں پہنچی ہے اور پھر باہر نکل جاتی ہے، ابھی شکوہ زبان تک بھی نہیں آتا کہ دل سے نکل جاتی ہے۔

محبت کا اثر نہاں طور پر دل پر ہوتا ہے اور انسان اُس کو بیان بھی نہیں کرنے پاتا کہ وہ کیفیت جاتی رہتی ہے قلبی تاثرات، کو زباں بیان نہیں کر سکتی۔

آتش بدی آب تسلی شود و من

خون گردم از آن تُف کہ بہ جیحون رود از دل

آگ کو تھوڑے سے پانی سے بجھایا جا سکتا ہے لیکن میں اُس حدت کا مارا ہوں کہ جیحون (دریا) کا پانی بھی اُسے دور نہیں کر سکتا۔

خواھم کہ غم از کلبۂ من گرد برآرد

تا خواھش پیمودنِ ھامون رود از دل

لغت: ''گرد برآرد'' = تباہ کر دے، خاک کر دے۔ ''ہامون'' بیاباں، صحرا۔

میں چاہتا ہوں کہ غم مرے گھر کو برباد کر دے (اور اس سے خاک اڑے) تا کہ بیاباں نوردی کی خواہش ہی دل سے جاتی رہے (خود از تباہ شدہ گھر کی خاک ہی اڑاتا پھروں

اور اُسی میں مجھے بیاباں کی خاک چھاننے کا مزہ آئے)

سیل آمد و جوشی زد و در بحر فروشد
نیرنگِ نگاہش چہ بافسون رود از دل

اس کی نگاہوں کا طلسم کون سے سحر سے دل سے مٹ سکتا ہے۔ وہ ایک سیلاب تھا، آیا، اس میں تلاطم بپا ہوا اور وہ غرقِ بحر ہوگیا۔

جس طرح سیلاب کا پانی سمندر میں گر کر سمندر کا جزو بن جاتا ہے اسی طرح محبوب کی نگاہ ناز دل میں اتر گئی اور اسی کا جزو بن کر رہ گئی۔ اب وہ دل سے الگ کیوں کر ہو سکتی ہے۔

بامن سخن از سستی اوہام سراید
کم خرّمیِ فالِ ھمایون رود از دل

لغت: ''سستی اوہام'' = توہمات کا بے بنیاد ہونا۔ ''از دل کم می رود'' کم نفی کا مفہوم دیتا ہے یعنی از دل نمی رود دل سے نہیں جاتا۔

محبوب مجھ سے اوہام کے بے بنیاد ہونے کا تذکرہ کرتا، درست، لیکن اُس ظاہرا محبت سے (جو محض ایک وہم ہے) عاشق جو نیک شگون لیتا ہے وہ عاشق کے دماغ سے نہیں جاتا، اس کا کیا علاج، حالانکہ یہ شگون محض وہم ہے۔

شخصش بخیالم نزند پائچہ بالا
ھر چند ز جوشِ ھوسم خون رود از دل

ہر چند کہ محبوب کی محبت میں میری خواہش جوش میں آتی ہے اور دل سے خوں ابھر کر آتا

ہے لیکن اُس کا تصور میرے ذہن سے ذرا بھی نہیں اُبھرتا۔ دھندلا دھندلا جاتا ہے۔

در طبع، دگر رہ ندھم ھیچ ھوس را
گر حسرتِ اشراقِ فلاطون رود از دل

لغت: ''اشراق فلاطون'' = افلاطون کی خیالی دنیا۔

میں اب اپنے دل میں کوئی تمنا نہ اُبھرنے دوں گا خواہ اس کوشش میں افلاطون کی ساری خیالی دنیا کی حسرت ہی دل سے مٹ جائے۔

گیرم ز تو شرمندۂ آرزم نباشم
نارفتنِ مہرِ تو ز دل چون رود از دل

لغت: ''آرزم'' = لطف، مہربانی، عنایت۔

میں نے مانا کہ مجھے تیری عنایات کے احسان سے شرمندہ ہونا نہیں پڑے گا لیکن میں دل سے یہ بت کیسے دور کر سکتا ہوں کہ تیری محبت دل سے نہیں جاتی۔ یعنی یہ احسان تو پھر بھی باقی رہے گا اور مجھے تیرا شرمندۂ منت ہونا پڑے گا۔

زان شعر کہ در شکوۂ خوی تو سرایم
لفظم بہ زبان ماند و مضمون رود از دل

جب میں وہ شعر جس میں تیری بڑی خو کی شکایت ہو، کہتا ہوں تو لفظ تو زبان پر آجاتے ہیں لیکن مضمون دل سے نکل جاتا ہے یعنی تیری شکایتیں محض لفظی ہوتی ہے اور میں اوپری دل سے تیرا شکوہ کرتا ہوں۔

غالب نبود کشتِ مرا پارۂ ابری
جز دودِ فغانی کہ بگردون رود از دل

اے غالب میری کھیتی پر بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نہیں لہراتا سوائے میری آتشیں فریادوں کے اُس دھوئیں کے جو دل سے نکل کر آسماں کی طرف جاتا ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۳)

گفتم ز شادی نبودم گنجیدن آسان در بغل
تنگم کشید از سادگی در وصل جانان در بغل

میں نے کہا کہ خوشی کے عالم میں میرے لیے (تیرے) آغوش میں سمانا آسان نہیں ہے، مرے محبوب کی سادگی دیکھ اس نے یہ سنتے ہی مجھے اپنے آغوش میں زور سے بھینچ لیا۔

نازم خطر و رزیدنش، وآن هرزه دل لرزیدنش
چینی بہ بازی برجبین، دستی بدستان در بغل

لغت: ''خطر ورزیدن'' = خیالی طور پر خطرے میں ہونا۔ ''بازی'' = کھیل۔ ''دستان'' = داستان کا مخفف۔ دستاں کا ایک مفہوم نغمہ و آہنگ بھی ہے۔

معشوق کا وصل میں یہ خیال کرنا کہ صورت حال کچھ خطرناک ہے وہ اپنے کو یونہی اس

فرضی خطرے میں پڑا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اور اس کا دل بھی اس تصور ہی سے لرزاں ہے۔ وہ مشغلۂ عیش میں (بازی و دستان) مصروف بھی ہے اور ماتھے پر شکن بھی ہیں اور ہاتھ بغل میں دبائے ہوئے ہے (ڈر سے) اس کا یہ انداز بہت پیارا ہے۔

آہ از تنگ پراهنی کافزون شدش تر دامنی
تاخوی برون داد حیا گردید عریان در بغل

لغت: ''تنگ پیراہنی'' = ہلکے پھلکے یا مختصر لباس میں ہونا۔ ''تر دامنی'' = تر دامن ہونے کی حالت۔ ''خوی'' پسینا۔ اس کے ہلکے اور مختصر لباس سے اس کی تر دامنی اور بھی بڑھ گئی ابھی حیا سے پسینا آیا ہی تھا کہ اُدھر آغوش میں آ کر اس کا بدن عریاں ہو گیا۔

دانش بہ مَی در باختہ خود را ز من نشناختہ
رخ در کنارم ساختہ از شرم پنہان در بغل

وہ شراب سے اپنی ہوش و خرد کھو بیٹھا ہے اور مجھ میں اور اپنے میں فرق نہیں کر سکتا۔ مرے آغوش میں آ کر اس نے شرم سے اپنا چہرہ اپنی بغل میں چھپا لیا ہے۔

تا پاسدارد خویش را، مَی رگریبان ریختی
ختی چورفتی زآن می اش گل ازگریبان دربغل

جب تک اُس کو اپنا پاس رہتا ہے وہ شراب کو گریباں میں انڈیل دیتا۔ جب اس شراب سے گریباں میں لگا ہوا پھول اس کی بغل میں چلا جاتا وہ اس پھول سے بھی خستہ حال ہو جاتا۔

گاهم به پهلو خفته خوش بستی لب از حرف و سخن
گاهم ببازو مانده سر سودی زنخدان در بغل

کبھی تو وہ میرے پہلو میں خوش خوش سویا ہوا خاموش پڑا رہتا اور کبھی میرے بازو پر سر رکھ کر اپنی ٹھوڑی کو بغل سے گھساتا۔

ناخوانده آمد صبح گه بندِ قبایش بی گره
و اندر طلب منشورِ شه نکشوده عنوان در بغل

صبح کو وہ بن بلائے اپنے بند قبا کھولے ہوئے آ گیا اور بلاوے کے سلسلے میں بادشاہ کا پیغام بند لفافے میں لیے اور بغل میں دبائے ہوئے آیا

بازخشِ سرهنگی روان کش خنجر وژوپین بکف
وز پس جلوداری دوان کش گوی و چوگان در بغل

ایک لشکری گھوڑ سوار اس کے ساتھ ساتھ آ رہا ہے جس کے ہاتھ میں خنجر اور طمنچہ ہے اور اس کے پیچھے ایک آدمی اس کی جلوداری میں دوڑ رہا ہے جس کی بغل میں گیند اور چوگان (پولو کا بلا) ہے۔

می خورده در بستان سرا مستانه گشتی سو بسو
خود سایهٔ اُو را از و صد باغ و بستان در بغل

بستان سرا میں شراب پی اور پھر بدمست ہو کر ادھر اُدھر گھوم رہا ہے۔ ایسے میں اُس کے اپنے سائے کے آغوش میں سینکڑوں باغ و بستان لہلہا رہے ہیں۔

چون غنچه دیدی در چمن گفتی به گلبن کت زمن
چون رفته ناوک از جگر چون مانده پیکان در بغل

باغ میں جب اُس کی نظر کلی پر پڑتی تو وہ پھول کی کیاری سے کہتا ہے کہ کیا مری طرح تیرے جگر سے بھی تیر چیر کر باہر نکل گیا ہے اور اس کا پیکان بغل میں چھپا ہوا رہ گیا ہے۔ کلی کو خون آلود پیکان سے تشبیہ دی ہے۔

هان غالب خلوت نشین بیمی چنان عیشی چنین
جاسوسِ سلطان در کمین مطلوب سلطان در بغل

غالب خلوت نشیں ایک طرف اتنا خوف اور دوسری طرف عیش و نشاط کا یہ سامان، بادشاہ کا جاسوس گھات میں ہے اور بادشاہ کا محبوب بغل میں۔

❁❁❁

غزل نمبر (۴)

داریم در هوائی تو مستی بوئی گل
ماراست بادهٔ که تو نوشی بروی گل

تیری تمنا میں ہمیں بوئے گل سے مستی نصیب ہوتی ہے۔ جو شراب تو پھولوں کے سامنے بیٹھ کر پیتا ہے وہی ہمارے لیے شراب بن جاتی ہے۔

اندازہ سنج رشکم و ترسم ز انتقام
پوشم ز شمع چشم و نہ بینم بسوی گل

لغت: ''اندازہ سنج'' = اندازہ ملحوظ رکھنے والا۔

میں رشک کرتے وقت اندازے کو ملحوظ رکھتا ہوں اور انتقام سے ڈرتا ہوں۔ میں شمع سے چشم پوشی کر لیتا ہوں اور پھول کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا۔

بزم میں شمعیں بھی جلتی ہیں اور پھول بھی ہوتے ہیں۔ شاعر محبوب کی محفل آرائی پر جو شمع و گل سے آراستہ ہے رشک نہیں کرتا اس لئے اُدھر توجہ ہی نہیں کرتا۔ اگر وہ بھی اُن کی طرف راغب ہو تو اُسے رشک آئے گا اور اگر رشک کو پاس نہ آنے دے اور جی بھر کے خود ان چیزوں سے لطف اندوز ہو تو یہ ایک طرح محبوب سے انتقام لینا ہوا۔

ظاہر یہ کرنا ہے محبوب کے بغیر شمع و گل سے کوئی لطف حاصل نہیں ہوتا۔

برگوشۂ بساط غریب است و آشنا
گلبن دیارِ گل بود شاخ کوئے گل

پھولوں کا اصل وطن پھولوں کی کیاری (گلبن ہے اور شاخ کا کوچۂ گل۔ بساط نشاط پر پھول اجنبی ہے اور صرف آشنا سا (مانوس) لگتا ہے۔

اندیشہ را بہ نیم ادا می توان فریفت
خون کن دلی کہ از تو کند آرزوی گل

خیال کا کیا ہے اُسے تو معمولی سے انداز (نیم ادا) سے دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ جو دل تجھ سے پھول کی آرزو کرے اُسے خون ہونے دے۔

غم میں دل کا خون ہونا ایسا ہی ہے جیسے پھولوں کی سیر کر لی کیونکہ غمزدہ انسان کو پھولوں سے، بجائے خوشی کے دکھ ہوتا ہے۔

تا گل بہ رنگ و بوی کہ ماند کہ در چمن
گل در پس گل آمدہ در جستجوی گل

باغ میں پھول کس کا رنگ و بو لے کے آیا ہے (لفظی کس کے رنگ و بو سے مشابہ ہے) کہ ایک پھول دوسرے پھول کی جستجو میں ہے۔

جوش بھار بسکہ مھارش گسستہ است
تازد بدشت ناقۂ بی راھہ پوی گل

لغت: ''پوے'' = دوڑ۔

جوش بہار نے پھول کی مہار توڑ دی ہے۔ اب پھولوں کی دوڑ دشت و میدان میں بے راہ ناقہ کی طرح ہے۔ بہار میں پھولوں کی اس قدر کثرت ہے کہ بوئے گل کو وہ دشت و بیاباں میں شترِ بے مہار کی طرح دوڑتی پھرتی ہے۔

ھی زود گیرِ زود گسل، ھی جگی جگی
درخشم خوی شعلہ و در مھر خوی گل

لغت: ''زود گیر'' = جلدی سے گھل مل جانا والا ''زود گسل'' = جلدی سے تعلق منقطع کر دینے والا۔

یہ کیا، زود گیر بھی اور زود گسل بھی غصے میں ہو، تو شعلے کی خو تجھ میں پائی جاتی ہے اور محبت و لطف میں پھول خصلت۔

زانگہ کہ عندلیب لقب دادۂ مرا
افزودۂ امید من و آبروی گل

تو نے مجھے عندلیب (بلبل) کا لقب دیا ہے اور ایسا کرنے سے تو نے ایک طرف میری حوصلہ افزائی کی ہے اور دوسری طرف گل کی آبرو میں اضافہ کیا ہے۔
بلبل گل کی شیدائی ہوتی ہے۔ معشوق کا عاشق کو بلبل کہنا گویا عاشق کی امید افزائی بھی ہے اور اس کی اپنی عزت افزائی بھی۔

در موسم تموز گلابی بہ تن بریز
تا آبِ رفتہ باز بیاید بجوئ گل

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے:
گرمی کے موسم میں گلاب سے نہا۔ تا کہ جوئے گل سے جو پانی بہہ چکا ہے وہ دوبارہ اس میں آملے۔ ''آب'' کے لفظ کو ذو معنی استعمال کیا ہے، پانی بھی اور آب یعنی تاب بھی۔
گرمی سے محبوب کے حسن میں افسردگی سی آگئی ہے جو گلاب سے غسل کرنے پر دور ہو جائے گی اور حسن ترو تازہ ہو جائے گا۔ (گویا محبوب گل ہے)۔

غالب ز وضع طالبم آید حیا کہ داشت
چشمی بسوئ بلبل و چشمی بسوئ گل

غالب مجھے وضع طالب دیکھ کر حیا آتی ہے جس کی ایک آنکھ بلبل پر لگی ہے اور ایک پھول پر۔

❀❀❀

غزل نمبر (۵)

تن بر کرانہ ضائع دل در میانہ غافل
چون غرقۂ کہ ماند رختش بسوی ساحل

تن کنارے پر ضائع ہو گیا اور دل درمیان میں کھو گیا۔ اُس ڈوبنے والے کی طرح جس کا لباس ساحل پر پڑا رہ جائے اور خود سمندر میں معلوم نہیں کہاں ہو۔ یہ شعر انسانی زندگی کی بے چارگی کی تصویر ہے۔

داغم بہ شعلہ زائی انداز برق خاطف
سعیم بہ نارسائی پروازِ مرغِ بسمل

لغت: ''برق خاطف'' = اچک لے جانے والی برق۔ برباد کر دینے والی۔
''مرغ بسمل'' = نیم جان زخمی پرندہ۔
مرے داغ شعلہ برسانے میں جلا دینے والی برق کی طرح ہیں اور میری کوشش ناکامی اور نارسائی میں نیم جان پرندے کی پرواز کی طرح۔

ذوق شہادتم را دستِ قضا بہ حنا
سیر سعادتم را پای ستارہ در گل

لغت: ''پا در گل'' = دلدل میں پھنسے ہوئے۔ مجبوری اور بے چارگی کا عالم۔
میرے ذوق شہادت کی ناکامی کہ قضا کے ہاتھ مہندی سے بندھے ہیں۔ اور میری ''سعادت مندی'' کے لئے مبارک ستارے کی حرکت رک گئی ہے یعنی ستارہ حرکت ہی میں نہیں

آتا۔شاعر نے اپنی بدنصیبی کی تصویر کھینچی ہے۔

فرسودہ گشت پایم از پویہ ھائی ھرزہ
آشفتہ شد دماغم ز اندیشہ ھائی باطل

میرے پاؤں بیہودہ قدم اُٹھاتے اٹھاتے گھس گئے ہیں اور میرا دماغ فضول خیال آرائیوں سے پریشان ہے۔

ھم در خمارِ دوشین حالم تبہ بہ صحرا
ھم در بھائی صہبا رختم گرو بمنزل

رات کے نشے کے خمار میں آج تباہ حالی میں صحرا نوردی کر رہا ہوں اور شراب کی قیمت ادا کرنے کے لئے میرا سرمایۂ حیات گھر ہی میں گرو ہوگیا ہے۔یعنی وہیں رہ گیا ہے۔

شمعم ز رو سیاھی داغ جبین خلوت
چنگم ز بی نوائی ننگِ بساط محفل

میری شمع اپنی بے نوری کے باعث میری خلوت کے ماتھے کا داغ ہے اور ساز (چنگ) بے صدا ہونے کے سبب محفل نشاط کے لیے باعث ننگ ہے۔

راز تو در نھفتن تبخالہ ریخت برلب
تیر تو گزشتن پیکان گداخت در دل

لغت: ''تب خالہ'' = بخار اُترنے کے بعد بعض اوقات مریض کے لبوں پر گرمی کے

دانے نکل آتے ہیں وہ تبخالہ ہے۔

تیرے راز کو چھپانے میں لبوں پر چھالے پڑ گئے اور تیرا تیر محبت دل کو یوں چیر کر گزرا کہ اس کا پیکاں دل ہی میں رہ گیا۔

نظارہ با ادایت موسیٰ و طور سینا
اندیشہ بالایت ھاروت و چاہ بابل

بامن نمودہ مجنون بیعت بہ فن سودا
بر تو فشاندہ لیلیٰ زیور ز طرف محمل

جنوں میں قیس نے میری بیعت کی ہے اور لیلیٰ محمل میں سے اپنے زیور اتار کر تجھ پر نثار کرتی ہے یعنی حسن وعشق میں ہم دونوں قیس ولیلیٰ کو مات کرتے ہیں۔

غالب بہ غصہ شادم مرگم بخویش آسان
در چاہ نامرادم کارم ز دوست مشکل

غالب! میں رنج واندوہ پر خوش ہوں میری موت میرے لئے آسان ہے۔ چارہ سازی میں سخت بدبخت نامراد انسان ہوں دوست کے ہاتھوں میں میرا کام بن جائے یہ مشکل امر ہے۔

میں نے غم واندوہ کو اپنا لیا ہے، موت کیا شے ہے۔ازلی بدنصیب، ہوں عشق میں کیا کامیابی ہوگی اور دوست کیسے مہربان ہوگا۔

❀❀❀

ردیف م

غزل نمبر(۱)

رفتم کہ کہنگی ز تماشا بر افگنم
دربزم رنگ و بو نمطِ دیگر افگنم

میں نے چاہا کہ تماشا سے کہنگی دور کر دوں اور بزم رنگ و بو میں ایک نئی طرز ڈال دوں۔

در وجد اہل صومعہ ذوقِ نظارہ نیست
ناہید را بہ زمزمہ از منظر افگنم

لغت: ''اہل صومعہ'' = خانقاہ نشین لوگ۔

''ناہید'' = ستارۂ زہرہ، اسے رقص وسرور سے منسوب کیا جاتا ہے اس لئے اُسے فلک رقاصہ بھی کہتے ہیں۔

''منظر'' = نظارے کی جگہ، دریچہ کھڑکی۔

''اہل خانقاہ کا وجد وحال ذوق سے عاری ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے زمزمے سنا کر ناہید کو منظر فلک سے نیچے اُتار لاؤں۔''

اہل خانقاہ پر بظاہر وجد تو طاری ہوتا ہے لیکن چوں کہ اُن میں خلوص قلبی اور نشۂ سرمدی نہیں ہوتا اس لئے وہ دیکھنے والوں کے دلوں میں کیفیت اور محویت پیدا نہیں کر سکتے۔

مرزا غالب اپنے نغموں سے وہ وجدانی کیفیتیں پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ نہ صرف دنیا

والے اُن سے لذت اندوز ہوں، بلکہ آسمان کے جھروکے سے رقاصۂ فلک بھی عالم مستی میں زمین پر اُتر آئے اور رقص کرنے لگے۔

معشوق را ز نالہ بدان سان کنم حزین
کز لاغری ز ساعدِ او زیور افگنم

لغت: ''ساعد'' = کلائی۔

اپنی معشوق کو اپنے نغموں کی حزیں فریادوں سے اس حد تک غمگیں کر دوں، کہ وہ (غم سے) لاغر ہو جائے اور لاغری سے اُس کی کلائی سے زیور گر پڑیں۔

ھنگامہ را جحیمِ جنون بر جگر زنم
اندیشہ را ھوای فسون در سر افگنم

لغت: ''جحیم'' = دوزخ۔ ''ہنگامہ'' = جوش وخروش۔

''اندیشہ'' = فکر و خیال، انسانی ذہن۔

''را'' کا حرف دونوں مصرعوں میں اضافی ہے یعنی اضافت کے لئے آیا ہے۔

نثریوں ہوگی، جحیم جنون بر جگر ہنگامہ زنم و ہوای فسوں در سر اندیشہ افگنم'' میں ہنگامۂ عالم کے جگر پر جنوں و دیوانگی کا دوزخ رکھ دوں اور افکار کے سر میں سحر آفرینیاں بھر دوں۔''

ہنگامۂ عالم سرد پڑ گیا ہے۔ اس میں جوش ولولہ اور غلغلہ نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اُسے نئے سرے سے گرماؤں۔ ولولوں کی یہ گرمی فرزانگی سے نہیں دیوانگی سے پیدا ہوتی ہے اس لئے میں اہل جہاں کو جنوں آشنا کرنا چاہتا ہوں، اس کام کے لئے مجھے اپنے جنوں اور دیوانگی کی تڑپتی ہوئی آگ سے اُن کے سینوں کو آتش زار بنانے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح انسانی فکر وخیال پر

جو جمود طاری ہو رہا ہے اُس میں بھی نیا فسوں پھونکنا چاہتا ہوں۔

نخلم کہ ھم بجای رطب طوطی آورم
ابرم کہ ھم بروی زمین گوھر افگنم

لغت: ''رطب'' = شیریں اور خوش ذائقہ پھل۔

''میں وہ درخت ہوں کہ میٹھے پھل کی بجائے شیریں سخن طائر پیدا کرتا ہوں، میں ایک بادل ہوں کہ زمین پر بجائے قطرۂ آب کے موتی برساتا ہوں۔''

یعنی میرے کلام میں شیرینی ہے اور میرے شعر گوہر ہائے آبدار ہیں۔

باغازیان ز شرحِ غم کار زارِ نفس
شمشیر را بہ رعشہ ز تن جوھر افگنم

لغت: ''غازی'' = بہادر سپاہی۔ ''کار زار'' = جنگ، مجادلہ۔
''نفس'' = انسان کا نفس امارہ۔ ''رعشہ'' = لرزہ۔

''اگر میں بہادر غازیوں کو اس جنگ کی تفصیل بتاؤں جو مجھے اپنے نفس کے مقابلے میں کرنی پڑتی ہے تو اُن کی شمشیر لرزہ بر اندام ہو جائے اور اُس سے اُس شمشیر کی آب و تاب (جوہر) جاتی رہے۔

اس میں شک نہیں کہ مردان حق کو اللہ کی راہ میں جان جوکھوں میں ڈالنی پڑتی ہے لیکن انسان کو اپنے نفس سے جہاد کرنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں وہ اُن دشواریوں سے کہیں زیادہ کڑی ہیں۔ وہ دشواریاں اگر میں بیان کروں تو غازی بھی لرز اُٹھیں اور ان کی تلوار بھی کند ہو جائے۔

با دیریان زشکوه بیداد اهل دین
مهری ز خویشتن بدلِ کافر افگنم

''اگر میں اس جور و ستم کی شکایت جو اہل دین نے مجھ پر ڈھائے ہیں اہل دیر (بتکدہ) سے کروں تو کافر کے دل میں بھی میرے لے محبت پیدا ہو جائے۔''

یعنی مجھ پر مسلمانوں نے وہ ستم ڈھائے ہیں کہ اگر کافر سنیں تو وہ بھی کانوں پہ ساتھ رکھیں اور اُن کے دلوں میں میرے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو۔

ضعفم بہ کعبہ مرتبۂ قرب خاص داد
سجادہ گستری تو و من بستر افگنم

''میرے ضعف و ناتوانی نے مجھے کعبے میں قرب خاص کا مقام عطا کیا تو تو کعبے میں ''جائے نماز'' بچھاتا ہے اور میں بستر بچھاتا ہوں۔''

دیار محبوب سے عقیدت رکھنے والوں کی انتہائی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہاں جا کر وہیں کے ہو رہیں۔ اس سے زیادہ شرف کیا ہو سکتا ہے۔

مرزا غالب کو یہ مقام بلند ناتوانی سے عطا ہوا۔

تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر
بگدازم آبگینہ و در ساغر افگنم

''میں صراحی پگھلا کر جام میں ڈال لیتا ہوں تا کہ شراب اور زیادہ تلخ اور سینہ اور زیادہ مجروح ہو جائے۔''

یہ شعر مرزا غالب کی بلند نظری اور عالی حوصلگی کی نشان دہی کرتا ہے۔ اقبال نے

اس شعر کو غالب کے فکری اور شعری مزاج کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔

راھی ز کنج دیر به مینو کشاده ام
از خم کشم پیاله و در کوثر افگنم

''میں نے کنجِ دیر سے جنت تک کا راستہ کھول لیا ہے، خم شراب سے پیالہ بھرتا ہوں اور کوثر میں ڈال دیتا ہوں۔''

شاعر شراب کے نشے سے سرمدی سرور حاصل کرتا ہے جو اُسے روحانی کیفیت عطا کرتا ہے مرزا غالب کا یہ شعر دیکھیے:

ے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

منصورِ فرقهٔ علی اللّهیان منم
آوازهٔ انا اسد الله در افگنم

لغت: ''منصور'' سے مراد حسین بن منصور ہے، روایات کے مطابق اُن پر معرفت حق کا اتنا غلبہ طاری ہوا کہ وہ اپنے آپ کو ذات خداوندی سے واصل محسوس کر کے انا الحق پکار اٹھے۔ علمائے وقت کے فتوے کے مطابق انہیں دار پر چڑھا دیا گیا۔

منصور کا لفظ ہمارے اردو اور فارسی ادب میں ایک ''علامت'' بن چکا ہے۔

مرزا غالب کہتے ہیں:

میں ''علی اللہیاں'' کے فرقے (پیرواں حضرت علی) کا منصور ہوں، میں اسد اللہ کا نعرہ لگاتا ہوں یعنی اسد اللہ پکارتا ہوں۔

یعنی میں حضرت علی کا عاشق ہوں اور اُن کی ذات میں واصل ہوں، منصور نے انا الحق

کہتا تھا میں انا اسد اللہ کا نعرہ لگاتا ہوں۔

حضرت علی کا لقب اسد اللہ تھا اور شاعر کا نام اسد اللہ تھا۔ چنانچہ ''انا اسد اللہ'' کے الفاظ میں بڑی معنوی لطافت ہے۔

ارزنده گوهری چون من اندر زمانه نیست
خود را بخاکِ رهگذر حیدر افگنم

لغت: ''حیدر'' بھی حضرت علیؓ کا لقب تھا۔ ''ارزنده''= قیمتی، گراں بہا۔

''میرے جیسا قیمتی موتی کوئی اور زمانے میں نہیں۔ میں اپنے آپ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خاک رہ میں ڈالتا ہوں۔''

شاعر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قدموں پر اپنی زندگی نچھاور کرنے کو سب سے بڑی سعادت خیال کرتا ہے۔

غالب به طرح منقبت عاشقانه
رفتم که کهنگی ز تماشا برافگنم

اللہ تعالیٰ کی تعریف ''حمد'' رسول پاک تعریف 'نعت' اور صحابہ کرام اہل بیت اور اولیاء اللہ کی مدح و ستائش منقبت کہلاتی ہے۔

''غالب میری تحریر منقبت کا انداز عاشقانہ ہے، میں نے اس انداز بیان سے پرانے اسلوب کے طرز کہن کو بدلنا چاہا ہے۔

اس غزل کے چند آخری اشعار حضرت علی کرم اللہ وجہ کی منقبت میں ہیں اور اُن کا اسلوب بیان عاشقانہ ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۲)

بس کہ بہ پیچید بخویش جادہ ز گمراہیم

رہ بدرازی دھد عشوۂ کوتاہیم

لغت: ''جادہ'' پگڈنڈی۔ راستہ۔

''میری گمراہی کے باعث راستہ پیچ وتاب کھا رہا ہے، چنانچہ میری اس کوتاہی سے عشوۂ محبوب راہِ محبت کو دراز تر کر رہا ہے۔''

راہ محبت میں کئی ایک کٹھن مقام آتے ہیں جنہیں شاعر نے راستے کے پیچ وتاب سے تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ راستہ بھی جب ایسے بھٹکے ہوئے راہی کو دیکھتا ہے تو پیچ وتاب کھاتا ہے کہ یہ کیسا راہرو ہے کہ راہ پہ آتا ہی نہیں۔ اس سے محبوب کی بے نیازیاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔

شعلہ چکد، غم کرا؟ گل شگفد مُزد کو؟

شمع شبستانیم، باد سحر گاہیم

اگ مجھ سے شعلے نکلیں (ٹپکیں) تو اس کا کس کو غم؟ اور پھول بکھیروں تو اس کا کیا صلہ، میں خواب گاہ میں جلنے والی شمع ہوں اور صبح کو چلنے والی ہوا۔

شمع محفل کو روشن کرتی ہے لیکن اُس کے جلنے کا کسی کو دکھ نہیں ہوتا صبح کی ہوا پھول کھلاتی ہے لیکن اس کو داد نہیں ملتی۔

شاعر نے اس شعر میں اپنے مصائب اور ادبی فیض رسانیوں کا تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ دنیا والے اتنے بے درد ہیں کہ غم میں شریک نہیں ہوتے اور اتنے ناقدردان ہیں کہ فن کی داد نہیں دیتے۔

جور بتان دلکش است محو بد اندیشیم

پند کسان آتش است داغِ نکو خواہیم

''حسینوں کے جور وستم بڑے دلپذیر ہیں میں اُن کی اس بداندیشی سے محویت کے عالم میں کھو گیا ہوں۔ لوگوں کی نصیحتیں، آگ کا کام کرتی ہیں، اُن کی اس نیک خواہی نے مجھے جلا کر داغ کر دیا ہے۔''

محبوبوں کے جور وستم کی محبوبیت نے مجھ پر محویت طاری کر رکھی ہے کہ میں آواز تک بلند نہیں کرتا اور لوگ جو بظاہری خیر خواہی سے نصیحت کرتے ہیں ان کی خیر خواہی کا بھی زخم خوردہ ہوں۔

گوشۂ ویرانہ را آفتِ ہر روزہ ام

منزل جانانہ را فتنۂ ناگاہیم

''ویران گوشے کے لئے روز روز کی آفت کی مانند ہوں۔ منزل محبوب کے لئے اچانک آنے والے فتنے کی طرح۔''

گھر کے ویران گوشے کے لئے ایک آفت بن چکا ہوں کہ وہ میرے باعث ویران سے ویران نظر آتا ہے اگر کبھی خانۂ محبوب میں پہنچوں تو وہاں مجھے ایک فتنہ ناگہان سمجھا جاتا ہے۔

دور فتادم زیار ماھی بی دجلہ ام

نیست دلم درکنار دجلہ بی ماھیم

لغت: ''ماہی بے دجلہ'' = ماہی بے آب۔

فراق میں بے تاب دل کو ماہی بے آب کہا ہے اور سینے میں دل نہ ہونے یعنی بیدلی

اور افسردگی کے عالم کو دجلۂ ماہی سے تشبیہ دی ہے۔

''میں دوست سے جدا ہو کر ماہی بے آب ہو گیا ہوں اور دل، پہلو میں نہیں اس لئے یہ سینہ دریائے بے ماہی کی طرح ہے۔''

''ماہی بے دجلہ'' اور ''دجلۂ بے ماہی'' میں صنعت عکس یا تضاد بہت حسین ہے۔

بندۂ دیوانہ ام، مخطی و ساھی خوشم
حکم ترا مخطی ام، قھرِ ترا ساھیم

لغت: ''مخطی اور ساہی'' وہ شخص جس سے خطا اور سہو سرزدہ ہو۔ خطا میں ارادہ اور سہو میں بھول کا پہلو ہوتا ہے۔

''میں ایک دیوانہ ہوں خطا کار اور سہو کرنے والا، خوش ہوں کہ ترے احکام سے سرتابی کرتا ہوں اور تیرے قہر و غضب کو بھول جاتا ہوں۔''

غالب کو اپنی خطاؤں کا احساس ہے لیکن وہ اپنی خطاؤں پر اس لئے خوش اور مطمئن ہے کہ خالق کائنات جبار و قہار ہونے کے ساتھ ساتھ رحیم و کریم بھی ہے جو اس کی خطاؤں کو معاف بھی کر سکتا ہے اس لئے وہ ایک دیوانے کی طرح بے پرواہ ہے۔

آن تنِ چوسیم خام، وانھمہ انگیزِ تن
تاچہ فراھم شد است اُجرتِ جانکاھیم

محبوب کا جسم، چاندی کی سی آب و تاب رکھنے والا جسم ہے اور اُس پر اُس میں یہ انگیخت کا عالم (کہ دل جل جائے) دیکھئے ہماری جانکاہی (عاشقانہ حالت زار) کے لئے کیا کیا اُجرت کے سامان مہیا ہوتے ہیں۔

از صفِ طفلان وسنگ، رہ شدہ برخلق تنگ
زود ز کو نگزرد کوکبۂ شاھیم

لغت: ''کوکبہ'' = جلوس، شاہی سواری۔

اپنی دیوانگی کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

(میں دیوانہ جدھر سے گزرتا ہوں) بچوں کے ہجوم اور پتھروں کی کثرت سے (جو وہ مجھ پر پھینکتے ہیں) لوگوں کے لئے راستہ تنگ ہو جاتا ہے دیکھو میری شاہی سواری راہ میں سے آسانی سے نہیں گذر سکتی۔

جذب توی باید قو کا ن بیرد باک نیست
گر نتواند رسید بخت بھمراھیم

اگر نصیبہ (خوش بختی) یاوری نہیں کرتا اور میرے ہمراہ نہیں چلتا (اور تیرے در تک نہیں پہنچتا ہے) تو کچھ ڈر نہیں (پروا نہیں) تیری کشش قوی ہونی چاہئے وہ مجھے خود بخود کھینچ لے گی۔

غالب نام آورم، نام و نشانم مپرس
ھم اسد اللہ ام و ھم اسد اللٰھیم

میں مشہور و معروف غالب ہوں میرا نام و نشان کیا پوچھتے ہو، میں اسد اللہ بھی ہوں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا پیرو کار بھی۔

❀❀❀

غزل نمبر (۳)

برلب یا علی سرا بادہ روانہ کردہ ایم
مشرب حق گزیدہ ایم، عیش مغانہ کردہ ایم

اس شعر کی شرح مولانا حالی نے یوں فرمائی ہے:

"چونکہ لب پر یاعلی جاری ہے اس لحاظ سے تو ہم نے مذہب حق اختیار کیا ہے اور چونکہ اس پر شراب (بھی) جاری ہے اس لحاظ سے مغوں، یعنی آتش پرستوں کا سا عیش کرتے ہیں یعنی دین و دنیا دونوں ہم کو حاصل ہیں۔

در رہت از پگہ روان، پیشتریم یک قدم
حکم دوگانہ دادۂ، ساز سہ گانہ کردہ ایم

لغت: "پگاہ" = صبح۔ "پگہ روان" = صبح کو چلنے والے۔ ہم تری راہ میں چلنے والوں سے ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں۔ تو نے دو رکعت نماز کا حکم دیا ہے ہم تین رکعت کا اہتمام کرتے ہیں۔

یعنی دو رکعت نماز کے ساتھ ساتھ یاعلی یاعلی کا ورد بھی کرتے ہیں۔

بوکہ بہ حشو بشنوی قصۂ ما و مدعی
تازہ ز روئداد شہر، طرح فسانہ کردہ ایم

لغت: "بو" = بود کا مخفف ہے یعنی ہوسکتا ہے شاید۔ "حشو" = زائد، رائگاں، یونہی۔

"ہم نے شہر کے واقعات کے سلسلے میں فسانہ بنا کر لوگوں میں رائج کر دیا ہے۔

اس خیال سے کہ شاید اسی سلسلے میں تو میرے اور رقیب کے بارے میں کچھ باتیں سن لے۔

مراد یہ ہے کہ لوگوں کی رقیب کے متعلق کیا رائے ہے اور اُن کی نظروں میں میری کتنی عزت ہے۔

زعم رقیب یک طرف، کوری چشم خویشتن
ناوکِ غمزۂ ترا دیدہ نشانہ کردہ ایم

رقیب کے بارے میں ہماری بدگمانی ایک طرف رہی، یہ ہماری بے بصری تھی، ہم نے اپنی آنکھوں کو تیری ناوک ادا کا نشانہ بنالیا (اندھا کرلیا) اور یہ سوچا کہ ان تیروں کا نشانہ کوئی اور بھی ہوسکتا ہے۔

بادہ بوام خوردہ وزر بہ قمار باختہ
وہ کہ زھرچہ ناسزا ست ھم بسزا نکردہ ایم

مولانا حالی نے بڑی بلیغ شرح فرمائی ہے:

"یعنی شراب پینا اور روپیہ ضائع کرنا تو برا تھا ہی، ہم نے ان برائیوں کو بھی خوبی کے ساتھ نہ کیا شراب پی تو قرض لیا روپیہ کھویا تو جوئے میں۔"

"مثل ہے عیب کردن راہنری باید" یعنی عیب کرنے کا بھی ایک ڈھنگ ہوتا ہے۔

نالہ بہ لب شکستہ ایم، داغ بدل نھفتہ ایم
دولتیانِ ممسکیم، زر بخزانہ کردہ ایم

لغت: ''دولتی'' میں ''یا'' فاعلی ہے۔ دولت مند

''ہم نے اپنی آہ وزاری کو ہونٹوں میں روک لیا ہے اور داغ (عشق) کو دل میں چھپا لیا ہے ہم بخیل دولت مند ہیں اپنی دولت کو خزانے میں رکھا ہے۔

شاعر، داغ محبت اور آہ و فریاد کو بڑی دولت سمجھتا ہے جسے وہ دوسروں سے چھپا کر رکھتا ہے۔

تا بچہ مایہ سرکینم نالہ، بہ عذر بی غمی
از نفس آنچہ داشتیم صرف ترانہ کردہ ایم

لغت: ''نالہ کردن'' = فریاد۔ ''بچہ مایہ'' = کس برتے پر۔

''اب ہمارے لبوں پر فریاد آئے تو کیسے؟ سانسوں کا جتنا سرمایہ تھا وہ ہم نے اپنے آپ کو بے غم ہونے کے بہانے خوشیوں کے ترانے گانے میں صرف کر دیا۔''

انتہائی غم والم کے عالم میں بھی فریاد نہ کی، یہی ظاہر کرنے کا بہانہ کیا کہ ہم خوش ہیں۔

خار ز جادہ باز چین، سنگ بگوشہ درفگن
از سر رہ گرفتنش ترکِ بہانہ کردہ ایم

راستہ چلنے والوں کی راہ میں دو چیزیں حائل ہوتی ہیں کانٹے اور پتھر۔ انسان چلتے چلتے رک جاتا ہے اور کانٹوں اور پتھروں کو رستے سے ہٹا کر آگے بڑھتا ہے۔ اس رکاوٹ کے بہانے کبھی کبھی رہروں میں مجبوراً ملاقات بھی ہو جاتی ہے کہتا ہے:

''کانٹوں کو راستے سے چن لو، اور پتھروں کو اٹھا کر ایک طرف پھینک دو، اب ہم نے محبوب سے یونہی بہانے سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔''

یعنی اب عشق کی جراحتوں نے ہمیں پختہ کار بنا دیا ہے۔ اب راہ کے کانٹوں اور

پتھروں سے بے نیاز ہو کر تلاش محبوب میں نکلیں گے اور منزل مراد تک پہنچیں گے۔

ناخنِ غصہ تیز شد، دل بستیزہ خو گرفت
تا بخود اوفتادہ ایم از تو کرانہ کردہ ایم

لغت: ''غصہ'' = فارسی میں یہ لفظ انتہائی رنج واندوہ کے لئے آتا ہے۔

اب ہمارے رنج واندوہ کے ناخن تیز ہو گئے ہیں (جن سے ہم دلخراشی کا کام لیتے ہیں (اور دل بھی اسی قسم کے دکھ سہنے کا عادی ہو چکا ہے۔ جب سے ہم اپنے آپ میں الجھ گئے ہیں تجھ سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔

غالب از آنکہ خیر وشر جز بقضا نبودہ است
کارجہان ز پر دلی بی خبرانہ کردہ ایم

اے غالب چونکہ دنیا میں اچھا برا (خیر وشر) جو کچھ ہوتا ہے وہ سوائے قضا کے نہیں آتا، اس لئے ہم نے دنیا میں جو کام بھی کیا بے نیازانہ کیا اور بڑی دلیری سے کیا۔

❁❁❁

غزل نمبر (۴)

نوگرفتار تو دیرینہ آزادِ خودم
وہ چہ خوش بودی کہ پردی ذوق بھباد خودم

''میں تیرے دام محبت میں تازہ تازہ اسیر ہوا ہوں، اس سے پہلے میں بہت دیر سے

اپنے آپ سے بھی آزاد تھا کیا اچھا ہوتا کہ مجھے اپنی بہتری اور بہبودی کا خیال ہوتا۔''

پہلے بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ اپنے سے بھی بے نیاز تھا۔اب اسیر محبت ہوا تو محسوس ہوا کہ اب تک زندگی بے کار گذری کاش پہلے ہی سے اپنی بہبودی کا احساس ہوتا۔ نظیری کہتا ہے:

نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانی کہ گرفتار نبود

معنیِ بی گانۂ خویشم، تکلیف بر طرف
چون مہِ نو مصرعِ تاریخِ ایجاد خودم

لغت: ''مصرع تاریخ'' فارسی اردو میں دستور ہے کہ حروف ابجد کے عدد گن کر کسی واقعہ کی تاریخ نکالتے ہیں اور پھر اُسے کسی منظوم مصرعے یا شعر میں لاتے ہیں، وہ مصرعۂ تاریخ ہوتا ہے۔

''میں خود اپنا معنی بیگانہ ہوں، تکلیف چھوڑے میری حالت نئے چاند (ہلال) کی سی ہے جو اپنی ایجاد کی خود ہی تاریخ ہوتا ہے۔''

نئے چاند میں بدر کامل موجود ہوتا ہے، مرزا غالب بھی ایک مہ نو تھے جنہوں نے اردو فارسی ادب کو نئے نئے افکار اور اسلوب بیان دیے لیکن وہ دوسروں کے لئے اجنبی رہے۔ وہ ایک معنی تھے جو اپنے سے بھی بے گانہ رہے۔لوگوں نے اُن کی قدر و اہمیت کو نہ پہچانا۔

جوہرِ اندیشہ، دل خون گشتنی درکار داشت
غازۂ رخسارۂ حسنِ خدا داد خودم

لغت: ''جوہر'' = وہ چیز جو اپنی ذات سے قائم ہو۔اس کے برعکس عرض اس جز کو کہتے ہیں جس کا وجود کسی جوہر کا محتاج ہو۔مثلاً شعر کی ظاہری شکل و صورت والفاظ و بیان عرض ہے اور

شاعرانہ فکر موجود ہے۔

''اندیشہ'' = فکر و خیال ''دل خوں گشتنی'' = ایسا دل جسے خوں ہو جانا ہو۔

''میرے جوہر فکر کے لئے ایک ایسا دل درکار تھا کہ خون ہو جائے۔ فکر و خیال کا اظہار آسان نہیں۔ دل اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔اس کے لئے دل خوں ہو جاتا ہے اور اس خون کی رنگینی ہی سے حسن شعر اُبھرتا ہے۔ یعنی یہ غازۂ حسن شعر بنتا ہے۔

غالب کے کلام کا حسن، حسن خداداد ہے اور دل خوش گشتہ کی رنگینی غازے کا کام دیتی ہے۔اقبال کہتا ہے:

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نالہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

از بہار رفتہ درسِ رنگ و بو دارم ہنوز
در غمت خاطر فریب جانِ ناشاد خودم

''ابھی تک بہار رفتہ سے رنگ و بو کا درس لیتا ہوں، تیرے غم میں اپنی جانِ ناشاد کو فریب دیتا رہتا ہوں۔''

غالب کو عیش و نشاط کے گزرے ہوئے دن یاد آتے رہتے ہیں۔ وہ اس یاد سے اپنی موجودہ محرومیوں کے غم کو خوش گوار بنا لیتا ہے اور اس سے سوگوار دل کی تسکین کا سامان پیدا کر لیتا ہے۔

گر فراموشی بفریادم رسد وقت است وقت
رفتہ ام از خویشتن چندان کہ در یاد خودم

''میں اپنے آپ سے تو گزر گیا ہوں مگر اس کے باوجود اپنے کو بھولا نہیں ہوں۔ اگر فراموشی اس وقت میری فریاد پہنچے تو بہت مناسب ہے (وقت است وقت)۔''

عاشق محبوب کی محبت میں محو رہتا ہے اور خود کو بھول جاتا ہے۔ لیکن اس خود فراموشی میں بھی محبوب کی یاد اس کے دل کے گوشے میں باقی رہتی ہے جسے ہو وہ دبانا نہیں چاہتا اس لئے فراموشی سے دوری چاہتا ہے۔

گرم استغناست با من گرچہ مہرش در دلش است

تا نہ نباشد دعوی تاثیر فریاد خودم

''وہ مجھ سے بے نیاز ہے اگرچہ اس کے دل میں میری محبت ہے۔ وہ استغنا اور ظاہر بے پروائی سے اس لیے کام لیتا ہے کہ کہیں میں یہ دعویٰ نہ کروں کہ اُس کے دل میں جو محبت کا اثر ہے وہ میری فریاد کا اثر ہے۔''

ھر قدم لختی ز خود رفتن بود در بار من

ھمچو شمع بزم در راہ فنا زاد خودم

مولانا حالی فرماتے ہیں:

''راہ فنا میں جو کچھ میری خورجی یا زنبیل میں ہے وہ صرف یہی ہے کہ ہر قدم پر تھوڑا تھوڑا اپنے آپ سے دور ہوا جاتا ہے۔ گویا جس طرح کہ شمع راہ فنا میں آپ ہی اپنا زادِ راہ ہوتی ہے کہ برابر پگھلتی جاتی ہے اور زادِ راہ کی طرح نبڑتی جاتی ہے اسی طرح میں بھی آپ اپنا زادِ راہ ہوں۔''

تا چہ خونھا خوردہ ام، شرمندہ از روئی دلم

غنچہ آسا پیچش طومار بیداد خودم

''میں نے محبت میں کتنا خون دل پیا ہے، اس بارے میں میں اپنے دل سے بے حد نادم ہوں (کہ اس پر اتنا ظلم کیا ہے) اس شرمندگی کے باعث میں اپنے جور و ستم پر جو دل پر ڈھاتے ہیں غنچے کی طرح پیچ و تاب کھاتا ہوں۔''

می دھم دل را ز بیدادت فریب التفات

سادگی بنگر کہ در دامِ تو صیادِ خودم

صیاد جب کسی پرندے کو دام میں اسیر کرتا ہے تو اُس کی طرف توجہ یا التفات کرنا کسی محبت کی علامت نہیں ہوتی بلکہ وہ اس فکر میں ہوتا ہے کہ کہیں آزاد نہ ہو جائے۔

شاعر کہتا ہے:

تم مجھ پر جور و ستم کرتے ہو اور میں اُسے تمہارے التفات پر محمول کرتا ہوں۔ میری سادگی دیکھو کہ محبت کی اسیری میں آپ اپنا صیاد بنا ہوا ہوں۔

جس طرح پرندہ اسیر دام ہو کر صیاد کی ظاہرا التفات سے مطمئن ہوتا ہے اسی طرح میں محبوب کے جور و ستم سے مطمئن ہوں۔

عالم توفیق را غالب سواد اعظم

مھرِ حیدر پیشہ دارم، حیدر آباد خودم

''میں تائید الٰہی کی دنیا کا سوادِ اعظم (بڑا شہر) ہوں، عشق علی میرا پیشہ ہے، میں نے اپنی ذات کو حیدر آباد یعنی مقام حیدر بنا لیا ہے۔''

غزل نمبر(۵)

یاد باد آن روزگاران کاعتباری داشتم

آہِ آتشناک و چشمِ اشکباری داشتم

وہ زمانہ یاد ہے جب ہم بھی وقار رکھتے تھے۔ آہیں تھیں۔ تو اُن سے آگ کے شعلے برستے تھے اور آنکھیں تھیں تو اشکبار۔

آفتاب روز رستاخیز یادم می دھد

کاندر آن عالم نظر بر تابساری داشتم

قیامت کے دن کا سورج دیکھ کر مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ جیسے میری نظر کسی کے روے درخشاں پر پڑ رہی ہے۔

تا کدامین جلوہ ز آن کافر ادا می خواستیم

کز ھجوم شوق در وصل انتظاری داشتم

اس کافر ادا محبوب سے نہ جانے مجھے کون سے جلوے کی توقع تھی کہ وصل کے انتہائی عالم شوق میں میں ایک انتظار کی کیفیت لیے بیٹھا تھا۔

یعنی وصل میں محبوب کے انتہائی قرب کے باعث دل مطمئن نہ تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی حسن کے وہ جلوے رونما نہیں ہوئے جو میں چاہتا ہوں۔

ترکتاز صرصرِ شوق تو ام از جا ربود

ورنہ باخود پاسِ ناموسِ غباری داشتم

یہ تیرے شوق کی تیز آندھی کے طوفان تھے جنھوں نے مجھے اپنی جگہ سے ہلا دیا ورنہ مجھے ہر حال اپنے غبار کا پاس ناموس تھا۔

یعنی محبوب کی راہ میں مر کر خاک ہو گئے۔ اُس وقت بھی دم نہ مارتے لیکن تیرے شوق نے ہمیں ہلا دیا اور ہماری خاک غبار بن کر فضا میں پھیل گئی۔

خون شد اجزائی زمانی در فشار بی خودی

رفت ایامی کہ من امسال و پاری داشتم

لغت: ''فشار'' = دباؤ۔ فشار بے خودی'' = بے خودی کا زور یا دباؤ۔

''امسال'' = سال رواں، ''پار'' = سال گذشتہ۔

عالم بے خودی کے بوجھ تلے گویا وقت کے اجزا اتنے دب گئے کہ اُن کا خون ہو گیا۔

کبھی وہ دن تھے کہ ہمارا بھی سال رواں اور پار سال ہوا کرتا تھا اب تو وقت کا احساس ہی مٹ گیا۔ سرتا پا بے خودی کے عالم میں غرق ہیں اور ماضی و حال سے بے خبر۔

غالب:

فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا

کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

چون سر آمد پارۂ از عمر، قامت خم گرفت

این منم کز خویشتن بر خویش باری داشتم

''جب زندگی کا کچھ حصہ گزر گیا تو میری کمر جھک گئی۔ میں وہ ہوں کہ کبھی اپنے آپ کا (زندگی کا) بوجھ اٹھائے پھرتا تھا، یعنی عمر کا بوجھ کم ہونے کے باوجود زندگی اور اس کے مصائب کے تلے دب گیا ہوں۔''

آنهم اندر کارِ دل کرم فراغت آنِ تست
برق پیا نالۂ الماس کاری داشتم

لغت: ''برق پیا'' = بجلی کی رفتار والا، تڑپتا ہوا نالہ۔
''الماس کار'' = جو ہیرے کی کنی کی طرح سینے کو کاٹتا چلا جائے۔

''کبھی وہ وقت تھا کہ میرے لبوں پر وہ نالہ و فریاد تھے جن میں برق کی بے تابی اور الماس کی سی کاٹ تھی۔ اب اس نالے کو بھی میں نے صرفِ دل کر دیا، اب تمہیں کسی بات کا ڈر نہیں۔ یعنی میں فریاد کرتا کہ محبوب کا دل ہل جائے مگر اب وہ فریاد بھی دل میں سمیٹ لی۔ اب محبوب کے دل کو فراغت حاصل ہوگئی۔

خوی تو دانستم اکنون بہرمن زحمت مکش
رام بودم تا دل امیدواری داشتم

''اب تیری عادت جان لی ہے، اب میرے لیے کوئی زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ میں اس وقت تک تمہارا مطیع فرمان تھا جب تک میرے سینے میں ایسا دل تھا جو تجھ سے امیدیں لگائے ہوئے تھا۔''

دیگر از خویشم خبرنبود، تکلیف بر طرف
این قدر دانم کو غالب نام یاری داشتم

اب مجھے اپنی کچھ خبر نہیں۔ تکلف چھوڑیے اب تو صرف مجھے اتنا یاد ہے کہ غالب نام کا میرا کوئی دوست تھا۔
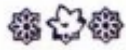
غزل نمبر (۶)

دیدم آن هنگامه، بی جا خوف محشر داشتم
خودهمان شور است کاندر زیست درسر داشتم

میں نے ہنگامۂ محشر کو دیکھا (کچھ بھی نہیں تھا)۔ میں یونہی خوفِ محشر میں مبتلا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ تو وہی ہنگامہ (شور) تھا کہ زندگی بھر میرے سر میں تھا۔

طول روز حشر و تاب مهر ذوق بود وبس
جلوۂ برقی در ابر دامن تر داشتم

''روزِ حشر کی طوالت اور اس دن کے سورج کی تمازت اور گرمی تو محض ایک ذوقی بات ہے۔ میں تو اپنے دامنِ تر کے نیچے جلوۂ برق لیے ہوئے تھا۔''

''دامن تر'' گنہ کی علامت ہے اور گنہگار کو روزِ حشر، قیامت کے سورج کی گرمی سے گھبرانا چاہیے۔ لیکن عاشق کیسے گھبراتا اس کے دامنِ تر میں تو حسن، اس کے جلوے اور عشق کی بے تابیوں کی آتش پاشیاں تھیں۔ اُس کے لیے تو قیامت کا سارا ساماں محض ایک کیفیت تھی۔

تاچه سنجم دوزخ و کوثر که من نیز این چنین
آتشی در سینه و آبی بساغر داشتم

''میں دوزخ اور کوثر کو کیا سمجھوں، اس طرح کی چیزیں تو پہلے میرے پاس تھیں، آتش عشق سینے میں تھی (وہ دوزخ سے کیا کم تھی) اور شراب، ساغر میں تھی (وہ کوثر ہی تو تھی)۔''

دوش بر من عرض کردند آنچه در کونین بود
ز آن همه کالای رنگ رنگ دل برداشتم

''کل دونوں جہاں میں (کونین یعنی متاع دو جہاں) جو کچھ تھا وہ میرے روبرو لایا گیا، میں نے اس سارے سامان رنگارنگ سے دل اٹھالیا (اسے درخور اعتنا نہ سمجھا)۔

دونوں جہاں دے کے وہ یہ سمجھے خوش رہا
یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں
(غالب)

از خرابی شد فنا حاصل، خوشم زین اتفاق
بوع مقصودم محیط و سیل رهبر داشتم

انسان کی زندگی کا مقصد فنافی الذات ہونا ہے، یہ قطرہ سمندر میں پہنچ کر اپنے وجود کو کھو دیتا ہے۔ کہتا ہے:

سیلاب محبت میرا رہبر تھا، اُس نے برباد کر دیا، لیکن اس بربادی (خرابی) سے فنا کا مقام حاصل ہو۔ یہ حسن اتفاق تھا اس پر میں خوش ہوں۔

یاد ایامی که در کویش ز بیم پاسبان
بستر از خاک ره و بالش ز بستر داشتم

وہ دن یاد ہیں (یعنی کیا اچھے تھے وہ دن) کہ اُس کے کوچے میں اُس کے پاسبان کے ڈر سے خاک رہ کو اپنا بستر بناتا اور اپنے لپٹے ہوئے بستر کو تکیہ بنا لیتا۔

بستر کو کھولنے کی جرأت نہ ہوتی اور اُسی کو تکیہ بنا کر زمیں پر سو جاتا۔

بر سر راهش نشستم، بردرش راهم نبود
خویش را از خویشتن لختی نکوتر داشتم

اس کے در تک تو رسائی نہ تھی اس کی رہ ہی میں بیٹھ گیا۔ جو میری حیثیت تھی اس کے مقابلے میں میرے لیے یہ مقام میرے مرتبے سے کہیں بلند تر تھا۔

نامهٔ شاهد دگر، عنوان شاهی دیگر است
آنچه ناید از هما چشم از کبوتر داشتم

محبوب کے خط کی شان اور ہے اور شاہی پروانے کی حیثیت اور۔ جو کچھ ہما سے نہیں ہو سکتا اس کی توقع ہم نے کبوتر سے رکھی۔

کبوتر نامہ بر ہوتا ہے۔ وہ محبوب کا پیام لاتا ہے عاشق کے لئے یہ بات زیادہ باسعادت ہے بہ نسبت اس کے کہ ہما کا سایہ اس پر پڑے اور اُسے شاہانہ شان حاصل ہو۔

کور بودم کز حرم راندند، رفتم سوی دیر
از جمالِ بت سخن میرفت، باور داشتم

میں اندھا تھا، بصیرت نہیں رکھتا تھا، مجھے حرم سے نکال دیا گیا اور میں بت خانے کی طرف چلا گیا۔ بتوں کے حسن کی بات ہو رہی تھی میں نے اُس بات پر یقین کر لیا۔

سوزم از حرمانِ مَی با آنکہ آبم در سبوست
تا چہ می کردم اگر بخت سکندر داشتم

باوجود اس کے کہ پانی (شراب) میرے پیالے میں ہے میں اپنی محرومی پر جلتا ہوں۔ اگر میرا نصیب بھی بخت سکندر کی طرح ہوتا تو میں کیا کرتا۔ کہ وہ تو پانی (آب حیات) سے محروم رہا۔

ھیچ می دانی کہ غالب چون بسر بردم بدھر
من کہ طبع بلبل و شغلِ سمندر داشتم

غالب! کچھ تجھے معلوم ہے کہ میں نے دنیا میں زندگی کس طرح بسر کی۔ بس ے جسے قدرت سے بلبل کی سی طبع نغمہ سرا عطا ہوئی تھی اور سمندر کا سا شغل میسر آیا تھا۔
''کہا جاتا ہے سمندر ایک کیڑا ہے جو آگ ہی میں پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی میں زندہ رہتا اور نشوونما پاتا ہے) مرزا غالب ایک بلند پایہ سخن سنج تھے لیکن عمر بھر دکھوں کی آگ میں جلتے رہے۔

غزل نمبر(۷)

این چہ شوری است کہ از شوق تو در سر دارم
دل پروانہ و تمکین سمندر دارم

جنوں کا یہ ہنگامہ (زور وشور) ہے جو تیری محبت سے میرے سر میں سمایا ہوا ہے۔ مجھے پروانے کا دل ملا ہے اور سمندر کی سی تمکنت۔
یعنی پروانے کی طرح عشق کی آگ میں جل جاتا ہوں اور پھر سمندر کی طرح وہی آگ میری زندگی کا سرمایہ بھی ہے اور وقار عظمت بھی۔

آھم از پردۂ دل بی تو شرر می بیزد
شیشہ لبریز می و سینہ پر آذر دارم

تیرے ہجر میں میری آہیں دل سے ابھر کر شرر بار ہوتی ہیں۔ صراحی (دل) شراب سے لبریز ہے اور سینہ آگ سے۔ یعنی دل میں تیری محبت کا سرور ہے اور سینے میں فراق کی آگ فروزاں ہے۔

ای متاع دو جھان رنگ بعرض آوردہ
ھان صلای کہ ازین جملہ دلی بردارم

تو نے دونوں جہاں کے جلوہ ہائے رنگارنگ سامنے لا رکھے ہیں۔ ذرا ان (سے لذت اندوز ہونے) کی دعوت تو دے (اور دیکھ (کہ میں ان سب سے کیسے دل برداشتہ ہوتا ہوں۔

من و پشتی کہ بخورشید قیامت گرم است

تکیہ برداوری عرصۂ محشر دارم

لغت: ''پشت'' = پیٹھ۔ چونکہ پیٹھ کے بل تکیہ کا سہارا لیا جاتا ہے اس لیے یہاں تکیہ اور پشت بہت موزوں واقع ہوئے ہیں۔

میں ہوں اور میری پشت خورشید قیامت کی گرمی سے جل رہی ہے۔ اس عالم میں میدان حشر میں صرف اللہ تعالیٰ کے انصاف ہی کا بھروسا اور سہارا ہے۔

آن چرا در طرب واین زچہ رہ در تعب است

خندہ بر غفلتِ درویش و توانگر دارم

اسکی شرح مولانا حالی یوں فرماتے ہیں۔

''میں درویش اور تونگر دونوں کی غفلت پر ہنستا ہوں، جب کہ دنیا کا طرب اور تعب دونوں ہیچ ہیں تو ایک خوش کیوں ہے اور دوسرا رنجیدہ کس لیے ہے۔''

کیست تا خار و خس از رھگذرش برچیند

دگر امشب سرِ آرایش بستر دارم

کون ہے جو اس (محبوب) کی راہ سے خار و خس کو اٹھالے۔ میں آج پھر اپنے بستر کی آرایش کا سامان مہیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

خار و خس سے آرایش بستر کرنے میں ایک طنز ہے کہ عاشق کی رات بے چینی میں گذرے جائے۔

پرتو مھر سیاھی ز گلیمم نبرد

سایہ ام سایہ، شب و روز برابر دارم

سورج کی روشنی بھی میری گوڈری کی سیاہی کو دھو نہیں سکتی۔ میں یکسر سایہ ہوں، میرے لیے دن رات برابر ہیں۔

سوخت دل بی تو زوصل لم چہ کشاید اکنون

حسرتت بیشتر و ذوق تو کمتر دارم

تیری جدائی میں دل جل گیا اب وصل سے بھی اس میں کیا شگفتگی آئے گی۔ اب تو دل میں حسرتیں زیادہ ہیں اور تجھ سے ملنے کا ذوق و شوق کم۔

کھنہ تاریخی داغم نفسم شعلہ ور است

شرح کشاف صد آتشکدہ از بردارم

لغت: ''کشاف'' = علامہ زمخشری کی تفسیر قرآن کا نام ''از بر داشتن'' = زبانی یاد کر لینا۔

''میں اپنے داغہائے محبت کا ایک پرانا تاریخ دان ہوں، میرا سانس آتشیں ہے میں سو آتشکدوں کی تفسیر کشاف کی شرح ہوں۔

گویا میرا ہر سانس کسی آتشیں داغ محبت کی شرح کرتا ہے جو آتشکدہ کی طرح بھڑک رہا ہے۔

ھم ز شادابی ناز تو بخود می بالم

ریشہ در آب ز تارِ دمِ خنجر دارم

لغت: ''بالیدن'' = پھلنا پھولنا۔ ''بخود بالیدن'' = اپنے پہ نازاں ہونا۔

تیرے ناز وادا کی شادابیوں نے مجھے شاداب کر رکھا ہے، (انہی پہ پھولتا پھلتا ہوں)

تیری خنجر ستم (ناز کی دھاریوں میں دل میں پیوست ہے جیسے کسی پودے کی جڑ پانی سے سیراب

راز دار تو و بدنام کن گردش چرخ

هم سپاس از تو و هم شکوه ز اختر دارم

خدا سے کہتا ہے کہ میں اس راز سے واقف ہوں کہ جو تکلیف مجھے پہنچتی ہے وہ تیری طرف سے ہے (اور اس میں کچھ مصلحت ہوتی ہے لیکن آسمان (اختر) کو بدنام کرتا ہے۔ میں دراصل تیرا احسان مند ہوں اور بظاہر ستارے کا شکوہ کرنے والا۔

مرحبا سوہن و جان بخشی آبش غالب

خندہ بر گمرہی خضر و سکندر دارم

لغت: ''سوہن'' = لوہے کا مشہور اوزار جس کی ریتی کہتے ہیں جس کی رگڑ سے لکڑی میں صفائی اور لوہے میں چمک آتی ہے۔

''آبش'' = آب چمک ہے، آبش میں ''ش'' کا ضمیر سوہن کے لیے آیا ہے یعنی ریتی کی چمک۔ ریتی سے مراد یہاں محبوب کے عشق کے چرکے جن سے دل کی جلا ہوتی ہے (آب وتاب پیدا ہوتی ہے (کہتا ہے:

غالب اس محبت کی ریتی کی خراش اور اس آب (تاب) کے کیا کہنے (مرحبا) مجھے خضر وسکندر کی گمراہی پر ہنسی آتی ہے کہ وہ تلاشِ آبِ حیات میں سرگرداں رہے لیکن اس آبِ عشق کو نہ پاسکے کہ جو دراصل زندگی بخشتی ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۸)

شب ہائی غم چہرہ بخوناب شستہ ایم

از دیدہ نقش وسوسۂ خواب شستہ ایم

غم کی راتوں میں ہم نے اپنے چہرے کو خونی آنسوؤں (خوناب) سے دھوڈالا اور اس طرح سے اپنی آنکھوں پر سے وسوسۂ خواب کے نقش دھوڈالے۔

جدائی اور غم کی راتوں میں نیند حرام ہو چکی تھی اور خواب کے وسوسوں میں یعنی نیند کو ترستے گزرتی تھیں۔ اب رات کو خون کے آنسو بہانے لگے تو اس مشغلے سے آنکھوں سے اس وسوسہ خواب کا نقش دھل گیا گویا نیند کے انتظار سے نجات مل گئی۔

افسونِ گریہ بُرد ز خویت عتاب را

از شعلۂ تو دود بھفت آب شستہ ایم

لغت: ''چیزے را بہ ہفت آب شستن'' = کسی چیز کو سات مرتبہ دھونا یعنی خوب صاف کرنا۔ ''شعلہ'' سے مقصود محبوب کے غصے کا شعلہ ہے۔

''ہم نے رو رو کر تیری عتاب کی عادت کو دور کر دیا، گویا ہمارے آنسوؤں کے پانی سے تیرے غصے کے شعلے کی سیاہی دھل گئی۔''

عاشق کی گریہ وزاری سے حسن کا عتاب جاتا رہا۔

زاهد! خوش است صحبت، از آلودگی مترس

کاین خرقہ بارها ز میِ ناب شستہ ایم

''اے زاہد، ہمارے صحبت بہت اچھی ہے، اس بات سے نہ ڈر کہ ترا دامن آلودہ ہو جائے گا۔ ہم نے اپنے خرقے کو بارہا شرابِ ناب سے دھوڈالا ہے۔''

لوگوں کی نظروں میں مے نوشی گناہ ہے لیکن مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اس مے نوشی نے ہمیں ہماری باطنی برائیوں، مکر و ریا، غرور و نخوت سے پاک کر دیا ہے۔''

ای در عتاب رفتہ ز بیرنگی سرشک
غافل کہ امشب از مژہ خوناب شستہ ایم

محبوب سے خطاب کر کے کہتا ہے:

''تو ہمارے اشک کی بے رنگی سے برہم ہو رہا ہے، تو یہ نہیں جانتا کہ آج رات ہم نے مژگان سے خوناب پونچھ ڈالا ہے۔''

یعنی آنسو تو اب بھی امڈے چلے آتے ہیں، لیکن خون کے آنسو اتنے بہا چکے ہیں کہ خون جگر ہی ختم ہو گیا ہے۔ اب آنسوؤں میں رنگ خوں آئے تو کہاں سے؟

پیمانہ را ز بادہ بخون پاک کردہ ایم
کاشانہ راز رخت بسیلاب شستہ ایم

لغت: دوسرے مصرعے میں ''کاشانہ راز رخت'' میں ز اضافت کے لیے آیا ہے یعنی ''رختِ کاشانہ را'' = گھر کا سامان۔ سیلاب سے مقصود سیلاب اشک ہے۔

''ہم نے خون سے جام کو شراب سے پاک کر دیا ہے اور آنسوؤں کے سیلاب سے سرو سامان کو دھو ڈالا ہے۔

یعنی شراب کی جگہ ہمارے پیمانے میں خون جگر ہے اور آنسوؤں کے سیلاب میں گھر برباد ہو کر رہ گیا ہے۔

غرق محیط وحدت صرفیم و در نظر
از روی بحر موجہ و گرداب شستہ ایم

''ہم بحرِ وحدت میں سرتاپا غرق ہیں اور ہر چیز سے نظر ہٹالی ہے، سمندر کی لہروں اور بھنور کو مٹا دیا ہے۔''

اس شعر کا پس منظر نظریۂ وحدت الوجود ہے، کہ کائنات کی ہر شے میں ایک ہی ذات ((ذات حق) پوشیدہ ہے باقی جتنے مظاہر ہیں اُن کا وجود محض اضافی اور اعتباری ہے۔ مثلاً اصل شے بحر ہے اور سطحِ بحر پر نمودار ہونے والی لہریں، حباب اور بھنور وغیرہ سب پانی ہی کی مختلف صورتیں ہیں بذات خود کچھ نہیں غالب ہی کا اردو شعر ہے:

ہے مشتمل نمود صور پر وجود بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

بی دست و پا بہ بحر توکل فتادہ ایم
از خویش گردِ زحمتِ اسباب شستہ ایم

ہم نے بے دست و پا ہو کر اپنے آپ کو توکل کے سمندر میں ڈال دیا ہے اور اس طرح سے (واقعات کے ظہور پذیر ہونے کے) تمام اسباب و علل کی زحمت سے نجات حاصل کر لی ہے۔

یعنی دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ محض قضا و قدر سے ہوتا ہے، واقعات کا دنیاوی اسباب سے کوئی تعلق نہیں، انسان کی سعی و کوشش اس سلسلے میں بے کار ہے۔ ان مخمصوں سے بے نیازی ہی اچھی ہے جو ہم نے اختیار کر لی ہے۔

در مسلخِ وفا ز حیا آب گشتہ ایم

خون از جبین و دست ز قصاب شستہ ایم

لغت: ''مسلخ'' = مذبح، مقتل۔

''وفا کے مذبح میں آکر ہم شرم کے باعث پانی پانی ہو گئے۔ اپنی پیشانی پر سے خون کو دھوڈالا اور قصاب (قاتل) سے ہاتھ اٹھا لیے۔''

ہر چند کہ ہم نے وفا میں قربانیوں سے منہ نہیں موڑا اور ہمیں اس پر ناز بھی تھا تاہم جب آزمائش کا وقت آیا یہ قربانیاں حقیر معلوم ہوئیں اور سخت ندامت ہوئی چنانچہ شرم سے جو خون اپنی جبین پر نشان وفا کے طور پر لگا رکھا تھا پونچھ لیا اور قصاب سے آنکھ نہ ملا سکے۔

غالب رسیدہ ایم بہ کلکتہ و بہ مَی

از سینہ داغ دوری احباب شستہ ایم

غالب جب اپنی پنشن کی بحالی کے لیے کلکتے گئے تو علاوہ سفر کی کوفتوں کے اُنہیں احباب کی جدائی کا بہت دکھ ہوا۔ اسی سلسلے میں کہتے ہیں:

غالب ہم کلکتے پہنچے اور شراب پی پی کر دوستوں کی جدائی کے داغ دھو لیے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۹)

بخت در خواب است می خواہم کہ بیدارش کنم

پارۂ غوغای محشر کو کہ در کارش کنم

لغت: دونوں مصرعوں میں قافیے کا آخری حرف ''ش'' بخت کے لیے آیا ہے۔

بعض لوگوں کا نصیب سویا ہوتا ہے اور اُس کے جاگنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی، قیامت کا ہنگامہ ہی اُسے بیدار کر سکتا ہے چنانچہ کہتا ہے:

''میرا بخت سویا ہوا ہے، چاہتا ہوں اُسے جگاؤں، قیامت کے شور و غوغا کا کہاں سے کوئی ٹکڑا ملے کہ اُسے اس کام میں لاؤں''۔

باتو عرض وعدہ ات حاشا کہ از ابرام نیست

ھر چہ می گوئی ہمی خواھم کہ تکرارش کنم

لغت: ''ابرام'' = اصرار اور تکرار۔

تیرے وعدے (کے الفاظ) کے تیرے سامنے دہرانا (تذکرہ کرنا) حاشا وکلا کسی اصرار کی وجہ سے نہیں، جو کچھ تو کہتا ہے میں چاہتا ہوں انہی الفاظ کا تکرار کروں (کیوں کہ مجھے اُن کے دہرانے میں مزا آتا ہے) مرزا غالب کے بیان میں اکثر اس طرح کی شوخی ادا پائی جاتی ہے یہ شعر دیکھیے:

کہا تو نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی

بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

جان بہائش گفتم و اندر ادائش کاہلم
تادگر دل سرد ازین مشتی خریدارش کنم

میں نے اپنی جان کو محبوب (کے وصال) کی قیمت کہا لیکن اس قیمت کے ادا کرنے میں اس لیے کاہل ہوں کہ اس کے دل کو اس کے چند اور خریداروں کی طرف سے مایوس (ٹھنڈا) کردوں۔

میں تو جب چاہوں جان دے سکتا ہوں، دوسرے چھوٹے دعوے داروں کا بھرم کھلنا چاہیے۔

برلب جوئیش خرامان کردہ شوقم ، دور نیست
کز ھنر چون خود اسیرِ دام رفتارش کنم

''میرا جذبۂ شوق محبوب کو ندی کے کنارے خراماں خراماں لے آیا ہے (اور میں اس خرام کا پرستار ہوں کوئی عجیب نہیں ہے کہ (میں اپنی پرستاریٔ خرام کے) ہنر سے محبوب کو خود اپنے خرام ناز کا اسیر بنادوں۔''

محبوب کا خرام ناز ایک فطری جوہر ہے فطری جوہر کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ کوئی اس کا دیکھنے والا یعنی پرستار ہو، میں اسکا پرستار اور شیدائی ہوں۔ میرے اس ذوق وشوق سے ممکن ہے وہ خود اپنے خرام پر فریفتہ ہوجائے۔ علاوہ بریں اس شعر میں ایک لطیف پہلو یہ بھی ہے کہ اس کا اپنے خرام پہ فریفتہ ہونا اس لئے بھی ہے کہ اسے ندی میں اپنا عکس خراماں نظر آرہا ہے۔

مردم و برمن نہ بخشود و کنون باز از ھوس
امتحان تازہ می خواھم کہ درکارش کنم

لغت: کارش کی ضمیر ش کا مرجع امتحان ہے۔

''میں نے جان دے دی لیکن اُس نے مجھے معاف نہ کیا، اب لالچ (یعنی مرنے کی لذت سے) کے باعث چاہتا ہوں کہ کوئی اور تازہ امتحان عشق ہو جسے کام میں لاسکوں:

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحان اور بھی باقی ہے تو یہ بھی نہ سہی

غالب

گرم صد بار سوزی باز برگردسرت گردم
نیم پروانہ کز یک سوختن از دست و پا فگنم

(نظیری)

راحت خود جستم و رنج فراوان یافتم
مژدہ دشمن را اگر جھدی در آزارش کنم

''میں نے دنیا میں راحت تلاش کی اور سخت دکھ اٹھایا۔ یہ بات ہمارے رقیب (دشمن) کے لئے خوش خبری ہوگی اگر میں اُس کو آزار پہنچانے کی کوشش کروں۔

اس آزار کا کچھ اور اثر نہ ہوگا کہ ہم جو چاہتے ہیں اُس کا اثر الٹ ہوتا ہے۔

درغمش عمری بسر بردم ز دعویٰ شرم نیست
فرصتی گو کز و فائی خود خبر دارش کنم

''میں نے اس کے غم عشق میں زندگی بسر کردی، اس بات کا دعویٰ کرنے سے شرمسار نہیں ہوں ہاں اتنی فرصت نہ ملی کہ محبوب کو اپنی وفاداریوں سے آگاہ کرتا۔

اختلاطِ شبنم و خورشید تابان دیده ام
جرأتی باید که عرضِ شوق دیدارش کنم

میں نے شبنم اور سورج کو باہم ہوتے دیکھا ہے، محبوب کے شوق دیدار کے اظہار کرنے کے لئے جرأت درکار ہے۔ شبنم سورج کے روبرو آتے ہی فنا ہو جاتی ہے۔ محبوب کے دیدار کی تاب لانا بھی ایسا ہی ہے۔

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
ہم بھی ہیں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

غالب

تابیا گاهمت از ناتوانی های خویش
طاقتِ یک خلق باید صرفِ اظهارش کنم

اپنی ناتوانائیوں سے تمہیں آگاہ کرنے کے لیے مجھے ایک مخلوق کی طاقت چاہیے کہ اپنی ان ناتوائیوں کا اظہار کرسکوں۔

نکته هائش بی دهن می ریزد ازلب غالبا
بی زبان گردم که شرح لطفِ گفتارش کنم

محبوب کے لبوں سے بغیر دہن استعمال کیے (یعنی خموشی میں بھی) کئی نکتے تراوش کرتے ہیں میں اس کے انداز گفتار کی تعریف بیان کرنے کی کوشش کروں تو بے زباں ہو جاتا ہوں یعنی عاجز ہو جاتا ہوں۔

غزل نمبر(۱۰)

بی خویشتن عنانِ نگاهش گرفته ایم
از خود گذشته و سر راهش گرفته ایم

محبوب کے دیدار حاصل کرنے اور اُسے پالینے کے لئے انسان کو اپنے آپ کو کھو دینا پڑتا ہے کہتا ہے کہ

بے خود ہو کر ہی ہم اس کی نگاہ کی باگ تھام سکے (نگاہیں چار ہوئیں)
اپنے آپ سے گزرے تو پھر اُسے سرراہ روک سکے (ملاقات ہوئی)۔

دل باحریف ساخته و ما بسادگی
بر مدعای خویش گواهش گرفته ایم

انسان بے بسی کے عالم میں بعض اوقات ایسے سہارے بھی ڈھونڈ لیتا ہے جو اُسے نہیں ڈھونڈنے چاہئیں۔ چنانچہ ایک عاشق کا سہارا لینا گویا اس کی انتہائی سادگی ہے۔ کہتا ہے:
ہمارے دل نے رقیب سے موافقت کرلی اور ہماری سادگی دیکھو کہ ہم اسی رقیب کو اپنے معاملات عشق میں گواہ بنا رہے ہیں کہ وہ ہمارے حالِ زار کا تذکرہ محبوب سے کرے گا اور ہمارا سہارا بنے گا۔

آوارگی سپرده بما قهرمانِ شوق
ماهمتی ز گرد سپاهش گرفته ایم

لغت: ''قہرمان'' = فرمان روا، جابر و قاہر۔

سالارِ شوق نے آوارگی ہمارے سپرد کی ہے، ہم راہِ عشق میں چل رہے ہیں، ہمارے سفرِ شوق کو تیز کرنے کے لئے اس کی سیاہ کی گردِ راہ ہمت افزائی کرتی ہے۔

از چشمِ ما خیالِ تو بیرون نمی رود
گوئی بدام تار نگاھش گرفتہ ایم

لغت: دوسرے مصرعے میں "نگاہش" کی ش کا مرجع "خیال" (خیالِ محبوب) ہے۔
"ہماری آنکھوں میں تیرا تصور یوں سمایا ہوا ہے (باہر نہیں جاتا) گویا ہم نے اسے اپنے تارِ نگاہ کے جال میں گرفتار کرلیا ہوا ہے۔

درھر نوردش از دلِ اغیار محضری است
صد خردہ بر دو زلف سیاھش گرفتہ ایم

لغت: "خردہ گرفتن" = عیب چینی کرنا۔ "نورد" = لپیٹ، پیچ وخم۔ "اغیار" سے مقصود رقیب ہیں۔
کہتا ہے کہ ہم نے اس کی زلف سیہ پر بڑی بڑی نکتہ چینیاں کی ہیں اس لے کہ اُن زلفوں کی ہر لپیٹ میں رقیبوں کے دل اٹکے ہوئے ہیں۔ جو بطور محضر نامہ کے ہیں یعنی صاف گواہی دیتے ہیں۔

در عرضِ صرفہ نبردیم در وصال
در شکوہ ھائی خواہ مخواھش گرفتہ ایم

وصل کے اوقات بے جا شکایتوں میں بسر ہوئے اور عرض شوق سے کچھ فائدہ

حاصل نہ ہوسکا۔

باحسن، خویش را چہ قدر میتوان شکست
عبرت ز حالِ طرفِ کلاھش گرفتہ ایم

لغت: "شکست" = (شکستن) لغوی معنی ٹوٹنے کے ہیں۔ استعارہ کسی چیز میں شکن آنا یا کجی پیدا ہونا مثلاً شکستِ کلاہ وہ کج کلاہی ہوگی۔ اس رعایت سے کہتا ہے:
ہمیں اس کی طرف کلاہ (شانِ کج کلاہی) سے عبرت حاصل ہوئی ہے کہ جن کے ساتھ کس قدر جھکاؤ درکار ہوتا ہے۔ محبوب کی کلاہ دیکھو کیسی شکست کھارہی ہے۔

دیگر ز دامِ ذوقِ تماشا نمی رود
در حلقۂ کشاکشِ آھش گرفتہ ایم

اب ہمارا محبوب ہمارے ذوقِ تماشا (ذوقِ نظارہ) کے جال سے نکل کر نہیں جاسکتا، ہم نے اُسے اپنی آہوں کے حلقے میں گھیر لیا ہے۔
آہیں بھرنے سے محبوب کا خود بخود متوجہ ہونا مقصود ہے۔

دل تنگی پری رخِ کنعان ز رشکِ دوست
دانیم کا کہ در بن چاھش گرفتہ ایم

لغت: "دل تنگی" = افسردگی، غمگینی۔
"پری رخِ کنعان" مراد حضرت یوسفؑ جنہیں بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا تھا۔ کہتا ہے ہمیں معلوم ہے کہ یوسفؑ، ہمارے محبوب رشکِ حسن سے کنویں میں گرے تھے۔

حرفی مزن ز غالب و رنج گرانِ او
کوهی معارض پرکاهش گرفته ایم

لغت: ''معارض'' = مقابل۔

غالب اور اس کے غم کا ذکر نہ کر۔ وہ تو یوں ہے کہ ایک پہاڑ (غم کا) جس کے مقابلے میں وہ ایک تنکا ہے (پرکاہ)

غالب دنیا کے رنج گراں کی تاب کیسے لاسکتا ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۱۱)

تا فصلی از حقیقتِ اشیا نوشته ایم
آفاق را مرادف عنقا نوشته ایم

جب ہم نے اشیائے عالم کے حقیقت کے بارے کچھ لکھا (ایک باب) تو کائنات کو عنقا کا ہم معنی قرار دیا (کہ جس کا نام تو ہے لیکن وجود نہیں)۔

اہل معرفت کے نزدیک اس مادی دنیا کا وجود عنقا کی طرح خیالی ہے۔

ایمان بغیب تفرقه ها رفت از ضمیر
ز اسما گزشته ایم و مسمّیٰ نوشته ایم

لغت: ''اسما'' = اسم کی جمع ہے۔ جس شے یا شخص کا نام ہو وہ مسمیٰ ہے۔

نام محض امتیاز کے لئے رکھ لیا جاتا ہے، اصل شے مسمیٰ ہے۔

اس شعر کا پس منظر بھی عقیدۂ وحدت الوجود ہے۔ کہتا ہے:

''ہمارا غیب پر ایمان ہے اور اس ایمان الغیب نے ہمارے ضمیر نے سب تفرقوں کو دیا ہے ہم اس کو چھوڑ کر مسمیٰ سے وابستہ ہیں۔''

خالق کائنات ہمیں نظر تو نہیں آتا لیکن ہمارا اس پر ایمان ہے، ایمان بھی ایسا کہ ہم سمجھتے ہیں کائنات خدا ہی خدا ہے۔ خدا کے سوا اور کچھ نہیں، یہ جس قدر چیزیں ہیں اُن کے ہم نے نام رکھ لے ہیں تا کہ اُن میں باہمی امتیاز ہو سکے۔ اصل وجود، وجود باری تعالیٰ ہے۔ ہم اسی وجود پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے یہ تمام نام، دنیا کی تمام اشیاء کا فرق و امتیاز (تفرقہ) ہماری نظروں سے اُٹھ گیا ہے ہمارے لیے تو بس

''وہی اک چیز ہے جو یاں نفس واں نکہت گل ہے''

اصل حقیقت ذات خداوندی ہے۔

عنوان راز نامهٔ اندوه ساده بود
سطر شکست رنگ بسیما نوشته ایم

لغت: ''سیما'' = پیشانی ''شکستِ رنگ'' = رنگ اڑ جانا

راز نامۂ اندوہ، اس لیے کہا کہ دل کے غم کو سینے میں چھپا کر رکھا ہوا ہے۔

عنوان کے سادہ ہونے کا مفہوم ایک تو سادہ یعنی آسان اور دوسرے صاف ہے۔

''ہماری سرگزشتِ الم کا عنوان بالکل سادہ تھا، ہم نے شکست رنگ کی ایک لکیر اپنی پیشانی پر کھینچ دی۔''

ہم نے اپنے رنج و الم کی سرگزشت کو لوگوں سے چھپایا ہوا تھا لیکن چہرے کے رنگ کے اڑ جانے نے اس نے راز کو فاش کر دیا۔

قلزم فشانی مژہ از پہلوئی دل است

این ابر را برات بہ دریا نوشتہ ایم

لغت: طوفان اشک کو شاعر نے قلزم فشانی کہا ہے جو مرزا غالب کی جدت طرازی کی نشانی ہے دریا کا لفظ فارسی میں سمندر کے لے آتا ہے۔

فراقِ دوست میں آنسوؤں کا جو طوفان مژگاں سے بہتا ہے اسکا سرچشمہ دل ہے۔

گویا ''پہلوے دل'' ایک ابر ہے اس ابر کی قسمت میں سمندر ہی بننا ہے۔

خاکہ بروی نامہ نیفشاندہ ایم ما

رخصت بدان حریف خود آرا نوشتہ ایم

لغت: ''خاک افشاندن برنامہ'' = خاک ڈالنا، کسی معاملے کو چھپا نے کی خاطر چھوڑ دینا۔ یوں پرانے زمانے میں دستور تھا کہ خط لکھ کر سیاہی سکھانے کے لئے اس پر مٹی بھی ڈالتے تھے اس شعر کے سلسۂ خیال کی متعدد کڑیاں غائب ہیں۔ جو مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔

محبوب کا خط آیا ہے اور اس میں غرور نخوت کا اظہار ہے جس سے عاشق کی ساری امیدیں خاک میں مل گئی ہیں اب ایسے خط کا جواب کیا دیا جائے، یہی جواب ہوسکتا ہے کہ خاک ڈالو ایسے خط پر اور لکھ دو بس رخصت۔

چنانچہ کہتا ہے کہ ہم نے خط پر مٹی نہیں ڈالی بلکہ اس مغرور اور خود آرا مقابل کو خدا حافظ کہہ دیا ہے۔

در ہیچ نسخہ معنی لفظ امید نیست

فرہنگ نامہ ھای تمنا نوشتہ ایم

ہم نے تمنا کے متعدد فرہنگ نامے لکھے ہیں کسی نسخے میں بھی لفظ امید کے معنی نہیں یعنی تمنا میں کبھی امید کا کوئی پہلو نہیں ابھرتا۔

دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا

ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

آئندہ و گذشتہ تمنا و حسرت است

یک ''کاشکی'' بودکہ بہ صد جا نوشتہ ایم

لغت: ''کاشکی'' = کاش ایسا ہوتا۔

ہماری زندگی مستقبل سر تا پا تمنا ہے اور ماضی سراپا یاس وحسرت یوں سمجھ لیجئے کہ ایک ہی لفظ کاشکی ہے جو ہم نے سو جگہ لکھا ہے۔

یعنی ہم زندگی میں طرح طرح کی امیدیں باندھتے رہے اور وہ کبھی شرمندۂ تکمیل نہ ہوئیں۔ وقت گزرتا تو ہر تمنا حسرت بن کر رہ جاتی۔ زندگی گزر گئی اور ہم یہی کہتے رہے کاشکی یہ تمنا پوری ہو، وہ تمنا پوری ہو جائے۔ گویا زندگی ''کاشکی'' لکھتے لکھتے گذر گئی۔

ہوئی مدت کہ غالب مرگیا پر یاد آتا ہے

وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

دارد رخت بہ خونِ تماشا خطی ز حسن

روشن سوادِ این ورقِ نا نوشتہ ایم

لغت: ''تماشا'' = نظارہ۔ ''سواد'' = روشنائی، سیاہی۔

''ورقِ نانوشتہ'' = بے لکھا ورق، سادہ، یہاں چہرۂ سادہ محبوب مراد ہے۔

محبوب سے کہتا ہے تیرے چہرے کی رعنائی ہماری ہی حسرت نظارہ کے باعث ہے۔
ہم اس ورق سادہ کی چمکتی ہوئی سیاہی ہیں۔

ز رنگِ شکستہ عرضِ سپاس بلائی تست
پنہان سپردۂ غم و پیا نوشتہ ایم

ہمارا اڑا ہوا رنگ تیرے جور وستم (بلا) کے شکوے کا اظہار ہے، تو نے غم چپکے چپکے دیا ہم نے اُسے ظاہر کر دیا اور (نمایاں لکھ دیا)
یعنی ہمارا رنگ شکستہ، ہمارے غمِ پنہاں کی غمازی کر رہا ہے۔

آغشتہ ایم ھر سرِ خاری خونِ دل
قانونِ باغبانی صحرا نوشتہ ایم

ہم نے (صحرا کے) ہر کانٹے کو اپنے خون دل سے رنگا ہے اور اس طرح سے گویا باغبانی صحرا کے قانون اور قاعدے لکھ دیے ہیں۔
باغباں، پانی دے کر باغ کو سرسبز و شاداب بناتا ہے، ہم نے صحرا نوردی کر کے اور کانٹوں سے پاؤں زخمی کر کے اور خون دل بہا کر صحرا کو گلزار بنا دیا ہے اور دنیا کو بتا دیا ہے کہ باغبانی صحرا کا یہ طریقہ ہوتا ہے۔

کویت ز نقش جبھۂ ما یک قلم پر است
لختی سپاسِ ھمدمی پا نوشتہ ایم

تیری گلی سراسر ہماری پیشانی کے نقش سے پُر ہے۔ ہم نے اپنے پاؤں کی ہمدمی کا

شکریہ ادا کیا ہے عاشق پاؤں کے سہارے ہی کوچہ محبوب میں پہنچتا ہے، چنانچہ اُن کا شکر ادا کرنے کے لئے وہ ہر قدم پر سجدہ بھی کرتا ہے اور پاؤں کا شکر گزار ہوتا ہے۔
شاعر نے محبوب کے کوچے میں ہر قدم پر جبیں سائی کرنے کی بڑی حسین توجیہ کی ہے۔

غالب الفِ ھمان علم وحدتِ خود است
بر لا چہ بر فزودگر الّا نوشتہ ایم

لغت: ''علم'' = نشان، اعلان۔
الف کی شکل اک کی طرح ہوتی ہے جو ایک کی علامت بھی ہے۔
توحید الٰہی کے اعلان کے لئے ہم کلمہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں (کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے) لا لا مفہوم نہیں ہے۔ اور نفی ہستی غیر کو ظاہر کرتا ہے یعنی اُس ذاتِ واحد کا کوئی شریک نہیں لیکن جب ہم الا کہتے ہیں اور گویا لا کے ساتھ ''ا'' بڑھاتے ہیں تو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا آخرا کا حرف خود اسی کی وحدت کو ظاہر کرتا ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۱۲)

صبح است خیز تا نفسی درهم افگنم
از ناله لرزه در فلکِ اعظم افگنم

لغت: ''فلکِ اعظم'' = عرش۔
اُٹھ کہ صبح ہوگئی ہے تا کہ سانس کو حرکت میں لائیں اور غلغلہ بپا کریں اور اپنی فریاد سے عرش کو لرزہ بر اندام کردیں۔
دعائے سحرگاہی میں اثر انگیزی ہوتی ہے۔

آتش فرو نشاند، نمِ دامنم، بیا
کاین دلقِ نیم سوخته در زمزم افگنم

لغت: ''نمِ دامن'' = تردامنی۔ ''آتش فرونشاندن'' آگ = کو دبا دینا، بجھانا۔

بامن ز سرکشی نرود راست، لاجرم
دل را به طره هائی خم اندر خم افگنم

لغت: ''طرہ ہائی خم اندر خم'' = پیچ در پیچ زلف۔
میرا دل سرکش ہے اور میرے ساتھ سیدھا نہیں چلتا، لازمی ہے کہ اسے محبوب کی پر پیچ زلفوں کے شکنجے میں ڈال دوں (تا کہ اس کے بل نکل جائیں)۔

بهتر همی پرد ز ملک، بهر کسرِ نفس
خود را به بند سلسله آدم افگنم

میرا نفس روحانی تو فرشتوں سے بھی بہتر پرواز کرتا ہے۔ میں نے محض کسرِ نفسی کے طور پر اپنے کو سلسلۂ آدم کی قید و بند میں ڈال رکھا ہے۔
نفس جو عالم علوی سے تعلق رکھتا ہے اُسکی پرواز بھی اپنے اصلی مرکز ہی کی طرف ہوتی ہے جہاں وہ فرشتوں سے بڑھ کر پرواز کرتا ہے مگر میں ہوں کہ اُسے عالم خاکی کی زنجیروں میں لا ڈالتا ہوں۔
حافظ کہتا ہے:

من ملک بودم و فردوس برین جایم بود
آدم آورد درین دیر خراب آبادم

پُرسد ز ذوقِ گرم روی ها و خامشم
دوزخ کجاست تا بره همدم افگنم

میرا ہمدم، عشق کی رہ میں گرمی روی کے بارے میں پوچھتا ہے، (میں کیا جواب دوں) چپ ہوں۔ دوزخ کہاں ہے تاکہ اُسے اٹھا کر اپنے ہمدم کے راستے میں ڈال دوں (تا کہ اُسے احساس ہو) کہ عشق کی گرم روی دوزخ کی آگ میں سے گزرنے کے مترادف ہے۔

خواهم ز شرحِ لذت بیدادِ پرده دار
خونابه حسد به دل محرم افگنم

میں چاہتا ہوں کہ اُس محبوب پردہ نشین کے جور و ستم کو بیان کر کے اپنے محرم راز کے

دل میں حسد کا خون ڈال دوں۔

دوست کو رازِ عشق کا تو پتا ہے لیکن اُس نے محبوب کو دیکھا نہیں۔ جب وہ اُس انداز ستم کی محبوبیت اور دل آویزی کی باتیں سنے گا تو اسے حسد ہوگا۔

خوشنودم از تو و زپی ''دور باشِ'' خلق
اوازۂ جفائی تو در عالم افگنم

کہتا ہے میں نے تجھ کو اس لئے جفا کار مشہور کر رکھا ہے کہ اور کوئی تری طرف رغبت نہ کرے ورنہ در حقیقت میں تجھ سے ہر طرح خوش ہوں۔

از ذوقِ نامہ رود چو زکار دست
از بال ھدھدش بہ کبوتر دم افگنم

مزے سے تجھے خط لکھتے لکھتے جب ہاتھ تھک جاتے ہیں تو ہدہد کے پروں سے کبوتر پر دم کرتا ہوں۔ نامۂ شوق تو ختم نہیں ہوتا اور ہاتھ تھک چکے ہیں اب پیغام کیسے جائے یہی سوچتا ہوں کہ ہدہد کے بال لے کر کبوتر پر سحر کروں تا کہ نامۂ شوق کے بغیر ہی ہمارا پیغام پہنچا دے۔

ہدہد کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ بغیر کسی تحریر کے ملکہ سبا کا پیغام سلیمان کے پاس لے گیا تھا اور وہاں سے پیغام لے کر آیا تھا۔

دوزند گر بہ فرض زمین را بہ آسمان
حاشا کزین فشار در ابرو خم افگنم

اگر بالفرض آسمان و زمیں باہم مل جائیں اور میں درمیان میں پس جاؤں، تو حاشاللہ اگر میرے ابرو پر بل بھی آئے۔

سلطانیِ قلم رو عنقا بمن رسید
کو نقش ناپدید کہ برخاتم افگنم

عنقا کی سلطانی اب ہمیں مل گئی ہے، ظاہر نہ ہونے والا نقش کہاں ہے کہ میں اسے اپنی انگوٹھی کا نگینہ بنالوں۔

غالب ز کلکِ تست کہ یابم ھمی بدھر
مشکی کہ بر جراحت بند غم افگنم

مشہور ہے کہ زخم کو الماس کے ریزے اور مشک دونوں خراب کرتے ہیں۔ غالب چوں کہ لذت آزار کا پرستار ہے اور اس کا ہمیشہ طالب رہتا ہے اُسے اسیر غم ہو کر جراحت کا مزہ تو ملتا ہے لیکن اتنا ہی اس کے لئے کافی نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جراحت غم پر کوئی مشک پاشی بھی کر لے چنانچہ کہتا ہے:

غالب! بند غم کی جراحت کے لیے مشک کی ضرورت ہوتی ہے وہ میں تیرے ہی قلم سے حاصل کرتا ہوں۔

❁❁❁

غزل نمبر (۱۳)

بی پردگی محشرِ رسوائی خویشم
در پردۂ یک خلق تماشائی خویشم

لغت: ''تماشائی'' = میں ''یا'' فاعلی ہے = دیکھنے والا۔
''محشرِ رسوائی'' = کثرتِ رسوائی، رسوائیوں کا ایک محشر۔

میں اپنی رسوائیوں کا ایک محشر ہوں کہ عریاں ہو چکا ہوں، انسانوں کے پردے میں خود اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں۔

بعض وقت انسانی کردار کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ دیکھنے والی آنکھ شرماتی ہے ان سے انسانوں کی رسوائی منظرِ عام پر آجاتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں اولادِ آدم کا یہ کردار دیکھتا ہوں تو اُس میں مجھے اپنا عکس جھلکتا نظر آتا ہے اسلئے سمجھتا ہوں کہ گویا خود میری ہی رسوائیاں ہیں جو منظرِ عام پر آگئی ہیں۔

نقشِ بضمیر آمدۂ نقش طرازم
حاشا کہ بود دعوی پیدائی خویشم

لغت: ''نقش طراز'' = نقش گر۔

میں تو ایک نقش ہوں جو نقش طراز کے ذہن میں اُبھرا تھا، حاشا مجھے اپنے ظہور و نمود کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔

یعنی اگر اہلِ عالم کو مجھ میں کوئی کمال نظر آتا ہے تو حاشا اس کمال پر مجھے کوئی فخر نہیں۔
یہ کمال تو میرے نقش گر کا ہے کہ اُس نے ایک پیکرِ خاکی کو یہ رتبہ عطا کیا اب اگر اس وجودِ خاکی

سے کمالات کا ظہور رہا ہے تو یہ اس کا عطیہ ہے۔

؎ آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

نی جلوۂ نازی نہ تفِ برقِ عتابی
اُوفارغ و من داغِ شکیبائی خویشم

نہ جلوۂ ناز ہی نظر آتا ہے نہ برقِ عتاب کی حدت اور گرمی محسوس ہوتی ہے۔ وہ تو فارغ ہو بیٹھا ہے اور یہاں ہم ہیں کہ داغِ شکیبائی لے بیٹھے ہیں۔

محبوب کا جلوۂ ناز دیکھنے میں آئے تو زہے نصیب اس سے ہمارے دل کو تسکین ہو۔ اگر یہ نہ ہو تو برقِ عتاب ہو تو برقِ عتاب ہی ہو کہ اُس کی گرمی سے تڑپ جائیں۔ بارگاہ حسن میں کوئی رابطہ تو ہو، کچھ نہ کچھ میسر تو آئے۔ اب تو نہ لطفِ ناز ہے نہ قہر و عتاب۔ محبوب ہم سے بالکل بے نیاز ہے اور ہم اپنے صبر و تحمل کا سرتاپا داغ بن کر رہ گئے ہیں۔

لاگ ہو اُس کو تو ہم سمجھیں
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
غالب

عتاب کا عالم ہو تو ہمیں اپنے صبر و شکیب کو آزمانے کا موقع ملے لیکن محبوب تو بے تعلق ہو بیٹھا ہے اور ہمارے دل پر ایک داغ رہ گیا ہے کہ صبر و شکیب کو آزمانے کا موقع بھی ہاتھ سے گیا۔

؎ اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

از کشمکش گریہ ز ھم ریخت وجودم
ھر قطرہ فرو خواندہ بہ ھمتائی خویشم

''کشمکش گریہ نے میرے وجود کو ریزہ کر دیا ہے اس لئے میں قطرۂ اشک کو اپنا ہمسر کہہ کر پکارتا ہوں (یعنی میرا ہر قطرہ اشک بہ زبان حال میری ہمسری کا دعویٰ کر رہا ہے)۔''

ذوق لب نوشین کہ آمیختہ در جان
کاین مایہ در انداز جگرخائی خویشم

لغت: ''جگر خائی'' = جگر کا خون پینا۔

کسی کے لب شیریں کا ذوق، میری زندگی کا جز بنا ہوا ہے کہ میں اس قدر جگر خائی میں مصروف ہوں۔

کوئی ذوق جب انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو جزوِ حیات بن جاتا ہے۔ اسی طرح لب شیریں کا ذوق میرے رگ وریشے میں سما گیا ہے اب میں بڑے مزے سے خونِ جگر پی رہا ہوں۔

آسودگی از خس کہ بہ تابی زمیان رفت
چون شمع در آتش ز توانائی خویشم

لغت: ''خس'' = تنکا۔

تنکا شعلے کی ایک لپک سے جل کر ٹھنڈا پڑ جاتا ہے جسے شاعر آسودگی کا نام دیتا ہے۔

''آسودہ حال تو خس ہے کہ ایک آن میں جل گیا میں تو توانائی کے باعث شمع کی طرح شعلوں کی لپیٹ میں ہوں (یعنی مجھ میں مسلسل جلنے کی تاب ہے)۔''

اہل ہوس خس کی طرح ہوتے ہیں کہ جلے اور گرمی ختم ہوگئی ہے۔

غالب کا یہ شعر دیکھے:

فروغِ شعلہ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

تاری شدہ از ضعف سراپایم واکنون
ازگریہ بہ بند گھر آمائی خویشم

لغت: ''گہر آمائی'' = موتی پرونا۔

''ضعف و ناتوائی سے میرا وجود ایک تار کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اب جو آنسو ٹپکتے ہیں میں انہیں اس تار میں پروتا چلا جا رہا ہوں۔''

بابوی تو جولان سبک خیزی شوقم
در کوی تو مہمانِ گران پائی خویشم

لغت: ''گران پا'' = وہ مسافر جس کے پاؤں تھکن کی وجہ سے بھاری ہو گئے ہوں۔

''گران پائی'' گراں پا کا مصدر ہے۔

''تیری خوشبو ہو تو میں شوق کی سبک خیزی سے اُچھلتا کودتا چلا جاتا ہوں۔ جب تمہاری گلی میں آتا ہوں تو میں گراں پائی کا مہمان بن جاتا ہوں۔

جہاں جہاں تیری خوشبو پہنچتی ہے میرا شوق بڑی تیزی سے مجھے اُس کے پیچھے لیے جاتا ہے لیکن تیری گلی میں پہنچ کر پاؤں آگے بڑھنے سے جواب دے جاتے ہیں۔

پایم بہ پیش از سر کویش نمی رود
یاران خبر دھید کہ این جلوہ گاہِ کیست (غالب)

عرض ہنرم زرد کند روی حریفان
مہتابِ کفِ دستِ تماشائی خویشم

لغت: ''عرض ہنر'' = ہنر کی نمائش۔ ''حریف'' = مقابل۔ ''دست تماشائی'' = ہنر مند ہاتھ۔

''میرے عرض ہنر سے میرے حریفوں کے چہرے زرد پڑ جائے ہیں گویا میں اپنے دست تماشائی (ہنر مند ہاتھ) کی ہتھیلی کا ماہتاب ہوں۔''
یعنی میرا ہنر مند ہاتھ چاند کی طرح درخشاں ہے: جس کی چمک سے میرے حریفوں کے چہرے زرد پڑ جاتے ہیں۔

غالب ز جفای نفسِ گرم چہ نالی
پندار کہ شمع شبِ تنہائی خویشم

''اے غالب تو اپنے نفسِ گرم کی جفاؤں سے کیا گلہ کرتا ہے تو یہ سمجھ لے کہ میں اپنی شب تنہائی کی خود آپ ہی شمع ہوں۔''
شمع کو دیکھو تنہا ہے اور جل رہی ہے، آنسو بہا رہی ہے اور خاموش ہے اس کے خاموش اشکباری سے سبق حاصل کرو۔ جلتے جاؤ اور صبر وشکیب کو ہاتھ سے نہ دو۔''

❁❁❁

غزل نمبر (۱۴)

گم گشتہ بکوی تو نہ دل بلکہ خبر ہم
درلرزہ ز خوی تو نہ دم بلکہ اثر ہم

''تیری گلی میں دل ہی گم نہیں ہوا بلکہ اُس کی خبر تک نہیں ملتی ہے۔ تمہاری خوی (تند) سے ہماری آہ ہی نہیں کانپتی بلکہ آہ کا اثر بھی کانپتا ہے۔''
ہر کھوئی ہوئی شے کا سراغ مل جاتا ہے لیکن دل ایسا گم ہوا ہے کہ اس کی کوئی خبر تک نہیں آئی۔

یارب چہ بلائی کہ دمِ عرضِ تمنا
اجزای نفس می خزد از بیم تو درہم

لغت: ''یارب'' (معنی اے خدا)۔ یہ الفاظ کبھی کبھی محاورۃً آتے ہیں۔ اس وقت ان کا مفہوم ''اے خدا'' نہیں ہوتا۔ بلکہ توبہ! اللہ!
''خزیدن'' = گھس جانا۔ ''درہم خزیدن'' = ایک دوسرے میں مل کر خلط ملط ہو جانا۔
محبوب سے خطاب کر کے کہتا ہے، ''توبہ! تو کیا بلا ہے کہ عرض تمنا کرتے وقت خوف سے ہمارے سانس کے اجزا بکھر کر ایک دوسرے میں چھپ کر پناہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔''
یعنی محبوب کے سامنے بات کرتے وقت دم خطا ہوتا ہے۔

در آئینہ باخویش طرف گشتۂ امروز
ہان تیغ نگہدار، بینداز سپرِ غم

"آج تم آئینے میں خود اپنے مدمقابل ہو، ہاں احتیاط، تلوار کو میان میں کر لو اور سپر بھی ڈال دو۔"

محبوب آئینے میں عکس دیکھ کر خود اُس پر فریفتہ ہو جائے گا اور شکست کھائے گا۔

دیدیم کہ می مستیِ اسرار ندارد
رفتیم و بہ پیمانہ فشردیم جگر ہم

لغت: "مستی اسرار" = مستی عرفان۔

"ہم نے دیکھا ہے شراب میں کوئی روحانی سرور و کیف نہیں ہے اس لیے ہم نے اپنے جگر کا خون بھی نچوڑ کر پیالے میں ڈال دیا۔"

مے عرفان کی مستی خالی شراب سے نہیں بلکہ خون جگر پینے سے میسر آتی ہے۔

ای نالہ نہ تنہا شب غم گرد رہ تست
شبگیر ترا مشعلہ است سحر ہم

لغت: "شبگیر" آخر شب کو کہتے ہیں۔ آدھی رات کے بعد اور صبح سے پہلے کا وقت۔ صبح سے پہلے رات کا سفر۔

"مشعلہ دار" = مشعلچی۔ جو مشعل جلا کر رات کو سفر کرنے والوں کو روشنی کا سامان مہیا کرتا ہے۔

شاعر اپنی فریاد (نالہ) کو خطاب کر کے کہتا ہے، "اے نالہ صرف شب غم تیرے راستے کی گرد و غبار نہیں، صبح بھی تیرے سفر میں مشعل دکھاتی ہے۔"

عاشق شب غم میں نالہ و فریاد کرتا ہے لیکن اس شب غم کی سیاہی کے علاوہ جسے شاعر گرد راہ کہتا ہے کی آمد اور اس کی روشنی کی امید بھی شامل ہوتی ہے۔

باگرمیِ داغ دل ما چارہ زبون است
پروانۂ این شمع بود پنبۂ مرہم

لغت: "پنبہ مرہم" = وہ روئی جو مرہم کے ساتھ ہوتی ہے۔ پھاہا۔

"ہمارے داغ دل کی گرمی کو دور کرنے کے لیے ہر چارہ بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ مرہم کا پھاہا اس شمع کا پروانہ ہے۔"

شاعر نے داغ دل کو شمع سے تشبیہہ دی ہے اور مرہم کے پھاہے کو اُس شمع کا پروانہ قرار دیا ہے۔

یعنی داغ دل کی گرمی کا یہ عالم ہے کہ زخم دل پر جو پھاہا رکھا جاتا ہے وہ اس طرح جل اٹھتا ہے جیسے پروانہ شمع پر جل مرتا ہے۔ اور اس طرح چارہ گری بے کار جاتی ہے:

ے الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

تا حسن بہ بی پردگی جلوہ صلا داد
دیدیم کہ تاری ز نقاب است نظر ہم

حسن نے بے پردہ ہونے کا اعلان کیا (دعوت دی) تو ہجوم جلوہ سے ہماری نظر اُٹھ نہ سکی ہم نے دیکھا کہ ہماری نظر خود چہرۂ محبوب کے نقاب کا ایک تار بن کر رہ گئی۔

یعنی پہلے تو عاشق اور محبوب میں حجاب حائل تھا، نقاب اُٹھا تو نظریں حسن کی تاب نہ لا سکیں اور وہ گویا خود نقاب بن گئیں۔

نظارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی (غالب)

چون است کہ در عرصۂ دھر اھل دلی نیست
در بحر کف و موج و حباب است و گھر ھم

یہ کیا بات ہے کہ عرصۂ دہر میں کوئی اہل دل نہیں ہے حالانکہ سمندر کو دیکھئے کہ اس میں اگر جھاگ ہے، لہریں ہیں، حباب ہیں تو گوہر بھی ہیں۔ سمندر کا استعارہ لا کر شاعر نے عوام کو کف و موج و حباب کہا ہے اور اہل دل کو گوہر۔

دنیا میں اگر عام لوگ ہیں تو اہل دل کا ہونا بھی ضروری تھا لیکن اہل دل نایاب ہیں۔

اسکندر و سر چشمۂ آبی کہ زلال است
ما و لب لعلی کہ شراب است وشکرھم

سکندر کو چشمۂ آب حیات کی تمنا تھی جو آب شیریں ہے۔ ہمیں حیات جاوید کی تمنا ہے البتہ ہمارے لیے لب لعلیں شراب کا کام دیتے ہیں اور ان سے ہمیں شیرینی بھی میسر آتی ہے۔

تنھا نہ من از شوق تو در خاک تپانم
نشتر بہ رگِ سنگ مزار است شرر ھم

تنہا میں ہی ترے شوق کی وجہ سے خاک میں نہیں تڑپتا ہوں بلکہ میرے لوح مزار میں جو چنگاری چھپی ہوئی ہے وہ بھی سنگ مزار میں نشتر کا کام دیتی ہے۔

عاشق کے شوق کی بے تابیوں کا یہ عالم ہے کہ خاک میں دفن ہو کر بھی تڑپ رہا ہے اور ساتھ ہی سنگ مزار کو بھی بے تاب کر رکھا ہے۔

آن خان بر انداز بدل پردہ نشین است
ای دیدہ تو نامحرمی و حلقہ درھم

لغت: ''خانہ برانداز'' = گھر پر تباہی لانے والا۔ گھر کو تج دینے والا۔

''حلقۂ در'' = دروازے کا کنڈا یا حلقہ۔

خدا کسی گھر میں محصور نہیں، وہ گھر سے بے نیاز ہے البتہ وہ دل کے پردے میں چھپا بیٹھا ہے۔ شاعر اپنی آنکھ کو نامحرم کہتا ہے اور اُسے حلقۂ در بھی کہتا ہے۔ نامحرم گھر میں داخل نہیں ہوسکتا اور حلقۂ در کو، دروازے کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گھر میں کون ہے اور کیا کچھ ہے ہماری آنکھیں بھی اس معشوق کو نہیں دیکھ سکتیں۔ اُن کی حیثیت بھی ایک نامحرم اور حلقۂ در کی سی ہے۔

تابند نقاب کی کشود است کہ غالب
رخسارہ بہ ناخن صلہ دادیم و جگر ھم

لغت: ''رخسارہ'' = غم و غصہ۔

غالب ہمارے ناخن نے کسی کا بند نقاب کھولا ہے کہ ہم نے اُسے اپنا دکھ درد اور جگر بھی صلے میں دے دیا۔

کہنا یہ مقصود ہے کہ محبوب کے بند نقاب کے کھولنے میں ہم سب کچھ کھو بیٹھے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۱۵)

جلوۂ معنی بجیب وھم پنھان کردہ ایم
یوسفی در چار سوی دھر نقصان کردہ ایم

لغت: ''چارہ سوئی'' = وہ جگہ جہاں چار سڑکیں ملتی ہوں۔ چوک۔ چوراہہ۔
''جلوۂ معنی'' = جلوۂ حقیقت

'ہم نے حقیقت کو وہم وگماں کے گریباں میں چھپا لیا ہے، ایک یوسفؑ تھا جو چوراہے میں کھو گیا ہے'' حقیقت تو بے نقاب ہوتی ہے لیکن انسان طرح طرح کے وہم وگماں میں الجھ کر اُسے نظروں سے اوجھل کر لیتا ہے اور اس طرح یہ گوہر مراد جسے شاعر نے یوسف کہا ہے کھو جاتا ہے اور کہیں نہیں ملتا۔

پشت برکوہ ھست طاقت، تکیہ تا بر رحمت است
کار دشوار است و ما برخویش آسان کردہ ایم

لغت: ''تکیہ'' = سہارا۔ ''پشت برکوہ بودن'' = یعنی مضبوط سہارے کا ہونا۔
''جب تک انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سہارا اور پشت پناہی حاصل ہوتی ہے وہ مضبوطی سے قائم رہتا ہے یہ کام مشکل تھا لیکن ہم نے اسے اپنے لئے آسان بنالیا ہے۔''
انسان اپنی کوتاہیوں اور گناہوں سے ہراساں تھا لیکن جب اُس نے اللہ کی رحمت کا سہارا لیا تو اس کے لئے یہ کٹھن کام آسان ہو گیا۔

رنگ ھا چون شد فراھم مصرفی دیگر نداشت
خلد را نقش و نگار طاق نسیان کردہ ایم

لغت: ''مصرف'' = صرف کرنے کی جگہ یا وقت۔ استعمال با قاعدہ۔
''نسیان'' = بھول۔ ''طاق نسیان'' = ایسا طاق جہاں انسان کوئی بے مصرف چیز رکھ کر بھول جائے۔
انسان نے جنت کو رنگینیوں کی ایک دنیا بنالیا ہے جہاں گویا رنگینیوں کے اتنے انبار ہیں کہ ان کا کوئی مصرف نظر نہیں آتا۔ سوائے اس کے کہ انسان انہیں بے مصرف اور بے کار سمجھ کر کسی طاق پر رکھ دے اور بھول جائے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:
جب بہت سے رنگ جمع ہو گئے تو ان کا کوئی اور مصرف نظر نہ آیا چنانچہ ہم نے ان جنت کی رنگینیوں کو اپنے طاق نسیاں کے نقش و نگار بنالیا (اور ان کے سوا ان کا کوئی مصرف تھا بھی نہیں)۔

نالہ را از شعلہ آئین چراغان بستہ ایم
گریہ را از جوش خون تسبیح مرجان کردہ ایم

لغت: ''آئین بستین'' = چیز کو سنوارنا اور آراستہ کرنا۔
''مرجان'' = نباتات نما بے حرکت حیوانات کی قسم جو سمندر میں پائی جاتی ہے۔ جب اسے کاٹا جاتا ہے تو سوکھ کر پتھر کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس کا رنگ بالعموم سرخ ہوتا ہے۔ مونگا
''ہم نے اپنی فریاد کے شعلوں سے ایک چراغاں سجالیا ہے اور اپنے خونیں آنسوؤں کو مرجان کی تسبیح بنالیا ہے۔'' مونگا۔

آتشین فریادوں کو چراغاں اور خونیں آنسوؤں کے تار کو تسبیح مرجان سے تشبیہہ دے کر شدت جذبات کا اظہار کے ہے۔

از شرر گل در گریبان نشاط افگندہ اند

خندہ ها بر فرصت عشرت پرستان کردہ ایم

مرزا غالب کے کلام میں درد و غم پایا جاتا ہے لیکن اس حزن و ملال میں یاس نہیں۔ غم کو بھی زندگی کا ایک سرمایہ خیال کرتے تھے اور اس سے زندگی کو سجاتے اور سنوارتے تھے۔ اسی سے اُن کا عظیم فن بھی اُبھرا تھا۔ کہتے ہیں:

کہ قدرت نے غم کی چنگاریوں میں پھول رکھے ہیں جو گریباں نشاط میں سجائے گئے ہیں۔

ہم انہی پھولوں سے خوش ہیں اور ان کے بل پر عیش پرستوں کی (عارضی) خوشیوں پر ہنس دیے۔ فرصت کا لفظ فارسی میں، وقت، فرصت اور فراغت تینوں معنوں میں آتا ہے شاعر نے اس لفظ کو تینوں معانی ملحوظ میں رکھ کر استعمال کیا ہے۔

کہتا ہے کہ ہمیں غم میں وہ فراغت اور لذت نصیب ہوتی ہے جو خوشیوں کے متوالوں کو میسر نہیں آتی۔ ہمارے غم والم کے لمحات اُن کی بظاہر فراغتوں اور عیش پرستیوں پر خندہ زن ہوتے ہیں۔

می گساران قحط و مابی صبر، عشرت مفت کیست

بادۂ ما تا کہن گردید ارزان کردہ ایم

لغت: ''عشرت مفت کیست'' = یعنی کون ہے جو اس مفت کے عیش و عشرت سے فائدہ اٹھائے۔

''مے پینے والے ملتے ہیں، ان کا قحط ہے اور ہم شراب لیے بیٹھے بے صبری سے اُن

کے منتظر ہیں اس انتظار میں چوں کہ ہماری شراب، پرانی شراب بن گئی ہے ہم نے اُسے سستی کر دیا ہے۔''

پرانی اشیاء خریداروں کے قحط کے باعث سستے داموں بکتی ہیں لیکن شراب کہن تو قیمتی شے ہوتی ہے اس کے باوجود اگر خریدار بالکل میسر نہ آئیں تو ارزاں ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہاں مرزا غالب نے شراب کا استعارہ اپنے کلام کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس شعر کا مفہوم بھی کم و بیش وہی ہے جو اس شعر کا ہے:

تاز دیوانم کہ سرمست سخن خواهد شدن

این می از قحط خریداری کهن خواهد شدن

مفہوم یہی ہے یہ شراب پڑی پڑی بے کار ہو گئی ہے، دیکھیں اس سے کون لذت اندوز ہوتا ہے۔ ہم نے تو اسے باوجود شراب کہن ہونے کے ارزاں کر دیا ہے۔

زاهد از ما خوشۂ تاکے بچشم کم مبین

هی نمیدانی کہ یک پیمانہ نقصان کردہ ایم

لغت: از ما خوشۂ تاکی یعنی ہمارا انگوروں کا ایک گچھا۔

''کم مبین'' = کم نہ جان، حقیر نہ سمجھ ''هی'' کلمہ تنبیہ۔

''اے زاہد! ہمارے انگوروں کے گچھے کو حقیر نہ خیال کر، کیا تو نہیں جانتا کہ ہم نے اس ایک گچھے سے پیمانہ بھر شراب کا نقصان کر ڈالا ہے۔

راز ما از پردۂ چاک گریبان بازجوی

نامۂ شوق تو باز از طرف عنوان کردہ ایم

"ہمارے چاکِ گریبان سے ہمارا بھید پالے۔ تیرے نامۂ شوق کو ہم نے عنوان ہی سے شروع کر دیا ہے۔"

جس طرح دیوانے کی چاک دامانی اس کے دیوانے پن کو ظاہر کرتی ہے اس طرح ہم نے جو نامۂ شوق تجھے لکھا ہے اُس کا عنوان ہی نفسِ مضمون کا پتہ دیتا ہے گویا عنوان کی پریشاں صورت ہی سے داستان کا پتا چل جاتا ہے جو خط میں درج ہے۔

وہ میرے چینِ جبیں سے غمِ پنہاں سمجھا
رازِ مکتوب بہ بی ربطیٔ عنوان سمجھا

حیف باشد خار ھا در راہ مھان ریختن
باخیالش شکوہ از بیداد مژگان کردہ ایم

"مہمان کی راہ میں کانٹے بکھیرنا اچھا نہیں۔ ہم نے اُس کے تصور سے اُس کی پلکوں کی ستم آفرینی کا ذکر کیا ہے۔ عاشق تصور میں محبوب سے باتیں کر رہا ہے اسی سلسلے میں اُسے محبوب کی تیکھی پلکوں کی ستم آفرینی یاد آجاتی ہے۔ یہ پلکیں کانٹوں کی طرح ہیں۔ محبوب کے تصور کی حیثیت ایک مہمان کی ہے اور مژگان کے جور وستم کی یاد کانٹوں کی طرح ہے۔ جو اس مہمان کی راہ میں بچھائے جا رہے ہیں۔

حق شناس صحبت بی تابی پروانہ ایم
گرچہ مشق نالہ با مرغ سحر خوان کردہ ایم

"اگرچہ ہم نے مرغِ سحرخوان کے ساتھ آہ وزاری کی مشق کی ہے لیکن ہم پروانے کی بے تابیوں کی صحبت کا حق بھی خوب پہچانتے ہیں۔"

اہلِ درد، دردمندوں کے حال سے خوب آگاہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی ہم نوائی کرتے ہیں۔ صبح کے وقت پرندوں کا نغمہ بھی ایک دکھ بھری فریاد ہے پرندوں کی یہ پکار شاعر کو بے قرار کر دیتی ہے لیکن وہ پروانوں کی تڑپ میں بھی شریک ہوتا ہے گویا اس کے صبح وشام یونہی گزرتے ہیں۔

می دھد چشمش بیک پیمانہ ھر میخوار را
عشوۂ ساقی بہ کار کفر و ایمان کردہ ایم

لغت: "عشوقہ" = آنکھ کا اشارہ۔ ناز و ادا۔

ساقی کی آنکھ ہر میخوار کو ایک ہی پیمانے سے بھر بھر کر شراب دیتی ہے۔ ہم نے ساقی کی اس عشوگری کی وسیع المشربی کو کفر وایمان کے معاملے میں اپنا لیا ہے۔

یہاں ساقی سے مراد خالقِ کائنات ہے جس کے نزدیک تمام مخلوق یکساں ہے۔

اس کی نظر میں مومن و کافر سب برابر ہیں۔ جو جام محبت مسلمان کو ملتا ہے وہی دوسروں کو بھی ملتا ہے ہم بھی اسی مشرب کے پرستار ہیں اور سب کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

غالب از جوشِ دمِ ما تربتش گل پوش باد
پردۂ سازِ ظہوری را گل افشان کردہ ایم

اے غالب، ہمارے دم کے جوش سے ظہوری کی قبر پھولوں سے لدی رہے ہم نے اس

کے پردہ ساز کو گل افشاں کر دیا ہے۔

غالب نے شاعری میں جن لوگوں کا تتبع کیا ان میں ظہوری بھی تھا۔ اس پیروی کی کامیابی پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم نے ظہوری کے رنگ شعر کو چمکایا ہے اللہ کرے ہماری ان شعری گل افشانیوں سے اس کی تربت پھولوں سے لدی رہے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۱۶)

ھم بہ عالم ز اھل عالم برکنار افتادہ ام
چون امام سبحہ بیرون از شمار افتادہ ام

لغت: ''برکنار افتادن'' = الگ ہو جانا، بے تعلق ہو جانا۔
''سبحہ'' = تسبیح۔ ''امام سبحہ'' = تسبیح کا وہ لمبا دانہ جو شمار میں نہیں آتا۔ ''از شمار افتادن'' = گنتی میں نہ آنا۔

''دنیا میں ہوتے ہوئے بھی میں دنیا سے الگ تھلگ ہوں، تسبیح کے امام کی طرح ہوں کہ تسبیح کی طرح تو ہے لیکن تسبیح کے دانوں میں شمار نہیں ہوتا۔ حقیقت شناس لوگ، دنیا میں رہ کر دنیا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

حافظ کہتے ہیں:

غلام همت آنم کہ زیر چرخ کبود
ز هرچہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

ریزم از وصف رخت، گل را شرر در پیرهن
آتش رشکم بجان نوبهار افتاده ام

لغت: ''شرر در پیرہن کسی ریختن'' = کسی کے لباس میں چنگاریاں ڈالنا، جلانا، بے چین کرنا۔

پہلے مصرعے میں گل کے لفظ کے بعد ''را'' کا حرف اضافی ہے یعنی اضافت کا مفہوم دیتا ہے اس مصرعے کی نثر یوں ہوگی:

از وصف رخ تو شرر در پیرہن گل ریزم۔

''میں تیرے چہرے کا وصف بیان کر کے پھول کے پیرہن میں چنگاریاں ڈالتا ہوں۔ میں رشک کی آگ ہوں اور نوبہار کی جان کو جلاتا ہوں۔''

یعنی میں پھول کے روبرو جب محبوب کے حسن و جمال کا تذکرہ کرتا ہوں تو وہ رشک کی آگ میں جلنے لگتا ہے۔ ایک ہی پھول پہ موقوف نہیں سارا چمن جل اٹھتا ہے یوں لگتا ہے جیسے خود بہار جل رہی ہے۔

مولانا جامی کہتے ہیں:

در چمن دوش بوی تو گذری کردم
قدح لالہ پر از خون جگری کردم

می فشانم بال و در بند رهائی نیستم
طائر شوقم بدامِ انتظار افتاده ام

لغت: ''بال فشاندن'' = پر پھڑپھڑانا۔ ''بند رہائی'' = رہائی کا خیال۔

''میں پروں کو پھڑپھڑاتا ہوں لیکن (میرا ایسا کرنا) رہائی کے خیال سے نہیں، میں طائر

شوق ہوں اورانتظار کے جال میں پھنسا ہوا ہوں۔''

پرندے جال میں پھنستے ہیں اور صیاد کے آنے سے پہلے پر پھڑ پھڑاتے ہیں کہ آزاد ہو جائیں لیکن شاعر کہتا ہے کہ میرا پروں کو پھڑ پھڑانا دام سے رہائی پانے کی غرض سے نہیں۔ میں تو طائرِ محبت ہوں، میرا ایسا کرنا صیاد (یعنی دوست) کی قید میں رہنے کے لئے شدید بے تابی کا اظہار ہے۔

نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانی کہ گرفتار نبود (نظیری)

کاروبار موج یا بحر است خود داری محو
در شکست خویشتن بی اختیار افتادہ ام

لہریں سمندر میں ابھرتی اور ٹوٹتی ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے کوشاں ہیں لیکن وہ خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔

شاعر کہتا ہے کہ میری حقیقت ایک لہر کی ہے اور لہر کا سابقہ سمندر سے پڑتا ہے اس لئے لہر سے یہ توقع رکھنا بے سود ہے کہ وہ اپنی خودی کو قائم رکھ سکے گی میں اپنے ٹوٹنے اور وجود کو ختم کرنے میں لاچار ہوں۔

انسانی زندگی، اس بحر کائنات میں ایک لہر کی طرح ہے جو لمحہ بھر کے لئے سطح آب پر نمودار ہوتی ہے لیکن پھر فوراً اپنے آپ کو سمندر میں مدغم کر دیتی ہے گویا وہ اپنے مرکز اصلی سے پیوست ہونے کے لئے بے تاب ہے۔

سر بسر میناست اجزایم چو کوہ، اما ہنوز
بر نمی خیزم ز بس سنگین خمار افتادہ ام

لغت: ''مینا'' = شیشہ، مے صراحی۔ ''اجزایم = اجزای من میرے اعضا (جسمانی) ''سنگیں'' = بھاری۔

''میرے اعضا سر بسر شیشۂ مے کی طرح ہیں، نازک اور سبک لیکن خمار کی کیفیت کچھ اتنی سنگین ہے کہ جسم پہاڑ کی مانند بھاری ہے اور قدم اٹھ نہیں سکتا خمار کی کیفیت دکھانی مقصود ہے جب میخوار کا نشہ ختم ہو جاتا ہے، جس پر کسلمندی اور ماندگی طاری ہو جاتی ہے، اعضا ٹوٹنے لگتے ہیں، اٹھنا محال معلوم ہوتا ہے۔

ہر شکست استخوانم خندۂ دندان نماست
راز غم را بخیۂ بر روی کار افتادہ ام

لغت: ''خندۂ دنداں نما'' = وہ ہنسی جس سے دانت نظر آجائیں۔ کھل کر ہنسنا۔

''(دکھ درد سے) میری ہڈیوں کا ہر بار ٹوٹنا ایسا ہے جیسے خندۂ دنداں نما ہو (یعنی جیسے میں ہنس رہا ہوں) گویا میں اس معاملے میں اپنے راز کو چھپانے کے لئے بخیے کا کام دے رہا ہوں۔''

انتہائی درد وکرب کو بھی میں ہنس کر ٹال دیتا ہوں اور میری ہنسی راز غم کو چھپانے کا کام دیتی ہے۔

شکست استخوان کو خندۂ دندان نما سے تشبیہ دی ہے اور پھر اس خندۂ دندان نما کو بخیہ کہا ہے۔

ہم ز من طرز آشنای عشق بازان گشتۂ
ہم ز تو عاشق کشان را راز دار افتادہ ام

لغت: ''ز من'' اور'' ز تو'' میں زعلت کا ہے یعنی وجہ یا باعث کا مفہوم دیتا ہے۔

''عشق بازان'' = عاشق لوگ۔ ''عاشق کشان'' = عاشقوں کو ہلاک کرنے والے لوگ ۔معشوق۔

''تو میری وجہ سے عاشقوں کے طور طریقے سے آشنا ہو گیا ہے اور میں تیری وجہ سے عشاق کو ہلاک کرنے والوں کا راز دار ہو گیا ہوں۔''

عاشق پر جو کیفیات گزرتی ہیں اس سے عشق کو معلوم ہو گیا ہے کہ عشق کی راہ رسم کیا ہے۔ دوسری طرف عاشق نے بھی ایک بات معشوق سے سیکھی ہے اور وہ یہ کہ معشوقوں کی دل آزاریاں کس ڈھب کی ہوتی ہیں۔ وہ عاشقوں کو کس کس انداز سے ستاتے ہیں۔

تا ز مستی می زنی بر تربتِ اغیار گل
خویشتن را هم چو آتش در مزار افتاده ام

لغت: ''گل می زنی'' = تو پھول بکھیرتا ہے۔ ''تا'' = جب سے۔

''جب سے تم مستی کے عالم میں غیروں کی تربت پہ پھول چڑھانے لگے ہو میری یہ حالت ہے کہ گویا میرے مزار میں آگ لگی ہے۔''

معشوق کو رقیبوں کے مزاروں پر پھول چڑھاتے دیکھ کر رشک آتا ہے اور وہ رشک سے اپنے قبر میں جل رہا ہے۔

یک جهان معنی تنومند است از پهلوی من
چون قلم هر چند در ظاهر نزار افتاده ام

لغت: ''یک جہاں معنی'' = جہاں معنی میں فک اضافت ہے یعنی بغیر اضافت ہے یعنی

ایک جہاں معنی۔ معانی کی ایک دنیا۔ ''از پہلوی من'' میرے وجود سے۔

''ہر چند کہ میں ظاہراً قلم کی طرح نحیف و نزار ہوں لیکن میرے دم سے معانی کی ایک دنیا استوار ہوئی ہے۔''

شاعر کو اپنی عظمت کا احساس ہے اور کیوں نہ ہو، حقیقت یہ ہے کہ اُس کی ذات اپنے اندر دنیا جہاں کے افکار بلند لیے ہوئے ہے۔

شاعر بظاہر نحیف الجثہ ہے، اس کی ظاہری حالت ابتر ہے لیکن اس کا ذہن افکار بلند کا خزانہ لیے ہوئے ہے۔

جان بہ غم می بازم و می نالم از جور سپهر
وه که هم نقشم و هم بد قمار افتاده ام

لغت: ''وہ'' کلمۂ استعجاب ہے۔

''قمار'' = جوا۔ ''نقش'' = پانسے پر جو نشان ہوتے ہیں نقش کہلاتے ہیں۔

''باختن'' = ہارنا اور ''می بازم'' = میں ہارتا ہوں۔

''بدنقش'' = وہ قمار باز جسے کبھی کسی داؤ میں اچھا نقش نہ پڑے۔ ''بدقمار'' = برا جوئے باز یہاں وہ جوئے باز مراد ہے جو ہارتا ہے تو چیختا ہے۔

عام طور پر بدبخت انسان اپنے دکھوں کو آسمان کی طرح منسوب کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

''میں خود جان کو غم میں ہار دیتا ہوں اور پھر آسماں کے جور و ستم پر فریاد بھی کرتا ہوں۔ میں ایک بدنصیب جوئے باز ہوں اور پھر ایسا جوئے باز بھی ہوں۔ کہ ہارنے پر روتا بھی ہوں۔

یعنی جاں تو غم عشق میں دے دی اور اپنی مرضی سے دے دی اور پھر آسمان کا گلہ بھی کیا۔

بدنصیب اس لئے کہا کہ عشق میں سوائے غم کے کچھ نہ ملا۔ اور بدقمار اس لئے کہا کہ اپنی بدنصیبی کا شکوہ بھی کر رہا ہے۔ گویا وہ اناڑی جوئے باز ہے۔

کشتی بی ناخدایم سرگذشت من مپرس
از شکست خویش بر دریا کنار افتادہ ایم

لغت: ''ناخدا'' = ناؤ اور خدا کا مرکب۔ ناؤ کشتی ہے اور خدا مالک یعنی کشتی کا مالک مجازاً ملاح۔

''میری سرگزشت کیا پوچھتا ہے۔ میں ایک کشتی ہوں جس کا کوئی ناخدا نہ ہو۔ اور جو ٹوٹ پھوٹ کر کنارے پر آ لگی ہو۔

ناتوانی محو غم کردہ است اجزای مرا
در پرند نالہ نقش زر نگار افتادہ ام

لغت: ''پرند'' = لطیف ریشمی کپڑا۔ ''نقش'' = بیل بوٹے۔

ناتوانی نے میرے اجزائے جسمانی کو غم میں سمو دیا ہے، میری ہستی کا یہ عالم ہے جیسے آہ وزاری کے ریشمی لباس میں زریں پھول ہوں۔

جس طرح سنہری پھولوں کی چمک نازک لطیف کپڑے میں اپنے وجود کا پتا دیتی ہے اسی طرح میری آہ وزاری سے میری ہستی کا ثبوت ملتا ہے۔

رفتہ از خمیاز ام برباد ناموسِ چمن
چاک اندر خرقۂ صبح بھار افتادہ ام

لغت: ''خمیازہ'' یہ لفظ خم اور یازہ سے مرکب ہے۔ فارسی میں یازیدن (مصدر) کا مطلب دست دراز کرنا یا ہاتھ اوپر اٹھانا ہوتا ہے چنانچہ انگڑائی کا مفہوم بھی دیتا ہے۔

''خمیازہ'' یعنی انگڑائی کی کیفیت کے اترتے وقت یا عام کسل اور ماندگی کی حالت میں پیدا ہوتی ہے۔ میری انگڑائی یا کسلمندی سے گلشن کی عزت برباد ہو گئی ہے۔ میں جامۂ صبح بہار کا چاک بن کر رہ گیا ہوں یعنی میری افسردگی نے چمن اور چمن کی صبح بہار کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔

از روانی ھائی طبعم تشنۂ خون است دھر
آبم آب اما تو گوئی خوشگوار افتادہ ام

میری طبیعت کی روانی سے ایک دنیا میرے خون کی پیاسی ہے۔ ہوں تو میں پانی لیکن یہ پانی خوشگوار ہے کہ اسے سب خوشی سے پیتے ہیں۔

اس محل پر روانی طبع کو آب سے تشبیہ دینا بے حد خوبصورت ہیں۔

این جواب آن غزل غالب کہ صائب گفتہ است
''در نمود نقش ھا بی اختیار افتادہ ام''

لغت: ''نقش ہا'' = رنگیں خیالات۔ ''نمود'' = نمائش، اظہار۔

غالب یہ وہ غزل ہے جو میں نے صائب کے جواب میں کہی ہے کہ ''میری طبع رنگیں سے جو طرح طرح کے مضامین رنگیں ابھر رہے ہیں اُن کے اظہار پر مجبور ہوں۔''

❁❁❁

غزل نمبر(۱۷)

سوخت جگر تا کجا رنجِ چکیدن دھیم
رنگ شوائی خونِ گرم تا پریدن دھیم

"ہمارا جگر جل گیا، کب تک اُسے (آنکھوں سے) قطرہ قطرہ ٹپکنے کا دکھ دیتے رہیں۔
اے خونِ گرم رنگ بن جا تا کہ ایک ہی بار اڑا کر اس سے نجات حاصل کریں۔"

عرصۂ شوق ترا مشتِ غباریم ما
تن چون بریزد زھم، ھم بہ تپیدن دھیم

لغت: "عرصہ شوق"=منزلِ شوق۔ "از ہم ریختن"=ریزہ ریزہ ہوکر گرنا۔

"تیری منزلِ شوق میں ہماری حیثیت ایک مشتِ غبار کی ہے جب ہمارا جسم (تیری محبت میں) خاک ہوکر ریزہ ریزہ ہوجائے تو ہم اُس میں بھی تپش اور تڑپ پیدا کر کے غبار کی طرح منتشر کر دیتے ہیں۔

مرنے پر جسم تو فنا ہوجاتا ہے لیکن محبت کی تڑپ فنا نہیں ہوتی، خاک شدہ جسم غبار بن کر اڑتا ہے۔

جلوہ غلط کردہ اند رخ بکشا تاز مھر
ذرہ و پروانہ را مژدۂ دیدن دھیم

لغت: "جلوہ غلط کردہ اند"=جلوۂ حق کا غلط تصور کیا گیا ہے۔ اسی غلطی سے ذرہ

سورج اور پروانہ شمع پر مرتا ہے۔

لوگوں نے جلوۂ حق کا غلط تصور کیا ہے۔ اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دے تا کہ محبت سے ذرہ اور پروانہ دونوں کو صحیح جلوے کے دیکھنے کی خوش خبری ملے۔

ہر قدم کے افراد کا تصور خداوندی الگ الگ ہے۔ اگر وہ اپنے چہرے سے پردہ اٹھا دے تو حقیقت آشکار ہوجائے اور غلط فہمی دور ہوجائے۔

عرفی کا شعر ہے:

فقیہان دفتری را می پرستند
حرم جویان دری را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاران دیگری رامی پرستند

اسی مضمون کو عرفی ایک اور پیرائے میں یوں بیان کرتا ہے۔

آنانکہ وصفِ حسن تو تفسیر می کنند
خوابِ ندیدہ را ھمہ تعبیر می کنند

کسی کا شعر ہے۔

حرم و دیر کے جھگڑے ترے چھپنے سے پڑے
تو اگر پردہ اُٹھا دے تو توہی تو ہو جائے

سبزۂ ما در عدم تشنۂ برق بلاست
در رہ سیل بھار شرح دمیدن دھیم

لغت: "سبزۂ ما"=ہمارا وجود، ہماری ہستی جو عدم کی خاک سے سبزے کی طرح اُبھرتی ہے اور بہار آنے پر اپنا جوبن دکھاتی ہے لیکن خزاں آنے پر یا برق بلا کے گرنے سے فنا ہوتی ہے۔

گویا ہر وجود فنا آمادہ ہے۔

کہتا ہے کہ گویا ہستی عدم میں فنا آمادہ ہے۔ بہار کی رو میں بہ کرم ہم اُبھرتے ہیں اور اپنے پھولنے پھٹنے (دمیدن) کی صورتیں دکھا کر برباد ہو جاتے ہیں۔ صائب کا شعر ہے:

از بیابانِ عدم تا سرِ بازارِ وجود
بتلاشِ کفنی آمدہ عریانی چند

بوکہ بہ مستی زنیم بر سرو دستار گل
تا مئ گلفام را مزدِ رسیدن دہیم

لغت: ''بو'' = بود کا مخفف۔ شاید ہو سکتا ہے۔ ''مَی گلفام'' = شراب سرخ۔

''رسیدن مَی'' = نشے کا عروج، مستی کی پوری کیفیت۔

''بر سرو دستار گل زدن'' = سر اور دستار پر پھول سجانا، انتہائی خوشی اور نشاط کا عالم، مے را مزد رسیدان دہیم'' = یعنی شراب کے نشے کی داد دیں۔

''چاہیے کہ ہم اپنے سر و دستار پر پھول سجائیں، تا کہ عالم مستی میں شراب کے نشے کی پوری داد دے سکیں۔''

بر اثر کوہکن نالہ فرستادہ ایم
تا جگر سنگ را ذوق دریدن دہیم

کوہکن یعنی فرہاد جس نے پہاڑ کو کاٹا تھا۔ ''اثر'' = نشان، نشان پا۔

ہم فرہاد کے نقش قدم پر چل کر نالہ و فریاد کر رہے ہیں تا کہ پتھر کے جگر کو پھٹ جانے کی لذت نصیب ہو۔ پتھر سخت شے ہوتا ہے، اُسے توڑنے کے لئے فرہاد نے اپنی جان دے دی تھی۔ کہتا ہے کہ ہم اُس کے ماتم میں نالہ کناں ہیں تا کہ احساس رحم سے پتھر دل پھٹ جائے اور اُسے

محسوس ہو کہ اُس نے فرہاد پر کیا ستم ڈھایا تھا۔

اس شعر میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ ہماری فریاد محبوب کے پتھر جیسے سخت دل کو موم کر سکتی ہے۔

شیوۂ تسلیم ما بودہ تواضع طلب
در خم محراب تیغ تن بخمیدن دہیم

ہمارا شیوۂ تسلیم و رضا تواضع کا طالب ہے۔ تیغ کے محراب میں جب خم دیکھتے ہیں (یعنی خفیف سا اشارہ پاتے ہیں) تو ہم بھی گردن جھکا دیتے ہیں اور تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

دامن از آلودگی سخت گران گشتہ است
وہ کہ در آرد ز پا، بہ کہ بہ چیدن دہیم

لغت: ''از پا در آرد'' = ہمیں عاجز کر دے۔ ''وہ'' یہاں تاسف کا مفہوم دے رہا ہے۔ ''بہ'' کلمۂ تحسین۔

ہمارا دامن گناہوں کی آلودگی سے سخت بھاری ہو چکا ہے۔ اگر یہ گراں دامنی ہمیں گرا دے تو افسوس کی بات ہوگی۔ بہتر یہی ہے کہ دامن اُٹھا لیں۔

خیز کہ راز درون در جگر نی زنیم
نالۂ خود را ز خویش داد شنیدن دہیم

''اُٹھ کہ ہم اپنا راز جگر نی (بانسری) میں بھر دیں اور جب وہ فریاد کرنے لگے تو اُس کی داد دیں۔''

کہتا ہے کہ بنسری کے دل سے جو فریاد اُبھرے گی وہ ہمارے ہی درد دل کے اثر سے ہوگی۔ اس کی پرسوز آواز و فریاد سن کر داد دینا گویا اپنے ہی درد و الم کی داد دینا ہے۔

غالب از اوراق نقش ظهوری دمید
سرمۂ حیرت کشیم دیده بدیدن دهیم

کہتا ہے ہمارے اوراق (اشعار) سے ظہوری کا رنگ ٹپکتا ہے، ہم اپنی اس کامیابی کو سرمۂ حیرت لگا کر دیکھ رہے ہیں یعنی ہم کامیابی پر حیران بھی ہیں اور خوش بھی۔

❀❀❀

غزل نمبر (۱۸)

بُود بدگو ساده باخود همزبانش کرده ایم
از وفا آزردنت خاطر نشانش کرده ایم

لغت: ''ہمزبان'' = متفق الرائے۔
''وفا آزردنت'' = وفا آزردن تو یعنی تیرا وفاؤں سے آزردہ ہونا۔
''خاطر نشان'' = دلنشیں۔

ہماری برائی بیان کرنے والا (رقیب) بہت سادہ لوح واقع ہوا ہے۔ ہم نے اُسے اپنا ہمنوا بنالیا ہے اور یہ بات اُس کے دلنشیں کردی ہے کہ تو (محبوب) وفاؤں سے آزردہ ہوجاتا ہے۔

رقیب ہماری برائیاں کرتا رہتا ہے لیکن وہ سادہ بھی ہے۔ ہم نے یہ بات اس کے دل میں بٹھا دی ہے کہ محبوب وفا نا آشنا ہے۔ جو شخص اُس سے وفا کرے وہ اُس سے بگڑتا ہے۔ چنانچہ رقیب بھی بدظن ہوگیا ہے۔ اب وہ نہ ہمیں برا کہے گا اور نہ محبوب سے محبت کرنے کی جرأت کرے گا۔

بر اُمید آن که اختر در گذر باشد مگر
هرزه می گویم که باخود مهربانش کرده ام

لغت: ''ہرزہ می گویم'' = فضول، بے فائدہ بات کرتا ہوں۔
''اس امید کہ میرا ستارۂ بخت برا ہی سہی لیکن آخر بدل جائے گا، میں یونہی کہتا رہتا ہوں کہ میرا محبوب مجھ پر مہربان ہے (آخر کبھی تو مہربان ہوگا)۔

گوشۂ چشمش به بزم دلربایان بامن است
وقت من خوش باد با خود گمانش کرده ام

لغت: ''وقت من خوش باد'' = دعائیہ الفاظ ہیں، مفہوم ہے یہ میری خوش نصیبی ہے، اللہ کرے یہ اچھا وقت یونہی رہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محبوب کی طرف بے التفاتی کی جائے تو اُسے گوارہ نہیں ہوتا اور وہ یہ سمجھ کر کہ مجھ سے ہٹنا چاہتا ہے وہ عاشق کی طرف مائل ہونے لگتا ہے، اس کیفیت کو یوں بیان کیا کہ حسینوں کا مجمع ہے اور میرے محبوب کی توجہ میری طرف ہے۔ یہ اچھا ہوا کہ میں نے اُسے اپنی طرف سے بدگمان کرلیا، اس کی بدولت یہ اچھا وقت نصیب ہوا۔

جان بتاراج نگاهی دادن از عجزم شمرد
آنکه قطع ربط دامن بامیانش کرده ام

کسی کی کمر سے دامن کا بندھا ہونا، انتہائی ربط کی علامت ہے، ہم نے محبوب سے یہ رشتہ توڑ دیا۔ ہم تو محبوب کی ایک نگاہ پر جان دینے والے ہیں۔ محبوب نے ہماری طرزِ وفا کو ہماری کمزوری پر محمول کیا۔

دل ز جوش گریہ گر برخویشتن بالد رواست

قطرۂ بود است و بحر بیکرانش کردہ ام

لغت: "برخویشتن بالیدن" = آپنے آپ میں پھولے نہ سمانا۔

اگر محبت میں ہمارا دل اپنی اشک فشانیوں پر نازاں ہے۔تو بجا ہے۔یہ دل ایک قطرہ تھا ہم نے اسے بحرِ بے کراں (بے کنار سمندر) بنادیا۔

در حقیقت نالۂ از مغز جان روئیدہ است

کز برائی عذر بی تابی زبانش کردہ ام

عاشق بے تاب ہوتا ہے،اپنے دلی جذبات کے اظہار کے لئے فریاد کرتا ہے۔اسے شاعر عذر بے تابی کا نام دیتا ہے کہتا ہے کہ میرے منہ میں زبان نہیں جو فریاد کرتی ہے یہ در اصل ایک نالہ ہے جو ہماری جان کی گہرائیوں (مغز جاں) سے ابھرتا ہے۔ہم نے اپنی بے تابیوں کو چھپانے کے بہانے اسے زبان بنالیا ہے۔

بدگمان ونکتہ چین وعیب جویش دیدہ ام

امتحانی چند صرف امتحانش کردہ ام

لغت:"امتحان"=اندازہ کرنا،آزمائش کرنا۔

میں نے اپنے محبوب کو بدگماں نکتہ چیں اور عیب جو پایا ہے،یہ بات میں نے آزما کر دیکھی ہے اس آزمانے (امتحان) میں میں نے اُسے کئی طرح آزمایا ہے۔

در تلاش منصب گل چینی ام دارد ھنوز

آنکہ ساقی را بہ مستی باغبانش کردہ ام

عاشق چاہتا ہے کہ ساقی محبوب کو اتنا بدمست بنادے کہ وہ بے تکلف محبوب کے باغ حسن سے گل چینی کر سکے،لیکن محبوب کا یہ عالم ہے کہ وہ اسے یہ موقع نہیں دیتا اور عاشق بدستور اپنے منصب گل چینی کی تلاش میں ہے۔

چنانچہ کہتا ہے:

وہ شخص (محبوب) جس کے لئے مستی میں ہم نے ساقی کو اس کا باغبان (محافظ) بنایا تھا اس نے ابھی تک منصب گلچینی کی تلاش میں مصروف رکھا ہے یعنی ہم ابھی تک گلچینی حسن میں کامیاب نہیں ہوئے۔

شعر سے دونوں پہلو نکلتے ہیں۔ایک تو یہ کہ ساقی محبوب کو شراب پلانے میں محتاط ہے اور دوسرے یہ کہ محبوب جام پہ جام پینے کے باوجود ہشیار ہے۔

جوھر ھر ذرہ از خاکم شھید شیوۂ ایست

وائی من کز خود شمار کشتگانش کردہ ام

میری خاک کا ہر ذرہ اس کی (یعنی محبوب کی) ناز وادا کا شہید ہے لیکن افسوس کہ میں نے محبوب کو اپنے کشتگان ناز (عشاق) کو شمار کرنے کے کام پر لگایا ہے۔وہ بھلا مجھے کب شمار میں لائے گا۔(اور ہم اپنی زبان سے یہ بات کہہ نہیں سکتے کہ ہم کشتۂ ناز ہیں)

تانیارد خوردۂ بدمستی دوشم گرفت

بوسہ را در گفتگو مھر دھانش کردہ ام

لغت: "خوردہ گرفتن" = چھوٹی چھوٹی باتوں پر گرفت کرنا،نکتہ چینی کرنا۔

میں نے باتوں باتوں میں محبوب کا منہ چوم لیا اور گویا اس کے منہ پر مہر (خاموشی)

لگادی تا کہ وہ میری رات کی بدمستی کی حالت پر نکتہ چینی نہ کر سکے۔

مرزا غالب کی شوخی مشہور ہے۔ اسی نوعیت کا ایک اور شعر ہے:

می ربایم بوسہ و عرض ندامت میکنم
اختراعی چند در آداب صحبت میکنم

درطلب دارم تقاضائی کہ گوئی در خیال
بوسہ تحویل لب شکّر فشانش کردہ ام

لغت: "لب شکرفشان"=شکر کرنے والے لب۔ لب شریں۔

اس کے میٹھے لبوں سے بوسہ طلب کرنے کی خواہش (تقاضا) دل میں اس قدر بڑھ گئی ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ میں نے بوسے کو اسکے شریں لبوں کی تحویل میں دے دیا ہے۔

گویا چوم ہی لیا ہے۔

شاعر نے شعر میں ایک لطیف نفسیاتی کیفیت کو بڑے لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے۔

غالب از من شیوۂ نطق ظہوری زندہ گشت
از نواجان در تن ساز بیانش کردہ ام

مرزا غالب نظیری، طالب، عرفی کے ساتھ ساتھ ظہوری کے اسلوب و بیان سے بیحد متاثر تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان بزرگوں کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں۔ حسب معمول اس مقطع میں ظہوری کے اسلوب بیان اور ساتھ ہی اپنے کلام کی تحسین کی ہے۔

غالب میری شاعری سے ظہوری کا انداز بیان زندہ ہے۔

میں نے اپنے شاعرانہ نغموں (نوا) سے گویا اس کے ساز سخن میں جان ڈال دی ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۱۹)

می ربایم بوسہ و عرض ندامت می کنم
اختراعی چند در آداب صحبت می کنم

لغت: "بوسہ ربودن" "بوسہ دادن"=چومنا۔ دونوں میں فرق ہے کہ:

بوسہ ربودن"= دوسرے کی مرضی کے بغیر چپکے سے منہ چوم لینا، جو آداب صحبت کے خلاف ہے۔

"میں محبوب کا چپکے سے بوسہ لیتا ہوں اور پھر شرمساری کا اظہار کرتا ہوں (معذرت چاہتا ہوں) میں ایسا کرنے سے آداب صحبت میں کچھ جدتیں کر رہا ہوں (یوں معذرت چاہنا بھی آداب صحبت میں شامل ہے لیکن نئے انداز میں۔

ناتوانم بر نتابم صدمہ لیک از فرط آز
تا در آویزد بمن اظہار طاقت می کنم

یوں تو میں ناتواں ہو کسی طرح کا صدمہ برداشت نہیں کرسکتا، لیکن اس خیال سے کہ وہ میرے ساتھ الجھ جائے، اپنی طاقت کا اظہار کرتا ہوں۔

گوئی از دشواریِ غم اندکی دانستہ است
می کشد بی جرم و می داند مروت می کنم

وہ مجھے بے جرم ہلاک کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھ سے مروّت برت رہا ہے، شاید اُسے

غم دشواریوں کا کچھ اندازہ ہوگیا ہے۔

گویا مجھے ہلاک کر کے مجھ پر احسان کر رہا ہے۔

در تپش ھر ذرہ از خاکم سویدای دل است

ھر چہ از من رفت، ھم بر خویش قسمت می کنم

لغت: ''سویدا'' = دل پر ایک سیاہ تل۔

تڑپ میں میری خاک کا ہر ذرہ سویدای دل کی طرح ہے۔ جو کچھ میں نے کھو دیا اُسے پھر اپنے میں تقسیم کر لیا۔

یعنی عشق میں مٹ کر خاک ہوگئے لیکن اس خاک میں اب تک عشق کی تڑپ باقی ہے۔ گویا ہر ذرہ سویدای دل کی مانند ہے یعنی تڑپتا ہوا دل ہی ہے۔

زندگی کھوگئی لیکن زندگی کی تڑپ باقی ہے ہم نے اُسے سمیٹ لیا گویا کھوئی ہوئی شے کو پھر پایا۔

غافلم زآن پیچ و تاب غصہ کز غم در دل است

دل شگاف آھی بامید فراغت می کنم

لغت: ''دل شگاف آہ'' = دل کو چیر دینے والی آہ۔ ''غصہ'' = انتہائی رنج و اندوہ۔

میں اس خیال سے دل شگاف آہیں بھرتا ہوں کہ طبیعت کو سکوں اور فراغت نصیب ہوگی رنج و الم کا جو پیچ و تاب دل میں ہے اس سے غافل ہوں۔

یہ نہیں جانتا کہ ایسی آہیں اور فریادیں کرنے سے بھی، دل کی بیقراریاں کم نہیں ہوں گی۔ بلکہ اور بڑھ جائیں گی۔ غالب کا یہ شعر دیکھیے:

دل میں پھر گریے نے اک شور اُٹھایا غالب

حیف جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

رونے سے دل ہلکا نہ ہوا بلکہ جو قطرے آنکھوں سے نہیں بہے تھے اور دل میں رہ گئے تھے وہ طوفان بن کر ابھرے۔

سنگ و خشت از مسجد ویرانہ می آرم بشھر

خانۂ در کوئی ترسایان عمارت می کنم

لغت: ''ویرانہ'' اور ''عمارت'' معناً ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

''مسجد ویرانہ'' = سے شاعر کا مقصود وہ سجدہ گاہ ہے جہاں جبینیں جھکنے کو میسر نہیں آتیں البتہ آتش پرستوں یا کافروں کے معبدوں میں رونق ہے چنانچہ کہتا ہے۔

ویرانے کی مسجد سے جو گر چکی ہے پتھر اور اینٹیں اُٹھا کر لاتا ہوں اور آتش پرستوں کی گلی میں اپنے لیے گھر تعمیر کرتا ہوں کیوں کہ:

وہاں تو کوئی رونق بھی ہے یاں اللہ ہی اللہ ہے

کردہ ام ایمان خود را دست مزد خویشتن

می تراشم پیکر از سنگ و عبادت می کنم

لغت: ''دست مزد'' = ہاتھوں کی محنت مزدوری۔

میں نے اپنے ایمان کو اپنی محبت کی مزدوری بنالیا ہے، خود ہی پتھر تراشتا ہوں اور پھر خود اسی کی عبادت کرتا ہوں۔

کسی معبود پر ایمان لانے کا کم از کم یہ حاصل تو ہو کہ اُسکا قرب نصیب ہو جائے۔ اپنے

ہاتھوں کے ایک تراشے ہوئے بت کا قرب تو میسر آتا ہے۔

اور بت پرست پتھر کی مورتی کو نہیں پوجتے وہ اس کے پردے میں خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں۔

چشم بد دور التفاتی درخیال آوردہ ام
ھرچہ دشمن می کند با دوست نسبت می کنم

خدا نظرِ بد سے بچائے میرے ذہن میں التفات (محبوب) کا ایک نیا تصور آیا ہے۔
وہ یہ کہ جو کچھ دشمن ہم سے کرتا ہے اُسے ہم دوست سے منسوب کر لیتے ہیں۔
چوں کہ رقیب کی دشمنی بھی محبوب ہی کے باعث ہے اس لئے اس دشمنی اور دشمن کی رغبت یا علاقے کو جو اسے ہم سے پیدا ہو جاتی ہے، دوست ہی کا التفات قرار دیتے ہیں۔

دست گاہِ گل فشانی ھای رحمت دیدہ ام
خندہ بر بی برگی توفیق طاقت می کنم

لغت: ''دستگاہ'' = سامان اور دولت وثروت ''بے برگی'' = بے سروسامانی۔
میں نے اللہ تعالی کی رحمت کی گلفشانیوں کے سرمایے کی فراوانیاں دیکھی ہیں (جو ہر کس وناکس پر برتی ہیں اور بے پناہ برتی ہیں) اس لئے ان لوگوں کے بے بضاعتی اور بے سروسامانی پر ہنسی آتی ہے جو محض اپنی زندگی (طاعت) کی توفیق کے سہارے اس کی رحمت کے طلب گار ہیں (اور محروم ہیں)۔

زنگ غم ز آئینہ دل جز بمی نتوان زدود
دردم از دھر است و باساقی شکایت می کنم

زدودن = صاف کرنا۔

شراب کے سوا غم کے زنگ کو آئینہ دل سے صاف نہیں کیا جاسکتا۔ میرے دکھ زمانے کے دیئے ہوئے ہیں لیکن ان دکھوں کی شکایت ساقی سے کرتا ہے۔
شکایت اس بات کی کہ ساقی اتنی شراب نہیں پلاتا کہ ان سب دکھوں کا مداوا ہو سکے۔

غالبم غالب، ھم آئین برنتابم در سخن
بزم برھم می زنم چندان کہ خلوت می کنم

غالب کو اپنی شاعرانہ انفرادیت کا شدید احساس تھا دوسروں کا ہم آئیں (ہمنوا) ہونا اُسے گوارانہ تھا اُس کی بھی انفرادیت گویا اس کی خلوت تھی کہ دوسروں سے الگ تھلگ تھا لیکن وہ جتنا دوسروں سے الگ راہ اختیار کرتا (دوسرے الفاظ میں خلوت نشیں ہوتا) اُتنا ہی ہمنواؤں اور ہم عصروں کی محفل میں تہلکہ مچادیتا اور اُن کی بزم کو درہم برہم کر دیتا۔

❁❁❁

غزل نمبر(۴۰)

صبح شد، خیز کہ روداد اثر بنمایم
چہرہ آغشتہ بخونناب جگر بنمایم

صبح ہوگئی، اُٹھ کہ اب فراق کی رات (روداد اثر) میں جو کچھ مجھ پر گزری ہے اُسے ظاہر

کروں اور خون ناب جگر سے لتھڑا ہوا چہرہ دکھاؤں۔ (رات بھر خون کے آنسو بہاتے رہے)۔

پنبہ یک سونہم از داغ کہ رخشد چون روز

آخری نیست شبم را کہ سحر بنمایم

لغت: "داغ زخم" = زخم "پنبہ" = روئی، سفید روئی کا پھاہا جو زخم پر رکھتے ہیں۔

میں اپنے زخم سے روئی کا پھاہا ہی ہٹاؤں کہ وہی داغ ہی دن کی طرح چمکے کیوں کہ رات کے ختم ہونے اور صبح طلوع ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

خویشتن را دگر از گریہ نگہداشت بہ زور

جگرِ خستہ خود آن بہ کہ دگر بنمایم

جگر نے پھر ایک بار ضبط سے اپنے کو رونے اور خون بہانے سے روکے رکھا۔ اب جگر خستہ کو کسی اور انداز میں ظاہر کرنا چاہیے۔

یعنی یہ ضبط کی حالت کب تک قائم رہے گی۔ غم کی حالت کے اظہار کی اب کوئی صورت ہو کہ دل ہلکا ہو جائے۔

حدِ من نیست کہ بنمائمش، آری از دور

بامن آ تا سرِ آن راہگذر بنمایم

مجھ سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ محبت کی دشوار رہگذر (میں جو کچھ گزرتی ہے وہ) تمہیں دکھا سکوں۔ البتہ میرے ساتھ آ تا کہ دور اس رہگذر کے آغاز کی نشان دہی کروں۔

می کند ناز گمان کردہ کہ خط دیر دمد

خیز تا شعبدۂ جذبِ نظر بنمایم

محبوب ناز کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اُس کے چہرے پر خط ابھی دیر میں ظاہر ہو گا۔

آ تجھے اپنے جذب نظر کا شعبدہ دکھاؤں کہ میں اس سبزۂ خط کو ابھرتا دیکھ رہا ہوں۔

آتش افروختہ و خلق بحیرت نگران

رخصتی دہ کہ بھنگامہ ھنر بنمایم

محبوب کا حسن بھڑکتی ہوئی آگ ہے اور لوگ (دور سے) حیرت زدہ ہو کر اُسے دیکھ رہے ہیں اجازت دو کہ میں اِس ہنگامے میں اپنا ہنر دکھاؤں۔

یہ ہنر صرف حسن درخشاں کو دیکھنے کی تاب لانے تک محدود نہیں بلکہ پروانہ وار اُس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جل جانا بھی شامل ہے۔

چون بہ محشر اثر سجدہ ز سیما جویند

داغ سودای تو ناچار ز سر بنمایم

جب قیامت کے دن لوگوں (اطاعت گذاروں) کی پیشانیوں سے سجدوں کے نشان طلب کیے جائیں گے تو مجھے بھی چار و ناچار اپنے سر میں پوشیدہ تیری محبت کا داغ جنوں دکھانا پڑے گا۔

یعنی میں عبادت کی ظاہری رسوم کا پابند نہیں۔ مجھے تمہاری ذات سے محبت ہے اور اس محبت کے پوشیدہ داغ، پیشانی کے عوض سر میں موجود ہیں اور وہی میرا سرمایۂ عبودیت ہیں۔ میں نے ظاہری سجدہ ریزیاں نہیں لیکن تم سے محبت کی ہے (خدا سے خطاب ہے)۔

دلربایانه بزندان همه روزم گزرد

بسکه خود را بتو از روزنِ در بنمایم

زنداں میں میرا سارا وقت بڑے دلربایانہ انداز میں گذرتا ہے کہ روزن در سے اپنے آپ کو تمہیں دکھانے کا موقع ملتا ہے۔

برقم سنج یسار تو زنم بانگ به حشر

کش رضانامۂ خون های هدر بنمایم

لغت: ''یمن و یسار'' = دائیں اور بائیں۔

''رقم سنج'' = لکھنے والا مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔

''رقم سنج یسار'' = بائیں طرف لکھنے والا یعنی گناہ درج کرنے والا۔

''خون ہدر'' = وہ خون جو ضائع ہو جائے۔ جو قابل توجہ نہ سمجھا جائے۔

''کش'' کہ اُو را (ش کا مرجع فرشتۂ یسار) اللہ سے خطاب کر کے کہتا ہے۔

قیامت کے روز میں انسانی گناہوں کو درج کرنے والے فرشتے کو پکاروں گا اور اُسے خون رائگاں کے رضانامے دکھاؤں گا۔

یعنی اس فرشتے نے ہماری برائیاں تو درج کر لیں لیکن محبت میں جو ہم نے اپنا خون بہایا اور کوئی صلہ بھی نہ پایا اُسے نہ دیکھا بلکہ اُسے بھی بدیوں میں شمار کیا حالانکہ یہ سب کچھ محبوب کی رضامندی سے ہوا۔

غالب! این لعب به گل مهره رضاجوئی تست

تو خریدار گهر باش گهر بنمایم

لغت: ''لعب'' = کھیل ''گل مہرہ'' مٹی کا مہرہ

غالب! مٹی کے مہروں کے ساتھ میرا شغف محض تیری رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے ہے ورنہ اگر تو موتی کا خریدار ہو تو موتی بھی دکھا سکتا ہے۔

ماحول کی ناسازگاری کے باعث کبھی کبھی فنکار کو اپنے بلند مقام سے نیچے بھی اترنا پڑتا ہے، ورنہ اگر خریدار ہو تو اُس کے پاس قیمتی جواہر ریزے بھی ہوتے ہیں۔

❁❁❁

غزل نمبر (۲۱)

تا به کی صرف رضا جوئی دلها باشم

فرصتم باد کزین پس همه خود را باشم

لغت: ''تا بہ کی'' = کب تک (اردو میں بھی رائج ہے)۔

''فرصتم باد'' = خدا مجھے موقع نصیب کرے۔

میں آخر کب تک دوسروں کی دل جوئی اور خوشنودی میں مصروف رہوں۔ چاہتا ہوں موقع ملے تو اس کے بعد کچھ اپنے لئے بھی زندہ رہوں اور اپنی طرف بھی دھیان دوں کیوں کہ زندگی پر کچھ حق میرا بھی ہے۔

گاه گاه از نظرم مست و غزل خوان بگذر

ورنه بر عهدهٔ من نیست که رسوا باشم

کبھی کبھی میرے سامنے سے مست ہو کر غزل خوانی کرتا ہوا گزر، ورنہ یہ صرف میرا ہی منصب نہیں ہے کہ تمہاری محبت میں رسوائی سمیٹتا رہوں۔ کچھ تیری بھی تشہیر ہونی چاہیے اور میری رسوائیوں کا بھی صلہ ملنا چاہیے۔

سخت جانانِ تو درپاس غم اُستاد خود اند
شرر از من نجهد گر رگِ خارا باشم

لغت: ''سخت جان'' = جو دکھ اور غم میں ڈوبے رہیں اور پھر بھی آسانی سے جان نہ دیں۔

محبوب سے کہتا ہے کہ:

تیرے سخت جان اپنے غم محبت کی ناموس کی پاسداری میں بڑے ماہر ہیں۔ میں اگر پتھر بھی ہوں تو میری رگوں سے آتش غم کی چنگاریاں باہر نہیں آئیں گی۔ ضبط سے کام لوں گا۔

بادلِ چون تو ستم پیشۂ داور نشناس
چه کنم گر همه اندیشۂ فردا باشم

میں تیرے جیسے کے ساتھ کیسے نبٹ سکتا ہوں کہ تو ستم پیشہ ہے تو نے میری زندگی تلخ کی ہوئی ہے اور تجھے احساس تک نہیں۔ اب اگر فردائی قیامت پر بھروسا کروں کہ وہاں انصاف طلب کروں گا تجھ پہ اس کا کیا اثر کہ تو سرے سے خدا کو نہیں مانتا (خدا نشناس ہے)۔

حسرتِ روئی ترا حور تلافی نکند
از تو آخر بچه امید شکیبا باشم

تجھے دیکھنے کی حسرت حور کو دیکھ کر بھی دور نہیں ہوسکتی۔ آخر تو ہی بتا دے کہ پھر کس امید پر صبر کروں۔

هوش پرکار کشای ورقِ بی خبری است
گم شوم از خود در نقشِ تو پیدا باشم

ہوش ہی بے خبری کے ورق کو نقش و نگار بخشتا ہے۔

میں اپنے آپ سے کھو جاتا ہوں اور تجھ میں سما کر نمایاں ہوتا ہوں۔

یعنی جب سے میرا احساس بیدار ہوا ہے میں دنیا اور اپنے آپ سے بے خبر ہو گیا ہوں۔ اس بے خبری کی کیفیت نے مجھے اپنے سے بھلا دیا لیکن حقیقت میں بیدار بحق ہوا اور پھر مرا صحیح نقش ابھرا۔

گویا میرا وجود حق کے سوا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

باچنین طاقتم آیا که برین داشت که من
طرفِ فتنۂ دهائی توانا باشم

لغت: ''طرف باشم'' = مقابل یا حریف بنوں۔

''چنین طاقت'' = ایسی طاقت ضعیف (ضعف)۔

ایسی کمزور طاقت کے ہوتے ہوئے آخر کس نے مجھے اس پر اُکسایا کہ میں توانا دلوں کا مقابلہ کروں یعنی ہر چند کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں لیکن محبت کے دکھ سہنے میں بڑے بڑے تواناؤں کا حریف ہو سکتا ہوں او یہ حوصلہ مجھے تیری محبت ہی کا عطا کردہ ہے۔

در کنارم خز و ز آلائش دامن مهراس
تاب آن کو که ترا یابم و خود را باشم

لغت: ''خز'' = مصدر خزیدن سے فعل امر ہے یعنی سما جا۔ مہراس = نہ ڈر۔

میرے آغوش میں سما اور میری آلودہ دامنی سے نہ ڈر۔ مجھ میں اتنی تاب کہاں کہ تجھے پالوں اور پھر اپنے آپ میں رہوں۔

ہم چو آن قطرہ کہ برخاک فشاند ساقی
دورم از کنج لبت گر ہمہ صہبا باشم

اگر سرتاپا شراب بھی ہوں تو تیرے گوشہ لب سے دور رہ کر میں اُس قطرۂ مے کی طرح ہوں جسے ساقی خاک پر گرادیتا ہے۔ یعنی مری ہستی بے کار شے ہے جب تک تو مجھے قبول نہ کرے۔

قبلۂ گم شدگانِ رہ شوقم غالب
لا جرم منصبِ من نیست کہ یکجا باشم

غالب! میں راہ شوق میں بھٹک جانے والوں کا قبلہ (رہنما) ہوں۔ بے شک میرا منصب یہ نہیں کہ ایک جگہ پر مقیم رہوں۔

❁❁❁

غزل نمبر(۲۲)

دگر نگاہِ ترا مست ناز می خواہم
حسابِ فتنہ ز ایام باز می خواہم

ایک بار پھر تیری نگاہوں کو مست ناز دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ زمانے (ایام) سے اس کے پیدا کیے ہوئے فتنوں کے بارے میں باز پرس کروں۔

چاہتا ہوں کہ تو ایک بار پھر لطف و محبت کی نظر میری طرف کرے تاکہ تیری بے التفاتیوں کے باعث زمانے نے جو جور و ستم ہم پر ڈھائے ہیں اُن کی تلافی ہو سکے۔

وفا خوش است، اگر داغِ ہم فنی نہ بود
زبانہ ہای سمندر گداز می خواہم

لغت: ''زبانہ''=شعلہ۔ ''سمندر''= وہ کیڑا جو آگ ہی میں پرورش پاتا ہے۔
''ہم فنی''= ہم فن ہونا، ایک دوسرے کا حریف ہونا، ہم پیشہ ہونا۔

وفا اچھی ہے اگر دل پر کسی ہم پیشہ یعنی حریف یا رقیب کا داغ دل پر نہ ہو (یعنی دوسرا ہماری محبت میں شریک نہ ہو)

میں تو ایسی میں آتش عشق چاہتا ہوں جو سمندر کو بھی جلادے۔

سمندر (آگ کا کیڑا) وفا کی آگ میں جلتا نہیں، پھلتا پھولتا ہے۔ میں اگر آتش عشق میں پڑوں تو وہ اتنی تیز ہو کہ سمندر کو جلا دینے والی ہوتا کہ میں جل سکوں اور سمندر کے داغ رقابت سے بچوں۔

داغ کا سادہ شعر اسی قسم کے جذبے کی ترجمانی کرتا ہے:

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کہ رہے یا شب فرقت میری

گذشتم ازگلہ در وصل، فرصتم بادا
زبان کوتہ و دستِ دراز می خواہم

میں وصل میں گلے شکووں سے درگزرا، چاہتا ہوں اب کے وصل نصیب ہو تو زبان کوتاہ (کم گوئی) ہو اور ہاتھ دراز (یعنی شوق کو جرأت رندانہ کا موقع ملے)۔

گرفته خاطر از اسباب و سرخوشی باقی است
ترانهٔ که نگنجد بساز، می خواهم

سرخوشی کے اسباب ہی کچھ ایسے ہیں جس سے دل اُکتا گیا ہے ورنہ سرور و نشاط باقی ہے میں تو ایسا نغمہ چاہتا ہوں جو ساز نہ سما سکے۔

یعنی ایسا نغمہ چاہتا ہوں جو محتاج ساز نہ ہو۔

وہ چیز جو اسباب سے حاصل ہو بے کیف ہوتی ہے اس لئے کہ ہر شخص انہی اسباب کے ذریعے تمتع حاصل کرتا ہے۔ ہم تو کوئی جدت چاہتے ہیں۔ اور دنیاوی کیفیتیں تو فرسودہ ہو چکی ہیں۔

دوئی نا ماندہ و من شکوہ سنج، اینت شگفت
میانهٔ تو و خویش امتیاز می خواهم

مجھ میں اور محبوب میں کوئی فرق نہیں رہا، اور میں پھر لبریز شکایت ہوں، یہ عجیب بات ہے (کہ میں وصل ہونے پر بھی) چاہتا ہوں کہ تیرے اور میرے درمیان امتیاز قائم رہے۔

عاشق اپنی انفرادیت کو کھو دینا نہیں چاہتا۔

برون میا، که هم از منظرِ کنارهٔ بام
نظارهٔ ز درِ نیم باز می خواهم

محبوب سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ:

باہر نہ آ کہ بام کی نظارہ گاہ سے بھی اس طرح تجھے دیکھوں جیسے کسی در نیم باز سے کسی کو دیکھا جاتا ہے (کیوں کہ اس میں ایک خاص لذت ہوتی ہے)۔

چو نیست گوش حریفان سزای آویزه
همان نسفته گهرهای راز می خواهم

چوں کہ میرے حریفوں کے کان کسی آویزے کے شایاں نہیں، اس لئے میں اسرار شعر کے ایسے موتی چاہتا ہوں جو چھدے ہوئے نہ ہوں۔

جب لوگ میرے کلام کو سننے اور سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے تو اُن کے حضور شعر کہنا لاحاصل ہے۔

زمانه خاکِ مرا در نظر نمی آرد
ز نقشِ پای تو اش سرفراز می خواهم

دنیا میری خاک نظر میں نہیں لاتی، میں اُسے تیرے نقش پا سے سرفراز کرنا چاہتا ہوں۔

همین بس است که میرم ز رشک خواهش غیر
ز عرضِ ناز ترا بی نیاز می خواهم

میں تجھے ناز کی نمائش سے بے نیاز چاہتا ہوں کہ کہیں اس سے رقیب کو تری خواہش پیدا ہو اور یہ بات مرے لئے بڑی اذیت کا باعث ہے۔

وکیل غالب خونین دلم، شفارش نیست
به شکوه تو زبان را مجاز می خواهم

میں غالب خونیں دل کا خود وکیل ہوں، مجھے کسی سفارش کی ضرورت نہیں میں صرف زبان کو ترا شکوہ کرنے کا جواز چاہتا ہوں۔

غزل نمبر(۲۳)

زمن حذر نہ کنی گر لباس دین دارم
نھفتہ کافرم و بت در آستین دارم

اگر میں نے ظاہر میں دین داروں سالباس پہنا ہوا ہے تو مجھ سے پرہیز نہ کر کیوں کہ میں پوشیدہ طور (دراصل) کافر ہوں اور میں نے اپنی آستیں میں بت چھپا رکھا ہے۔

اس شعر میں محبوب سے شوخی سے بات کرنے کے علاوہ عام منافق زاہدوں پر طنز بھی ہے جو بقول حافظ:

چو بخلوت می روند آن کار دیگر می کنند

ز مردین نبود خاتمِ گدا، دریاب
کہ خود چہ زہر بود کان تہِ نگین دارم

لغت: "خاتم" = انگوٹھی۔ "نگین" = انگوٹھی کا نگینہ۔

عام عقیدے کے مطابق زہر کا رنگ سبز سمجھا جاتا ہے۔ زمرد کا رنگ سبز ہوتا ہے۔

ایک گدا کی انگوٹھی زمرد کی نہیں ہوتی، یہ جان لے کہ اس نگینے کے نیچے کیا زہر پوشیدہ ہے۔

اگر بہ طالعِ من سوخت خرمنم چہ عجب
عجب ز قسمت یک شھر خوشہ چین دارم

اگر میرے (برے) نصیبے کے ہاتھوں میرا خرمن جل گیا ہے تو کوئی عجیب بات نہیں، عجیب بات تو یہ ہے کہ ایک شہر میرے خرمن کا خوشہ چین ہے۔

غالب کی بدنصیبی ضرب المثل ہے یہ کوئی نئی یا تعجب کی بات نہیں۔ تعجب تو اس بات کا ہے کہ سب اُس کے بلند افکار کے خوشہ بردار تھے اور اس کا اکتساب فیض کرتے تھے۔

نشستہ ام بگدائی نہ شاھراہ ھنوز
ھزار دزد بھر گوشہ در کمین دارم

خوش شاہراہ (زندگی) پر بیٹھا ہوا ہوں اور ہزاروں چور ہیں جو ہر طرف کمینگاہوں میں چھپے ہوئے تاک لگائے بیٹھے ہیں زندگی میں میرا یہ حال ہے اور لوگ مجھ سے میری متاع افکار لوٹنے کے درپے ہیں۔

ز وعدہ دوزخیان را فزون نیاز ارند
توقعی عجب از آہِ آتشین دارم

کلام الٰہی کی رو سے گنہ گاروں کو اُن کے گناہوں کے مطابق عذاب ہوگا اور اُس سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اس اعتبار سے کہتا ہے:

وعدے کے مطابق دوزخیوں کو زیادہ عذاب نہیں دیا جائے گا۔ میں اپنی آہ آتشیں سے عجیب توقع لگائے بیٹھا ہوں۔

یعنی گنہ گار ہوں اور ان گناہوں کے باعث آہ آتشیں میں جل رہا ہوں، یہی میرے لئے دوزخ ہے۔ بعد از مرگ اس سے زیادہ عذاب اور کیا ہوگا۔ توقع اس بات کی ہے۔

غالب کا یہ شعر دیکھیے:

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں

تُرا نہ گفتم اگر جان و عمر، معذورم
کہ من وفای توباخویشتن یقین دارم

اگر میں نے تمہیں جان اور زندگی نہ کہا تو اس بات میں معذور ہوں کیوں کہ میں تم سے وفا کی توقع رکھتا ہوں (جان اور زندگی تو وفا نہیں کرتیں)۔

بہ مطلعم بود آہنگ زلہ بندی مدح
ز قحط ذوقِ غزل خویش را برین دارم

لغت: ''آہنگ'' = ارادہ۔
''زلہ بندی'' = ''زلہ'' وہ ریزے جو دستر خوان سے بچ رہیں۔ یہاں افکار کی ریزہ بندی مراد ہے شاعر ایک اور مطلع کہنا چاہتا ہے جو مدح حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں ہے۔ کہتا ہے:
چوں کہ غزل کے ذوق کا قحط ہے، میرا ارداہ یہ ہے کہ ایک مطلع لکھوں اور اُس میں اپنے افکار کے ریزے چن کر مدح کا رنگ بھروں۔

طلوعِ قافیہ مطلع از جبین دارم
بہ ذکرِ سجدۂ شہ حرف دلنشین دارم

''شہ'' = سے مراد حضرت علی ہیں۔
میں نے مطلع میں جبیں کے لفظ کو بطور قافیے کے انتخاب کیا ہے اس لئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے سجدۂ نیاز پیش کرنا چاہتا ہوں اور اُن کا ذکر ایک حرف دلنشین ہے۔

علیؓ عالیِ اعلیٰ کہ در طوافِ درش
خرام برفلک و پائی بر زمین دارم

وہ علیؓ عالی مقام کہ جن کے دروازے کا طواف کرتے ہوئے میرے پاؤں تو زمین پر ہوتے ہیں۔ لیکن خرام آسمان پر (اور پھرتا آسمان پر ہوں)۔

از آنچہ بر لبِ اُو رفتہ در شفاعت من
فسانۂ بہ لب جوئی انگبین دارم

میری شفاعت کے بارے میں جو کچھ اُن کے لبوں پر آیا ہے اس کے مقابلے میں جنت کی انگبیں (شہد) ایک فسانہ ہے۔

بہ دشمنان بخلاف و بدوستان ز حسد
بحکم مہرِ تو با روزگار کین دارم

لغت: ''بحکم مہر تو'' = تیری محبت کے باعث۔
تیرے محبت کے باعث زمانہ مجھ سے برسرِ پیکار ہے۔ دشمن اس لئے مخالف ہیں کہ میرے دل میں علی کرم اللہ وجہہ کی اتنی محبت کیوں ہے اور دوست اس لئے حسد کرتے ہیں کہ وہ اس جذبۂ محبت سے محروم ہیں۔

بکوثر از تو کرا ظرف بیش، قسمت بیش
بیادہ خوئی کنم، عقل دربین دارم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں عقیدہ ہے کہ وہ ساقی کوثر ہوں گے۔

جتنا کسی کا ظرف ہوگا اتنی ہی شراب آپ (حضرت علی کرم وجہہ) کی طرف سے ملے گی۔ میں دور اندیش ہوں اور عقل دوربین رکھتا ہوں اس لئے اپنے میں پہلے سے شراب نوشی کی عادت پیدا کرتی ہے کہ حصۂ وافر ملے اور زیادہ پی سکوں۔

جواب خواجہ نظیری نوشتہ ام غالب

خطا نمودہ ام و چشم آفرین دارم

لغت: ''چشم داشتن'' = امید رکھنا۔

''چشم آفرین دارم'' = شاباش کی توقع رکھتا ہوں۔

مرزا غالب نے یہ غزل نظیری کی زمین میں کہی ہے۔ اس غزل میں ایک بہت خوبصورت شعر ہے:

مرا بہ سادہ دلی ھای من توان بخشید

خطا نمودہ ام وچشم آفرین دارم

محبوب حقیقی سے خطاب کرتا ہے مجھے میری سادگی کی وجہ سے بخش دیا جاسکتا ہے کہ میں نے خطائیں کی ہیں اور پھر داد کا طلب گار ہوں مرزا نے اس غزل کے دوسرے مصرعے کو استعمال کیا۔ کہتا ہے کہ میں نے یہ غزل نظیری کی غزل کے جواب میں کہی ہے دیکھو ایک تو غلطی کی ہے اور پھر داد بھی چاہتا ہوں۔ اس میں ''جواب غزل'' کے الفاظ بڑے اہم ہیں جواب غزل کہنے میں صرف مقابلہ ہی مقصود ہی نہیں ہوتا۔ بہتر غزل کہنے کا پہلو بھی پنہاں ہوتا ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۲۴)

بیا کہ قاعدۂ آسمان بگردانیم

قضا بگردشِ رطل گران بگردانیم

یہ غزل مرزا غالب کی مشہور ترین غزلوں میں سے ہے اور غزل مسلسل ہے۔ اس سے اُن کی سوچ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

لغت: ''رطل گران'' = شراب کا بڑا پیالہ۔

کہا جاتا ہے کہ گردش آسماں انسانی زندگیوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

محبوب سے خطاب کرکے کہتا ہے:

آ کہ آسمان کے قاعدے کے بدل ڈالیں، شراب کا بڑا پیالہ گردش میں لائیں اور نظام قضا کو درہم برہم کردیں۔ (ایک ایسی دنیا وجود میں لائیں جو ہمارے موافق ہو)۔

بیا تا گل برافشانیم و مَی در ساغر اندازیم

فلک را سقف بشگافیم وطرح نو در اندازیم   حافظ

ز چشم و دل بہ تماشا تمتع اندوزیم

ز جان و دل بہ مدارا زیان بگردانیم

اس منظر سے تو اور میں دل اور آنکھوں کو لذت اندوز کریں اور ہماری جان و دل کو جو جو دکھ (زیاں) پہنچے اُن کی تلافی کریں اور جی بھر کر خوش ہوں۔

بگوشۂ بنشینیم و در فراز کنیم

بکوچہ برسرہ پاسبان بگردانیم

ایک گوشے میں دونوں بیٹھ جائیں اور دروازہ بند کردیں اور گلی میں پاسبان کو پاسبانی پر لگائیں (تاکہ ہماری اس خلوت میں کوئی مُخل نہ ہو)۔

اگر ز شحنہ بود گیر و دار نندیشم
و گر زشاہ رسد ار مغان، بگروانیم

اگر کوتوال کی طرف سے کوئی گرفت ہو تو ہم بے خوبر ہیں اور اگر ایسے میں بادشاہ بھی کوئی تحفہ بھیجے تو اُس تحفے کو لوٹادیں۔

اگر کلیم شود ھمزبان سخن نہ کنیم
و گر خلیل شود مھمان بگردانیم

لغت: ''کلیم = حضرت موسیٰؑ کا لقب ہے کہ وہ طور پہ اللہ سے ہم کلام ہوئے تھے۔ اُن کا لقب بھی اسی لیے کلیم اللہ ہے۔ حضرت ابراہیم کی مہمانوازی معروف ہے اور اس کا تذکرہ توریت میں ہے۔

اگر کلیم ہم سے ہم کلام ہونا چاہیں تو ہم بات نہ کریں اور اگر خلیل ہمارے مہمان ہونا چاہیں تو انہیں بھی واپس بھیج دیں۔

گل افگنیم و گلابی بہ رھگذر پاشیم
می آوریم و قدح درمیان بگردانیم

گل پاشی کریں اور راستے میں گلاب چھڑکیں۔ شراب لاکر جام کو گردش میں لائیں۔

ندیم و مطرب و ساقی ز انجمن رانیم
بہ کاروبار زنِ کاردان بگردانیم

اس مختصراسی محفل سے ندیم (ہم مشرب) مغنی اور ساقی سب کو نکال دیں اور کام کاج کے لیے ایک ایسی عورت کو متعین کریں جو اس طرح کی صحبتوں کے رموز وآداب سے واقف ہو۔ غرض:

جھانی مختصر خواھم کے در وی
ھمین جائی من و جائی تو باشد

گھی بہ لابہ سخن با ادا بیامیزیم
گھی بہ بوسہ زبان در دھان بگردانیم

کبھی خوشامد کی باتوں میں بھی حسین انداز (ادائیں) پیدا کریں، کبھی بے تکلف ایک دوسرے کا منہ چوم لیں اور پھر چٹخارے لیں۔

خوشامد میں لطیف اشارہ بوسہ طلب کرنے کی طرف ہے۔

نھیم شرم بہ یک سو و باھم آویزیم
بہ شوخی کہ رخِ اختران بگردانیم

پھر شرم وحجاب ایک طرف رکھ دیں اور (بے اختیاری کے عالم میں) ایک دوسرے سے لپٹ جائیں اس شوخی اور بے باکی سے کہ ستارے اپنا منہ موڑ لیں۔

ز جوش سینہ سحر را نفس فروبندیم
بلای گرمی روز از جھان بگردانیم

ہمارے سینے میں سانس جوشِ محبت سے یوں اچھل رہا ہو کہ صبح کا سانس رک جائے (صبح کی ہوا بند ہو جائے یعنی صبح طلوع ہی نہ ہو) اور دنیا سے دن کی گرمی کی مصیبت ٹل جائے۔

شبِ وصال کو اتنا طویل کر دیں کہ صبح نمودار ہی نہ ہو۔

بوہم شب ہمہ را در غلط بیاندازیم
ز نیمہ رہ رمہ را با شبان بگردانیم

(وصل کی رات کا سماں یوں طاری کر دیں کہ ہم تو درکنار دوسرے دھوکا کھا جائیں)

سب لوگوں کو یہ غلط تصور دیں کہ وہ سمجھیں رات ہے، یہاں تک کہ گلہ بان جو ریوڑ لے کر (صبح سے ذرا پہلے) باہر میدان کو جا رہے ہوں آدھے راستے سے لوٹ جائیں۔

اس شعر میں علاوہ اور محاسن کلام کے موسیقی کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ خصوصیت سے ہمہ اور رمہ کے ہموزن الفاظ لطیف و حسین کیفیت پیدا کر رہے ہیں۔

بہ جنگ باج ستانانِ شاخساری را
تہی سبد ز درِ گلستان بگردانیم

لغت: ''باج'' =خراج۔ باج ستانان شاخسار'' = ٹھنیوں سے پھول چننے والا (باغبان)۔

''سبد''=ٹوکری۔

صبح کو درختوں کی شاخوں سے پھول چننے والوں کو سختی سے روک دیں تاکہ وہ خالی ٹوکری لے کر باغ کے دروازے ہی سے واپس ہو جائیں۔

ایک تو رات کا تصور کر کے اور دوسرے اس لئے کہ باغ کی ساری شادابیاں اب

ہماری ہیں، اُن کی نہیں ہیں۔

بہ صلح بال فشانان صبحگاهی را
ز شاخسار سوی آشیان بگردانیم

لغت: ''بال فشانان'' = پرندے جو صبح کو اڑنے کے لئے پر پھڑپھڑاتے ہیں۔

پرندوں کو جو صبح کے وقت گھونسلوں سے نکل کر شاخوں پر اُڑنے کے لئے آمادہ ہوں اُنہیں دوبارہ گھونسلوں کی طرف صلح و آشتی کے ساتھ بھیج دیں۔

باغبانوں کو تو جھگڑا کر کے نکالا جا رہا ہے لیکن پرندوں کا کچھ پاس خاطر ہے اس واسطے اُن کے لئے صلح و آشتی کا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔

ز حیدریم من و تو زما عجب نبود
گر آفتاب سوی خاوران بگردانیم

لغت ''حیدر'' =حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اشارہ کر کے سورج کو مشرق کی طرف لوٹا دیا۔

''خاوران''=مشرق۔

میں اور تو حیدر سے وابستہ ہیں، اگر ہم آفتاب کا رخ مشرق کی طرف پھیر دیں تو یہ کوئی عجیب بات نہ ہوگی۔

بمن وصالِ تو باور نمی کند غالب
بیا کہ قاعدۂ آسمان بگردانیم

دو دوستوں کا ملنا یا عاشق و معشوق کا وصال مشکل بات ہے، آسمان کی گردش (حالات) ہمیشہ اُڑے آتی ہے۔ کہتا ہے: غالب کو میرے اور تیرے وصال کا یقین نہیں آتا (اس لئے یہ قاعدۂ آسماں ہے) آ مل جائیں اور آسماں کے اس کہنہ آئین کو یکسر بدل دیں۔

❀❀❀

غزل نمبر (۲۵)

رفت برما آنچه خود ما خواستیم
وایه از سلطان به غوغا خواستیم

لغت: ''وایہ'' = آرزو، خواہش، مقصود۔

ہم پر وہی کچھ گزرا جو ہم خود چاہتے تھے، بادشاہ سے شور و غوغا کر کے اپنی حاجت چاہی۔ انسانوں کو جو کچھ ملتا ہے وہ عطیہ الٰہی ہے۔ اللہ کی رحمت جس کو جس طرح چاہے نوازے اور بے استحقاق دے۔ ہم نے اپنی بھرپور خواہشوں کو پورا کرنے کا تقاضا کیا اور محروم رہے۔ ہم اپنی محرومیوں کے خود ہی ذمہ دار ہیں۔

دیگران شستند رختِ خویش و ما
تریِ دامن ز دریا خواستم

اوروں نے تو سمندر کے پانی سے اپنا جامہ دھولیا (اور پاک صاف ہوگئے) ہم نے

سمندر سے فقط تردامنی، چاہی (اپنے دامن کو آلودہ کرلیا۔ اس میں سمندر کا کیا قصور؟)۔

دانش و گنجینه پنداری یکی است
حق نهان داد آنچه پیدا خواستیم

سمجھ لے کہ عقل و دانش اور زر و مال دونوں ایک ہیں۔ یعنی دونوں عطیۂ ایزدی ہیں ہاں زر و مال ایسا عطیہ ہے کہ نظر آتا ہے۔ عقل و حکمت کا عطیہ چپکے سے عطا ہوتا ہے۔ ہم نے جو کچھ ظاہراً مانگا تھا وہ پوشیدہ طور پر ملا۔ اس شعر میں اپنی محرومی کا لطیف اشارہ بھی ہے اور اس بات کا اشارہ بھی کہ دانش و حکمت بہر طور پر بہتر عطیہ ہے جس سے دولت مند محروم ہیں۔

چو بخواهش کارها که کردند راست
خویش را سر مست و رسوا خواستیم

قدرت نے ہر انسان کی خواہش کے مطابق کاموں کو ترتیب دیا، ہم نے سرمستی اور رسوائی کی خواہش کی وہ ہمیں مل گئی۔ (اب گلہ کس بات کا)۔

غافل از توفیق طاعت کآن عطاست
مزدِ کار از کار فرما خواستیم

اطاعت اور بندگی محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہوتی ہے۔ اس کا صلہ (جنت کی نعمتوں کی صورت میں) مانگنا غلط ہے کسی کی اطاعت قبول ہو اور اس کا صلہ ملے یہ عطیۂ ریزی ہے۔

کہتا ہے: ہم نے اطاعت کی (اور اس کا کام کی مزدوری) آقا سے مانگی اور اس بات سے غافل رہے کہ اطاعت توفیق تو عطیہ الٰہی ہے۔

گر گنهگاریم واعظ گو مرنج

خواجه را در روضه تنها خواستیم

لغت: ''روضہ سے مقصود روضۂ جنت ہے اور خواجہ سے خواجۂ عالم، سرورِ کائنات۔

ہم گنہ گار ہیں تو واعظ سے کہو چین بجبیں نہ ہو۔ (ہمیں جنت میں جانے کی خواہش نہیں ہے) ہم تو باغ میں صرف خواجۂ دو عالم کا دیدار چاہتے تھے۔

سینه چون تنگ است پرخون بود دل

دیدهٔ خونابه پالا خواستیم

لغت ''خونابہ پالا'' = آلودۂ خون ناب۔

''تنگ'' کا مفہوم انتہائی غمگین اور افسردہ اور گھٹا ہوا کا ہے۔

ہمارے سینے میں غم کی گھٹن تھی دل اس گھٹن میں پس کر خون ہو گیا۔ ناچار ہم نے چاہا کہ آنکھوں کو خون آلودہ کریں (یعنی خون کے آنسو بہائیں تا کہ غم ہلکا ہو)۔

رفت و باز آمد هما در دام ما

باز سر دادیم و عنقا خواستیم

ہمارے جال سے ہما نکل گیا اور پھر دام میں آ گیا، ہم نے اُسے پھر چھوڑ دیا اور عنقا کو اسیر دام کرنے کی دھن میں لگ گئے۔

ہما سے مراد دولت دنیا اور عنقا سے مقصود ذات الٰہی۔

یہ مرزا کی عالی حوصلگی اور بلند نظری ہے کہ دنیا کی نعمتوں کو تج کر وہ فقط احدیث ذات کے طالب ہیں۔

هم بخواهش قطعِ خواهش خواستند

عذرِ خواهش هاى بى جا خواستیم

لفظی ترجمہ: محبوب خواہش ہی سے قطع خواہش چاہتا تھا، چنانچہ ہم نے اپنی بے جا خواہشوں کا عذر چاہا (خواہش ظاہر کی)۔

محبوب عاشق کے بے جا خواہشوں کے طویل سلسلے میں تنگ آ چکا تھا وہ چاہتا تھا ہم اس سلسلے کو منقطع کرنے کی خواہش کریں یعنی عذر خواہی کریں، ہم نے عذر خواہی کی لیکن یہ عذر خواہی بھی تو ایک خواہش ہی تھی۔

جز بپابوی خطای نیست کز من رفته است

هم بپائش بهر عرض اعتذار افتاده ام (طغرائی)

گرچه می دانم قسم خوردن بجانت خوب نیست

هم بجان تو که یادم نیست سوگندی دگر نظیری

قطعِ خواهشها ز ما صورت نه داشت

همت از غالب همانا خواستیم

قطع خواہش ہمارے بس کی بات نہیں، ہم نے غالب سے اس ہمت کا تقاضا کیا۔

خواہش ہی سے زندگی میں جان ہے یہ ختم ہو جائے تو زندگی ختم ہو جائے:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

بہت نکلے مرے اماں ولیکن پھر بھی کم نکلے

❁❁❁

غزل نمبر(۲۶)

اگر بر خود نمی بالد ز غارت کردن هوشم
مر اُو را از چه دشوار است گنجیدن در آغوشم

''برخودنمی بالد'' = اپنے آپ پہ ناز نہیں کرتا۔

''اگر اُسے میرے ہوش وحواس کو لوٹنے پہ ناز نہیں تو آخر اُسے میرے آغوش میں جانے میں کیا دقت ہے۔''

محبوب اپنے جلوۂ ناز سے ہمارے ہوش وخرد کو چھین سکتا ہے، اگر یہ نہیں تو ہمارے دل ہی میں جائے یعنی اگر ہم محبوب حقیقی کا جلوہ روبرو نہیں دیکھ سکتے تو وہ ہمارے دل میں تو سما سکتا ہے۔

نیم در بند آزادی، ملامت شیوه هادارد
شنیدم جامه رندان تراعیب است می پوشم

آزادلوگ دنیا کی رسوم کی پروانہیں کرتے۔ کہتا ہے: (میں رسوم دنیا سے) آزاد نہیں ہوں (جانتا ہوں کہ کوئی غیر معمولی بات کروں گا تو لوگ ملامت کریں گے) لیکن ملامت کے بھی کئی تیور ہوتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ تو جامہ رندی کو ناپسند کرتا ہے اور اُسے عیب سمجھتا ہے۔ میں نے وہی جامہ پہن لیا ہے۔

یعنی محبوب کے لئے ہدف ملامت بننا گوارا ہے اور اس میں لذت ہے۔

نیرزم هیچ چون لفظ مکرر ضائعم ضائع
مگر گزلک کشد دستِ نوازش بر سر و دوشم

لغت: ''گزلک'' = چاقو جس سے سہو کتابت کھرچا جائے، لفظ تراش۔

لفظ مکرر کی طرح میرا وجود رائگاں ہے۔ شاید لفظ تراش کا دست نوازش میرے سر ودوش پہ چلے اور مجھے مٹا دے۔

کہتا ہے کہ میری زندگی بے کار ہے میرا خالق مجھے دوبارہ لکھے ہوئے لفظ کی طرح مٹا دہی دی تو بہتر ہے۔

خدایا زندگی تلخ است گر خود نقل وِی نبود
دلی ده گز گدازِ خویش گردد چشمۂ نوشم

لغت: ''نقل۔ شراب کے ساتھ منہ کا مزہ بدلنے کے لئے جو چیز کھائی جائے۔

اے خدا زندگی شراب ونقل کے بغیر تلخ ہے۔ شراب ونقل تو میسر نہیں تو ایسا دل ہی عطا کر جو پگھل کر شراب (چشمۂ نوش) بن جائے۔

مرنج از وعدۂ وصلی کہ با من درمیان آری
کہ خواهد شد بہ ذوقِ وعدۂ دیگر فراموشم

جو وعدۂ وصل تم کرتے ہو اس سے گھبراؤ نہیں کیوں کہ تمہارے دوسرا وعدہ کرنے کی لذت میں یہ پہلا وعدہ مجھے بھول جائے گا۔

محبوب کا وعدہ تو کبھی پورا ہوتا نہیں، عاشق ایسے وعدوں سے صرف لذت اندوز ہی ہوتا رہتا ہے۔

گر امشب میرم و در هفت دوزخ سرنگون غلتم
همان دانم کہ غرقِ لذت بی تابی دوشم

اگر آج رات کو مر جاؤں اور سات دوزخوں (دوزخ کے ساتھ طبقات کے اعتبار سے سات دوزخ کہا) میں الٹا تڑپوں تو مجھے یہ محسوس ہوگا کہ جیسے میں کل رات کی بے تابیوں کی لذتوں میں غرق ہوں۔

فراق میں تڑپنے میں جو لذت ہے وہ عاشق کو دوزخ میں تڑپنے میں بھی نصیب ہوگی۔

بخندم بر بہار و روستائی شیوہ شمشادش
ز گل چینانِ طرزِ جلوۂ سروِ قبا پوشم

لغت: ''روستائی شیوہ'' = دہقانوں جیسے طور طریقے رکھنے والا، گنوار۔

''سروقباپوش'' = محبوب سے خطاب ہے، کہ وہ قبا پوش سرو ہے۔

کہتا ہے مجھے بہار پر اور اس کے بے ڈھنگے درخت شمشاد پر ہنسی آتی ہے، اس لئے کہ میں تو اپنے سروقباپوش یعنی محبوب کے جلووں کی گلچینی کرنے والا ہوں۔

یعنی میرے لئے باغ و بہار کے نظاروں سے محبوب کا نظارہ کہیں زیادہ دلکش ہے۔

بہار گلشن کوی توام، مسپار درخاکم
چراغ بزم نیرنگ توام، مپسند خاموشم

لغت: ''چراغ خاموش'' = بجھے ہوئے چراغ کو کہتے ہیں۔

میں تیرے کوچے کی بہار گلشن ہوں، مجھے خاک میں نہ ملا میں تیری بزمِ نیرنگ کا چراغ ہوں، مجھے نہ بجھا۔

محبوب کے حسن و جمال کی رونق، عاشق کے ذوق نظر سے ہوتی ہے۔

ادای می بہ ساغر کردنت ناز ز ہی ساقی
بیفشان جرعہ بر خاک و زمن بگذر کہ مدھوشم

میرے ساقی ترے کیا کہنے، تیری ساغر میں شراب ڈالنے کی ادا پر قربان جاؤں۔

تھوڑی سی شراب زمین پر گرا دے، میرا خیال نہ کر، میں تو تیری اس ادا پر ہی مدہوش ہو گیا ہوں۔

مرنج از من اگر نبود کلامم را صفا غالب
خمستان غبارم، سر بسر دردی است سر جوشم

''درد'' = جو میل خُمِ مَی کے نیچے بیٹھ جاتا ہے۔ تلچھٹ۔

''سرجوش'' = جب شراب پختہ ہونے کے لئے دیر تک مٹکے میں پڑی رہتی ہے تو اس کے اوپر کے حصے میں ایک جوش سا نمایاں ہوتا ہے۔ وہ بہترین سمجھی جاتی ہے۔

غالب اگر میرے کلام میں صفائی نہیں تو مجھ سے کبیدہ خاطر نہ ہو، میں خمستانِ غبار ہوں میری شراب کا سرجوش بھی تلچھٹ ہے۔

میں تو زندگی کی تلخیوں کا پینے والا ہوں، کلام میں دلکشی کہاں سے آئے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۲۷)

وحشتی در سفر از برگِ سفر داشته ایم

توشهٔ راه دلی بود که برداشته ایم

لغت: ''توشۂ راہ'' = زادِ راہ۔

سفر میں لوگوں کو بھاری سامان ہمراہ لے کر جاتے ہوئے گھبراہٹ ہوتی ہے اس لئے اکثر فقط زادِ راہ لے کر چل پڑتے ہیں۔ کہتا ہے:

ہمیں سفر میں سامان سفر سے بڑی وحشت تھی زادِ راہ صرف ایک دل تھا وہی اٹھا کر چلتے رہے۔

زندگی کے سفر میں ہمارا رفیقِ سفر صرف دل تھا اور بس

نغزد از تابِ بنا گوشِ تو مستانه و ما

تکیه بر پاکیِ دامانِ گهر داشته ایم

لغت: ''پاکیِ دامانِ گہر'' = موتی کی پاک دامنی۔ موتی کی چمک دمک سے اس کی پاکیزگی ٹپکتی ہے۔

''بنا گوش'' = کان کا نیچے کا نرم حصہ جس میں چھید کر کے عورتیں زیور لٹکا لیتی ہیں۔ (جو عموماً موتی ہوتے ہیں)۔

تیر کام کان کا موتی، تیرے بنا گوش کی آب و تاب سے مست ہو کر جھومتا ہے اور ہم اُس کی پاکدامنی پر اعتماد کیے ہوئے ہیں۔ (موتی تو ویسے ہلتا رہتا ہے شاعر اُسے محبوب کے حسن

سے مست ہونا قرار دیتا ہے اسے صنعت حسنِ تعلیل کہتے ہیں۔ یعنی واقعہ کے اصل سبب سے ہٹ کر اس کی کوئی اور علت بیان کرنا)۔

زخمِ نا خوردهٔ ما روزیِ اغیار مکن

کان بآرائشِ دامانِ نظر داشته ایم

جو زخم ہم نے (تمہاری محبت میں تمہارے ہاتھوں) نہیں کھائے اُن سے غیروں کو بہرہ مند نہ کرنا۔ کیوں کہ وہ زخم تو ہم نے اپنے دامانِ نظر کی آرائش کے لئے رکھے ہیں۔

یعنی اگر چہ وہ زخم ابھی ہمارے دل پر نہیں لگے لیکن نظریں اُنہیں دیکھ کر خوش تو ہو رہی ہیں کہ یہ زخم بھی ہمیں ہی کھانے ہیں۔

ناله تا گم نکند راهِ لب از ظلمتِ غم

جان چراغی است که بر راهگذر داشته ایم

ہم نے زندگی کو چراغ بنا کر رہگذر میں رکھ دیا ہے کہ غم کے اندھیرے میں ہماری فریاد دل سے لب تک آتے ہوئے راستہ نہ بھول جائے۔

زندگی غم میں کھو گئی ہے لیکن نالہ و فریاد کرنے سے غم ہلکا ہو جاتا ہے۔ ڈر یہ ہے کہ کہیں فریاد کرنے کا موقع بھی نہ گم ہو جائے۔

تو دماغ از می پر زور رسانیده و ما

بر درِ میکده خشتی تهِ سر داشته ایم

تو نے تو شراب تند و تیز پی کر پورا سرور حاصل کر لیا ہے اور ہم ہیں کہ میکدے کے دروازے پر اینٹ کو تکیہ بنائے ہوئے پڑے ہیں۔

شراب کا میسر آنا تو در کنار، میکدے میں داخل نہیں ہو سکتے۔

جا گرفتن بہ دل دوست نہ اندازۂ ماست
تو ہمان گیر کہ آہیم و اثر دشتۂ ایم

دوست کے دل میں جگہ پانا تو ہمارے بس کی بات نہیں۔
تو یہی سمجھ لے کہ ہماری حیثیت ایک آہ کی ہے اور آہ کا اثر ہوتا ہے۔
ہمارے جذبۂ محبت نے گھل گھل کر آہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ آہ کا اثر مسلم ہے خواہ ایک عمر کے بعد ہی ہو۔ اسی کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔

مژدہ تا خونِ دل افشاند ز ریزش استاد
ماتم طالعِ اجزای جگر داشتہ ایم

ہماری پلکیں خون دل بہاتے بہاتے رک گئیں۔ ہم اجزائے جگر کی قسمت کا ماتم کر رہے ہیں۔

محبت میں رونا تو مقدر ہے لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ پوری طرح رو نہ سکے۔ کچھ اجزائے جگر رو کے ضائع ہوئے اور جو باقی رہے وہ تقاضائے محبت پورا نہ کر سکے۔ اسی کا رونا ہے۔

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

داغ احسان قبولی ز لئیمانش نیست
ناز بر گرمیِ بخت ہنر داشتہ ایم

"لئیمان" = پست ذوق اور کمینے لوگ۔ لئیمانش میں ش کا ضمیر ہنر کے لئے آیا ہے۔
پست ذوق لوگ ہمارے ہنر (اشعار) کو قبول (پسند) نہیں کرتے۔ ہم خوش ہیں کہ ہماری، ہنری مندی (فن شعر) کو ان کمینوں کا احسان نہ اٹھانا پڑا۔ ہمیں تو اپنے ہنر پر ناز ہے کہ اسے نااہلوں کی مقبولیت کا احسان مند نہ ہونا پڑا۔

بیش ازین مشرب ما نیز سخن سازی بود
لختی از خوشدلی غیر خبر داشتہ ایم

اس سے پہلے ہم بھی محبوب کے عارضی التفات کے بارے میں سخن طرازیاں کیا کرتے تھے۔ آج کل کچھ کچھ ہمیں رقیب کے بارے میں اطلاع رہتی ہے کہ وہ محبوب کے اسی نوعیت کے التفات پر خوش ہیں (اور سوچتے ہیں کہ آخر کار اس کا بھی ہم جیسا حشر ہونے والا ہے)۔
نظیری کہتا ہے:

چو می بینم کسی از کوئی او دلشاد می آید
فریبی کز وی اول خوردہ بودم یادمی آید

وارسیدیم کہ غالب بمیان بود نقاب
کاش دانیم کہ از روی کہ برداشتہ ایم

غالب! ہمیں یہ تو معلوم ہو گیا ہمارے (عاشق و معشوق) درمیان ایک نقاب حائل تھا (وہ اٹھ گیا) کاش ہمیں یہ پتا چلے کہ یہ نقاب کس کے چہرے سے اٹھا ہے (عاشق کے یا معشوق کے)۔
اس شعر کا پس منظر مسئلہ وحدت الوجود ہے۔ عاشق معشوق سے الگ نہیں البتہ اُن میں

مظاہرات مادی کا پردہ حائل ہے اور ورنہ اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے:

حرم و دھر کے جھگڑے تیرے چھپنے سے پڑے
تو اگر پردہ اٹھا دے تو ہی تو ہو جائے

❁❁❁

غزل نمبر(۲۸)

خود را ھمی نقش طرازی علم کنم
تا با تو خوش نشینم و نظارہ ھم کنم

لغت: ''علم کردن'' = مشہور۔ ''نقش طرازی'' = مصوری۔

میں اپنے آپ کو مصوری کے فن میں مشہور کر رکھا ہے تا کہ تیرے پاس آرام سے بیٹھوں خوشی سے وقت گزاروں اور تیرا نظارہ بھی کرتا ہوں۔

سیکھے ہیں گلرخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے — غالب

خواھی فراغ خویش بیفزای بر ستم
تا در عوض ھمان قدر از شکوہ کم کنم

لغت: ''فراغ'' = فراغت، آرام۔

اگر تو اپنی فراغت چاہتا ہے تو اپنے ستم میں اضافہ کر دے تا کہ اُس کے عوض میں اتنا

ہی شکوہ کم کروں۔ گویا ستم اٹھانے میں زیادہ وقت صرف ہو گا تو شکایت کے موقع کم ملیں گے۔

قاتل بھانہ جوی و دعا بے اثر، بیا
گز گریہ آبگیریِ تیغِ ستم کنم

لغت: ''آبگیری تیغ'' = تلوار کو تیز کرنا، آبدار بنانا۔

ہمارا قاتل ہمیں قتل نہیں کرتا، طرح طرح کے بہانے تلاش کر کے ہمیں اس گومگو کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔ اُسے ہماری اس حالت سے لذت ملتی ہے۔ ہماری، دعائیں بھی اثر نہیں کرتیں۔ یہی صورت ہے کہ ہم زار زار روئیں اور ان آنسوؤں سے قاتل کی تیغ ستم کی آبیاری کریں، (اسے چمکائیں)
شاید اسے ہماری حالت زار پر رحم آ جائے اور فوری قتل پر آمادہ ہو جائے۔

طفل است تند خوی، بی بینم چہ می کند
رامم ولی بعربدہ دانستہ رم کنم

میرا محبوب ایک سادہ ناداں ضدی سا انسان ہے، کیا جانے کیا کرے۔ میں اس کا مطیع ہوں لیکن جان بوجھ کر بگڑتا ہوں اور اس سے دور بھاگتا ہوں۔

گردون وبالِ گردن من ساخت مدتی است
کو دست تا بگردن دلدار خم کنم

وہ ہاتھ کہاں جو محبوب کی گردن میں (پیار سے) ڈالوں، ایک مدت ہوئی آسمان نے ان ہاتھوں کو میری گردن کا وبال بنا رکھا ہے۔

یارب بہ شهوت و غضبم اختیار بخش
چندانکه دفع لذت و جذب الم کنم

محبوب ہمیشہ غیظ وغضب کے عالم میں رہتا ہے اور عاشق اس سے لذت اندوز ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن یہ بات کب تک چلے گی۔ کہتا ہے:

اے خدا مجھے محبوب کے اس غصے پر اختیار دے تا کہ میں اس اختیار کے بل پر اس کے جور وستم سے مجھے جو لذت آتی ہے اور غم والم کو دل میں سینتا رہتا ہوں، اس سے نجات حاصل کرسکوں۔

تا دخل من بہ عشق فزون تر بود ز خرج
خواهم که از تو بیش کشم ناز و کم کنم

لغت: ''دخل''=آمدنی۔''خرج''=خرچ۔

عاشق کی آمدنی محبوب کی ناز کشی ہے۔ وہ ناز سینتا رہتا ہے، اور محبت کے دکھ درد میں ناز کشی کی لذتیں صرف کردیتا ہے۔

کہتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اب میں تیری ناز برداریاں زیادہ کروں تا کہ عشق میں میری آمدنی بڑھ جائے اور خرچ کم ہوجائے۔

یعنی محبوب سے کسی دلداری اور محبت کی توقع تو نہیں ہے۔ ہمارا کام ناز برداری کرنا ہے وہی کرتے رہیں گے۔

غلطد دلم بمشک ز فیض هوائے زلف
قانونِ فنِ سائی رقم کنم

لغت: ''غالیہ''=عطر۔

محبوب کی زلفوں کی معطر ہوا آنے سے دل مشک کی خشبوؤں میں لوٹنے لگتا ہے۔ اوران زلفوں کی کیفیت یوں دل ودماغ میں سرایت کرجاتی ہے۔ کہ فکر شعر میں سما جاتے ہیں) میری شعر گوئی کیا ہے گویا میں فن عطر وغالیہ کے اصول لکھ رہا ہوں۔

خشک است کشت شیوهٔ تحریر رفتگان
سیرابش از نم رگ ابر قلم کنم

شعرائے سلف کے اسلوب شعر کی کھیتی خشک ہوگئی ہے۔ میں اپنے قلم کے ابر کی رگوں کی نمی سے اس کھیتی کو سیراب کررہا ہوں۔

یعنی میں نے اپنے کلام کے اسلوب سے متقدمین کے کلام میں جان ڈال دی ہے۔

غالب بہ اختیار سیاحت زمن مخواہ
کو فتنۂ که سیر بلادِ عجم کنم

غالب مجھ سے ارادۂ سیاحت کی توقع نہ کر، وہ کون سا ہنگامہ (فتنہ) ہے کہ جس کے لئے میں وطن چھوڑ کر بلاد عجم کی سیر کو جاؤں۔

❁❁❁

غزل نمبر(۲۹)

نشاط آرد بآزادی ز آرائش بریدن هم
گلم بر گوشهٔ دستار زد دامن ز چیدن هم

پھولوں کو لوگ، دستار پر آرائش کے لئے سجاتے تھے۔

لغت: ''ز آرائش بریدن'' = آرائش سے قطع تعلق کر لینا۔ ''دامن چیدن'' = دامن اٹھالینا۔

آزاد منش لوگ دنیا کی آرائشوں سے اپنا دامن کھینچ لیتے ہیں، اوران کی اس آزادی میں بھی ایک نشاط کا پہلو ہوتا ہے کہتا ہے کہ۔

دنیا کی آرائش (لذت اندوزی) سے آزادی سے آزاد ہونے میں بھی ایک لذت ہے۔ میں نے پھولوں سے اپنا دامن اٹھالیا تو میری اُسی دامن چینی نے میری دستار پر پھول سجادیے۔ یعنی مجھے دنیا کی لذتوں سے آزاد ہونے میں بھی ایک لذت نصیب ہوئی۔

بیا لطف هوا بنگر که چون که موجِ می از مینا
گل از شاخ گل استی جلوه گر پیش از دمیدن هم

ہوا کی لطافت کو دیکھو کہ پھول کھلنے سے پہلے ہی شاخ کی رگوں میں نظر آرہا ہے۔ جس طرح صراحی میں شراب صراحی کے اندر ہی جوش مارتی ہوئی نظر آتی ہے۔

دلا خون گشتی و گفتی که هی گردید کار آخر
مشو افسرده غافل عالمی دارد چکیدن هم

''هی'' = کلمۂ تاسف ہے۔ ''عالمی دارد'' = ایک کیفیت ہے (رکھتا ہے)۔

اے دل تو خون ہوگیا اور تو پکار اٹھا افسوس کام تمام ہوا۔ غافل! تو افسردہ نہ ہو، یوں خون بن کر ٹپکنے میں بھی ایک کیفیت ہے۔

نه از مهر است گر بر داستانم می نهد گوشی
همان از نکته چینی خیز دش ذوق شنیدن هم

اگر وہ میری داستان پر کان لگائے ہوئے ہے تو یہ مہر و محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اُس کے داستان سننے کا ذوق اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ وہ داستان سن کر اُس پہ نکتہ چینی کرے۔

چه پرسی کز لبت وقت قدح نوشی چه می خواهم
همین بوسیدنی، چون مست تر گردی میکدن هم

لغت: ''بوسیدنی'' = چومنا۔ ''مکیدن'' چوسنا۔

محبوب سے کہتا ہے:

تو کیا پوچھتا ہے کہ تیری شراب نوشی کے وقت میں تیرے لبوں سے کیا چاہتا ہوں۔ بس یہی انہیں چوم لینا اور جب تو نشے سے اور زیادہ مست ہو جائے تو انہیں زور سے چوسنا۔

به بالینم رسید استی، زهی بیکس نوازی ها
فدایت یکدو دم عمر گرامی وارسیدن هم

آپ میرے بالیں پر تشریف لے آئے۔ آپ نے کس قدر بے کس نوازی فرمائی، عمر گرامی کے جو د و ایک لمحے باقی رہ گئے ہیں وہ بھی آپ کی تشریف آوری پر نثار ہیں۔

سرت گردم شکار تازہ گر ھرم ھوس داری
بھر بندم رھا می کن بقدر یک رمیدن ھم

لغت: ''سرت گردم'' = تیرے قربان جاؤں۔ ''رمیدن'' = بھاگنا (بقدر یک رمیدن (جال سے ذرا آزاد ہو کر تھوڑی دور نکل جانا۔

تیرے قربان جاؤں اگر تو فقط مجھے اسیر دام کرنے پر مطمئن نہیں ہے اور ہر لحظہ ایک شکار تازہ چاہتا ہے تو کسی اور شکار کی تلاش کی کیا ضرورت ہے مجھے ہی ایک بار گرفتار کرنے کے بعد چھوڑ دے اور جب تھوڑی دور نکل جاؤں تو پھر اسیر کر لے۔

(اس طرح اسیری اور آزادی کا سلسلہ جاری ہے گا تو نئے شکار کو اسیر کرنے کا ذوق پورا کر سکے گا اور میرے شوق اسیری کی بھی تسکین ہوتی رہے گی)۔

ز تیغت، منت زخمی ندارم، خوش را نازم
کہ حسرت غرق لذت دم از لب گزیدن ھم

لغت: ''لب گزیدن'' = ہونٹوں کو کاٹنا جو حسرت و ارمان کی علامت ہے۔

''حسرت از لب گزیدن غرق لذت دارم'' = حسرت از لب گزیدن مرا ذوق لذت دارد یعنی حسرت میں بیٹھے لبوں کو کاٹنے سے مجھے لذت میسر آتی ہے۔

میں تیری تلوار کا شرمندۂ احسان نہیں، مجھے اپنے پہ فخر ہے کہ تیرے ہاتھوں قتل نہ ہونے کی حسرت میں بھی ایک لذت ہے۔

ادب آموزیش در پردۂ محراب می بینم
نخست از جانب حق بودہ انداز خمیدن ھم

لغت: ''ادب آموزی اش'' میں ش کی ضمیر کا مرجع حق تعالی ہے یعنی اُس کی ادب آموزی کے انداز میں لوگ مسجد میں محراب کی طرف رخ کر کے سجدہ کرتے ہیں۔ محراب جھکی ہوئی ہوتی ہے۔

کہتا ہے:

پہلے خود اللہ تعالی کی طرف سے جھکنے کا انداز ظاہر ہوا، اس لئے کہ اس نے محراب کی جھکی ہوئی صورت کو میرے سامنے لا کر مجھے ادب آموزی سکھائی، اور یہ بتایا کہ یوں جھکنا چاہیے۔

گویا محراب مسجد ایک سجدۂ مجسم ہے۔ جس سے ہمیں سجدہ کرنے کا سبق ملتا ہے۔

چہ خیزد گر نقابی از میان برخاست کو تسکین
کہ می بینم نقاب عارض یار راست دیدن ھم

اگر ہمارے (یعنی میرے اور محبوب ہے) درمیان سے نقاب اٹھ بھی گیا تو دل کو تسکین کہاں؟ کیوں کہ اس نقاب کے اُٹھ جانے کے بعد بھی خود اس کو دیکھنا بھی (دیدار) رخ دیدار کا نقاب بن جاتا ہے۔

یعنی عاشق کی نگاہیں خود حجاب بن جاتی ہیں:

نظارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی (غالب)

بخواھد روز محشر داد خواہ خویش، عالم را
بتو بخشید ایزد شیوۂ ناز آفریدن ھم

اللہ تعالی نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن بھی دنیا والے اس سے داد خواہی کریں

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ناز آفرینی کا شیوہ بھی تجھے ہی حرمت فرمایا ہے۔

اہل دنیا اس وقت محبوب کے ہاتھوں ''داد داد'' پکار رہے ہیں اور دادخواہی کے لئے روز محشر پہ امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ قیامت کے دن بھی ان کی فریاد نہیں سنی جائے گی۔ خدا نے محبوب ہی کو ناز وادا کے تمام معاملات کا مختار کل بنایا ہے۔

دل از تمکین گرفت وتاب وحشت نبودم غالب
نگنجد در گرمیان من از تنگی دریدن هم

لغت: ''دریدن'' = پھاڑنا، یہاں مقصود دریدن گریباں ہے۔
''تمکین'' = تمکنت، وضعداری، اور خودداری۔

عاشق عشق میں مدت تک ضبط سے کام لیتا رہا اور خودداری کو قائم رکھا اور جنون و وحشت عشق کا اظہار نہ کیا۔ لیکن اب معاملہ حد سے گزر گیا۔ اب بے بسی کا عالم ہے کہتا ہے:

غالب! خودداری اور تمکنت سے دل افسردہ ہوگیا اور وحشت کی تاب نہیں۔ اب تو گریبان بھی اتنا تنگ ہوگیا ہے کہ اس میں چاک ہونے کی بھی گنجائش باقی نہیں رہے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۳۰)

آنم که لب زمزمه فرسائی ندارم
درحلقهٔ سوهان نفسان جائی ندارم

لغت: ''زمزمہ'' = وہ بھجن جو آتش پرست اپنے معبدوں میں دھیمی آواز میں گاتے ہیں۔ مراد نغمہ وسرود۔ ''سوہان'' = ''ریتی''۔ ''سوہان نفس'' = وہ لوگ جن کی سانس ریتی کی طرح حلق کو کاٹتی ہے۔ آہ وفریاد کرنے والے۔

میں وہ ہوں کہ مجھے لب نغمہ سرا نصیب نہیں۔ میرا شمار آہ وفریاد کرنے والوں کے حلق میں نہیں ہوتا۔

محبت میں ضبط کرتا ہوں اور فغاں کو لب تک آنے نہیں دیتا۔

خاموشم و در دل ز ملالم اثری نیست
سرجوش گداز نفسم، لای ندارم

لغت: ''سرجوش'' = خم کے اوپر کی شراب جس میں جوش ہوتا ہے۔
''لا'' = درد شراب کا میل جو نیچے بیٹھ جاتا ہے۔

میں خاموش ہوں، میرے دل میں حزن وملال کا کوئی اثر نہیں۔ میرا سانس ضبط سے گداز ہو چکا ہے میں اسی گداز نفس کا سرجوش ہوں، اس میں تلچھٹ نہیں۔

غم اور غم کے ہاتھوں فریاد کرنے کو ''لا'' یعنی درد کہا ہے۔ اس شعر میں بھی ضبط نفس اور وسعت قلب کا ذکر کیا گیا ہے۔ عاشق کو سخت ترین واردات محبت سے سابقہ پڑتا ہے لیکن انتہائی ضبط سے کام لیتا ہے اور اپنے جذبات کو فریادوں سے آلودہ نہیں کرتا۔

خود رشتہ زند موج گہر، گرچہ من اکنون
جز رعشہ بدست گہر آمای ندارم

لغت: ''دست گہر آمای''=موتی پرونے والا ہاتھ۔''موج گہر''موتیوں کی آب وتاب۔ ''رعشہ''=لرزۂ بدن۔

اگر چہ اب میرے موتی پرونے والے ہاتھوں میں سوائے رعشے کے اور کچھ نہیں۔پھر بھی موتیوں کی چمک (کی لہر) خود بخود ان موتیوں میں دھاگا ڈال رہی ہے۔

بڑھاپا ہے اور اعضا مضمحل ہو چکے ہیں اور جسم پر رعشہ طاری ہے پھر بھی افکار کے تابدار موتی ذہن میں چمک رہے ہیں۔

لرزد ز فرو ریختنش خامہ در انشا
آن نیست کہ حرفی جگر آلای ندارم

''جگر آلا''= خون جگر سے آلودہ۔'' حرف جگر آلا''غم انگیز اورالمناک باتیں (شعر)۔یہ بات نہیں کہ (میرے دل میں) اندوہ گیں افکار نہیں ہیں یا ان کے اظہار کے لئے الناک الفاظ کی کمی ہے، بلکہ لکھتے وقت ان خیالات. کے اظہار (ٹپکنے) سے قلم کانپ کانپ جاتا ہے۔

بگذار کہ از راہ نشینان تو باشم
پائی کہ بود مرحلہ پیمائی ندارم

اب مجھے اپنے راہ نشینوں میں بیٹھنے دے۔اب میرے پاؤں میں اتنی سکت نہیں کہ تیری رہ محبت میں مرحلہ پیمائی کروں (مرحلے پہ مرحلے طے کروں)۔

ناز تو فراوان بود و صبر من اندک
تو دست و دلی داری و من پای ندارم

عاشق اب مضمحل ہو چکا ہے اس میں نہ وہ صبر و شکیب ہے نہ پائے استقلال لیکن محبوب کی ناز آفرینیاں بدستور قائم ہیں اور اُن میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔

خاشاک مرا تاب شرر چہری فروز است
در جلوہ سپاس از چمن آرای ندارم

میرا جسم نزار راکھ ہو چکا ہے (لیکن اُس میں ابھی محبت کے شرر موجود ہیں) اور اس تاب شرر سے میری خس و خاشاک میں چمک ہے۔میں اس سلسلے میں چمن آرائے جہاں کا احسان مند نہیں۔

یعنی رونق تب وتاب عشق ابدی اور غیر فانی ہے اور بدستور قائم ہے۔

بی بادہ خجالت کشم از باد بھاری
صبح است و دم غالبہ اندای ندارم

لغت:''دم غالیہ اندا''=معطر سانس۔

بہار آئی ہے، صبح کا عالم ہے، پھول کھلے ہیں، خوشبوئیں مہک رہی ہیں، ہر طرف بہار کا خیر مقدم ہو رہا ہے لیکن میں بہار سے شرمسار ہوں کہ اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا اس لئے کہ افسردہ خاطر ہوں اور بغیر شراب کے خمار زدہ ہوں، شراب کے بغیر میرا سانس معطر ہو تو کیسے؟

واعظ دم گیرای خود آرد بمصافم
گوئی دل خود کامۂ خود رای ندارم

لغت: ''دم گیرا'' = رکا ہوا سانس ''بمصاف آمدہ است'' = مجھ سے الجھنے کے لئے آیا ہے۔ ''گوئی کہ'' گویا کہ۔

واعظ اپنا رکا ہوا ہے کھڑا ہوا سانس لے کر (یوں) مجھ سے الجھنے کے لئے آیا ہے گو کہ مجھ سے اپنا پختہ ارادہ اور عقیدہ نہیں۔

واعظ سمجھانے کے لئے آیا لیکن اس کا اپنا یہ حال ہے کہ خود اس عقیدہ متزلزل ہے کہ بات کرتا ہے تو زبان لڑکھڑاتی ہے۔ وہ مجھے کیا سمجھائے گا:

حضرت واعظ گر آئیں دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

غالب سرو کارم بگدائی بہ کریم است
گروایۂ من دیر رسد، وای ندارم

غالب میں اپنے مقصد اور خواہش کو پورا کرنے کے لئے ایسی ذات سے بھیک مانگتا ہوں جو بڑا کریم ہے۔ اگر میرے حصول مقصد میں دیر لگے تو میں ہای وائے نہیں کرتا (وای ندارم)۔ یعنی میں جانتا ہوں کہ میری احتیاج پوری ہونے میں دیر لگے تو مضائقہ نہیں، یہ التماس یقیناً پوری ہوگی۔ بے تاب ہو کر افسوس کرنے کی کیا ضرورت۔

''وایہ اور وائی'' کے الفاظ میں تجنیس زائد ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۳۱)

در وصل دل آزاری اغیار ندانم
دانند کہ من دیدہ ز دیدار ندانم

میں عالم وصل میں ایسا کھو جاتا ہوں کہ مجھے احساس ہی نہیں ہوتا یا اس سے اغیار کی دل آزاری ہوگی۔ سب جانتے ہیں کہ میں آنکھوں میں اور جلوۂ دوست میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔

عاشق وصل کی سرشاری میں اتنا مستغرق (فنافی النظارہ) ہو جاتا ہے کہ اس کی محویت اسے فرصت نہیں دیتی کہ رقیبوں کی دل آزاری تو در کنار اُسے ان کا احساس بھی ہو۔

طعنم نسزد، مرگ ز هجران نشانم
اشکم نگزد، خویشتن از یار ندانم

(مجھے فراق زدہ ہونے کا طعنہ نہ دو) میں طعنے کا سزاوار نہیں کیونکہ میں فراق اور موت میں فرق نہیں سمجھتا، وصل میں مجھے رشک نہیں ستاتا کیوں کہ میں اپنے اور محبوب میں امتیاز نہیں کرتا۔

یعنی وصل میں مجھے کوئی جذبۂ رشک نہیں ستاتا کہ محبوب کا دھیان رقیب کی طرف نہ ہو۔

پرسد سبب بی خودی از مهر و من از بیم
در عذر بخون غلطم و گفتار ندانم

محبوب از راہ کرم میری بے خودی کا سبب پوچھتا ہے اور میں خوف کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں سکتا اور معذرت کے طور پر خوں میں غلطاں ہو جاتا ہوں اور زباں پر کوئی بات نہیں لاتا۔

محبوب کے آنے سے عاشق پر بے خودی طاری ہو جاتی ہے اور اس محبوب محبت سے اس بے خودی کی وجہ پوچھتا ہے تو عاشق میں یارای گفتار نہیں۔ اس پرسش کی مدت ہی کتنی ہے اس لئے معذرت کرتا ہے اور وہ بھی جنبش لب سے نہیں بلکہ بے تابی سے یعنی تڑپ کر اور خون میں لوٹ لوٹ کر۔

بوسم بخیالش لب وچون تازہ کند جور
از سادگی اش بی سبب آزار ندانم

''از سادگیش'' میں ش کا مفہوم ''کو'' کا ہے یعنی ش مفعولی ہے اور اس کا مطلب ہے'' سادگی سے اس کو''۔

میں خیال ہی خیال میں اُس کو لبوں کے چومتا ہوں اور جب (بلاوجہ) وہ کوئی تازہ ستم ڈھاتا ہے تو میں سادگی سے اُسے بے سبب آزار دینے والا خیال نہیں کرتا۔

یعنی میری سادگی کا یہ عالم ہے کہ خیال میں بھی محبوب کے لبوں کو بوسہ دینا ایک طرح کی گستاخی سمجھتا ہوں۔ اس لئے میں اس جور و ستم کا مستحق ہوں۔

اس شعر میں معاملہ بندی اور نازک خیالی کا پہلو بہت نمایاں ہے۔

ھرخون کہ فشاند مژہ در دل فتدم باز
خود را بہ غم دوست زیان کا ندانم

میں غم دوست میں اپنے کو زیاں کار (نقصان اٹھانے والا) نہیں سمجھتا اس لئے کہ

میری پلکیں جو خون ٹپکاتی ہیں وہ پھر میرے دل میں آ گرتا ہے۔

ایک طوفان اشک کے بعد دوسرا سیلاب اشک اُبھرتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ جو آنسو ہم نے بہائے تھے وہ ہم نے سمیٹ کر دل میں ڈال لئے ہیں۔

آویزش جعد از تہِ چادر بر دم دل
آشفتگی طرہ بدستار ندانم

میں دستار میں طرہ پریشاں کو نہیں جانتا۔ میرا دل تو محبوبہ کی چٹیا نے (جعد) چھین لیا ہے جو نقاب (برقعے) میں ہے۔

بوی جگرم میدھد از خون سر ھر خار
شد پائی کہ در راہ وی افگار ندانم

ہر کانٹے سے جو خون لگا ہوا ہے اس سے میرے جگر کی بو آ رہی ہے۔ اس کی راہ میں کس کا پاؤں زخمی ہوا ہے یہ مجھے معلوم نہیں۔

زخم جگرم بخیہ و مرھم نہ پسندم
موج گھرم، جنبش و رفتار ندانم

میں زخم جگر ہوں، بخیہ اور مرہم کو پسند نہیں کرتا، میں آب گوہر کی موج ہوں، حرکت و رفتار کو نہیں جانتا۔ یعنی ''جس طرح زخم جگر تک بخیہ و مرہم کی رسائی نہیں اور آب گہر کی موج میں جنبش رفتار نہیں، ایسا ہی میرا حال ہے کسی کو میرے درد کی خبر نہیں، نہ ہی میرے کمال کی اطلاع ہے۔'' (حالی)

نقد خردم سکۂ سلطان نپذیرم
جنس هنرم گرمی بازار ندانم

میں عقل وخرد کا سرمایہ ہوں، سکۂ سلطان کو قبول نہیں کرتا، میں جنس ہنر ہوں مجھے گرمی بازار کی حاجت نہیں۔

عقل وخرد کے سرمائے کو دولت سے خریدا نہیں جاسکتا اور جنس کی قدر شناسی نہیں ہوتی۔ جنس، ہنر، نقد، سکہ، گرمی بازار سب الفاظ باہم ایک موضوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس میں صنعت مراعاۃ النظیر ہے۔

غالب نبود کوتهی از دوست همانا
ز آن سان دهدم کام که بسیار ندانم

لغت: ''کام'' = خواہش، حاجب۔

''ز آن سان دهدم کام = میری اس طرح حاجت روائی کرتا ہے۔

غالب! دوست سے کسی بارے میں کوتاہی نہیں ہوتی۔

وہ میرے اس طرح حاجت روائی کرتا ہے کہ مجھے یقیناً یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ مجھے اتنا زیادہ دیا ہے۔

غزل نمبر (۳۲)

در هر انجام محبت طرح آغاز افگنم
مهر بردارم از و تا هم بر او باز افگنم

میں ہر انجام محبت پر (ایک نئے) آغاز محبت کی بنیاد رکھتا ہوں میں اس سے محبت منقطع کرتا ہوں تا کہ پھر ایک بار اسی سے محبت کرسکوں۔

در هوای قتل سر بر آستانش می نهم
تا بلوح مدعا نقش خدا ساز افگنم

لغت: ''ہوائی قتل'' = قتل ہونے کی خواہش۔

''نقش خدا ساز'' = وہ چیز جو لوح محفوظ پر نقش ہو چکی ہے مقدر۔

میرے نصیبے میں یہ بات مقدر ہو چکی ہے کہ محبوب کے ہاتھوں میرا خون بہے۔ چنانچہ منشای خداندی کو پورا کرنے کے لئے میں آستانہ محبوب پر سر جھکاتا ہوں۔

لاف پرکاری است صبر روستائی شیوه را
خواهمش کاندر سواد اعظم ناز افگنم

لغت: ''پرکاری'' = ہشیاری۔ ''روستائی شیوہ'' = گنواروں کا سا طور طریقہ رکھنے والا۔

''سواد اعظم'' = بڑا شہر۔ جس طرح غالب امنگوں اور آرزؤں کے ہجوم کی وجہ سے دل کو ''یک شہر آرزو'' کہتا ہے اسی طرح ناز و ادا اور کرشمہ و غمزۂ دوست کو ''سواد اعظم دوست'' کہا ہے۔ ہجوم ناز پہ صبر ایک گنوار ہے اسے ہشیاری کا دعویٰ ہے (اور یہ عاشقی کے منافی ہے)۔ میں

چاہتا ہوں اسے محبوب کے ہجوم ناز میں لا کر رکھ دوں تا کہ اس کی ہوشمندی کے سارے دعوے باطل ہو جائیں اور پھر آدابِ عاشقی سے آگاہی بھی حاصل ہو:

دلی کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ است
زعشق تا بہ صبوری ھزار فرسنگ است (سعدی)

صعوۂ من ھرزہ پرواز است ، بوکز فرط مھر
بی خبر در آشیان چنگل باز افگنم

"لغت: "صعوہ" = مولا۔ "بو" بود کا مخفف۔

میرا مولا سا دل یونہی بے ہودہ اڑتا رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے میرے بڑے پیار سے اسے کسی دن عالم بے خبری میں باز کے پنجے میں ڈال دوں۔

بی زبانم کردہ ذوق التفات تازۂ
لاجرم شغل و کالت را بہ غماز افگنم

جب تک محبوب کا التفات نہ تھا دل میں طرح طرح کی باتیں لئے بیٹھے تھے۔ جب دوست نے نظر التفات سے دیکھا تو سب شکوے خاموش رہ گئے۔
اب یہ کلام ہم نے اپنے حریف کے سپرد کر دیا ہے۔

مردم از افسردگی ھنگام آن آمد کہ باز
رستخیزی در دل از خون کردہ بگداز افگنم

میں افسردگی سے مرا جا رہا ہوں اب پھر وہ وقت آ گیا ہے کہ خون سے دل میں قیامت بپا کر کے اُسے پگھلا دوں (تا کہ یہ افسردگی کا عالم دور ہو جائے)۔

حرارت عشق کے بغیر زندگی بے کیف ہوتی ہے شاعر چاہتا ہے کہ یہ گرمی عشق پھر پیدا ہو جائے یہ شعر مرزا غالب کی اس مسلسل غزل کو یاد دلاتا ہے جس کا یہ مطلع ہے:

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوش قدح سے بزم چراغاں کیے ہوتے

ھرقدر کز حسرت آبم در دھن گردد ھمی
ھم ز استغنا بروی بخت ناساز افگنم

حسرت و ارمان کے باعث جو پانی میرے منہ میں آتا ہے وہ بھی میں اپنی شان بے نیازی کو قائم رکھتے ہوئے اپنے بخت ناساز پر ڈال دیتا ہوں۔

ھم زبانم باظھوری مطلعی کو تا ز شوق
باجرس درنالہ نالہ آوازی بر آواز افگنم

"سبک ہندی" جو نظیری، عرفی اور ظہوری کی کوشش سے وجود میں آیا، غالب اس سے بہت متاثر ہوا تھا۔ چنانچہ ظہوری فیض کا اکثر اعتراف کرتا ہے۔ وہ ظہوری کو شعرا ادب کے کارواں کا قافلہ سالار سمجھتا ہے جرس کارواں اُس کا نغمہ ہے چنانچہ کہتا ہے:
میں ظہور شی کا ہم زبان ہوں (غزل ظہوری کی زمین کہی ہے)۔ چاہتا ہوں کہ ظہوری کی غزل کے مطلع پر میں بھی غزل کہوں اور اس کی ہمنوائی کا شرف حاصل کروں۔
گویا وہ اس ذوق و شوق میں ظہوری کے کاروان کے جرس کی آواز پر آواز پیدا کر رہا ہے۔

نامہ بر گم شد، در آتش نامہ را باز افگنم
چون کبوتر نیست طاؤسی بی پراوز افگنم

کبوتروں کے ذریعے خط بھیجے جاتے تھے۔

خط کو نذر آتش کرنے کو پرواز طاؤس (مور) سے تشبیہ دی ہے۔

نامہ بر نہیں ملتا، میں خط کو آگ میں ڈال رہا ہوں۔ چوں کہ کبوتر نہیں اس لئے طاؤس ہی کو اڑا رہا ہوں۔

از نمک جان در تن طرز نکویان کرده ام
زین سپس درمغز دعوی شور اعجاز افگنم

لغت: ''طرز نکویان'' = خوش کلام شعرا کا اسلوب بیان۔

میں نے خوش گو شعرا کے اسلوب بیان میں اپنے کلام کی نمکینی سے نئی روح پھونک دی یہ میرے اشعار معجزہ ہیں، میں ان کے ذریعے دعوای شاعری میں ہنگامہ پیدا کردوں گا۔

رنجه دارد صورت اندیشه یاران مرا
مفت من کائینهٔ خود را ز پرواز افگنم

ترک صحبت کردم و در بند تکمیل خودم
نغمه ام جان گشت خواهم در تنِ ساز افگنم

میں نے یاراں طریقت کی صحبت چھوڑ دی ہے اب میں اپنی تکمیل کی فکر میں ہوں۔

میرے نغمے سرتاپا روح بن گئے ہیں میں چاہتا ہوں انہیں ساز کے جسم میں ڈال دوں تا کہ ان نغموں کو سن کر سب مستفید ہوں۔

تا ز دود اهل نظر چشمی توانند آب داد
رخنه در دیوار آتش خانهٔ راز افگنم

میں آتش خانہ راز کی دیوار میں شگاف کر رہا ہوں تا کہ اس میں سے جو دھواں باہر آئے اہل نظر اس سے اپنی آنکھوں کو روشن کر لیں۔

شاعر اپنے دل و دماغ کے آتش خانہ راز کہتا ہے جس میں ایسے افکار پوشیدہ ہیں جنہیں فلسفۂ حیات کہا جا سکتا ہے۔

بگسلم بند و دهم اوراق دیوان را بباد
خیل طوطی اندرین گلشن به پرواز افگنم

لغت: ''بباد دادن'' = نذر ہوا کرنا۔ (برباد کرنا)۔

میں اپنے دیوان کا شیرازہ توڑ کر اوراق دیوان کو ہوا کی نذر کرتا ہوں۔ طوطیوں کے لشکر کو اس باغ میں اڑاتا ہوں۔

گویا اوراق شعر، خوشنوا پرندوں کی طرح ہوا میں پرواز کریں گے کیوں کہ اُن اوراق میں نغمات شعر ہیں۔

غالب از آب وهوای هند بسمل گشت نطق
خیز تاخود را باصفاهان و شیراز افگنم

غالب! ہند کی آب و ہوا (فضا) میں رہ کر قوت گویائی بسمل ہوئی جاتی ہے اٹھ کہ اصفہان اور شیراز کا رخ کریں۔

یہاں تو بلند شعر گوئی کی داد تو اہل اصفاہان و شیراز ہی دے سکتے ہیں۔

❀❀❀

ردیف (ن)

غزل نمبر(۱)

ای ز ساز زنجیرم در جنون نوا گر کن
بند گر بدین ذوق است پارهٔ گران تر کن

(یہ ساری کی ساری غزل خداے تعالیٰ کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہے اور اس میں مرزا غالب نے اپنے دکھوں کا اظہار بڑی بے باکی سے کیا ہے۔ لیکن اس بے باکی اور بظاہر گستاخی کی تہ میں انتہائی عجز و انکسار اور غایت درجہ خلوص اور پیار پایا جاتا ہے۔)

اس شعر میں کن کا لفظ جو فعل امر ہے ردیف کے طور پر آیا ہے لیکن پہلے مصرعے میں وہ فعل امر کے معنی نہیں دیتا بلکہ وہ ''نوا گر کن'' کے مرکب کا ایک جز ہے۔

نوا گر کے معنی فریادی یا فریاد کرنے والا۔ ''نوا گر کن'' اسم فاعل ترکیبی ہے اور فاعلی معنی دے رہا ہے۔ یعنی فریادی بنانے والا۔ مراد خدائے پاک سے ہے جس نے شاعر کو جنون شوق عطا کر کے فریاد پر آمادہ کر رکھا ہے۔

قاعدہ ہے کہ دیوانے کو عالم دیوانگی میں زنجیریں پہنا دی جاتی ہیں، اُن زنجیروں کی جھنکار سے جو آواز اُبھرتی ہے اسے شاعر نے ''نوا'' سے تعبیر کیا ہے اور یہ لفظ فریاد اور نغمہ دونوں کا مفہوم دیتا ہے شاعر نے اس اعتبار سے زنجیر کو ایک ساز تصور کر کے ساز زنجیر کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

کہتا ہے کہ تو نے مجھے جنون شوق عطا کیا ہے اور زنجیروں سے نغمے اُبھر رہے ہیں اور ان نغموں میں خاص کیف ہے اگر یہ زنجیر (بند) اتنی ہی پر ذوق ہے تو اس زنجیر میں تھوڑا سا اور اضافہ کر دے۔

گویا زنجیر میں چند حلقے اور بڑھ جائیں گے تو وہ بھاری بھی ہو جائیگی اور جنون شوق کی شدت کو روکنے میں مدد دے گی اور اس سے دیوانگی کا جوش اور اُبھرے گا اور اس سے مزید کیفیت انگیز نغمے اُبھریں گے۔

شاعر کے شعر کیا ہیں نغمات عشق ہیں۔

اس شعر میں گران کا لفظ بڑا ذو معنی واقع ہوا ہے جو اہل ذوق سے پوشیدہ نہیں۔

فیض عیش نوروزی جاودانہ خوش باشد
روز من ز تاریکی باشیم برابر کن

لغت: ''نوروز'' = ایرانیوں کے یہاں نوروز سال کا پہلا دن ہوتا ہے جس کے لیے وہ جشن نوروز بھی مناتے ہیں۔ شعر میں ''عیش نوروزی'' ''خوشی کا دن'' کے مفہوم میں آتا ہے۔

شاعر غمگین ہے اور غم کے باعث اس کا دن بھی رات کی طرح تاریک ہے لیکن اس میں اُسے راحت ملتی ہے کہتا ہے۔

عیش نوروزی ہمیشہ جاری رہے تو اچھا لگتا ہے، اے خدا میرے دن کو (میری) رات کا ہمسر بنا دے یعنی وہ سیاہی میں رات کی طرح ہو جائے تو مزہ ہے۔

ز آنچہ دل زھم پا شد لب چہ طرف بر بند
یا مجال گفتن دہ یا نہ گفتہ باور کن

جو کچھ میرے دل سے اُبھرتا ہے (زہم پاشد) لب اس سے کیسے نمٹ سکتا ہے یعنی اُس سے کیسے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ اے خدایا تو بات کہنے کی مجال عطا کر یا جو کچھ میں نہیں کہتا اُس کا بن کہے ہی اعتبار کر لے۔

انسان اگر اپنا دکھ بیان نہ کر سکے تو کیا ہے۔ خدا تو دلوں کے راز جانتا ہے اُسے خود فریاد رسی کرنی چاہیے۔

در رسائی سعیم عقدھا پیالی زن
در روانی کارم فتنہ ھا شناور کن

رسائی سعی سے کوشش کی پہنچ مراد ہے کہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوتی ہے۔ کہتا ہے کہ میری کوشش کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتا چلا جا، یعنی مسلسل اُلجھنیں پیدا کر اور میرے کاموں کی روانی میں وہ زور پیدا کر کہ اس میں فتنے تیرنے لگیں۔

ای کہ از تو می آید خس شرر فشان کردن
زخم را ز خونابش بخیہ را پر آذر کن

لغت: ''آذر''=آگ۔

تو تو ایک تنکے کو بھی شرر فشانی عطا کرتا ہے۔ میرے زخموں سے جو خوں برستا ہے اُسے اتنا آتشیں بنا دے کہ اُس سے میرے زخم کی بخیے جل جائیں۔

یعنی زخموں کے اندمال اور اُن کے اچھے ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔

خوی سرکشم دادی عجز رشک نپسندم
سینۂ من از گرمی تابۂ سمندر کن

لغت: ''تابہ''= توا۔

تو نے مجھے خوی سرکش دی ہے میں کسی طرح کے رشک کی عاجزانہ حالت کو گوارا نہیں کر سکتا میرے سینے کو اتنا گرما دے کہ وہ سمندر کے لیے تپتا ہوا توا بن جائے۔

کہتا ہے کہ سمندر آگ میں رہتا ہے اور نہیں جلتا، میں بھی غم کی آگ میں زندگی بسر کر رہا ہوں لیکن اس رشک کو گوارا نہیں کر سکتا۔ میرے سینے میں وہ شعلے بھڑکا کہ اس سے سمندر بھی جل جائے۔

''کن'' بپارسی گفتی ساز مدعا کردم
ھم بخویش در تازی گفتہ را مکرر کن

لغت: ''کن'' فارسی مصدر کردن سے فعل امر ہے یعنی ''کر'' اور عربی کی حالت میں مصدر ''کون'' سے بھی فعل امر ہے۔ جس کا مطلب ہے ''ہو جا''۔

تو نے فارسی زبان میں ''کر'' کا لفظ ارشاد فرمایا میں نے ساز مدعا یعنی خواہشوں کا ساز و سامان فراہم کر لیا (اور دل میں آرزوؤں کا طوفان بپا کر لیا ان آرزوؤں کو پورا کرنے کی کوئی صورت ہونی چاہیئے) اب تو خود ہی عربی (تازی) میں ''کن'' یعنی ہو جا کا لفظ کہہ دے تا کہ ہماری یہ خواہشات پوری ہو سکیں۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات کی نعمتوں سے تو نوازا لیکن انسانی خواہشات اتنی زیادہ ہیں کہ اُن کے پورا ہونے کا امکان نہیں سوائے اس کے کہ قدرت ہی ان سے تمتع حاصل کرنے کا سامان بھی پیدا کرے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان ولیکن پھر بھی کم نکلے

زین درونہ کاوی ھا گوھرم بکف نامد

خدمتی معین شد، اُجرتی مقرر کن

لغت: ''درونہ کاوی'' = سینہ کاوی، ایک فن کار شاعر کی ذہنی کاوش۔

کہتا ہے کہ میں نے دل ودماغ کو بہت کریدا لیکن اس کاوش سے مجھے کوئی موتی ہاتھ نہ لگا۔

تو نے ایک خدمت تو مجھے سونپ دی (معین کردی) اب اس خدمت کی کوئی اُجرت بھی مقرر کردے۔

از درون روانم را در سپاس خویش آور

و ز برون زبانم را شکوہ سنج اختر کن

(اے خدا یہ توفیق عطا فرما کہ) میری روح اندر سے تیری سپاس گزار ہو اور زبان ظاہرا، (تیرا شکوہ نہیں) بلکہ بد بخت ستاروں کا۔

یعنی میرا دل تیرا شکر گزار ہے اگر زبان پر کوئی حرف شکایت آتا ہے تو اس میں تجھ سے گلہ نہیں ہوتا بلکہ اپنے منحوس ستارۂ قسمت کا۔

بخشش خداوندی گر فراخور ظرف است

ھم بہ ھوش بیشی دہ، ھم بہ می تونگر کن

لغت: ''فراخور ظرف'' = ظرف اور حوصلے کے مناسب۔ ''تونگر''۔ مالا مال۔

اگر تیری بخشش (خدائی بخشش) انسان کے ظرف کے مطابق ہے تو میرے ہوش میں اضافہ بھی کرتا چلا جا اور ساتھ ہی شراب سے زیادہ نوازنے کا سامان بھی مہیا کر۔

یعنی شراب سے مالا مال کردے لیکن ایسی صورت ہو کہ خم پہ خم بھی پیوں تو نشہ نہ ہونے پائے اور ہوش برقرار رہے۔

بھر خویشتن غالب ھستئی تراشید است

قھرمان و حدت را درمیانہ داور کن

لغت: ''قہرمان'' = غالب اور قاہر حاکم وفرماں روا۔ ''داور'' = منصف، عادل۔

غالب نے اپنے لیے ایک وجود تراش لیا ہے۔ اپنی شان توحید کے جلال کو اس بارے میں منصف بنالے (کہ غالب کا یہ دعویٰ کس حد تک صحیح ہے)۔

❁❁❁

غزل نمبر (۲)

مولانا حالی ''یادگار غالب'' میں لکھتے ہیں:

''ذیل کی غزل نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے مکان پر جو مشاعرہ ہوتا تھا، اس میں پڑھی گئی تھی۔ چونکہ دلی کے تمام نامور شعراء کا جو وہاں فارسی غزلیں لکھ کر لے جاتے تھے، مرزا نے اس غزل میں ذکر کیا ہے اور غزل بھی نہایت فصیح ہے اس لیے بطور یادگار غزل یہاں نقل کی جاتی ہے۔''

ھا پری شیوہ غزالان و ز مردم رم شان

دل مردم بخم طرۂ خم در خم شان

لغت: ''ہا'' = کلمۂ تحسین ہے۔ یعنی زہے، کیا خوب!

کیا کہنے ان پری شیوہ غزالوں کے اور لوگوں سے ان کے اس فرار کے۔ لوگوں کے دل

ان کی خم درخم زلفوں میں اٹکے ہوئے ہیں۔ (اور وہ بے نیازانہ اُن سے دور رہتے ہیں)۔

کافر ان اند جھان جوی کہ ھرگز نبود
طرۂ حور دل آویز تر از پرچم شان

یہ وہ محبوبان جہاں جو ہیں کہ جن کے گیسو حوروں کی زلفوں سے کہیں زیادہ دل آویز ہیں۔

آشکارا کش و بدنام و نکو نامی جُو
آہ ازین طائفہ و آنکس کہ بوَد محرم شان

یہ لوگوں کو علانیہ ہلاک کر رہے ہیں، اور اس سلسلے میں بدنام ہیں اور پھر بھی اپنی اپنی نیک نامی چاہتے ہیں۔ تو بہ کیا ظالم ہیں یہ لوگ اور کیا مظلوم ہیں وہ جن کا ان سے واسطہ پڑا ہے۔

و رشک بر تشنۂ تنہا روِ وادی دارم
نہ بر آسودہ دلانِ حرم و زمزم شان

لغت: ''آسودہ دلان محرم'' = حرم میں آسودگی اور آرام سے رہنے والے جہاں انہیں آب زمزم نصیب ہوتا ہے۔ کہتا ہے مجھے حرم کے آسودہ دلوں اور اُن کے آب زمزم پہ رشک نہیں آتا بلکہ اُس پر رشک آتا ہے جو وادی میں تنہا اور پیاسا چلا جا رہا ہے۔

بگذار از خستہ دلانی کہ ندانی، ھشدار
خستگانند کہ دانی و نداری غم شان

''یعنی اُن مصیبت زدوں کو جانے دے جن کو تو نہیں جانتا مگر خبردار رہ کہ بہت سے ایسے آفت زدہ ہیں جن کو تو جانتا ہے مگر اُن کا کچھ غم تجھ کو نہیں'' (حالی)

داغ خون گرمی این چارہ گرانم، دانی
آتش است آتش اگر پنبہ و گر مرھم شان

لغت: ''خون گرمی'' = محبت کی گرم جوشی۔

ان چارہ گروں کی محبت اور ہمدردی کی گرمی نے مجھے جلا دیا ہے۔ تو جانتا ہے کہ یہ میرے زخموں پر مرہم لگائیں یا روئی رکھیں، دونوں آگ ہیں آگ۔

یعنی ان چارہ گروں کی چارہ سازی بھی آگ کا کام دیتی ہے۔

ای کہ راندی سخن از نکتہ سرایان عجم
چہ بما منت بسیار نھی از کم شان

لغت: ''نکتہ سرایان عجم'' = ایران کے نکتہ گو شاعر۔

اے کہ تو نے ایرانی شعرا کی بات کی ہے، تو (اس بات سے) اُن معدودے چند (کم) شخصیتوں سے ہم پر زیادہ احسان دھرنے کی کیا کوشش کر رہا ہے۔ یعنی چیدہ ہستیوں کا تذکرہ کر کے اُن کی عظمت کو زیادہ اجاگر کیا جا رہا ہے گویا ہمارے دیس میں ایسی ہستیوں کی تعداد کم ہے۔

ھِند را خوش نفسانند سخنور کہ بوَد
باد در خلوت شان مشکفشان از دم شان

مومن و نیّر و صھبائی و علوی و انگاہ
حسرتی اشرف و آرزدہ بوَد اعظمِ شان

ہند میں ایسے ایسے خوشگو (خوش نفس) شعرا ہیں کہ اُن کے معطر سانس سے ہوا اُن کی خلوت کو مشکفشاں کر دیتی ہے۔ اُن میں مومن ہیں، نیّر، صہبائی اور علوی ہیں اور پھر انہی میں حسرتی اور آزردہ بلند مرتبہ اعلیٰ پایہ شاعر بھی ہیں۔

مولانا حالی اس جگہ ان باکمال ہستیوں کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مومن یعنی حکیم مومن خاں جن کا دیوان اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں موجود ہیں۔ نیّر یعنی نواب ضیاء الدین احمد خاں رئیس لوہارو جن کا کلام دونوں زبانوں میں بقدر معتدبہ موجود ہے مگر کوئی دیوان مرتب نہیں ہوا۔ صہبائی مولانا امام بخش صہبائی جن کی نظم و نثر فارسی اور دیگر رسائل اور شروح تین جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ علوی مولانا عبداللہ خاں علوی اُستاد مولانا صہبائی جن کی نظم و نثر فارسی چھپ چکی ہے اور عربی میں بھی اُن کے قصائد موجود ہیں۔ حسرتی، نواب مصطفی خاں رئیس جہانگیر آباد، جن کے دیوان اُردو و فارسی دونوں زبانوں میں چھپ چکے ہیں اور اس کے سوا ''سفر نامہ حج'' ''تذکرۂ گلشن بے خار'' اور رقعات فارسی بھی اُن کی تصانیف سے شائع ہو چکی ہیں آزردہ مفتی محمد صدر الدین خاں آزردہ جن کا کلام اُردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں موجود تھا مگر افسوس اُس میں سے بہت کچھ ضائع ہو گیا ہے لیکن بعض مذہبی رسالے جو اُن سے یادگار ہیں شائع ہو چکے ہیں۔

غالبِ سوختہ جان گرچہ نیرزد بشمار
ھست در بزم سخن ھمنفس و ھمدم شان

اگرچہ غالب سوختہ جاں کسی شمار کے قابل نہیں تاہم بزم شعر میں ان بزرگوں کا ہمنفس اور ہمدم ہے۔

غزل نمبر (۳)

جنون مستم بہ فصل نو بھارم می توان کشتن
صراحی برکف و گل در کنارم می توان کشتن

میں مست جنوں ہوں، مجھے موسم بہار میں مارا جاسکتا ہے اس عالم میں کہ صراحی ہتھیلی پر ہو اور پھول میرے آغوش میں ہوں۔

فصل گل آنے پر جنوں زور پکڑتا ہے کہتا ہے کہ اگر بہار اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ آئے اور مے کی فراوانی ہو اور محبوب آغوش میں ہو تو میں اپنی جان قربان کر دوں۔

گرفتم کی بشرع ناز زارم می توان کشتن
بہ فتوای دل امیدوارم می توان کشتن

لغت: ''گرفتم'' محاورہ آیا ہے، یعنی میں نے مان لیا، تسلیم کرلیا۔

میں نے مان لیا کہ مجھے نازحسن کی شرع کی رو سے کب قتل کیا جاسکتا ہے۔ وہ یہ کہ (اس قتل کا) فتویٰ میرے دل امیدوار سے لیا جائے۔

یعنی نازحسن پر جان قربان کرنے کا جواز یہ ہے کہ میرا اپنا دل اس کی امید لگائے بیٹھا ہے۔

بجرم این کہ در مستی بپایان بردہ ام عمری
بکوی مَی فروشان در خمارم می توان کشتن

اس پاداش (جرم) میں کہ میں نے ساری زندگی مستی ہی میں گزاری ہے مجھے مے فروشوں کے کوچے میں خمار کی حالت میں مار دیا جائے۔

ایک ایسے مے خوار کے لیے جو عمر بھر نشے کا عادی رہا ہو، خمار کی حالت موت ہی ہوتی ہے اور اُس کی سزا بھی یہی ہے۔

به هجران زیستن کفر است خونم را دیت نبود
چراغ صبحگاهم، آشکارم می توان کشتن

لغت: ''چراغ کشتن'' = چراغ بجھانا۔

فراق میں جینا کفر ہے، اور میرے قتل کا خوں بہا کر کچھ نہیں۔ میں جراغ صبح گاہی ہوں مجھے (چھپ کر نہیں) علی الاعلان مارا جاسکتا ہے۔

صبح کے وقت شمع کو بجھا دیا جاتا ہے، بجھنا گویا اس کی موت ہے اور اس موت کے لیے شمع کو کوئی خونبہا نہیں ملتا اسی طرح فراق زدہ عاشق اگر مار دیا جائے تو اس کا خونبہا کچھ نہیں ہوگا، کیوں کہ اس کی زندگی موت کے مترادف ہے۔

تغافل های یارم زنده دارد ور نه در بزمش
به جرم گریهٔ بی اختیارم می توان کشتن

لغت: ''تغافل'' = بناوٹی غفلت۔

محبوب عاشق کی حالت سے غافل نہیں، صرف ظاہر کرتا ہے کہ غافل ہے اور عاشق اس انداز تغافل سے واقف ہے۔

اسی لیے عاشق محبوب کی بے نیازی کے باوجود زندہ ہے، ورنہ بزم محبوب میں بے اختیار رونے کی سزا یہ ہے کہ عاشق کو قتل کر دیا جائے۔

جفا بر چون منی کم کن که گر کشتن هوس باشد
بذوق مژدهٔ بوس و کنارم می توان کشتن

لغت: فارسی میں ''کم کن'' کے معنی ''مکن'' یعنی نہ کر ہے۔

میرے جیسے پر جفا نہ کر کیوں کہ اس جفا سے مقصود مجھے مار ڈالنا ہے تو مجھے بوس و کنار کی خوش خبری دے کہ اس کی لذت سے بھی مارا جاسکتا ہے۔

بیا بر خاک من گر خود گل افشانی روا نبود
بیاد دامنی شمع مزارم می توان کشتن

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ اگر میری قبر پہ تجھے پھول چڑھانا روا معلوم نہیں دیتا تو اپنے دامن کو ایک بار جھاڑ کر اُس کی ہوا سے میری شمع مزار ہی بجھا دے۔

معشوق تربت عاشق پر اگر پھول نہیں چڑھاتا تو ایسے بدنصیب عاشق کے مزار پر اگر شمع بھی نہ جلے تو مناسب ہے۔

منت معذور دارم لیکن ای نامهربان آخر
بدین جان و دل امیدوارم می کشتن

لغت: ''منت معذور دارم'' = من ترا معذور دارم یعنی میں تجھے معذور سمجھتا ہوں۔

کہتا ہے میں تجھے معذور جانتا ہوں لیکن اے نامہربان آخر مجھے امیدوار جان اور دل کی بنا پر ہی قتل کیا جاسکتا ہے۔

یعنی میں قتل ہونے کی امیدیں باندھے بیٹھا ہوں اسی بہانے مار ڈال۔

بخون من اگر ننگ است دست و خنجر آلودن
نوید وعدۂ کز انتظارم می توان کشتن

معشوق سے کہتا ہے کہ اگر تجھے میرے خون سے اپنے ہاتھوں اور خنجر کو آلودہ کرنا گوارا نہیں (اور اسے اپنے لیے باعث ننگ خیال کرتا ہے) تو قتل کے وعدے کی کوئی خوش خبری ہی سنا دے کہ میں اس خوش خبری ہی سے جان دے سکتا ہوں۔

خدایا از عزیز ان منت شیون کہ بر تابد
جدا از خان و مان دور از دیارم می توان کشتن

اے خدا (میرے مرنے پر) میرے عزیزوں کے نالہ و فریاد کی کون تاب لا سکے گا؟ بہتر ہے کہ مجھے گھر بار سے الگ اور وطن سے دور ہی موت آ جائے۔

غالب نے اُردو کے ایک شعر میں اسی احساس کو یوں بیان کیا ہے:

مارا دیار غیر، میں مجھ کو وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

پس از مردن اگر بهر من آسائش گمان داری
سرت گردم بہ تصدیع خمارم می توان کشتن

اگر میرے مرنے کے بعد تجھے یہ گماں ہو کہ میں آسائش میں ہوں گا تو مجھے خمارَی کی حالت میں مار کہ اس سے مجھے کوئی آرام نصیب نہیں ہوگا بلکہ میں ایک پیہم دکھ میں مبتلا ہو جاؤں گا۔

گویا شراب نہ ملنے (یعنی خمار) کی حالت میں مرنا اک عذاب ابدی ہے۔

گرفتم یار باشد بی نیاز از کشتنم غالب
بدرد بی نیازی های یارم می توان کشتن

غالب! میں نے مانا کہ میرا یار مجھے مار ڈالنے سے بے نیاز ہے اُس کی انھیں بے نیازیوں کے دکھ کے ہاتھوں ہی مارا جا سکتا ہوں۔

❀❀❀

غزل نمبر (۴)

زهی باغ و بهار جان فشانان
غمت چشم و چراغ راز دانان

جاں فشانوں یعنی جان نثار عاشقوں کے لیے تیرا حسن (وجود) باغ و بہار ہے اور تیرا غم راز دانوں کا چشم و چراغ ہے یعنی عاشق تیرے غم کو عزیز سمجھتے ہیں اور راز کی طرح دل میں چھپائے رکھتے ہیں۔

بصورت اوستاد دلفریبان
بمعنی قبلۂ نامهربانان

تیری صورت (یعنی ظاہری حسن) بڑے بڑے دلفریبوں کی استاد ہے اور باطن

میں تو نامہربانوں کا قبلہ وکعبہ ہے۔صورت کی دلفریبی ظاہر ہوتی ہے اور نامہربانی ایک پوشیدہ شے ہے جو نظر نہیں آتی۔

کہتا ہے کہ تیرے حسن کی دلفریبی کا کوئی جواب نہیں اور بڑے بڑے ستم شعار تجھے اپنا قبلہ وکعبہ مانتے ہیں۔

چمن کوئی ترا از رہ نشینان
ختن موئی ترا از باد خوانان

دونوں مصرعوں میں ''ترا'' کا را اضافی ہے۔نثر یوں ہے کہ چمن از رہ نشیناں کوئی تست وختن از باد خواناں موی تست۔بادخوان،خوشامد گو،ثنا خواں۔

چمن تیرے کوچے کے رہ نشینوں میں سے ہے اور ختن تیری زلفوں کا ثنا خواں ہے۔

بلایت چھرہ با مشکینہ مویان
ادایت چیرہ بر نازک میانان

تیری بلائے حسن مشکبو زلفوں والوں کو ماند کرتی ہے اور تیری ادا نازک کمر والوں پر غالب ہے۔

غمت را بختیان زنار بندان
گلت را عندلیبان بید خوانان

بختیاں تیرے غم کی زنار بند ہیں اور بلبلیں تیرے گل حسن کے سامنے وید خوانی کرتی ہیں۔

وصالت جان توانا ساز پیران
خیالت خاطر آشوب جوانان

تیرا وصال بوڑھوں کی جان کو توانائی بخشتا ہے اور تیرا خیال جوانوں کے دل کو پریشان کر دیتا ہے۔

دل دانش فریبت را بگردن
وبال رونق جادو بیانان

تیرے دانش فریب دل کی گردن پر بڑے بڑے جادو بیانوں کی رونق کو تباہ کرنے کا سامان فراہم ہے۔

یعنی تیرے دل میں ایسے ایسے دانش فریب خیالات اُبھرتے ہیں کہ بڑے بڑے جادو بیان لوگ ہار مان لیتے ہیں۔

غمِ دوزخ نہیبت را بدامن
گدازِ زہرۂ آتش زبانان

لغت: ''غم دوزخ نہیب'' = وہ غم جسے دیکھ کر دوزخ بھی خوف کھائے۔

تیرے دوزخ نہیب غم کی گرمی سے آتش زبانوں کا زہرہ (پتا) گداز ہو کر پڑا ہے۔

یعنی تیرے غم سے بڑے بڑے آتش زبان بھی خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔

میانت پای لغزِ موشگافان
دہانت چشم بند نکتہ دانان

تیری کمر کو دیکھ کر بڑے بڑے موشگاف لغزش کھا جاتے ہیں اور تیرے دہن کے سامنے نکتہ وروں کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔

دل از داغت بساط گلفروشان

تن از زحمت ردای باغبانان

عاشقوں کے دل تیرے داغ محبت سے یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے گلفروشوں نے پھولوں کی بساط بچھائی ہو۔اور عاشقوں کے جسم زخموں سے باغبانوں کی چادر معلوم ہوتے ہیں۔

سگ کوئی ترا در کاسہ لیسی

لب پُر دعوی شیرین دھانان

ترے کوچے کے کتے کے لب، کاسہ لیسی کرتے کرتے اتنے شیریں ہو جاتے ہیں کہ وہ شیریں دہن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

سر راہ تار در خاک روبی

نسیم پرچم گیتی ستانان

لغت: ''گیتی ستاں'' = جہاں کے فاتح۔فرماں روا۔

بڑے بڑے فرماں رواؤں کے پرچم ہلتے ہیں اور اُن کے ہلنے سے جو ہوا چلتی ہے وہ تیری راہ کے گرد و غبار کو اڑا کر راستے کو صاف کرتی ہے۔

بہ پشتی بانی لطف تو امید

قوی ھمچو نھاد سخت جانان

تیرے لطف و عنایت کی مدد سے انسانی امیدیں، سخت جانوں کی طرح قوی ہو جاتی ہیں۔

بہ بالا دستی عفو تو عصیان

زبون ھمچون نشست ناتوانان

تیری عفو اور خطا بخشی اتنی زبردست ہے کہ اُس کے آگے گناہ یوں زار زبوں نظر آتا ہے جیسے کوئی ناتواں ضعف سے عاجز آ کر بیٹھ رہا ہو۔

ز ناحق کشتگان راضی بجانت

کہ غالب ھم یکی باشد ز آنان

ناحق جاں دینے والوں سے تو اس لیے دل و جاں سے راضی ہے کہ غالب بھی انہی میں سے ایک ہے۔

غزل نمبر (۵)

طاق شد طاقت زعشقت بر کران خواهم شدن

مهربان شو ورنه بر خود مهربان خواهم شدن

طاقت جواب دے گئی ہے میں (تنگ آ کر) عشق سے کنارہ کشی کرلوں گا۔

مجھ پر مہربان ہو جا ورنہ میں اپنے پہ مہرباں ہو جاؤں گا۔

گویا عشق کی آفتوں سے کنارہ کش ہونا اپنے پہ مہرباں ہونا ہے اگر معشوق عاشق پہ رحم نہیں کرتا تو عاشق کو خود اپنے پہ رحم کھانا چاہیے۔

خار و خس هر گه در آتش سوخت، آتش می شود

مُردم از ذوق لبت چندان که جان خواهم شدن

تنکے جب آگ میں جل جاتے ہیں تو خود آگ بن جاتے ہیں۔ میں تیرے ذوق لب میں اتنا بے جاں ہوگیا کہ سراپا جان بن جاؤں گا۔

در تب اند از تاب رشک طاقت نظاره ام

خوش بیا کامشب بهشت دشمنان خواهم شدن

میرے رقیب، تیرے حسن کے نظارے کی تاب لانے پر رشک کی آگ سے جل رہے ہیں۔ تو خوشی سے آ کہ (آج رات میں تیرے جلووں سے جل جاؤں گا اور) اپنے دشمنوں کے لیے بہشت بن جاؤں گا۔

یعنی میرا جلنا ان کی خوشی کا سامان فراہم کرے گا۔

محو گشتم از تغافل بر نتابم التفات

گر بچشمم جا دهی خواب گران خواهم شدن

میں تیرے انداز تغافل میں اس قدر محو ہوں کہ تیری توجہ اور التفات کی تاب نہیں لاسکتا، اب اگر تو مجھے اپنی آنکھوں میں بھی جگہ دے گا تو وہاں بھی مجھ پر گہری نیند کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ یعنی اس حالت التفات میں بھی میری محویت کا وہی عالم ہوگا جو بے التفاتی کے وقت تھا۔

آبم از شرم وفا و از خودم پا در گل است

تا نه پنداری که از کویت روان خواهم شدن

لغت: ''پا در گل'' = پھنسا ہوا، مجبور۔

میں اپنی وفاداری پر شرمسار ہوں اور شرم سے پانی پانی ہوگیا ہوں اور خود ہی اس دلدل میں پھنس کر رہ گیا ہوں۔ کہیں یہ خیال نہ کرنا کہ اگر تو مجھے اپنے کوچے سے نکالے گا تو میں روانہ ہو جاؤں گا۔

عاشق کی وفاداری کوئی فخر کی بات نہیں، اس لیے کہ وفا ایک عالم مجبوری ہے۔ عاشق قید وفا سے نکلنا بھی چاہے تو نہیں نکل سکتا۔ غالب نے اس خیال کو بڑے خوبصورت اسلوب بیان سے ادا کیا ہے۔ اُن کا اُردو کا یہ شعر دیکھیے:

مجبوری و دعوای گرفتاری الفت

دست تہ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

کہتا ہے کہ ہے تو مجبوری کی حالت اور دعویٰ اس بات کا ہے کہ دیکھو میں کتنا گرفتار الفت ہوں یہ وفا کا عہد و پیمان اور اس عہد و پیمان کی استواری تو محض مجبوری ہے۔ ایک ہاتھ جو

بھاری پتھر کے نیچے دبا ہوا ہے، نکالنا بھی چاہیں تو نہیں نکل سکتا۔

یہ شعر غالب کے تصورِ عشق کو بطریق احسن بیان کرتا ہے۔

پیش خود بسیارم و بسیار مشتاقِ توام

تا کجا صرف گداز امتحان خواهم شدن

میں خود بھی بھاری بھرکم ہوں اور اُسی قدر تیرا مشتاق بھی ہوں۔ (اس شوق کی گرمی سے گداز ہوا جا رہا ہوں اور اس امتحان عشق میں پورا اُترنے کے لیے ختم بھی نہیں ہونا چاہتا) نہ جانے میں کب تک اس گداز امتحان میں صرف ہوتا چلا جاؤں گا۔

گرم باد از نغمہ بزمِ دعوتِ بالِ ہما

سازِ آواز شکست استخوان خواهم شدن

لغت: ''بال ہما'' ہما کے پروں کا سایہ مبارک خیال کیا جاتا ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ ہما ہڈیاں کھاتا ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ عشق میں میری ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں اور ان ہڈیوں کی شکست سے جو آواز بلند ہو رہی ہے وہ ایک ساز کی آواز بن گئی ہے۔ اللہ کرے میرے ان نغموں سے بزم ہما کے ساز و سامان مہیا ہو جائیں۔

ہما کا استعارہ محبوب کے لیے ہے۔

با هوس خویش است حسن و از وفا بیگانہ است

مهر کم کن ورنہ بر خود بدگمان خواهم شدن

حسن وفا سے بیگانہ ہوتا ہے اور ہوس کا عزیز۔ یہ محبت کا شیوہ چھوڑ دے ورنہ مجھے اپنے پہ بدگمانی ہوگی۔ حسن ہوس پیشہ لوگوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور سچے وفادار عاشقوں سے پہلو تہی کرتا ہے کہتا ہے کہ تو محبت پہ آمادہ ہو جائے اور مجھ سے مہربانی سے پیش آنے لگے تو مجھے اپنے بارے میں شک ہونے لگے کہ کہیں میں ہوس کار تو نہیں۔

بسکہ فکر معنی نازک همی کاهد مرا

شاهد اندیشہ را موی میان خواهم شدن

لغت: ''شاہد اندیشہ'' = یعنی شاہد فکر۔ شاعر نے اپنے شاعرانہ فکر کو محبوب تصور کیا ہے۔

میں معنی نازک کے فکر میں محو ہوں اور یہ فکر مجھے دبلا کرتا چلا جاتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو میں اپنے شاہد فکر کا موئے میاں بن کر رہ جاؤں گا۔ (شعرا معشوق کی نازک کمر کو بال سے تشبیہ دیتے ہیں)۔

لذت زخم چون خون غالب در اعضا می دود

رنج اگر اینست راحت را ضمان خواهم شدن

غالب لذت زخم خون کی طرح میرے اعضا میں دوڑتی پھرتی ہے۔ اگر دکھ اسی شے کا نام ہے تو راحت کا میں ضامن ہوں۔ یعنی غم سے بڑھ کے کونسی خوشی ہو سکتی ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۶)

دل زان مژۂ تیز بیک بار کشیدن
دامن بدرشتی بود از خار کشیدن

لغت: ''درشتی'' = سختی۔

محبوب کی تیز مژگان سے ایک دم نظر پھیر لینا ایسا ہی ہے جیسے کانٹوں میں الجھے دامن کو کانٹوں سے زور سے نکال لینا۔ (یہ عمل مشکل ہے اور اگر زور سے دامن کو کانٹوں سے نکالنے کی کوشش کی جائے تو دامن کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہے)۔

دارم سر این رشتہ بدانسان کہ ز دیرم
تا کعبہ توان بدد بزنار کشیدن

میں نے اس رشتۂ کفر (دھاگا) کو اس طرح سے تھاما ہوا ہے کہ زنار کشی میں دیر سے کعبے تک مجھے لے جایا جاسکتا ہے۔

اس زنار کا سلسلہ بڑھ کر ہی کعبے تک پہنچتا ہے۔ کفر و ایمان کے درمیان وہ فاصلہ نہیں جو سمجھا جاتا ہے۔

میان کعبۂ و بت خانہ عرصۂ یک گام
میان شیخ و برھمن ھزارھا فرسنگ (تاثیر)

در خلد ز شادی چہ رود برسرم آیا
چون کم نشود بادہ ز بسیار کشیدن

کہا جاتا ہے کہ جنت میں جو شراب (طہور) ہوگی وہ پینے سے کم نہیں ہوگی۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔ سوچتا ہوں کہ خلد میں خوشی سے مجھ پر کیا کیفیت طاری ہوئی، کیوں کہ وہاں شراب پینے سے کم نہیں ہو سکے گی۔

حق گویم و نادان بزبانم دھد آزار
یا رب چہ شد آن فتوئ بر دار کشیدن

میں حق بات کہتا ہوں اور نادان میری زبان کو سزوار ٹھہرا کر اُسے آزار پہنچاتے ہیں۔ اے خدا!! (حق گوئی پر) دار پر چڑھانے کے فتوے کو کیا ہوا۔ (منصور کو انا الحق کہنے پر سولی پر چڑھایا گیا)۔

گنجینۂ حسن است طلسمی کہ کس ازوی
چون عقدہ نیارد گھر از تار کشیدن

گنجینۂ حسن ایک طلسم ہے کہ اُسے کھول کر دیکھا نہیں جاسکتا کہ وہ کیا ہے، جس طرح الجھے ہوئے دھاگے میں سے (عقدہ) موتی تاروں سے الگ نہیں کیے جاسکتے۔

ز آسائش دل گرچہ مرادی دگرم نیست
باری نفسی چند بہ ھنجار کشیدن

دل کی آسائش سے میری مراد اور کچھ بھی نہیں۔ ہاں صرف اتنا تو ہو کہ انسان چند سانس (جو زندگی کے ہیں) وہ طریقے سے لے سکے۔

از بس کہ دل آویز بود جادۂ راهش

زحمت دهدم پای ز رفتار کشیدن

''پائے از رفتار کشیدن'' = رک جانا، ٹھہر جانا۔ چلتے چلتے قدم اٹھانے سے گریز کرنا۔

چونکہ اس کی راہ کا راستہ بڑا دل آویز ہے مجھے وہاں رکتے ہوئے زحمت ہوتی ہے۔
(جی نہیں چاہتا کہیں ٹھہر جاؤں)۔

از مطلع تابنده نهم پارهٔ لعلی

در رشته دم گوهر شهوار کشیدن

دھاگے میں موتی پروتے پروتے ایک چمکتا ہوا مطلع جو لعل کے ٹکڑے کی طرح ہے اس دھاگے میں پرو رہا ہوں۔ شاعر اپنے شعروں کے موتی پرو رہا تھا اب وہ ایک تازہ مطلع کہہ کران موتیوں میں ایک لعل کا اضافہ کر رہا ہے۔

درياب کہ با این همه آزار کشیدن

لب می گزم از کار به زنهار کشیدن

لغت: ''از کا بہ زنہار کشیدن'' = کسی کام سے تنگ آ کر پناہ مانگنا...... ''لب می گزم'' = میں دانتوں سے لبوں کو کاٹتا ہوں۔ یعنی مجھے انتہائی دکھ ہوتا ہے۔ ''دریاب'' = مداوا کر۔

کچھ تو مداوا کر! تیرے اتنے ستم اُٹھانے کے باوجود مجھے پناہ مانگتے ہوئے بھی دکھ ہوتا ہے۔

جان دادم و داغم کہ پس از من ز کہ خواهی

خجلت ز گرانجانیِ اغیار کشیدن

لغت: ''گران جان'' = سخت جاں، گران کے لفظ کا ایک معنوی پہلو یہ بھی ہے کہ گران جان وہ شخص ہے جو اپنی جان کو گران سمجھتا ہو اور آسانی سے جان نہ دے۔

عاشق کو یہ دیکھ کر کہ رقیب گراں جاں ہے ندامت ہوتی تھی۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔
میں نے تو جان دے دی لیکن مجھے اس بات کا رشک آ رہا ہے کہ میرے بعد اب وہ کون ہوگا جو رقیبوں کی گرانجانی کو دیکھ کر شرمندہ ہوا کرے گا۔

مشتاقِ قبولم من و دل تاب نیارد

آری ز لب نازکِ دلدار کشیدن

من کافر زنهاریِ شاهم، بمن ارزد

می در رمضان بر سر بازار کشیدن

لغت: ''زنہاری'' میں ''ی'' مفعولی ہے۔ پناہ یافتہ۔

میں بادشاہ کا وہ کافر ہوں جسے اُس کی پناہ حاصل ہے اس لیے مجھے زیب دیتا ہے کہ رمضان کے مہینے میں شراب پیوں اور بر سر بازار پیوں۔

فرجامِ سخن گوئی غالب بتو گویم

خون جگر است از رگ گفتار کشیدن

لغت: ''فرجام'' = انجام، اچھا نتیجہ یا صلہ۔

میں تجھے بتاؤں کہ غالب کی سخن گوئی کا صلہ کیا ہے، اپنی رگ گفتار سے اپنا خون جگر پینا۔

❀❀❀

غزل نمبر(۷)

رشکِ سخنم چیست، نہ شہد ھوس است این
تلخابۂ سر جوش گداز نفس است این

میری شاعری پر رشک کیسا۔ یہ کوئی ایسی شے نہیں ہے جس کے لالچ کرنے سے انسان کو (شہد کی مٹھاس) نصیب ہو۔ یہ تو شاعر کے گداز نفس کی تلخیاں ہیں۔
یعنی شعر کہنا کوئی آسان کام نہیں اس میں تو شاعر کا سانس پگھل جاتا ہے۔ گویا شعر کہنا خون کے تلخ آنسو پینا ہے۔

ای نالہ جگر در شکنِ دام مَیفشان
سرمایۂ آرائشِ چاکِ قفس است این

لغت: ''جگر افشاندن'' = جگر نثار کرنا، جگر کا خون بہانا۔
''شکنِ دام'' = حلقہ ہائے دام۔ ''چاکِ قفس'' = قفس کی سلاخوں کے درمیان شگاف:
جال (دام) اسیری کی ابتدا ہے۔ اصل مقام اسیری تو قفس ہے۔ مرغِ اسیر! اگر تو دام ہی پر اپنی فریادیں نچھاور کر دے گا تو قفس کے لیے کیا رہ جائے گا چنانچہ کہتا ہے۔
اے نالہ! اپنے جگر کے خون کو دام پر ہی نہ بہا دے یہ خونِ جگر تو گوشہ ہائے قفس کی آرائش کا سرمایہ ہے اس کو وہاں مصرف میں لائیں گے۔
یہ شعر غالب کے خوبصورت شعروں میں سے ہے۔

مستم، بکنارم خز و تن زن کہ درین وقت
ھرگز نشناسم کہ چہ بود و چہ کس است این

لغت: ''خز'' = ریشم۔
میں مست ہوں اور میرے آغوش میں ریشم ہے۔ خاموش ہوں اس وقت میں بالکل نہیں پہچانتا کہ یہاں کیا تھا اور یہ کون ہے۔

واعظ سخن از تو بہ مگو، این کہ پس از مَی
دست و دھن آب کشیدیم بس است این

واعظ! توبہ کی بات نہ کر۔ یہ جو شراب پینے کے بعد ہم نے پانی سے منہ ہاتھ دھو لیے ہیں اتنا ہی کافی ہے۔ مستقل توبہ کیسی۔

تقویٰ اثری چند بعمر دگرستش
نازم مَی بی غش چہ بلا زودرس است این

تقویٰ (کیا ہے) اُس کے کچھ اثرات دوسری زندگی سے وابستہ ہیں۔ میں تو مَی ناب پر نازاں ہوں کہ کتنی زودرس شے ہے۔ یعنی فوراً دستیاب ہوتی ہے اور یہیں ہوتی ہے۔
شراب کے بلا زودرس کا لفظ بڑا اموزوں ہے۔

با غیر نشائی و بما نیز بیرزی
لیک آن گل و خار آمد نسرین و خس است این

نہ تو رقیب کے شایاں ہے اور نہ ہی ہم تیرے سزاوار ہیں۔ لیکن یہ ہے کہ تیرا اور رقیب

کا ساتھ گل و خار کا سا ہے اور ہمارا نسریں و خس کا۔

رقیب کو خار کہاں اور اپنے کو خس۔

لب بر لب دلبر نھم و جان بسپارم

ترکیب یکی کردن صد ملتمس است این

محبوب کے لبوں پر لب رکھوں اور جان دے دوں۔ ہزار التماس کا ایک التماس یہی ہے۔

شوریست ز خواباندنِ جمازہ بمنزل

امّا نہ بد سازی بانگ جرس است این

داغ دل غالب بدو اچارہ پذیر است

این را چہ کنم چارہ کہ مشکین نفس است این

غالب کے داغ دل کا دوا سے علاج ہوسکتا ہے لیکن اس بات کا کیا علاج کہ اس کا داغ مشکیں نفس ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۸)

بسکہ لبریز است ز اندوہِ تو سر تا پای من

نالہ می روید چو خار ماھی از اعضای من

چونکہ میرا وجود سر تا پا تیرے غم سے لبریز ہے مچھلی کے کانٹے کی طرح فریاد میرے اعضا ہی سے (اُگتی) پیدا ہوتی ہے۔

مستِ دردم، ساز و برگ انتعاشم نالہ است

بی شکستن بر نیاید بادہ از مینای من

میں درد سے مدہوش اور مست رہتا ہوں۔ مجھے ہوش میں لانے کا ساز و سامان میرے نالے ہیں۔ مری صراحی سے شراب، بغیر صراحی ٹوٹنے کی باہر نہیں آتی۔

میں دردِ عشق سے مست ہوں ہاں دل ٹوٹنے لگتا ہے تو ذرا ہوش میں آتا ہوں۔ گویا میرا نالہ میرے ہوش کی نشانی ہے۔

فصلی از باب شکست رنگ انشا کردہ ام

میتوان راز درونم خواند از سیمای من

لغت: ''شکست رنگ'' = رنگ کا اُڑنا، ایک رنگ آنا ایک رنگ جانا۔

میں نے شکست رنگ کے باب کی ایک فصل (چہرے پر) تحریر کی ہے۔ میری پیشانی سے میرے راز پنہاں کو پڑھا جاسکتا ہے۔

یعنی میرے چہرے کے رنگ کے اُڑنے سے میرے قلب کے حال پنہاں کا پتا چلتا ہے۔

رفتم از کارو همان در فکر صحرا گردی ام
جوهر آئینۂ زانوست خار پای من

لغت: ''صحرا گردی'' = صحرانوردی۔ ''آئینۂ زانو'' = بالعموم آئینہ زانو پر رکھ کر دیکھا جاتا ہے۔ جب آدمی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو تو اس کا سر زانو پر دھرا ہوتا ہے۔ اس لیے آئینہ زانو سے مراد گہری سوچ یا فکر ہے۔ ''جوہر آئینہ'' سے مقصود آئینے کی چمک ہے۔
میں بے بس ہو کر رہ گیا ہوں لیکن صحرانوردی کا شوق اور خیال اسی طرح دل میں سمایا ہوا ہے۔ گویا وہ کانٹا جو صحرانوردی کے وقت میرے پاؤں میں رہ گیا تھا اب میرے آئینۂ زانو کا جوہر ہے یعنی یہ کانٹا مجھے پیہم صحرانوردی کی لذت کا یا احساس دلا رہا ہے اور مجھے پھر اس پر اُکسا رہا ہے۔

دانمش در انتظار غیر و نالم زار زار
وای من گر رفتہ باشد خوابش از غوغای من

میں جانتا ہوں کہ مرا محبوب رقیب کے انتظار میں ہے اور میں اس احساس سے زار زار فریاد کر رہا ہوں۔ حیف ہے مجھ پر اگر میری فریاد سے مرے محبوب کی نیند جاتی رہی ہو۔
یعنی محبوب سویا ہی رہتا تو اچھا تھا۔ جاگے گا تو پھر رقیب کے انتظار میں محو ہو جائے گا جسے عاشق برداشت نہیں کرسکتا۔

بسکہ ھامون از تب و تابم سراسر آتش است
بر ھوا چون دود لرزد سایہ در صحرای من

میرے شوق کی بے تابیوں کی گرمی سے جنگل سراسر آگ بن گیا ہے۔ میرے صحرا

میں سائے دھوئیں کی طرح ہوا کے اوپر لرز رہے ہیں یعنی سائے حرارت سے تڑپ کر اوپر کو جا رہے ہیں کہ بچ جائیں۔

زلف می آراید و از ناز یادم می کند
در خم آن طرہ خالی دیدہ باشد جائی من

وہ اپنی زلفیں سنوار رہا ہے اور بڑے ناز سے مجھے یاد کر رہا ہے۔ یاد آنے کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے اپنی زلفوں کے پیچ وخم میں میری خالی جگہ دیکھی ہوگی۔

خاطر منت پذیر و خوئی نازک دادۂ
گر بہ بخشی شرمسارم، ورنہ بخشی وائی من

تو نے مجھے احسان شناس دل دیا ہے اور ساتھ طبع نازک عطا کی ہے۔ اگر تو مجھے بخش دے (میرے گناہ معاف کر دے) تو میں شرمسار ہوتا ہوں اور اگر معاف نہ کرے تو صد حیف یعنی نازک مزاج ہونے کی وجہ سے دکھ ہوگا اور پھر گناہوں کے باعث سزا ملے گی اس کے صدمے کون سہہ سکے گا۔

مدتی ضبط شرر کردم بپاس غم ولی
خون چکیدن دارد اکنون از رگ خارائی من

لغت: ''خارا'' = سخت پتھر۔
میں نے ایک طویل عرصے تک اپنی شرربار آہوں اور فریادوں کو ضبط سے روکے رکھا لیکن اب تو میرے سخت پتھر کی رگوں سے بھی خون ٹپکنے کو ہے۔ یہاں ''رگ خار'' سے مراد اُس کا اپنا قوی دل ہے۔

در هجوم ظلمت از بس خویش را گم می کند

قطره در دریاست گوئی سایه در شب هائی من

میری راتوں میں سائے کی وہی حالت ہے جو قطرے کی سمندر میں ہوتی ہے کیونکہ وہ تاریکیوں کے ہجوم میں کھو جاتا ہے۔

رات کی تاریکی اس قدر زیادہ ہے کہ سایہ دکھائی نہیں دیتا۔ گویا وہ تاریکی خود سایہ بنی ہوئی ہے۔

حسن لفظ و معنیم غالب گواہ ناطق است

بر عیار کامل نفس من و آبائی من

لغت: ''گواہ ناطق'' = بولتا ہوا گواہ جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا ہے۔ ''عیار کامل'' = نہایت صحیح کھسوٹی۔ ''آبا'' = اب کی جمع، اجداد، بزرگ۔

اے غالب میرے کلام کے الفاظ اور ان کے معانی کا حسن خود گواہی دے رہا ہے کہ میرے اور آباؤ اجداد کی شخصیت کتنی عالی ہے۔

غزل نمبر (۹)

خوش بود فارغ ز بندِ کفر و ایمان زیستن

حیف کافر مردن و آوخ مسلمان زیستن

لغت: ''حیف'' اور ''آوخ'' = دونوں کلمات تاسف ہیں، بمعنی افسوس۔

کفر و ایمان کے خرخشوں سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کرنا کس قدر پر لطف ہے۔ کافر ہو کر مرنا مسلمان ہو کر جینا دونوں پر افسوس۔

حقیقت کی تلاش کرتے کرتے انسان کفر و ایمان کی کشمکش میں اُلجھ کر اپنی زندگی ویران کر لیتا ہے۔ خوش نصیب ہے وہ انسان ہے جو ان جھگڑوں سے بالاتر رہتا ہے۔

شیوهٔ رندان بی پروا خرام از من مپرس

این قدر دانم که دشوار است آسان زیستن

لغت: ''بے پروا خرام'' = زندگی کی راہ کو بے پروا انداز میں طے کرنے والے۔

زندگی کی کٹھن راہوں سے بے نیاز گزرنا بڑا دشوار ہے۔ رندان بے پروا گزرتے تو ہیں لیکن اس میں بڑے صدمے اُٹھانے پڑتے ہیں۔ چنانچہ کہتا ہے۔

مجھ سے یہ مت پوچھ کہ رندان بے پروا کا طریق کیا ہے؟ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ بے نیازانہ زندگی بسر کرنا کتنا دشوار کام ہے۔

برد گوی خرمی از هر دو عالم هر که یافت

در بیابان مردن و در قصر و ایوان زیستن

لغت: ''گوی بردن'' = لغوی طور پر چوگان بازی میں حریفوں سے گیند چھین کر نکل

جانا۔کامیاب ہونا۔ ''گوی خرمی بردن'' = راحت حاصل کرنے میں کامیاب ہونا۔

بظاہر بیابان میں (بے سروسامان) رہنا اور ذہنی طور پر یہ محسوس کرنا کہ گویا قصرِ شاہی میں جی رہا ہوں، یہ مقام جس کو بھی نصیب ہوا سمجھ لو کہ اسے دونوں جہاں کی خوشیاں مل گئیں۔

راحت جاوید ترک اختلاط مردم است

چون خضر باید ز چشم خلق پنہان زیستن

دنیا کے لوگوں سے ترک اختلاط کر لینے ہی میں ہمیشہ رہنے والی راحت میسر آتی ہے۔

خضر کی طرح چشمِ خلق سے چھپ کر زندگی بسر کرنی چاہیے۔

خضر جو نظر نہیں آتے اور دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہیں دیکھیے کتنے مزے سے جی رہے ہیں۔

تاچہ راز اندر تہ این پردہ پنہان کردہ اند

مرگ مکتوبی بود کو راست عنوان زیستن

لغت: ''مکتوب'' = تحریر، خط۔ ''عنوان'' = مضمون کی سرخی، خط کا آغاز یا پتا۔

نہ جانے اس پردے کی تہ میں کیا راز پوشیدہ ہے کہ موت ایک ایسی تحریر ہے جس کا عنوان زندگی رکھا گیا ہے۔یعنی یہ زندگی کیا ہے؟ دکھوں کا مقام ہے۔موت آتی ہے تو انسان آزاد ہو جاتا ہے اور یہ سرخروئی ہی زندگی ہے۔

روز وصل یار جان دہ ورنہ عمری بعد ازین

ھمچو ما از زیستن خواھی پشیمان زیستن

وصالِ یار نصیب ہو تو اُسی دن خوشی میں اپنی جان نثار کر دے ورنہ بعد میں عمر بھر ہماری طرح زندگی بسر کرنے پر پشیمان ہوتا رہے گا۔ بڑا خوبصورت شعر ہے۔اس کی مزید تشریح کرنا

گویا اس کے احساس کیفیت کو زائل کرنا ہے۔

بارقیبان ھم فنیم اما بدعوی گاہِ شوق

مردن است از ما وزین مُشتی گرانجان زیستن

لغت: ''مشتی'' = مٹھی بھر، گنتی کے چند لوگ، (حقارت کے انداز میں کہا ہے)۔

ہم اور ہمارے رقیب دونوں ہم فن اور ہم پیشہ ہیں یعنی دونوں عشق کرتے ہیں لیکن دعویٰ عشق کے اظہار کے موقع پر، جان فدا کر دینا (مردن) ہمارا کام ہے اور یوں سخت جاں رہ کر جینا ان چند گنتی کے لوگوں کا شیوہ۔

عشق کا دعویٰ تو بہت لوگ کرتے ہیں لیکن اس میں پورا اُترنا چند جواں ہمت لوگوں ہی کا کام ہے۔

بر نوید مقدمت صد بار جان باید فشاند

بر امید وعدہ ات زنھار نتوان زیستن

لغت: ''نوید مقدم'' = آمد آمد کی خوش خبری۔ ''زنہار'' ہرگز۔

تیرے آنے کی خوش خبری پر تو جان قربان کی جا سکتی ہے لیکن تیرے وعدے (کے پورا ہونے) کی اُمید پر ہرگز جی نہیں سکتے۔

تیرے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

دیدہ گر روشن سواد ظلمت و نور است، چیست

فارغ از اھرمن و غافل ز یزدان زیستن

لغت: ''اہریمن'' = اہرمن کی دوسری صورت ہے یعنی شیطان۔ ''یزدان'' = خدا۔

زردشتیوں کے یہاں اہرمن، بدی اور یزدان نیکی کی علامت ہے، یعنی شیطان اور خدا۔ وہ اسی سے ظلمت و نور کا تصور لیتے ہیں۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:

اگر آنکھ ظلمت و نور کا امتیاز کرسکتی ہے تو پھر شیطان کی طرف سے لوگ اتنے بے پروا اور خدا سے اتنے غافل کیوں زندگی بسر کرتے ہیں۔

ابتذالی دارد این مضمون توارد عیب نیست

نگزرد در خاطر نازک خیالان زیستن

لغت: ''ابتذال'' = کسی شے کا عام یا پامال ہونا۔ ''توارد'' = کسی دوسرے شاعر کے خیال کا کسی شاعر کے یہاں آجانا۔ یہ مضمون (جو دوسرے مصرعے میں بیان ہوا ہے) پامال سا ہے اس لیے اگر اس میں تکرار ہوجائے (توارد) تو عیب کی بات نہیں۔ یعنی نازک خیالوں کے دل میں زندہ رہنے کا خیال ہی نہیں آتا۔

غالب از ہندوستان بگریز، فرصت مفت تست

در نجف مردن خوش است و در صفاہان زیستن

لغت: ''فرصت مفت تست'' = یہ الفاظ محاورۃً آتے ہیں۔ اس وقت تجھے موقع نصیب ہوا ہے، نجف اور صفاہاں دو مشہور مقامات (شہر) ہیں۔

غالب! اس وقت اتفاق سے تجھے موقع ملا ہے ہندوستان سے بھاگ جا۔ صفاہاں میں زندگی بسر کرنا اور نجف میں مرنا بہت اچھا (مبارک) ہے۔

غزل نمبر (۱۰)

چیست بہ لب خندہ از عتاب شکستن

رونق پروین ز آفتاب شکستن

لغت: ''پروین'' = چھوٹے چھوٹے سے ستاروں کا جھرمٹ۔

یہ کیا کہ غصے میں آکر، لبوں کی ہنسی کو ضائع کردیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آفتاب کے ساتھ رونق پروین (چمک) کو زائل کردیا جائے۔

گر نہ ورق راست ز انتخاب شکستن

چیست برخ طرف آن نقاب شکستن

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کتاب پڑھتے پڑھتے کوئی صفحہ دلچسپ نظر آئے تو اس کے ایک سرے کو دوہرا کردیا جاتا ہے۔ یہ گویا اُس صفحے کے انتخاب کی نشانی ہوتی ہے۔ معشوق نے چہرے سے نقاب کو ذرا سا سرکا کر (گویا اُس میں شکن ڈال دیا ہے) جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا چہرہ انتخابی صفحہ بن کر سامنے آیا ہے۔ چنانچہ محبوب سے کہتا ہے:

اگر ورق کو انتخاب کرتے وقت اس میں شکن ڈالنا مقصود نہیں ہوتا تو پھر یہ تو نے جو چہرے پر نقاب میں شکن ڈال رکھی ہے اسے ہٹالو اور چہرے کو پورا سامنے رہنے دو جو مقصود نظر ہے۔

غازہ بر آن روی تابناک فزودن

رونق بازار آفتاب شکستن

شانہ بر آن طرہ سیاہ کشیدن
قیمت کالای مشکناب شکستن

یہ دونوں شعر ایک طرح قطعہ بند ہیں اور اس کا تعلق گزشتہ شعر سے بھی ہے۔ ان شعروں کا موضوع مرزا غالب کا مرغوب موضوع ہے، اور وہ موضوع، اس کا تصورِ حسن ہے۔ اس کے نزدیک ''حسن'' کو کسی خارجی یا بناوٹی آرائش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ ان سے بے نیاز ہوتا ہے اور اگر ایسا کیا جائے تو حسن کی شان استغنا میں فرق آ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن
دست مرہون حنا، رخسار رہن غازہ تھا

(یعنی محبوب کے حنائی ہاتھ، حنا کے مرہون منت ہوئے اور رخساروں کو غازے کا ممنون ہونا پڑا جس سے اس کی شان بے نیازی میں فرق آ گیا ہے)۔

اُس روے روشن پر غازہ کا اضافہ کرنا ایسا ہے جیسے آفتاب کی رونق بازار کو مات کرنا اور اس سیہ زلف کی شانہ کشی کرنا گویا مشک ناب کی قیمت کو گھٹانا ہے۔

جوشش سر مستی ام ز برق پسندد
نیشتر اندر رگ سحاب شکستن

میرے جوشِ مستی کا تقاضا ہے کہ برق بادل کی رگوں میں نشتر چبھو دے (تا کہ بارش ہو اور مستی کی کیفیت میں اضافہ ہو)۔

نیک بود گر بحکم حوصلہ باشد
جام بپای خم شراب شکستن

اچھا ہوا اگر حوصلہ کے تقاضے کے مطابق جامِ شراب کو پائے خم پر ہی توڑ دیا جائے۔ ظرفِ مے نوشی تو یہ ہے کہ پیالے سے نہیں بلکہ خم سے منہ لگا کر شراب پی جائے۔ اور پیالہ توڑ دیا جائے۔

شغل ندارد فراق ساقی و مطرب
جز قدح و بربط و رباب شکستن

لغت: ''بربط اور رباب'' = دونوں سازوں کے نام ہیں۔

ساقی اور مطرب کی غیر حاضری (فراق) میں اور کیا کام ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ جام، بربط اور رباب توڑ دیے جائیں کیونکہ ساقی اور مطرب کے بغیر وہ بے کار ہیں۔

قحط مَی است امشب از کجا کہ نخواہم
شیشۂ خالی برختِ خواب شکستن

لغت: ''رختِ خواب'' = بستر۔

آج رات شراب کی سخت کمی ہے پھر کس لیے میں نہیں چاہتا کہ خالی صراحی کو بستر پر مار کر توڑ ڈالوں (یعنی توڑ دینی چاہیے)۔

تیغ تو نازد بسر فشانی عاشق
موج ھمی بالد از حباب شکستن

لغت: ''حباب شکستن'' = بلبلوں کا ٹوٹنا۔ بلبلے ٹوٹتے ہیں تو اُن کے ٹوٹنے سے لہریں اُبھرتی ہیں۔ گویا وہ پھولتی ہیں جس کے لیے شاعر نے ''ھمی بالد'' کے الفاظ کہے ہیں۔

تیری تلوار عاشق کی سرفشانی پر ناز کرتی ہے۔ گویا لہر حبابوں کے ٹوٹنے پر خوشی سے پھولی نہیں سماتی۔

چیست دمِ وصل جان ز ذوق سپردن
تشنہ لبی را سبو در آب شکستن

وصل کے وقت، عاشق کا وصل کی خوشی میں ہی جان دینا ایسا ہے جیسے ایک پیاسے کے پیالے کو (پانی سے بھرتے وقت) پانی ہی میں توڑ دیا جائے۔

اوپر کے دونوں شعروں میں استعاروں کی جدت بڑی کیفیت پیدا کر رہی ہے اور ان میں محاکاتی جذبات نگاری کا سماں ہے۔

از گلِ روی تو باغ باغ شگفتن
و ز خمِ موی تو فتحیاب شکستن

طرہ میارا برغم خواہش غالب
چیست دلش را ز پیچ و تاب شکستن

اپنی زلفوں کو غالب کی خواہش کے خلاف آراستہ نہ کر۔ اس کے دل کو یوں پیچ و تاب سے توڑنے سے کیا ہے؟۔

غزل نمبر(۱۱)

خیرہ کند مرد را مہرِ درم داشتن
حیف ز ہمچو خودی چشم کرم داشتن

لغت: ''درم'' = ایک سکہ۔ یہاں مراد زر و دولت۔ ''چشم داشتن'' = امید رکھنا۔

انسان کو دولت کی محبت پریشان کرتی ہے۔ اپنی جیسے انسان سے بخشش کی اُمید کرنا افسوسناک بات ہے۔

وای ز دل مردگی خوی بد انگیختن
آہ ز افسردگی روی دژم داشتن

افسوس اُس حالت پر کہ مردہ دلی کے عالم میں انسان بدمزاج ہو جائے اور افسردگی میں چہرہ اترا ہوا بنا لے۔

راز بر انداختن از روش ساختن
دیدہ و دل باختن، پشت و شکم داشتن

لغت: ''راز بر انداختن'' = راز کو فاش کر دینا۔ ''روش ساختن'' = بناوٹی انداز ظاہر کرنا۔ ظاہرا بناوٹ اور تصنع۔ ''پشت و شکم داشتن'' محاورہ ہے، حوصلہ اور جرأت کا اظہار کرنا۔

بناوٹ کے انداز میں آ کر اصل راز کو فاش کر دینا، محبت میں دیدہ و دل کو ہار بیٹھنا اور پھر ظاہر کرنا کہ ہم میں ہمت اور حوصلہ ہے کچھ بھی نہیں ہوا۔

یعنی محبت میں بناوٹ کرنے سے راز فاش ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

جوهر ایمان ز دل پاک فرا روفتن
گردی از آن در خیال بهر قسم داشتن

لغت: ''فرار روفتن'' = دراصل فرارفتن ہے یعنی صاف کر دینا، بالکل خالی کر دینا۔
دل سے ایمان کا جوہر یکسر نکال دینا اور پھر اُس ایمان کی تھوڑی جھلک خیال میں محض ایمان کی قسم کھانے کے لیے رکھنا۔

تازگی شوق چیست رنگ طرف ریختن
چهره ز خوناب چشم رشک ارم داشتن

شوق کی تازگی کیا ہے: طرب ونشاط کا رنگ جمانا، خونیں آنسوؤں سے اپنے چہرے کو رشک ارم (خلد) بنالینا۔

باهمه اشکستگی دم ز درستی زدن
باهمه دلخستگی تاب ستم داشتن

لغت: ''اشکستگی'' = دراصل شکستگی ہے۔ شروع کا الف زائد ہے۔
''دم زدن'' = دعویٰ کردن۔ ''دم ز درستی زدن'' = درست اور ٹھیک ہونے کا دعویٰ کرنا (پچھلے شعر کے ساتھ پیوستہ ہے)۔
باوجود اس کے کہ انسان بالکل شکستگی کی حالت میں ہو، درستی کا دعویٰ کرنا اور انتہائی دلخستگی کے باوجود جور وستم سہنے کی تاب وتواں رکھنا۔
یہی گویا تازگی شوق کی علامت ہے۔
(پھر قطعہ بند ہے)۔

در خم دام بلا بال فشان زیستن
با سر زلف دوتا عربده هم داشتن

لغت: ''بال فشان'' = پر پھڑ پھڑانے کی حالت جب پرندہ اُڑنے کو ہو۔
دام بلا میں اسیر ہو کر بھی اُس سے آزاد، پرواز کرنے کی حالت میں زندگی گزارنا اور دوسری طرف کسی کی زلف دوتا کے ساتھ الجھتے بھی رہنا۔

دل چو بجوش آیدی عذر بلا خواستن
جان چو بیا سایدی شکوه ز غم داشتن

(پھر قطعہ بند ہے)
دل جب جوش میں آئے تو مصائب سے دوچار ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ جب جاں آسودہ ہو تو غم سے شکوہ کرتا کہ وہ اپنا اثر کیوں نہیں دکھاتا کہ دل وجان کی آسودگی تو انسان کو افسردہ کر دیتی ہے۔ اور اس سے تازگی شوق جاتی رہتی ہے جس کا ذکر شاعر نے پانچویں شعر میں کیا ہے۔

بهر فریب از ریا دام تواضع مچین
دل نرباید همی تیغ ز خم داشتن

لغت: ''ریا'' = منافقت۔ ''تواضع'' انکساری جس میں آدمی جھکتا ہے۔ تلوار میں خم ہوتا ہے لیکن وہ تواضع کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے شاعر تلوار کے جھکنے کو منافقت اور ریا سے منسوب کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے:
دوسروں کو فریب دینے کے لیے منافقت کا جال مت بچھا تلوار میں خم (خمیدگی، جھکاؤ) کا ہونا دوسروں کی دلجوئی کے کے لیے نہیں۔

نقشِ پی رفتگان جادہ بود در جہان

ہر کہ رود بایدش پاس قدم داشتن

گزرنے والوں کا نقش قدم، اس دنیا میں (بعد میں آنے والوں کے لیے) ایک راستہ بن جاتا ہے۔ اس لیے زندگی کی راہ میں چلنے والے کو چاہیے کہ وہ سوچ کر قدم اٹھائے اور قدم کا پاس کرے۔

انسان زندگی میں جو قدم اُٹھاتا ہے وہ فقط اُس کی زندگی ہی تک محدود نہیں بلکہ اس کے اعمال کا اثر آئندہ نسلوں پر بھی پڑتا ہے اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ جو کام کرے سوچ سمجھ کر کرے۔ بعض مشرقی فلاسفر کا تو یہ بھی خیال ہے کہ انسان کا ہر سانس اس فضا میں آئندہ آنے والوں کے لیے ایک اثر چھوڑ جاتا ہے۔

با نگہِ خویشتن چہرہ نیارست شدہ

عشوہ دھد گرحیاست زآئنہ رم داشتن

لغت: ''چہرہ شدن باچیزی'' = یعنی کسی چیز کے مقابل ہونا۔

''با نگہِ خویشتن چہرہ شدن نیارست'' = اپنی نگاہ کے بھی مقابل نہیں ہوسکتا۔

''رم داشتن'' = بھاگنا، گریز کرنا۔ ''از آئینہ رم داشتن'' = آئینے سے گریز کرنا۔

وہ (حسن) آئینے میں اپنی نگاہ کے مقابل ہونے کی بھی تاب نہیں لاسکتا۔ اگر وہ حیا کے باعث آئینے سے پہلوتہی بھی کرے تو وہ بھی ایک عشوہ ناز کا انداز ہوتا ہے۔

اشک چنان بی اثر، نالہ چنان نارسا

دیدہ و دل را سزد ماتم ہم داشتن

لغت: ''ماتم ہم داشتن'' = ایک دوسرے کا ماتم کرنا یعنی دیدہ، دل کا اور دل، دیدہ کا ماتم کرے۔

آنسو اس قدر بے اثر واقع ہوئے ہیں اور نالہ اتنا نارسا ہے کہ **آنکھوں** اور دل کو ایک دوسرے کا ماتم کرنا چاہیے۔ آنکھوں کی اشکباری بے کار ہے اور دل کا آہ وفغاں کرنا بے سود۔

خجلت کردار زشت گشتہ بعاصی بھشت

باج ز کوثر گرفت جبھہ ز نم داشتن

لغت: ''کردار زشت'' = عمل بد۔ ''عاصی'' = گنہگار۔ ''باج گرفتن'' = خراج وصول کرنا۔ (یہاں خراج تحسین مراد ہے)۔ گنہگار کی اپنے اعمال زشت پر شرمندگی اُس کے لیے بہشت بن گئی۔ اس کی پیشانی (جبہہ) کا پسینہ کوثر کے پانی سے خراج طلب کرتا ہے۔

گریہ ام از بیکسی است بوکہ درین پیچ وتاب

تن بہ روانی دھد نامہ ز نم داشتن

غالب آوارہ نیست گرچہ بہ بخشش سزا

خوش بود از چون توئی چشم کرم داشتن

غالب آوارہ اگرچہ تیری بخشش کے قابل نہیں ہے لیکن تیرے جیسے سے کرم کی اُمید رکھنا اچھی بات ہے۔

غزل نمبر(۱۲)

چہ غم ار بہ جد گرفتی زمن احتراز کردن
نتوان گرفت از من بگزشتہ ناز کردن

لغت: "جد" = کوشش۔ "بجد" کوشش سے، جان بوجھ کر، ارادۃً۔ "گزشتہ" = جو کچھ گزر چکا ہے۔ اگر تو نے ارادۃً مجھ سے پہلوتہی کر لی ہے تو کوئی غم نہیں۔ محبت کے ایام گزشتہ پر مجھے ناز ہے وہ تو تم مجھ سے نہیں چھین سکتے، یعنی محبت کی یادیں تو ہمیشہ تازہ رہیں گے۔

نگہت بموشگافی ز فریب رم نخوردن
نفسم بدام بافی ز سخن دراز کردن

تو و درکنار شوقم، گرہ از جبین کشودن
من و بر رخ دو عالم در دل فراز کردن

لغت: "موشگافی" = نکتہ آفرینیاں۔ مراد نگاہوں کے لطیف اور باریک اشارے۔
"دام بافی" = جال بننا۔
"درفراز کردن" = درفراز کردن کے دونوں مفہوم ہوتے ہیں دروازہ بند کرنا اور دروازہ کھولنا۔ یہاں پہلے مفہوم میں آیا ہے۔
"رم خوردن" = بھاگ جانا، ڈر کر بھاگ جانا۔ سہمے ہوئے ہونا۔
یہ فریب دینے کے لیے کہ وہ سہمی ہوئی نہیں ہیں تیری نگاہیں طرح طرح کی موشگافیاں

کرتی تھیں اور میرا سانس یونہی باتوں کو طول دینے کے لیے طرح طرح کے جال بچھاتا تھا۔
یعنی تیری نظروں میں ناز آفرینیوں کا انداز ہوتا تھا اور میں باتوں سے تیرے دل کو لبھاتا تھا۔
تو میری آغوش شوق میں ہوتا اور اپنی جبین سے ہر طرح کے شکن بناتا جاتا (تیرے چہرے پر شگفتگی طاری ہوتی) اور میں (اپنی اس خوش بختی پر فخر کرتا ہوا) دونوں جہاں کے دروازے بند کر دیتا (یعنی دو عالم سے بے نیاز ہو جاتا تھا)۔

مژہ را ز خونفشانی بدل است ہمزبانی
کہ شماردم بدامن ستمِ گداز کردن

خون کے آنسو بہانے میں مژگان (جو خون سے تر ہیں) اور میرا دل دونوں ہمزبان ہیں کہ وہ محبت میں اس طرح گداز ہونے کے ستم کا اندازہ دامن پہ پڑے ہوئے خون کے قطروں سے کر سکیں۔
یعنی میرے دل کے گداز ہونے سے جو کچھ مجھ پر گزرتی ہے اُس کا اندازہ میرا دل کر سکتا ہے یا میری مژگاں جن سے قطرہ قطرہ خون کے آنسو بہ رہے ہیں۔

بہ نوردِ پاسِ رازت خجل از غبار خویشم
کہ ز پردہ ریخت بیرون غم نالہ ساز کردن

زغم تو باد شرمم کہ چہ مایہ شوخ چشمی است
ز شکست رنگ بر رخ در خلد باز کردن

میں ترے غم سے شرمسار ہوں کہ یہ میری بڑی شوخ چشمی ہے کہ میرا رنگ اُڑنے
سے میرے چہرے پر خلد کا دروازہ سا کھلا ہوا ہے۔
غم سے میرا چہرہ اُترا ہوا ہونا چاہیے لیکن رنگ اُڑنے سے چہرے پر طرح طرح کی
رنگینیاں آرہی ہیں۔

نفسم گداخت شوقت ستم است گر تو دانی
کہ ز تاب نالہ خونشد، نہ ز پاس راز کردن

عاشق نے رازِ محبت کا پاس کرتے ہوئے ضبط کیا ہے کہ کہیں فاش نہ ہو جائے اور اس
ضبط کے باعث اس کا سانس تک گداز ہو کر رہ گیا ہے۔ اب یہ بڑا ستم ہوگا اگر معشوق یہ سمجھ لے کہ
فریاد کی وجہ سے یہ ہوا ہے نہ کہ پاسِ راز کی وجہ سے۔

بفشار رشک بزمت نچنان گداخت گلشن
کہ میانۂ گل و مل رسد امتیاز کردن

لغت: ''گل و مل'' = پھول اور شراب۔ ''امتیاز کردن'' فرق کرنا۔ ''فشار'' = گھٹن۔
تیری بزم کے رشک میں گلشن پہ اتنی گھٹن طاری ہوئی اور اس گھٹن کا اتنا گداز ہوا ہے
کہ اب گل و مل میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ (گل بھی گداز ہو کر شراب کی طرح ہو گیا ہے)۔

رخ گل ز غازہ کاری بہ نگاہ بند آئین
نرسد بہ خس شکایت ز چمن طراز کردن

لغت: ''بند آئین'' = آئین آراستہ کرتا ہے۔

''چمن طراز'' = چمن سجانے یا آراستہ کرنے والا۔ چمن کی نقش کاری کرنے والا۔
باغبان۔

پھول کا چہرہ اپنی غازہ کاریوں کے ذریعے دیکھنے والے کی آرائش کرتا ہے۔ خس
(تنکے) کو زیب نہیں دیتا کہ وہ چمن طراز (باغبان) کی شکایت کرے۔
پھولوں کے سرخ چہرے دیکھنے والوں کو متاثر کرتے ہیں ورنہ خس میں بھی اپنا حسن ہے
اگرچہ دیکھنے والوں کو وہ نظر نہیں آتا۔ اس میں نظروں کا قصور ہے اس باغبان ازلی کا نہیں
ہے۔ اُس نے تو ہر چیز کو حسین بنایا ہے اور اپنی نقش کاریوں سے سجایا ہے۔

یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا
یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

ہمہ تن ز شوق چشمم کہ چو دل فشاندہ گردد
بسر شک مایہ بخشم ز جگر گداز کردن

شوقِ محبت میں ہمہ تن چشم بن گیا ہوں کہ جب دل (کا خون) ٹپک چکتا ہے تو میں
اپنے جگر کو گداز کر کے آنسوؤں کو سرمایہ بہم پہنچاتا ہوں۔
یعنی میری آنکھوں کی خونفشانی جاری رہتی ہے۔ دل کا خون ختم ہوتا ہے تو جگر خون آنسو
بن کر بہنے لگتا ہے۔

حلہ تازہ گشتہ غالب روش نظیری از تو
سزد این چنین غزل را بسفینہ ناز کردن

غالب! کیا کہنے تو نے نظیری کے اسلوب نگارش کو تازہ کر دیا ہے۔ ایسی غزل کو تو

بیاض پر ناز کرنا چاہیے۔ مرزا غالب کو نظیری کا اسلوب بہت پسند تھا۔ یہ غزل نظیری کی مشہور غزل کے تتبع میں لکھی گئی ہے۔ ہر چند کہ مرزا غالب نے اس میں بڑا زورِ کلام دکھایا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ نظیری کی غزل کو نہیں پہنچ سکا۔

نظیری کا مطلع ہے۔

چہ خوش است از دو یک دل سر حرف باز کردن
سخن گزشتہ گفتن گلہ را دراز کردن

❀❀❀

غزل نمبر(۱۴)

چون شمع رود شب همه شب دود ز سرمان
زین گونه کرا روز بسر رفت مگر مان

شمع کی طرح راتوں کو ہمارے سر پر دھوئیں لہراتے ہیں، کبھی کسی شخص کے دن یوں نہیں گزرے ہوں گے جیسے ہمارے۔

آذر پرستیم و رخ از شعله نتابیم
ای خوانده بسوئی خود ازین راهگزر مان

ہم آگ کی پرستش کرتے ہیں اور شعلوں سے منہ نہیں پھیرتے۔ تو نے ہمیں اپنی طرف بلایا ہے اور اسی راہ گزر سے آنے کی دعوت دی ہے۔

حق تعالیٰ تک پہنچنے کی کئی ایک راہیں ہیں ایک رہ یہ بھی ہے جس کی طرف شاعر اشارہ

کر رہا ہے کہ یہ رہ حق تعالیٰ ہی نے ہمارے لیے متعین کی ہے، ہم بے بس ہیں۔

در عشق تو ضرب المثل راهروانیم
بگزار بره خفته و از بیشه مبرمان

تیرے عشق میں ہم، رہروؤں کے لیے ضرب المثل بن چکے ہیں۔ ہمیں اس رہ ہی میں سویا رہنے دو اور جنگل سے باہر نہ لے جا۔

از بی خردی کوئی ترا خلد شمردیم
جون است که در کوی تو ره نیست دگرمان

ہم نے نادانی سے تیرے کوچے کو خلد کہہ دیا، کیا بات ہے کہ ہمیں دوبارہ تیرے کوچے میں آنے کا موقع نہیں ملتا۔ (خلد تو ایسی جگہ ہے جہاں کوئی ایک دفعہ جائے تو ہمیشہ وہیں رہتا ہے)۔

مستیم، بیا تن زن و لب بر لب ما نه
حاشا که بود تفرقهٔ لب ز شکر مان

ہم مست ہیں، خاموش رہ اور اپنے لب ہمارے لبوں پر رکھ دے۔ ہم لبوں میں اور شکر میں بالکل فرق نہیں کر سکتے۔

طول شب هجران بود اندر حق ما خاص
از همنفسان کس نشناسد به سحر مان

ہماری شبِ فراق کی درازی کچھ اور ہی طرح کی ہے کہ ہمارے ہم نفسوں میں سے کوئی صبح کو ہمیں نہیں پہچانتا۔

بی وجہ می آشفتہ و خواریم بدا ما
در میکدہ از مانستانند اگر مان

لغت: ''بدا ما'' = ہماری زبونی حال پر افسوس۔

افسوس ہمارے حالِ بد پر کہ ہم بغیر شراب پیے ہی پریشان اور خوار ہیں مگر میکدے میں کوئی ہمیں اپنے آپ سے بے خبر نہیں کرتا۔

از ارزش ما بی ہنران ماندہ شگفتی
در بند غم انداختہ گردون بہ ہنر مان

لغت: ''ارزش'' = قدر و اہمیت۔ ''شگفتی ماندہ'' = حیرت میں ہیں۔

بے ہنروں کو ہماری قدر و اہمیت کے متعلق تعجب ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ آسمان نے ہمیں ہمارے ہنر کی بدولت غم کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔

دوسرے لفظوں میں غم ہی سے ہمارا ہنر اُبھرا ہے اور یہی عظمت کی نشانی ہے جس سے بے ہنر لوگ ناواقف ہیں۔

چون تازگیِ حوصلۂ خویش نداند
داند کہ بود نالہ بامیدِ اثر مان

ہمارے محبوب کو یہ احساس نہیں کہ اُس میں ہماری فریادیں سننے کا کس قدر حوصلہ ہے۔
وہ یہی سمجھتا ہے کہ ہم فریاد اس لیے کر رہے ہیں کہ ہمیں اپنی فریاد کی اثر انگیزی کی اُمید ہے۔

غالب چہ زیان، نالہ اگر گرم روی کرد
سوزی بدل اندر نہ و داغی بجگر مان

غالب! اگر نالہ و فریاد میں گرم روی آ گئی ہے تو کیا ہوا۔ اُس کی کچھ گرمی ہمارے دل میں اور کچھ جلن ہمارے جگر میں ڈال دے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۱۴)

خجل ز راستیِ خویش می توان کردن
ستم بجانِ کج اندیش می توان کردن

راستی یا راست بازی اور کج اندیشی دو متضاد لفظ ہیں راست باز درست سوچنے والا اور کج اندیش بری سوچ والا۔

ہم اپنی راست بازی سے اپنے کج اندیش حریف کو شرمندہ کر سکتے ہیں۔ اُس کے دل کو دکھ کا احساس یونہی دلایا جا سکتا ہے تا کہ اُسے معلوم ہو کہ وہ غلط کر رہا ہے۔

چو مزد سعی دھم، مژدۂ سکون خواھد
ز بوسہ پا بدرت ریش می توان کردن

لغت: ''مزد'' = مزدوری، صلہ۔ ''مزد سعی'' = محنت کا صلہ۔ مژدۂ سکوں خواہد کا

فاعل ''پا'' ہے۔

عاشق، معشوق کے دروازے تک جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ جن پاؤں سے چل کر آیا ہے انہیں اس محنت کا صلہ دے۔ پاؤں صلے میں چاہتے ہیں کہ اُنہیں آئندہ سکون ملنے کی خوش خبری دی جائے، یعنی اُنہیں چلنے کی صعوبت برداشت نہ کرنی پڑے۔ چنانچہ عاشق کہتا ہے کہ پاؤں کے بوسے لے کر اُنہیں زخمی کر دیا جائے تاکہ وہ آئندہ وہاں سے ہل کر نہ جا سکیں اور اُنہیں سکون حاصل ہو۔ مقصد یہ ہے کہ معشوق کے دروازے پر پہنچ کر عاشق وہاں سے لوٹنا نہیں چاہتا۔

دگر بہ پیش وی ای گل چہ ہدیہ خواہی بُرد
مگر بہ گدیہ کفی پیش می توان کردن

اے پھول اُس کے آگے تو کیا تحفہ لے جا سکتا ہے۔ یہی ہے کہ گداگری کے لیے اس کے آگے ہاتھ پھیلایا جائے۔ گویا پھول تو محبوب کے لیے کیا تحفہ یہی ہے کہ وہ پھول اُس کے سامنے یوں نظر آئے گا کہ جیسے کسی نے گداگری کے لیے ہاتھ پھیلایا ہو۔ (جیسے پھول محبوب سے حسن کی بھیک مانگ رہا ہے)۔

تو جمع باش کہ ما را درین پریشانی
شکایتی است کہ باخویش می توان کردن

لغت: ''تو جمع باش'' = محاورۃً آیا ہے۔ تو مطمئن رہ۔ تو خاطر جمع رکھ۔

تو مطمئن رہ، ہمیں اس عالم پریشانی میں ایسی شکایت کرنی ہے جو خود اپنے آپ سے کی جا سکتی ہے کسی اور سے نہیں کی جا سکتی۔

سر از حجاب تعین اگر برون آید
چہ جلوہ ھا کہ بہ ھر کیش می توان کردن

لغت: ''کیش'' = دین، مذہب .... تعین حد بندی کرنا۔ یہ عقیدہ کہ حق یا خدا ایک ہی مذہب کی راہ چلنے سے مل سکتا ہے۔ کہتا ہے:

اگر انسان، ان نفسیات کے حجاب سے باہر آ جائے تو کیسے کیسے جلوے (جلوہ ہائے حق) ہیں جو ہر مذہب میں نظر آئیں گے۔

بھر کہ نوبتِ ساغر نمی رسد ساقی
خراب گردش چشمیش می توان کردن

اے ساقی! اگر کسی شخص کے پاس دور جام نہیں آ سکتا تو ایسے میخوار کو محبوب کی مست آنکھوں کی گردش سے مدہوش کیا جا سکتا ہے۔

خرامِ نازِ تو با صحن گلستان دارد
رعایتی کہ بدرویش می توان کردن

صحن باغ میں تیرے ناز سے خراماں خراماں آنے کا انداز کچھ ایسا احساس پیدا کرتا ہے جیسے کسی درویش سے رعایت کی جا رہی ہو۔ محبوب کا صحن باغ میں جانا گویا صحن باغ پر احسان کرنا ہے۔

اگر بقدر وفا می کنی جفا حیف است
بمرگ من کہ ازین بیش می توان کردن

اگر تو ہماری وفا کے مطابق ہم پر جفا کرتا ہے تو افسوس ہے۔ میری موت کی قسم کہ جفا اس سے زیادہ بھی کی جاسکتی ہے۔

کسی بجو کہ مر اُو را درین سفر غالب
گواہ بیکسی خویش می توان کردن

غالب کسی ایسے شخص کو تلاش کر جو اس سفر میں (ہمارے ہمراہ رہ کر) ہماری بے کسی کی گواہی دے سکے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۱۵)

حیف است قتلگہ ز گلستان شناختن
شاخ از خدنگ و غنچہ ز پیکان شناختن

باغ اور قتل گاہ میں فرق کرنا، شاخ کو تیر سے اور کلی کو پیکاں (نوک تیر) سے الگ سمجھنا بڑی افسوس کی بات ہے۔ شاعر کہتا ہے مجھے تو باغ کا باغ ہی قتل گاہ معلوم ہوتا ہے۔

لب دوختم ز شکوہ ز خود فارغم شمرد
نشناخت قدر پرسش پنہان شناختن

میں نے شکوہ کرنا چھوڑا تو اُس نے سمجھا کہ میں اب چین سے ہوں۔ ناداں پرسش پنہاں کی قدر نہ پہچان سکا۔ ضروری نہیں کہ فریاد کرنے والا دکھ میں ہو۔ خاموشی میں دکھ

پنہاں ہوتا ہے۔ اگر ہمارے لب خاموش ہیں تو چپکے سے ہمارا حال پنہاں پوچھنے میں کیا ہرج تھا۔ پرسش پنہاں میں بڑا لطف ہوتا ہے، اس بات کو وہ نہ سمجھ سکا۔

از شیوہ ھای خاطر مشکل پسند کیست
کشتن بجرم و درد ز درمان شناختن

یہ کس مشکل پسند طبیعت کا انداز خاص ہے کہ کسی کو مجرم ٹھہرا کر مار دینا اور پھر درد کو درماں سے الگ سمجھنا، یعنی عاشق کا درد ہی اُس کا علاج تھا۔ معشوق نے اُسے درد محبت رکھنے کے عوض میں مارا اور پھر یہ خیال کیا کہ مر جانے سے وہ دور ہو جائے۔ یعنی چارۂ درد بھی کیا تو عجیب انداز سے۔ یہ اُس کی مشکل پسندی کی علامت ہے۔

از پیکرت بساط صفای خیال یافت
وصل تو از فراق تو نتوان شناختن

اب تیرے جسم کی موجودگی نے ہمارے بساط بزم کو تخیل کی سی جلا بخش دی ہے اب ہر گوشۂ بساط میں تیری غیر حاضری سے تیری موجودگی کا احساس ہونے لگا ہے۔ اب فراق اور وصل کا امتیاز ہی اُٹھ گیا ہے۔

نازم دماغ ناز، ندانی ز سادگی است
کشتن بہ ظلم و کشتۂ احسان شناختن

لغت: ''دماغ'' کا ایک مفہوم کیفیت ہوتا ہے۔

کسی کو ظلم سے مار دینا اور پھر اُسے کشتۂ احسان سمجھ لینا (یعنی یہ سمجھ لینا کہ میں

نے اسے مار کر اس پر احسان کیا ہے) یہ ناز حسن کی سادگی کی وجہ سے ہے اور میں تیری اس ادا پر ناز کرتا ہوں۔

یادِ آیدم بوصلِ تو در صحنِ گلستان
آن جلوۂ گل آتش سوزان شناختن

مجھے وہ کیفیت یاد ہے جب تیرے ہوتے ہوئے صحن باغ میں گلوں کا جلوہ آتش سوزاں معلوم ہوتا ہے۔

خاکی بروی نامہ فشاندیم، مفت تست
ناخواندہ صفحہ، حال ز عنوان شناختن

ہم نے خط لکھ کر اس پر مٹی ڈال دی ہے۔ اب تمہیں سہولت ہے کہ خط کا کوئی صفحہ پڑھے بغیر ہی عنوان سے ہمارا حال کا اندازہ کولو۔

مائیم و ذوق سجدہ چہ مسجد چہ بتکدہ
در عشق نیست کفر ز ایمان شناختن

ہمیں سجدے سے لذت اندوزی مقصود ہے، مسجد ہو یا بتکدہ۔ کیوں کہ عشق میں کفر و ایمان میں امتیاز نہیں کیا جاتا۔

مینا شکستہ و می گلفام ریختہ
محوم ہنوز در گل و ریحان شناختن

صراحی ٹوٹ کر رہ گئی اور شراب بہ گئی اور میں ابھی تک گل و ریحان میں فرق کرنے میں محو ہوں۔ جب طبیعت میں وہ کیفیت نہیں تو پھر پھولوں سے کیا سرور حاصل ہوگا۔

لخت دلم بدامن و چاک غمم بجیب
اینک سزای جیب ز دامان شناختن

دل کے ٹکڑے (آنکھوں سے بہ بہ کر) دامن پر پڑے ہیں اور غم کے چاک گریباں میں ہیں۔ جیب و داماں میں امتیاز کرنے کی یہی سزا ہوتی ہے۔

بگداخت بسکہ از اثر تاب روی تو
مہر از شفق بکوی تو نتوان شناختن

تیرے روئے درخشاں کی چمک اور تاب سے سورج گداز ہوگیا۔ اب تیرے کوچے میں سورج اور شفق میں فرق نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی سورج گداز ہوکر شفق کی سرخی میں تبدیل ہوگیا ہے۔

غالب بقدر حوصلہ باشد کلامِ مرد
باید ز حرف نبضِ حریفان شناختن

غالب مرد کا کلام اس کے حوصلے کے مطابق ہوتا ہے۔ نبض حریفاں کو اُن کی باتوں ہی سے ٹٹولا جاسکتا ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۱۶)

بخونم دست و تیغ آلود جانان
بد آموزان وکیلِ بی زبانان

لغت: ''بدآموزان'' = برا سبق پڑھانے والے۔ یہاں قاتل (معشوق) کے دست و تیغ مراد ہیں جو عاشق کے خون سے آلودہ ہیں۔

''بے زبانان'' سے مقصود عاشق ہیں جو جور و ستم سہتے جاتے ہیں اور چپ رہتے ہیں۔

ہمارے معشوق نے اپنے ہاتھ اور تلوار ہمارے خون سے آلودہ کر لیے۔ یہ بدآموز (یعنی دست و تیغ) نے ہی ہم بے زبانوں کی وکالت کی ہے۔ یعنی ہمیں مار کر درد و غم سے نجات دلائی ہے حالانکہ انہوں ہی نے معشوق کو خون ریزی پر آمادہ بھی کیا تھا۔

چگویم در سپاس بیکسی ها
زهی نا مهربانان، مهربانان

میں اپنی بیکسیوں کے شکرانے میں کیا کہوں، یہی نہ مہربان ہمارے مہربان ہیں۔
یعنی ہماری بیکسیاں ہی ہماری دمساز بھی ہیں۔

گر از خود خوش تری سنجیده باشند
نوازش ها ست با این بدگمانان

لغت: ''بدگمانان'' = معشوق لوگ۔
اگر یہ بدگماں لوگ (جو کسی کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے) کسی کو اپنے سے

زیادہ اچھا سمجھتے ہیں تو یہ اُن کی بڑی نوازش ہے۔

فغانا میکساران دجله نوشان
دریغا ساقیان اندازه دانان

بدنصیبی ان میکساروں کی جو دریا نوش ہیں (دجلہ نوش) اور افسوس ان ساقیوں پر جو اندازہ ہیں یعنی اندازے سے پلاتے ہیں۔
ساقی پیمانوں کے مطابق شراب دیتے ہیں، میخوار کا ظرف نہیں پہچانتے۔

بهار آید به حیرت گاه نازش
ز بوی گل نفس برره فشانان

دمِ مردن برشکم تنگ گیرد
فراخی های عیشِ سخت جانان

لغت: ''برشکم تنگ گیرد'' = مجھے رشک کے جذبے سے بھینچ لیتی ہیں۔ اس کا فاعل دوسرا مصرعہ ہے۔

''فراخی ہائے عیش سخت جاناں'' = سخت جان لوگوں کی زندگی کی خوشیوں کی وسعتیں۔

مرتے وقت مجھے عیش و نشاط کی فراخیوں میں دل کھول کر زندگی بسر کرنے والے لوگوں پر سخت رشک آتا ہے۔

گلی بر گوشهٔ دستار داری
خوشا بخت بلند باغبانان

آج کل لوگ پھول کوٹ پر لگا لیتے ہیں۔ پرانے زمانے میں جب کلاہ اور دستار پہننے کا رواج تھا تو آرائش کے لیے گوشۂ کلاہ یا دستار پر پھول یا موتی ٹانک لیتے تھے۔

تو نے پھول اپنی دستار پر ٹانک لیا ہے۔ کیا خوش بخت ہیں باغبان جنھوں نے یہ پھول اُگایا تھا۔ وہ پھول کہاں آ کے پہنچا ہے۔ ورنہ پھول تو اکثر شاخ ہی پر کھل کر مرجھا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کے یہ شعر دیکھیے:

تیرے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں
گوہر کو عقد گردن خوباں میں دیکھنا
کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

طالب آملی اس موضوع پر کیا خوبصورت شعر کہا:

ز غارت چمنت بر بہار منت ہا ست
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

یعنی ترا پھول توڑ کر چمن کو لوٹنا بہار پر بہت احسان کرنا ہے کیونکہ پھول شاخ سے زیادہ تیرے ہاتھ میں خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔

غمت خونخوار و دلہا بی بضاعت
دریغا آبروی میزبانان

تیرا غم، خوں کا پیاسا ہے اور دل بے چارے بے سرمایہ ہیں (اُن میں اتنا خون کہاں) افسوس میزبانوں کی آبرو لٹ گئی۔ (میزبان سے مراد دل ہے)۔

گزشت از دل ولی نگزشت از دل
خدنگِ غمزۂ زورین کمانان

لغت: "خدنگ" = تیر۔ "زورین کمانان" = جن کی کمانوں میں بڑا زور ہے۔
"خدنگ غمزہ" = نظروں کا تیر۔ تیر ادا۔

پرزور کمان رکھنے والے معشوق کی نظروں کا تیر تو دل کو چیر کر نکل گیا لیکن اس کی کسک دل سے نہ نکل سکی۔

نوای شوق خواہ از بی نوایان
نشانِ دوست جو از بی نشانان

لغت: "بےنوایاں" "نوا" کا لفظ فارسی میں آواز (جیسے ہمنوا میں) اور ساز و سامان (جیسے بےنوا) دونوں کے لیے آتا ہے یعنی بےنوا سے مراد بے آواز، خاموش لوگ مراد ہیں اور نوائے شوق کے الفاظ کی رعایت سے بھی مفہوم یہی ہے۔ عشق و محبت کے ترانے بےنوا لوگ ہی جانتے ہیں اُنہی سے یہ چیز طلب کر۔ دوست کا نشان بھی انہی بےنشان لوگوں سے ملے گا۔ (جو دنیا میں کوئی مقام یا نشان نہیں رکھتے۔

به رغم تا فرود آرد بمن سر
بخواری بنگرم در ناتوانان

معشوق ناتوانوں کو بڑی حقارت سے دیکھتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں بھی ناتوانوں کو حقیر نظروں سے دیکھتا ہوں اس زعم میں کہ شاید وہ مجھے بھی اسی طرح دیکھ لے۔

سبک بر خیز زین ھنگامہ غالب

چہ آویزی بدین مشتی گرانان

لغت: ''گران'' = گران سر لوگ مغرور۔

''سبک'' = ہلکا اور جلدی دونوں معنی رکھتا ہے۔ ''سبک برخیز'' ان سے اپنا دامن چھٹک کر جلدی سے اُٹھ بیٹھ۔ ہنگامہ'' = یہ ہنگامہ زار دنیا۔ جہاں اونچ نیچ کے بڑے مخمصے ہیں۔

غالب اس ہنگامہ زار دنیا سے بے نیازانہ الگ ہو جا ان چند مٹھی بھر سرگوانوں سے کیا اُلجھ رہا ہے مشتی میں ''یا'' تحقیری ہے۔

❀❀❀
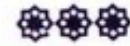
غزل نمبر(۱۷)

تا ز دیوانم کہ سرمست سخن خواھد شدن

این مَی از قحط خریداری کھن خواھد شدن

لغت: ''تا'' = کلمۂ تنبیہ ہے۔ اور استفہام میں آ کر نفی کا مفہوم دیتا ہے اور کلام میں زور پیدا کرتا ہے۔ یہاں پہلے مصرعے میں ''کہ'' استفہامیہ ہے یعنی کون، وہ استفہام انکاری ہے۔

''تا ز دیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن'' کے مصرعے کا مفہوم یہ ہے۔

توبہ کرو میرے دیوان سے کون لذت سخن اُٹھائے گا یعنی کوئی نہیں اُٹھائے گا۔ یہ شراب خریداروں کے قحط کے باعث پرانی ہو جائے گی۔

کوکبم را در عدم اوج قبولی بودہ است

شہرتِ شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن

میرے ستارۂ بخت کو عدم میں اوج قبول حاصل تھا۔ میری شاعری کی شہرت بھی اس دنیا میں میرے بعد ہی ہوگی یعنی جب میں مرجاؤں اور عدم میں چلا جاؤں گا۔

ھم سوادِ صفحہ، مشکِ سودہ خواھد بیختن

ھم دواتم نافِ آھوی ختن خواھد شدن

لغت: ''سوادِ صفحہ'' = صفحے کی سیاہی تحریر۔ مشک سودہ = پسی ہوئی مشک، سفوف مشک، ''آہوی ختن'' = ختن کے ہرن جو اپنے مشک نافوں کی وجہ سے معروف ہیں۔

میری دوات آہوی ختن کی ناف بن جائے گی اور میرے سیاہ حرف یعنی تحریر سے مشک چھن کر گرے گی۔

یعنی اشعار کی شہرت بوئے مشک کی طرح پھیلے گی۔

مطرب از شعرم بھر بزمی کہ خواھد زد نوا

چاکھا ایثار جیب پیرھن خواھد شدن

جس بزم میں بھی مطرب میرے اشعار گائے گا، سننے والوں کے پیرہن کے گریباں چاک کی نذر ہو جائیں گے یعنی چاک چاک ہو جائیں گے۔

حرف حرفم در مذاق فتنہ جا خواھد گرفت

دستگاہ نازِ شیخ و برھمن خواھد شدن

میرے کلام کا ایک ایک حرف (مختلف) مذاق سخن رکھنے والوں کے لیے ہنگامہ بن جائے گا اور شیخ و برہمن دونوں کے لیے سرمایۂ ناز ہوگا۔ (سبھی اُس پر ناز کریں گے)۔

هی! چه می گویم اگر این است وضع روزگار
دفترِ اشعار باب سوختن خواهد شدن

ہیں! یہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اگر زمانے کی حالت یہی ہے تو اشعار کا یہ دفتر تو جلانے کے قابل ہوگا۔ یعنی اگر اہل سخن کی بے اعتنائی اور بے ذوقی کا یہی عالم رہا تو یہ کلام تو ایک جلا ہوا سرمایہ سمجھنا چاہیے۔

آنکه صور ناله از شور نفس موزون دمید
کاش دیدی کاین نشید شوق فن خواهد شدن

لغت: ''نشید'' = نغمہ۔

وہ شخص جس کے شور انگیز سانس سے فریادیں بھی موزوں بن کر باہر آتی ہیں، کاش وہ دیکھتا کہ یہ نغمۂ شوق کیسے صنعت گری بن جائے گا۔

غالب نے یہ لفظ فن کے آج کے مفہوم میں استعمال نہیں کیا۔ اس کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شاعری ایک صنعت گری کی صورت اختیار کرلے گی۔ اور وہ خود جس کی شاعری قلب کے نازک احساسات اور شدید جذبات کی شاعری تھی، اس تنزل کو کیسے محسوس کرے گا۔

کاش سنجیدی که بهر قتل معنی یک قلم
جلوهٔ کلک و رقم دار و رسن خواهد شدن

کاش اُسے یہ اندازہ ہوتا کہ معانی کو یکسر ختم (قتل) کرنے کے لیے قلم اور تحریر، دار و رسن کی حیثیت اختیار کرلیں گے۔ یعنی شاعری فکر و معانی سے نکل کر لفاظی پر آجائے گی اور وہ لفظ آرائیاں، ہنگامہ آرائیاں بن جائیں گے۔

چشم کور آئینهٔ دعویٰ بکف خواهد گرفت
دست شل مشاطهٔ زلف سخن خواهد شدن

اندھی آنکھیں (کور ذوق لوگ) دعویٰ سخن کا آئینہ لے کے اُٹھیں گے اور بے جان (شل) ہاتھ عروس سخن کی زلفوں کو سنوارنے (مشاطہ گری کرنے) لگیں گے۔

شاهد مضمون که اینک شهری جان و دل است
روستا آوارهٔ کام و دهن خواهد شدن

وہ شاہد مضمون کہ اب جان و دل کا باسی ہے (جس کی جگہ دل میں ہے) ایک گنوار کی طرح حلق و دہن میں آوارہ گھومے گا۔

وہ شعری افکار و جذبات جو اب دل و جان کی گہرائیوں سے اُبھرتے ہیں، ادنی لوگوں کی زبان و حلق تک محدود ہوں گے۔ صرف لفظی باتیں ہوں گی۔

زاغِ زاغ اندر هوای نغمه بال و پر زنان
همنوای پرده سنجان چمن خواهد شدن

جنگلی کوا نغمہ سرائی کے شوق میں بال و پر ہلاتے ہوئے چمن زار کے نغمہ خوانوں (پردہ سنجان) کا ہمنوا بن جائے گا۔

شاد باش ای دل درین محفل کہ ھر جا نغمہ ایست

شیونِ رنج فراقِ جان و تن خواھد شدن

اے دل اس محفل میں خوشی منالے کہ جہاں کہیں نغمہ ہے وہ فراق جسم و جاں کا نوحہ بن جائے گا۔

ھم فروغ شمع ھستی تیرگی خواھد گزید

ھم بساطِ بزمِ مستی پر شکن خواھد شدن

شمع ہستی کی روشنی تاریکی میں تبدیل ہوجائے گی اور بزم ہستی کی بساط میں شکن پڑ جائیں گے۔

از تب و تاب فنا یکبارہ چو مشت سپند

ھر یکی گرم و داع خویشتن خواھد شدن

فنا کی تڑپ میں، سپند کے دانوں کی طرح ہر ایک اپنے آپ کو وداع کر رہا ہوگا۔

حسن را از جلوۂ نازش نفس خواھد گداخت

نغمہ را از پردۂ سازش کفن خواھد شدن

حسن کا سانس اپنے ہی جلوۂ ناز کو دیکھ کر گداز ہو جائے گا اور نغمہ اپنے ہی ساز کے سروں سے کفن پوش ہوگا۔

دھرِ بی پروا عیار شیوہ ھا خواھد گرفت

داوری خون در نھاد ما و من خواھد شدن

زندگی کے طور طریقوں کو پرکھنے کا کام اس بے پرواز مانے کے ہاتھ میں ہوگا اور انصاف، ماومن کے جھگڑوں میں خون ہو کر رہ جائے گا۔

پردہ ھا از روی کار ھمدگر خواھد فتاد

خلوت گبر و مسلمان انجمن خواھد شدن

انسان کے باہمی کاموں سے پردہ اٹھ جائے گا۔ گبر و مسلمان کی (الگ الگ) خلوت گاہ، ایک متفقہ انجمن کی صورت اختیار کرلے گی۔ یعنی ہر طرح کے لطیف امتیازات مٹ جائیں گے۔ ہر شے کا معیار گر جائیگا۔

ھم بفرقش خاک حرمان ابد خواھند ریخت

مرگ عام این بیستون را کوھکن خواھد شدن

اور اس کے سر پر بھی ابدی مایوسی کی خاک ڈال دی جائے گی۔ اس بستیوں کے لیے مرگ عام کوہکن بن جائے گی۔

گرد پندار وجود از راھگذر خواھد نشست

بحر توحید عیانی موجزن خواھد شدن

در تہ ھر حرف غالب چیدہ ام میخانہ

تا ز دیوانم کہ سرمست سخن خواھد شدن

غالب میں نے ہر حرف کی تہ میں ایک میخانہ رکھ دیا ہے دیکھیے اب میرے دیوان سے کون سرشار ہوتا ہے؟

❀❀❀

غزل نمبر(۱۸)

سرشک افشانی چشم ترش بین

شه خوبان و گنج گوهرش بین

اس کے چشم تر کی اشک فشانی دیکھو۔ اس شاہ خوبان اور اس کے موتیوں کے خزانوں کو دیکھو (موتیوں کا خزانہ اس کے آنسو ہیں)۔

ادای دلستانی رفته از یاد

هوای جانفشانی در سرش بین

(معشوق خود کسی اور پر عاشق ہوگیا ہے یہ ساری غزل اُسی کی طرف اشارہ کرتی ہے)۔
اُسے اپنی دلستانی کی ادائیں بھول گئی ہے اب تو اس کے سر میں عاشقانہ جانفشانیوں کے جذبے پر نظر کر۔

بدشت آورده رو سیل است گوئی

روا رو در گدایان درش بین

گویا ایک سیلاب ہے جس نے بیاباں کا رخ کیا ہے، اُس کے کوچے کے گداؤں میں کیا رواداری آگئی ہے۔

صفای تن فزون تر کرده رسوا

دل از اندیشه لرزان دربرش بین

اس کے صفای بدن نے اُس کو اور بھی رسوا کر دیا ہے، اُس کا دل اندیشۂ رسوائی سے اس کے سینے میں لرزتا ہوا نظر آرہا ہے۔

بجا مانده عتاب و غمزه و ناز

متاعِ ناروای کشورش بین

اس کا معشوقانہ عتاب، اُس کی ادائیں، اس کا ناز و ادا دھرے کا دھرا رہ گیا ہے۔ اُن کی حیثیت اُس کی سرکار میں اب ایسے مال ومتاع کی ہے جس کا رواج نہیں رہا۔

رقیب از کوچه گردی آبرو یافت

بکوی دوست دشمن رهبرش بین

رقیب کی آبرو کوچہ گردی سے بڑھ گئی ہے کیونکہ وہی (ہمارا دشمن) اُسے اُس کے دوست کی طرف رہبری کرتا ہے۔

زمن آئین غمخواری پسندید

بشبها جای من بر بسترش بین

اُسے میرا انداز غمخواری پسند آیا ہے چنانچہ راتوں کو مجھے اُس کے بستر پر دیکھو۔

گزشت آن کز غمِ ما بی خبر بود

بخویش از خویش بی پروا ترش بین

وہ وقت گذر گیا جب وہ ہم سے بے خبر ہو جاتا تھا اب وہ اپنے سے بھی اس سے زیادہ بیگانہ ہے اور بے خبر ہے۔

مہ نو کردہ کاہش پیکرش را
بچشم کم ھمان مہ پیکرش بین

کاہش غم نے اس کے پیکر (جسم) کو ماہ نو بنا دیا ہے اور اس میں بھی وہ مہ پیکر دکھائی دیتا ہے۔

چکد در سجدہ خون از چشم مستش
گدازش ھای نفس کافرش بین

سجدے کرتے وقت اُس کی مست آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ دیکھو یہ آنسو اُس کے کافرانہ نفس کا گداز ہیں۔

گر از غم بر لبش جا کرد غم نیست
ز جان تن زن لب جان پرورش بین

اگر غم سے اُس کی جاں اس کے لب پر آ گئی ہے تو غم نہیں۔ جاں کا ذکر نہ کر اُس کے جان پرور لبوں کو دیکھ (کہ وہ اب دوسروں کے لیے جان پرور ہیں)۔

خداوندش بخون ما مگیراد
بہ بی تابی نگہ بر خنجرش بین

بے تابی کے حالات میں اس کی نظر اپنے خنجر پر پڑا ہی ہے دعا ہے کہ اللہ اسے ہمارا خون بہانے کے جرم میں نہ پکڑے۔

برسم چارہ جوئی پیش غالب
شکایت سنج چرخ و اخترش بین

اُسے دیکھو کہ اب وہ غالب کے روبرو بیٹھا ہوا چارہ جوئی کے انداز میں، آسماں اور ستاروں کی کج رفتاری کا شکوہ کر رہا ہے۔

ردیف (و)

غزل نمبر(۱)

حق کہ حق است سمیعی است، فلانی بشنو
بشنو گر تو خداوند جہانی بشنو

لغت: ''فلانی'' = اے کہ تو فلاں ہے، معشوق کا نام لیے بغیر اس سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

اے فلاں سُن، حق (خدا) جو برحق ہے وہ سمیع ہے۔ سن لے اگر تو خداوند جہاں ہے، سن لے۔

یعنی اللہ تعالیٰ سمیع ہے وہ لوگوں کی پکار کر سنتا ہے اور تو اگر اپنے کو خداوند جہاں کہتا ہے تو سن۔

لن ترانی بجواب ارنی چند و چرا
من نہ اینم بشناش و تو نہ آنی بشنو

لغت: ''ارنی'' = اپنا آپ مجھے دکھا۔ ''لن ترانی'' = تو مجھے (ہرگز) نہیں دیکھ سکے گا۔
یہ وہ قرآنی الفاظ ہیں جو حضرت موسیٰ اور خدائے پاک کے درمیان گفتگو میں آئے۔
(اس شعر کا اور بعد کے اشعار کا خطاب محبوب ہی سے ہے)۔

ارنی کے سوال پر لن ترانی کے الفاظ میں جواب کب تک اور کیوں ہے؟ سن لینا تو میں وہ (موسیٰ) ہوں اور نہ تو وہ (خدا) ہے۔

سوی خود خوان و بخلوت گہ خاصم جادہ
آنچہ دانی بشمار آنچہ ندانی بشنو

اپنے یہاں مجھے بلالے اور اپنی خاص خلوت گاہ میں مجھے جگہ دے (بٹھالے)۔ جو کچھ میرے حال کا تجھے علم ہے اُس کا اندازہ کرلے (لفظی طور پر اس کا شمار کرلے) اور جو تو نہیں جانتا اس کے بارے میں مجھ سے سن لے۔

پردۂ چند بہ آہنگ نکیسا بسرای
غزلی چند بہ ھنجار فغانی بشنو

لغت: ''پردہ'' = سر۔ '' آہنگ'' = لے۔ ''نکیسا'' = قدیم ایران کے ایک مشہور موسیقار کا نام ہے اور ایک سر کا بھی۔ ''فغانی'' ایک مشہور فارسی شاعر، جو ایک خاص اسلوب سخن کے لیے معروف ہے اور جو یہاں کے غزل گو شعرا میں بہت مقبول ہوا۔ ''ہنجار'' = اسلوب۔
آ اور نکیسا کے انداز میں چند نغمے گا۔ اور چند غزلیں اسلوب فغانی میں ہم سے سن۔

لختی آئینہ برابر نہ صورت بنگر
پارۂ گوش بمن دار و معانی بشنو

لغت: '' صورت'' اور '' معانی'' دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ظاہری حالت اور باطنی حالت۔ عرض اور جوہر، جسم اور روح لفظ اور معنی وغیرہ وغیرہ۔

تھوڑی دیر کے لئے آئینہ اپنے سامنے رکھ اور صورت دیکھ تھوڑی دیر کے لئے میری طرف توجہ کر اور لطیف اور گہری باتیں سن۔

ھرچہ سنجم بتو ز اندیشہ پیری بپذیر
ھرچہ گویم بتو از عیش جوانی بشنو

جو کچھ میں تجھے بڑھاپے کے بھرپور تجربے کی بنا پر سمجھاؤں وہ قبول کر لے اور کچھ جوانی کی طرب انگیز انداز میں کہوں وہ سن لے۔

داستان من و بیداری شبھای فراق
تا نہ خسپی و بپاسم نشانی بشنو

چارہ جو نیستم و نیز فضولی نکنم
من و اندوہ تو، چندانکہ توانی بشنو

میں چارہ جوئی کرنے والا نہیں اور اس سلسلے میں فضول ضد بھی نہیں کرتا۔ میں نے تری محبت میں جتنے غم والم اُٹھائے ہیں جہاں تک تو سن سکے سن لے۔

زینکہ دیدی بہ جحیم، طلب رحم خطاست
سخنی چند ز غم ھای نھانم بشنو

لغت: "جحیم" = دوزخ۔

تو نے یہ تو دیکھا ہی ہے کہ میں دوزخ میں پڑا ہوں اس کے لیے میں تجھ سے رحم

طلب نہیں کرتا میرے غم ہائے پنہاں (اندرونی دکھ) کے بارے میں چند باتیں سن لے۔

نامہ در نیمۂ رہ بود کہ غالب جان داد
ورق از ھم در و این مژدہ زبانی بشنو

ابھی خط راہ ہی میں تھا کہ غالب نے جاں دے دی۔ اب خط کو پھاڑ ڈال اور یہ (اُس کے مرنے کی) خوشخبری زبانی سن لے۔

❀❀

غزل نمبر(۲)

عرض خود برد کہ رسوائی ما خیزد ازو
فتنہ خوی است ندانم چہ بلا خیزد ازو

تا ازین بی ادبی قھر تو افزون گردد
گلہ سازی است کہ آھنگ خیزد ازو

شاعر نے "گلہ" کو بے ادبی سے تعبیر کیا ہے کہتا ہے:

گلہ ایک ایسا ساز ہے کہ اُس سے دعا کی لے اُبھرتی ہے تاکہ اس قسم کی بے ادبی کرنے سے تیرا جور و ستم زیادہ ہو جائے۔

عاشق اس لیے گلے شکوے نہیں کرتا کہ معشوق جور و ستم چھوڑ دے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ گلہ کرنے سے معشوق میں قہر کا جذبہ بھڑک اُٹھے اور وہ زیادہ جور و ستم کرے۔ اسی لیے

اس نے کہا ہے کہ ہمارے گلے میں دعا کا ایک پہلو بھی ہے اور وہ دعا پوری ہوگی

نمِ اشکی چو بخاکم بفشانی از مہر

خاک بالد بخود و مہر گیا خیزد ازو

لغت: ''نم اشک'' = آنسوؤں کا پانی۔

جب تو میری قبر پر محبت کے آنسو بہاتا ہے تو میری قبر کی مٹی اپنی خوش قسمتی پہ پھولتی ہے تو اس کے مہر گیا پیدا ہوتی ہے۔

پیش ما دوزخ جاوید بهشت است بهشت

باد آباد دیاری که وفا خیزد ازو

ہمارے لیے دوزخ جاوید ہی بہشت ہے۔ اللہ کرے آباد رہے وہ سرزمین جہاں سے وفا آگئی ہے۔

بینوایان تو درد سرِ دعویٰ ندهند

بشکند ساز وفای که صدا خیزد ازو

تیرے بے نوا تو محبت میں کسی طرح کے ادعا کا اظہار نہیں کرتے۔ اللہ کرے وہ ساز وفا ٹوٹ جائے جس سے کوئی ایسی آواز اُبھرتی ہو۔

دل بیاران چه ره آوردِ سفر عرض کند

مگر آهی که ز جور رفقا خیزد ازو

لغت ''رہ آورد'' وہ تحفہ جو کوئی شخص دوستوں کے لئے سفر سے واپسی پر لے جاتا ہے۔

ہمارا دل دوستوں کے لیے کونسا تحفہ پیش کرسکتا ہے سوائے اُس آہ کے جو رفیقان سفر کے جور وستم کو یاد کر کے اُبھرتی ہے۔

بجهد زیر سر انگشت تو نبضم که مرا

نیست دردی که تمنای دوا خیزد ازو

تیری انگلی کے نیچے میں نبض کی حرکت اس بات کا پتا دیتی ہے کہ مجھے کوئی ایسا دکھ نہیں ہے کہ جس سے دوا کی کوئی خواہش ہو۔

بمشام که رسد نکہتِ زلفِ سیہی

که همه بیخودیِ بادِ صبا خیزد ازو

اس زلف سیہ کی خوشبو کونسے خوش نصیب کے دماغ میں پہنچ رہی ہے کہ اس خوشبو میں بادِ صبا کی سی بے خودی طاری ہے۔

بوسه بعد از طلبِ بوسه نه بخشد لذت

چون جوابی که باندازِ حیا خیز ازو

ایسے بوسے میں جو طلب کرنے پر ملے، لذت نہیں ہوتی ہے اس جواب کی طرح جس میں انداز حیا پایا جائے۔

محو افسون گر نازیم که او را باما

دور باشی است که آهنگ بیا خیزد ازو

لغت ''افسوں گرناز'' محبوب جس کے ناز میں سحر آفرینی ہو''دوباتیں'' دور رہو، نفی جس کا کلمہ، رد کرنے کا طریقہ۔ ''بیا'' دورباش کی ضد، آنے کی دعوت۔

ہم اُس نازنین کی سحر انگیزیوں میں محو ہیں جس کی دورباش کی آواز میں دعوت کا شائبہ ہوتا ہے۔

دیگر امروز بما بر سر جنگ آمدہ است

بہ ادای کہ ہمہ صلح و صفا خیزد ازو

آج وہ پھر ہم سے برسرِ پیکار ہے اس ادا سے کہ اُس کا انداز جنگ ہمہ تن صلح و صفائی ہے۔

بلبلِ گلشنِ عشق آمدہ غالب ز ازل

حیف گر زمزمۂ مدح و ثنا خیزد ازو

غالب ازل سے باغِ عشق میں بلبل کی طرح محبت کے ترانے گا تا رہا ہے۔ افسوس ہوگا اگر وہ یہ نغمے چھوڑ کر مدح وثنا کے بھجن گانے لگے۔

''زمزمہ'' اصل میں اس دھیمے سروں میں گائے جانے والے بھجن کو کہتے ہیں جو زرد تشتی اپنے معبدوں میں ہلکی آواز میں گاتے تھے۔ بعد میں نغمے کا مترادف ہوگیا۔ زیرِ بحث شعر میں مدح سرائی کو غالب نے بھجن اسی لیے کہا ہے کہ اُس میں اصلی معنوی پہلو بھی ہے اور ہلکی سی طنز بھی۔

غزل نمبر(۳)

گوئی بمن کسی کہ ز دشمن رسیدہ کو

آن پیر زال ست پی قد خمیدہ کو

تو کہتا ہے کہ رقیب کی طرف سے کون میرے پاس آیا؟ سنو! بوڑھی عورت، ست رفتار، قد جھکا ہوا، وہ کون تھی؟ (کوئی کٹنی جو در پردہ پیغام رسانی کا کام سرانجام دیتی ہے)۔

یادت نہ کرد خصم بعنوان بلفظ دوست

آن نامۂ نخواندہ ز صد جا دیدہ کو

تجھے ہمارے رقیب (خصم) نے خطاب میں دوست کے لفظ سے بھی یاد نہیں کیا، وہ نہ پڑھا ہوا اور سو جگہ سے پھٹا ہوا خط کہاں ہے؟۔

رعنا دلت بدختر ہمسایہ بند نیست

آن مہ رخ بگوشۂ ایوان خزیدہ کو

تیرا دل ہمسائے کی لڑکی سے وابستہ نہیں ہے تو وہ مہ رخ تیرے محل کے ایک گوشے میں چھپی بیٹھی ہے کون ہے؟۔

دوشینہ گل بہ بستر و بالین نداشتی

آن برگ گل کہ در تن نازک خلیدہ کو

کل رات تیرے بستر اور بالیں پر کوئی پھول نہیں تھا تو پھر وہ پھول کی پتی جو تیرے تن

نازک میں چھپی کیاتی ؟

کس داوری نبرده ز جورت بدادگاه
آن بی گنه که شاه زبانش بریده کو

کس نے تیرے جور وستم کے خلاف بارگاہ عدل میں دعویٰ نہیں کیا۔ وہ بے گنہ جس کی زباں بادشاہ کے حکم سے کاٹ دی گئی کون تھا۔

گوئی به شحنه گوی که کس را نکشته ایم
آن نعش نیم سوخته ز آتش کشیده کو

تو کہتا ہے کہ کوتوال سے کہہ دو کہ ہم نے کسی کو نہیں مارا، تو پھر وہ آگ سے نیم جلی ہوئی نعش کس کی ہے؟۔

گوئی خمش شوی چو ز کویم بدر روی
آن دل که جز به ناله به هیچ آرمیده کو

تو کہتا ہے کہ ”جب تو ہمارے کوچے سے جائے تو بالکل خاموشی سے جا لیکن وہ دل کہ سوئے نالہ تسکین نہیں پاتا کہاں سے لاؤں۔

گوئی دمی ز گریه خونین بما بر آر
آن مایه خون که سرد هیم از دل بدیده کو

تو کہتا ہے کہ تھوڑی دیر (لمحہ بھر کے لیے) خوں کے آنسو ہمارے سامنے بہا۔ اور وہ جو دل کا اتنا خون آنکھوں سے بہاتے رہتے ہیں، اُس کا کیا ہوگا (وہ کہاں گیا)۔

بشنو که غالب از تو رمیده بکعبه رفت
گفتی شگفتی که بود ناشنیده کو

سن کہ غالب تجھ سے بھاگ کر کعبے کو گیا اور تو نے کہا یہ عجیب بات ہمارے سننے میں نہیں آئی یہ کیسے اور کب واقع ہوئی۔

❀❀❀

غزل نمبر(۴)

بالم بخویش بسکه به بندِ کمند تو
مردم گمان کنند که تنگم به بند تو

چونکہ میں تیری کمند عشق میں رہ کر خوشی سے پھولا نہیں سماتا لوگ خیال کرتے ہیں کہ میں اس تیری قید و بند میں تنگ ہوں (تنگ کا ایک پہلو یہ ہے کہ میں آزردہ ہوں)۔

آزادی ام نخواهی و ترسم کزین نشاط
بالم بخود چنانکه نگنجم به بند تو

تو مجھے اس بند محبت سے آزاد کرنا نہیں چاہتا اور میں ڈرتا ہوں کہ اس خوشی میں اتنا پھولنے نہ لگ جاؤں کہ تیرے بند محبت میں سما ہی نہ سکوں۔

تز خویش ناسپاسی و تز شایہ در ہراس
گوئی رسیدہ ام بدل درد مند تو

رنجِ قضاست ہمت آسان گدازِ ما
قہرِ خداست خاطر مشکل پسند تو

ہماری ہمت جو ہر کام کو آسان سمجھ لیتی ہے اور اس سے گھبراتی نہیں، قضا کے لیے دکھ کا باعث بنی ہے (کہ اس شخص سے کیسے نبٹا جائے) اور تیری مشکل پسند طبیعت قہر خدا ہے۔

از ماچہ دیدۂ کہ بما از گدازِ دل
ہمچو شکر در آب بود نوشخندِ تو

تو نے ہم میں کیا دیکھا ہے کہ ہماری گداز دل کے باعث تیری میٹھی ہنسی بھی ایسی ہوتی ہے جیسے پانی میں شکر۔ (یعنی ہمارا دل گداز ہو گیا ہے اور اس میں تمہاری ہنسی بھی آ کر ختم ہو جاتی ہے)۔

ای مرگ مرحبا کہ چہ مایہ دلبری
چشم بد از تو دُور نکویان سپند تو

اے مرگ مرحبا! تو کتنی محبوب شے ہے! اللہ کرے تجھے نظر بد نہ لگے، بڑی بڑی حسین ہستیاں تجھ پر جان دیتی ہیں (یعنی ہرمل کی طرح جل کر تجھے نظر بد سے بچاتی ہیں)۔

ای کعبہ چون من از دل یار افتادہ است
این بت کہ اوفتادہ ز طاقِ بلند تو

اے کعبہ! یہ بت بھی میری طرح یار کے دل سے گرا ہوا ہے، یہ بت جو طاق بلند سے گرا ہوا ہے۔

در رہگذر بہ پرسش ماگر کشی چہ باک
آخر شراب نیست عنان سمندِ تو

لغت: ''شراب کشیدن'' اور ''عنان کشیدن'' میں کشیدن کا لفظ محاورۃ آیا ہے۔ شراب کشیدن، شراب پینا ہے (شراب کشی) اور عنان کشیدن کا مفہوم باگ کو کھینچنا، اس شعر میں شاعر نے کشیدن کی رعایت کو ملحوظ رکھا ہے۔...... اگر تو ہمارے پرسش حال کے لیے سر بازار گھوڑے کی لگام کو روک لے تو کوئی ڈر کی بات نہیں آخر یہ جام کشی تو نہیں ہے کہ سرانجام نہ ہو سکے۔

آن کوز تو دل ربودہ ندانم کہ بودہ است
یا رب کہ دور باش ز جانش گزند تو

لغت: ''یارب'' میں ہر چند کہ یا خطاب کا ہے لیکن فارسی میں رب کا ایک اور مفہوم بھی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ''اللہ کرے'' یہاں اسی مفہوم میں آیا ہے۔

میں نہیں جانتا کہ وہ (خوش نصیب) شخص کون ہے جس نے تیرا دل موہ لیا ہے۔

اللہ کرے کہ اس کی جان کو تیری طرف سے کوئی گزند نہ پہنچے۔ (یارب اللہ تعالیٰ سے خطاب بھی ہو سکتا)۔

ہر گونہ رنج کز تو در اندیشہ داشتم
ہم با تو در مباحثہ گفتم بہ پند تو

ہر وہ دکھ جو میرے خیال میں تیری طرف سے تھا وہ میں نے تجھ سے باتوں باتوں میں نصیحت کے پیرائے کہہ دیا۔

غالب سپاس گوی کہ ما از زبانِ دوست
می بشنونم شکوۂ بختِ نژندِ تو

لغت: ''بختِ نژند'' = ٹیڑھا نصیبہ۔ بدقسمتی۔ بدحالی۔

اے غالب! شکر کر کہ ہم نے تیرے دوست کی زبان سے تیری بدنصیبی کی شکایت سنی ہے۔ یعنی تیرے دوست کو بھی تیری بدحالی کا احساس ہے اور یہ خوشی کی بات ہے، بلکہ خوش قسمتی ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۵)

گستاخ گشتہ ایم غرور جمال کو
پیچیدہ ایم سر ز وفا، گوشمال کو

ہم گستاخ ہو گئے ہیں، غرورِ حسن کہاں ہے (غرورِ حسن کو کیا ہوا) کہ وہ یہ برداشت (گوارا) کر رہا ہے۔ ہم نے وفا سے منہ موڑ لیا ہے۔ اس کی سزا کہاں ہے، ہمیں سزا کیوں نہیں دی جاتی۔

تا کی فریبِ حلم، خدا را، خدا نہ
آن خوئی خشمگین و ادای ملال کو

لغت: ''حلم'' = بردباری۔ ''خدارا'' میں را کا حرف واسطہ کا مفہوم دیتا ہے یعنی تجھے خدا کا واسطہ۔

''ملال'' = تنگ آجانا، اُکتا جانا، اُکتاہٹ۔

خدا کو حلیم کہا جاتا ہے اور حلم رب کی ایک صفت ہے۔ معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے: خدا کے واسطے یہ بتاؤ کہ تم کب تک ہمیں اپنی بردباری کا فریب دو گے، تم خدا تو نہیں ہو۔ تمہاری وہ غضب ناک ہونے کی خو اور جلد اُکتا جانے کی ادا کو کیا ہوا؟

برگشتہ ام ز مہر و نمی گیری ام بہ قہر
دارم دو صد جواب ولی یک سوال کو

میں نے محبت سے روگردانی کی ہے اور سختی سے اس بات پر گرفت نہیں کرتا۔ میرے پاس (اس بات کے) دو سو جواب موجود ہیں لیکن ان جوابوں کے لیے کوئی (پوچھ گچھ) ایک سوال تو تیری طرف سے ہو۔

یا می گسست صحبت یا می فزود ربط
لیکن مرا ملال و ترا انفعال کو

یا تو (ہمارا) ملاپ ہی ختم ہو گیا ہے یا پھر باہمی ارتباط بڑھ گیا ہے۔ لیکن اس کا مجھے ملال کیوں نہیں اور تجھے شرمساری کیوں نہیں۔

خواهی کہ بر فروزی و سوزی درنگ چیست
خواهم کہ تیز سوئی تو بینم ،مجال کو

تو چاہتا ہے کہ تیرا حسن بھڑک اُٹھے اور مجھے جلا دے، تو پھر دیر کیسی؟ میں چاہتا ہوں کہ جی بھر کے تجھے دیکھوں (تیز نگاہی سے نظریں جما کر) لیکن اس کی مجال مجھ میں کہاں ہے؟۔

گر گفتہ ایم کشتن و بستن بما مخند
مارا تدارک بسزا در خیال کو

اگر ہم نے اپنے باندھنے اور قتل کرنے کو کہا ہے تو ہم پر مت ہنس، ہم میں مناسب تدارک کرنے کا خیال ہی کہاں آسکتا ہے۔

داغم زرشکِ شوکِ صنعا ولی چہ سود
آن دستگاہِ طاقتِ ہفتاد سال کو

من بوسہ جُو و توبہ سخن داریم نگاہ
لب تشنہ با گھر چہ شکیبد زلال کو

میں بوسے کا طلب گار ہوں اور تو نے مجھے باتوں میں لگا رکھا ہے۔ ایک پیاسے کو آب گہر سے کیا تسکین ہوسکتی ہے۔ زلال کہاں ہے؟۔

شاعر نے محبوب کی آب دندان کو گھر سے تشبیہ دی ہے اور بوسے کو زلال (آب شیریں) کہا ہے۔

دل فتنہ جو و فرصت تکمیل عشق نیست
ھنگامہ سازیِ ھوس زود بال کو

دل محبت میں ہنگامے اور فتنے برپا ہونے کا متمنی ہے مگر عشق کی تکمیل کے لیے اتنی فرصت نہیں ہے۔ ہوس زود بال (جو فی الفور پرواز کر جاتی ہے) کی ہنگامہ سازیاں کہاں ہیں جن سے کام جلدی میں ہوسکتا ہے۔

لب تا جگر زتشنگیم سوخت در تموز
صاف شراب غورہ و جام سفال کو

لغت: ''غورہ'' = ''انگور'' وہ انگور جو پہلے پہل پک کر تیار ہوتا ہے۔

گرمی میں میں لب سے لے کر جگر تک جل اُٹھا ہوں۔ انگور کی صاف شراب اور جام سفال کہاں ہے (کہ پیاس بجھاؤں) اور اس گرمی کو دور کروں۔

در بادۂ طھور غم محتسب کجا
در عیشِ خلد آفتِ بیم زوال کو

شراب طہور میں محتسب کا ڈر کہاں۔ جنت کی عیش گاہ میں زوال کا خوف کہاں؟۔

غالب بشعر کم ز ظھوری نیم ولی
عادل شہ سخن رسِ دریا نوال کو

لغت: ''ظھوری'' = عادل شاہ دکنی دربار سے وابستہ تھا اور مرزا غالب اس کی نظم و نثر کا مداح تھا۔

''دونوال'' سمندر کی سخاوت والا ''سخن دس'' سخن فہم وسخن شناس اور شعر و ادب کی داد دینے والا۔

اے غالب میں شاعری میں ظہوری سے کم نہیں ہوں لیکن عادل شاہ جیسا سخن شناس اور مربی شعروادب (آج) کہاں ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۶)

دولت بغلط نبود، از سعی پشیمان شو
کافر نتوانی شد، ناچار مسلمان شو

خوش بختی یونہی نصیب نہیں ہوتی، اس کے حصول کے لیے اپنی وسعی کوشش پر پشیماں ہو۔

اگر تو کافر نہیں ہو سکتا تو ناچار مسلمان ہی ہو جا۔

مسلمانی تو سلامتی کی رہ ہے ہر شخص اس پر آسانی سے چل سکتا ہے، کافر ہونا کٹھن کام ہے ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

از هرزه روان گشتن قلزم نتوان گشتن
جوئی به خیابان رو، سیلی به بیابان شو

یونہی بیہودہ راہروی سے قلزم نہیں بن سکتے۔ اگر تو ندی ہے تو خیاباں میں جا اور اگر تو سیلاب ہے تو بیاباں کا رخ کر۔

ہر قطرہ اپنے ظرف کے مطابق کسی منزل پہ پہنچتا ہے۔ چھوٹی سی جوئے آب کے لیے گلستان ہی موزوں ہے اور سیلاب کے لیے بیاباں کی وسعتیں موجود ہیں۔

هم خانه به سامان به، هم جلوه فراوان به
در کعبه اقامت کن، در بتکده مهمان شو

اپنی اقامت تو کعبے میں رکھ لیکن مہمان بت خانے کا بن کیونکہ بت خانے میں ساز وسامان بھی ہے اور جلووں کی فراوانی بھی ہے۔ بت خانے میں تو کوئی صورت بھی ہے اور کعبے میں تو اللہ ہی اللہ ہے۔

آوازۂ معنی را بر ساز دبستان زن
هنگامۂ صورت را بازیچۂ طفلان شو

لغت: ''آوازہ'' = نعرہ نغمہ بلند آہنگ۔ ''معنی'' = باطنی حقیقت۔

حق سرائی کے نغمے کو ساز دبستان پر گا اور محض صورت آرائی کا ہنگامہ ہو تو اُس کے لیے بازیچۂ اطفال (بچوں کا کھیل) بن جا۔

معنی کا اظہار یا حق سرائی کا مقام اور ہے۔ محض ظاہرا صورت آرائی تو بچوں کا کھیل ہے۔

افسانۂ شادی را یکسر خط بطلان کش
غمنامۂ ماتم را آرائش عنوان شو

لغت: ''خط بطلان'' = کسی حرف یا بات کو غلط قرار دینے کے لیے اس پر جو لکیر کھینچی جائے وہ خط بطلان ہے۔

خوشبو کے افسانے کو یکسر غلط قرار دے اور ماتم کی الم ناک داستانوں کو عنوان کی آرائش بنالے۔

گر چرخ فلک گردی سر بر خط فرمان نہ

ور گوی زمین باشی وقفِ خم چوگان شو

لغت: ''سر بر خط فرمان بہ'' = فرماں کے آگے سر تسلیم خم کردے۔

''خم چوگان'' = چوگاں کے بلے کا خم جو بلے کے آخر میں ہوتا ہے جس سے گیند کو کھینچ کر لے جاتے ہیں۔

''چرخ فلک گرد'' = فضا میں گھومنے والا ''چرخ'' ''گوی زمین'' = کرۂ زمین (زمین گیند کی طرح گول ہے)

گوی زمیں میں اضافت تشبیہی ہے۔ یعنی زمین جو گیند کی طرح ہے۔

اگر تو گردش کرنے والا سیارہ ہے تو قدرت کے فرماں پر سر تسلیم خم کردے اور اگر تو گوئی زمین ہے، اپنے آپ کو خم چوگان کے لیے وقف کردے۔

یعنی ہر حال میں سرتا پا تسلیم و رضا بن جا۔

آوردہ غمِ مشقم در بندگیِ ایزد

ای داغ بدل در رو، و زجبھہ نمایان شو

غم عشق بالآخر مجھے اطاعت ایزدی تک لے آیا۔ اے داغ غم عشق اب دل میں دب جا اور پھر (ابھر کر) پیشانی پر ظاہر ہو (داغ پیشانی بن جا)۔

گویا داغ پیشانی نشانِ اطاعت خداوندی ہوگا (سجدے کا نشان)

در بند شکیبائی مردم ز جگر خائی

ای حوصلہ تنگی کن، ای غصہ فراوان شو

صبر و شکیب کی پابندی میں رہ کر میں اپنا جگر چاٹ چاٹ کر مرگیا۔ اے مرے حوصلے ذرا تنگی دکھا اور اے غم ذرا زیادہ ہو جا۔

دکھ میں صبر کرنا حوصلے کی بات ہے، حوصلہ کم ہوگا تو انسان ضبط کی کوفت سے بچ جاتا ہے اور اگر غم ہی بڑھ جائے تو پھر صبر و تحمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سرمایہ کرامت کن و آنگاہ بغارت بر

بر خرمنِ ما برقی بر مزرعہ باران شو

پہلے کوئی سرمایہ عطا کر اور پھر اُسے لوٹ لے۔ کھیت پہ باراں بن کر برس اور ہمارے خرمن پر برق بن کے گر (اور اُسے برباد کردے)۔

جان داد بہ غم غالب، خوشنودی روحش را

در بزم عزامی کش، در نوحہ غزل خوان شو

غالب نے غم میں جان دے دی، اب اُس کی روح کی خوشنودی کی خاطر بزم ماتم میں شراب پی اور نوحہ کی جگہ غزل خوانی کر۔

❁❁❁

ردیف (ہ)

غزل نمبر(۱)

میرود خندہ بسامان بہاران زدہ
خون گل ریختہ و می بگلستان زدہ

اُس نے باغ میں شراب پی اور (اپنے درخشاں چہرے سے) پھولوں کا خون بہایا اور اب سامان بہاران پر خندہ زن ہو کر جا رہا ہے۔

یعنی اس کے دمکتے ہوئے چہرے سے باغ کے پھول ماند پڑ گئے اور یہی سامان بہار تھا۔اس سامان بہار کو اس نے اپنے حسن سے لوٹ لیا اور اب طنز کی ہنسی ہنس کر جا رہا ہے۔

شور سودای تو نازم کہ بہ گل می بخشد
چاکی از پردۂ دل سر بگریبان زدہ

تیری محبت کی شورانگیزیوں کے قرباں کہ اس نے پھول کو چاک دامانی عطا کی ہے اور سر بگریبان ہونا سکھا دیا ہے۔(پھول کی پتیاں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کہ اس کا دامن چاک ہو گیا اور شاخ گل کو خمیدہ دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے غمزدہ ہے اور سر در گریباں پڑا ہے)۔

آہ از بزم وصال تو کہ ھر سو دارد
نشتر از ریزۂ مینا بہ رگِ جان زدہ

تو بہ یہ تری بزم وصال! اس میں ہر طرف لوگ ریزہ مینا کا نشتر رگ جاں پہ کھائے پڑے ہیں۔

شور اشکی بفشار بن مژگان دارم
طعنہ بر بی سر و سامانیِ طوفان زدہ

میری ہر بن مژہ کے اندر آنسو کا ایک (ایسا) شور تلاطم بپا ہے جو طوفان کی بے سرو سامانی پر طعنہ زن ہوتا ہے۔

یعنی ہر قطرۂ اشک طوفان سے کہیں بڑھ کر ہے۔

اندرین تیرہ شب از پردہ برون تاختہ است
می روشن بطرب گاہِ حریفان زدہ

لغت: "مے زدہ" = شراب پی کر۔ مست ہو کر۔

اس سیاہ رات میں وہ ہمارے حریفوں کی عیش گاہ میں مَی درخشان کے جام اُڑا کر، پردے سے باہر آیا ہے۔

فرصتم باد کہ مرھم نہ زخم جگر است
خندہ بر بی اثری ھائی نمکدان زدہ

کہتے ہیں کہ زخم پر نمک چھڑکنے سے درد بڑھ جاتا ہے۔اس لیے "زخم پر نمک چھڑکنا" محاورہ ہے۔ایذارسانی کے لیے نمکداں کی بے اثری پر ہنسی میرے زخم پر مرہم کا کام دے رہی ہے۔(اللہ کرے یہ بے اثری جاری رہے)۔

خوش بسر می دود از صربت آهم هر سو

چرخ، سر گشته تر از گوی بچوگان زدۂ

لغت: ''گوی بچوگان زدہ'' = وہ گیند جس نے چوگان کی ضرب کھائی ہو (زور سے گردش کرنے والی گیند)۔

میری آہوں کی ضرب سے گوی چوگاں سے کہیں زیادہ آسمان سرپٹ دوڑ رہا ہے۔

گردش آسمانی کو اپنی آہوں کے اثر سے منسوب کیا ہے۔

خوش نوا بلبل پروانہ نژادی دارم

شعلہ در خویش ز گلبانگ پریشان زدۂ

لغت: ''پروانہ نژاد'' = پروانے کے خاندان سے۔

میرے پاس ایک پروانہ نژاد بلبل ہے جو اپنی ہی فریاد پریشان سے اپنے آپ پر شعلہ فشانی کر کے اپنے آپ کو جلا لیتی ہے۔

یہ بلبل پروانہ نژاد خود شاعر کا دل ہے یا خود شاعر ہی ہے۔

آہ از آن نالہ کہ تا شب اثری باز نداد

بہ ہم آہنگی مرغانِ سحر خوان زدۂ

حیف اس نالے پر جو ہم نے مرغان سحر سے ہم آہنگ ہو کر کیا تھا، اور اس کا اثر رات تک نہ گیا۔

چمن از حسرتیانِ اثر جلوۂ تست

گل شبنم زدہ باشد لب دندان زدۂ

لغت: ''حسرتیان = حسرتی کی جمع، (حسرتی میں ''ی'' فاعلی ہے)۔ حسرت کرنے والے۔

''گل شبنم زدہ'' = پھول جس پر شبنم پڑی ہو۔ لب دندان زدہ۔ وہ لب جنہیں دانتوں میں کاٹا گیا ہو۔

حسرت کے عالم میں انسان اپنے دانتوں سے اپنے لبوں کو چباتا یا کاٹتا ہے۔

باغ کو تیرے حسن کے جلوں کی اثر انگیزی کی حسرت ہے۔ یہ شبنم آلودہ پھول حسرت میں کاٹے ہوں لبوں کی طرح ہیں۔

خاک در چشم ھوس ریز، چہ جوئی از دھر

بارگاھی بفراز سر کیوان زدۂ

تیری بارگاہ تو کیواں (ستارہ) کی بلندیوں کے اوپر ہے تو اس دنیا سے کیا طلب کر رہا ہے۔ اپنی اس ہوس کی آنکھوں میں خاک ڈال۔

انسان کا مقام تو فلک پر ہے۔ اس دنیا کی ہوس اس کے شایان شان نہیں۔

بہ نگر موج غباری و ز غالب بگزر

اینک آندم ز ھوا داریِ خوبان زدۂ

غالب کی ہستی کا ذکر چھوڑ، ایک موج غبار کے سوا کیا ہے اور یہ موج غبار وہ ایک سانس ہے جو اس نے زندگی میں مہ جبینوں کی دلداریوں میں کھینچا تھا۔

❀❀❀

غزل نمبر(۲)

بتی دارم از اهل دل رم گرفته

بشوخی دل از خویشتن هم گرفته

میرا ایک معشوق ہے جو اہل دل سے بھاگتا ہے۔اس کی شوخی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے سے بھی دل گرفتہ ہے(یعنی اپنے سے کنارہ کش ہے)۔

ز سفاک گفتن جو گل بر شگفته

درین شیوه خود را مسلم گرفته

اُسے سفاک کہوتو پھول کی طرح شگفتہ ہو جاتا ہےاوراس اندازخو میں وہ مسلم ہے۔

رگِ غمزه از نیشِ مژگان کشوده

سرِ فتنه در زلفِ پر خم گرفته

اُس نے اپنی مژگاں کے نشتر سے غمزے کی رگوں کو چیرا ہےاور فتنہ انگیزیاں زلف پر خم سے سیکھی ہیں۔

برخساره عرضِ گلستان ربوده

به هنگامه عرضِ جهنم گرفته

اُس نے اپنے رخساروں سے گلستاں کی آبرو چھین لی ہےاور ہنگامہ آرائیوں میں جہنم کو گھیر لیا ہے۔

فسون خوانده و کار عیسیٰ نموده

پری بوده و خاتم از جم گرفته

افسون خوانی کی ہےاور اعجاز مسیحائی دکھایا ہے۔ پری ہےاور حضرت سلیمان سے انگوٹھی چھین لی ہے۔حضرت سلیمان کی انگوٹھی دیو نے چرائی تھی۔

ز ناز و ادا تن به معجز نداده

بشرم و حیا رخ ز محرم گرفته

وہ اپنے ناز وادا کے معجزوں اور شعبدوں کی نمائش کی طرف مائل نہیں۔
اور شرم وحیا کا یہ عالم ہے کہ محرم سے منہ چھپاتا ہے۔

دمش رخنه در زهد یوسف فگنده

غمش گندم از دست آدم گرفته

اس کا سانس زہد یوسف میں بھی رخنہ پیدا کرتا ہے۔اس کا غم دست آدم سے گندم چھین لیتا ہے۔

گهی طعنه بر لحنِ مطرب سروده

گهی خرده بر نطقِ همدم گرفته

لغت: ''طعنہ سرودن'' = طعنہ زنی کرنا، سرودن اچھے انداز اور لحن کے اعتبار سے کہا ہے۔ ''خردہ گرفتن'' = غلطی نکالنا۔نکتہ چینی کرنا۔

کبھی وہ مطرب کے لحن (آواز) پر طعنہ زنی کرتا ہےاور اپنے ہمدم کی باتوں پہ نکتہ چینی کرتا ہے۔

بہ بیداد صد کشتہ برھم نھادہ

بباز یچہ صد گونہ ماتم گرفتہ

جوروستم میں سوانسانوں کو مارکردکھ دیتا ہے اور پھر تفریح کے انداز میں کئی طرح کے ماتم کرتا ہے۔

بروئیش ز گرمی نگہ تاب خوردہ

بکوئیش برفتن صبا دم گرفتہ

اس کے چہرے پر نگاہیں گرمی سے پیچ وتاب کھاتی ہیں اور اُس کے کوچے میں چلتے چلتے صبا کا سانس اُکھڑ جاتا ہے۔

نیارد ز من ھیچگہ یاد ھرگز

مگر خوئی خاقانِ اعظم گرفتہ

وہ مجھے کبھی یاد نہیں کرتا، شاید اُس میں خاقان اعظم کی خوآ گئی ہے۔

ظفر کز دم اُوست در نکتہ سنجی

کہ غالب بآوازہ عالم گرفتہ

یعنی ظفر (بادشاہ) جس کے دم قدم کی برکت سے غالب کی نکتہ آفرینوں (شاعرانہ) کی شہرت سارے عالم میں پھیل گئی ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۳)

گاھی بچشم دشمن و گاھی در آئنہ

پُرکار عیب جوئی خویشم ھم آئنہ

لغت: ''پُرکار'' = چالاک، پُرفن۔ ''عیب جو'' = عیب ڈھونڈنے والا۔ ''ہرآئنہ'' ہرصورت میں، لازمی طور پر۔

میں کبھی دشمن کی آنکھ میں اور کبھی آئینے میں اپنے نقائص (کمزوریاں، عیب) دیکھتا ہوں۔ لیکن جیسا بھی ہو، میں لازماً آپ اپنا ایک بڑا چالاک عیب جو ہوں۔

حیرت نصیب دیدہ ز بی تابیِ دل است

سیماب را حقی است ھمانا بر آئنہ

آئینے کے پیچھے پارے کی تہ چڑھی ہوتی ہے اور پارہ بے تاب ہوتا ہے۔ حیرت کے عالم میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں، اس وجہ سے لوگ آئینے کو حیرت زدہ باندھتے ہیں۔ شاعر نے اپنے دل بے تاب کو سیماب کہا ہے اور اپنی حیرت زدہ آنکھوں کو آئینے سے تشبیہ دی ہے۔

شاعر اپنی حیرت زدہ آنکھوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ہماری آنکھوں کی حیرت ہمارے دل کی بے تابی کے باعث ہے۔ یقیناً سیماب کا آئینے پر ایک حق ہے۔

تا خود دلِ جلوہ گہ روی یار شد

خنجر بخویش می کشد از جوھر آئنہ

آئینے کی چمک کو (جوہر) جوہرِ خنجر (چمک) یعنی خنجر کہا ہے۔ کہتا ہے:

آخر کس کا دل جلوہ گہ یار بن گیا ہے کہ آئینہ اپنے جوہر کا خنجر اپنے سینے میں گھونپ رہا ہے۔

یعنی آئینہ تو عکس یار (جلوہ یار) کی تاب نہیں لاسکتا۔ وہ تو اپنے جوہر کا خنجر اپنے سینے میں گھونپ لیتا ہے تو پھر کس کا دل اُس کے چہرے کی جلوہ گاہ بن گیا ہے۔

باشد کہ خاکساریِ ما بر دھد فروغ

گوئی سپردہ ایم بہ روشنگر آئینہ

(ہم نے خاکساری اختیار کی ہے) شاید اس خاکساری سے ہماری چمک اُبھر آئے۔ گویا ہم نے آئینہ، آئینہ صیقل کرنے والے (روشن گر) کے سپرد کیا ہے۔

روشن گر آئینے کو خاک یا خاکستر سے چمکاتے ہیں۔

محو خودی و داد رقیبان نمی دھی

ای بر رخت ز چشم تو حیران تر آئینہ

تو اپنے آپ میں محو ہے اور رقیبوں کی کوئی داد نہیں۔ دیکھ کہ تیرے چہرے کے روبرو، آئینہ تیری آنکھوں سے زیادہ حیران ہے۔

معشوق اپنا عکس آئینے میں دیکھ کر حیران ہے اور اُسی میں کھو گیا ہے۔ اُدھر آئینہ ہے جو اُسی حیرت سے اُس کو دیکھ رہا ہے لیکن معشوق کو اس کی خبر نہیں۔

شاعر نے آئینے کو اپنا رقیب کہا ہے کیونکہ وہ روے یار کے جلووں سے فیض یاب ہوتا رہتا ہے۔

دورت ربودہ ناز بخود ھم نمی رسی

تا چند در ھوای تو ریزد پر آئینہ

ناز تجھے اپنے سے اتنا دور لے گیا ہے کہ تیری اپنے تک بھی رسائی نہیں۔ آئینہ کب تیری ہوا (تمنا) میں پرواز کرتا ہے اپنے پر جھاڑتا رہے گا

(ہوا کے ایک معنی خواہش اور تمنا کے بھی ہوتے ہیں)۔

دردا کہ دیدہ را نم اشکی نماندہ است

کاندر وداعِ دل زند آبی بر آئینہ

پرانی رسم تھی کہ جب کسی کو وداع کرتے تھے تو شگون نیک کے لیے آئینے پر پانی گراتے تھے۔

افسوس کہ آنکھ میں ایک قطرۂ اشک بھی باقی نہیں رہا کہ دل کو وداع کرتے وقت آئینے پر گرایا جاسکے۔

در ھر نظر برنگ دگر جلوہ می کنی

حسنت طلسم و فتنہ و افسون گر آئینہ

ہر نظر میں تیرے حسن کا جلوہ کچھ اور ہے۔ تیرا حسن فتنوں کا ایک طلسم ہے اور آئینہ اس طلسم یا افسوں کو پیدا کرنے والا ہے۔

ھر یک گدای بوسہ و نظارۂ کسی است

از جم پیالہ بین و ز اسکندر آئینہ

ہر ایک کسی کے بوسے اور نظارے کا بھکاری ہے۔ دیکھو جمشید کے پاس پیالہ ہے (جام جم) اور سکندر کے پاس آئینہ۔ (کہاں جاتا ہے کہ آئینہ پہلے پہل سکندر کے حکم سے بنایا گیا تھا)۔

آهن چه دادِ غمزهٔ سحرِ آفرین دهد
غالب بجز دلش نبود در خور آئنه

لغت: ''درخور'' = مناسب۔ قافیے میں عموماً ''خ'' مفتوح آتا ہے۔ خود اور خوش کے الفاظ بھی ایسے ہی ہیں۔ درخور کے معنی ہیں موزوں مناسب شروع میں آئینہ لوہے (فولاد) کا بنا ہوا ہوتا تھا۔ اسی لیے برسات میں اس میں زنگ لگ جاتا تھا اور اُسے صیقل کرتے تھے۔ آئینے کے زنگ آلودہ ہونے، اور اس کے صیقل کرانے کے اشارے کثرت سے ہماری شاعری میں موجود ہیں۔ جیسے اس شعر میں:

لوہا (یعنی لوہے کا آئینہ) اس کے غمزۂ سحر آفریں کی کیا داد دے گا اے غالب، دل کے سوا اُس کے لائق کوئی اور آئینہ نہیں ہو سکتا۔

غزل نمبر (۴)

شاها به بزم جشن چو شاهان شراب خواه
زر بی حساب بخش و قدح بی حساب خواه

اے بادشاہ! بزم جشن میں، بادشاہ کی شان کے مطابق شراب موجود ہونی چاہیے۔

دولت بے حساب لٹانے کا حکم دو اور لاتعداد جام شراب مہیا کرنے کا فرمان دو۔

بزمت بهشت و باده حلال است در بهشت
گر باز پرس رُو دهد از من جواب خواه

تیری بزم بہشت ہے اور بہشت میں شراب حلال ہے۔ اگر کوئی باز پرس ہو تو جواب دہی کے لیے مجھے حکم دیجیے۔

تو پادشاه عهدی و بخت تو نوجوان
برخور ز عمر و باج نشاط از شباب خواه

تو پادشاہِ وقت ہے اور بخت جوان کا مالک۔ زندگی سے لذت اندوز ہو اور جوانی سے عیش و نشاط حاصل کر (باج مانگ)۔

در روزهای فرخ و شب های دلفروز
صهبا بروز ابر و شب ماهتاب خواه

ان مبارک دنوں اور چمکتی ہوئی راتوں کو (گزارنے کے لیے) ابر کے دن اور چاندنی رات میں شراب کا دور چلنا چاہیے۔

درخور بناشد ارمئی گلگون به هیچ رُو
شربت بجام لعل از قند وگلاب خواه

اور اگر کسی طرح سے بھی شراب سرخ مناسب نہیں ہے تو قند و گلاب کا شربت جام لعلیں میں لانے کا حکم دے۔ (شراب نہیں تو وہی سہی)

خونِ حسود در دم شادی شراب گیر

چون بادہ این بود، دل دشمن کباب خواہ

لغت: ''حسود'' = حاسد۔ یہ صیغۂ مبالغہ ہے بہت حسد کرنے والا جیسے ظلوم اور جہول، بہت ظالم اور بہت جاہل۔ ''شراب گیر'' = شراب سمجھ (یعنی شراب سمجھ کے پی) اور اسی طرح '' دل دشمن کباب خواہ'' = دشمن کے دل ہی کو کباب بنالے۔

خوشی کی تقریب میں حاسد کا خون شراب سمجھ کر پی اور دشمن کے دل کو کباب بنا کر کھا۔

گل بوی و شعر گوی و گہر پاش و شاد باش

مستی ز بانگ بربط و چنگ و رباب خواہ

لغت: ''بوئیدن'' مصدر سے بوی فعل امر ہے۔ پھولوں کو سونگھ۔

پھولوں کو سونگھ، شعر خوانی کر، موتی لٹا اور خوشیوں سے کھیل۔ محفل میں کیفیت پیدا کرنے کے لیے، بربط، چنگ اور رباب کے ساز کے مست کر دینے والے نغمے سن۔

خونِ سیاہِ نافۂ آھو چہ بو دھد

از حلقہ ھای زلفِ بتان مشک ناب خواہ

نافۂ آہو کا خون (مشک) کیا خوشبو دے گا۔ حسینوں کی پر پیچ زلفوں سے مشک ناب حاصل کر۔

خواھش ازین گروہ پری چہرہ ننگ نیست

از چشم غمزہ، و ز شکنِ طرہ تاب خواہ

ان پری چہرہ لوگوں سے کسی شے کی خواہش کرنا شرم کی بات نہیں۔ ان کی حسین آنکھوں سے غمزے اور ان کی زلفوں سے پیچ و خم طلب کر۔

از رازھا حکایت ذوقِ نگاہ گو

از کارھا کشایش بند نقاب خواہ

راز و نیاز کی باتیں کرنی ہوں تو حسینوں کی دلکش نظروں کی داستان بیان کر اور اگر مشغلوں کا سلسلہ ہو تو سب سے بہتر مشغلہ کسی حسینہ کی نقاب کشائی ہے۔

ھر چند خواستن نہ سزوار شان تست

قوت ز طالع و نظر از آفتاب خواہ

لغت: ''طالع'' = نصیبہ۔ یہ علم ہیئت کی ایک اصطلاح بھی ہے۔

اگرچہ طلب کرنا تیرے شایان شان نہیں ہے۔ تو بخت سے قوت اور آفتاب سے نظر طلب کر۔

در تنگنای غنچہ کشایش ز باد جو

در جویبار باغ روانی ز آب خواہ

غنچے (کلی) کے سلسلے میں بادِ صبا کا تذکرہ کر اور جویبار باغ میں آب رواں کی باتیں کر۔

در برگ و ساز گوئی نشاط از بھار بر

در بذل و جود بیعت خویش از سحاب خواہ

عیش ونشاط کے ساز و سامان کی فراہمی میں بہار پر سبقت لے جا۔ اور سخاوت اور بخشش میں اتنا آگے نکل جا کہ بادل تیری بیعت کرے۔

از شمعِ طُور خلوتِ خود را چراغ نِہ
از زلفِ حور خیمۂ خود را طناب خواہ

شمع طور کو اپنی خلوت گاہ کا چراغ بنالے۔ اور زلف حور سے اپنے خیمے کی طنابوں کا کام لے۔

از آسمان نشیمن خود را بساط ساز
از ماہِ نو جنیبت خود را رکاب خواہ

آسمان کو اپنے محل کا فرش بنالے اور ماہ نو کو اپنے (گھوڑے کے) ساز کی رکاب۔

در حقِ خود دعای مرا مستجاب دان
دربارۂ من از کفِ خود فتح باب خواہ

لغت: ''فتح باب'' = لفظی معنی ہیں دروازے کا کھلنا۔ کشائش، حل مشکلات۔

اپنے بارے میں یہ سمجھ لے کہ میں جو دعائیں (صدق دل سے) مانگ رہا ہوں وہ قبول ہوں گی۔

اور میرے بارے، اپنے ہاتھوں سے میری مشکلات کو حل کر۔

غالب قصیدہ را بشمار غزل در آر
و ز شہ برین غزل رقم انتخاب خواہ

اے غالب! اس قصیدۂ شاہ کو غزل میں شمار کر اور بادشاہ سے اس غزل کو انتخاب (پسند) کرنے کی آرزو کر۔
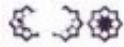
غزل نمبر(۵)

دارم دلی ز غصہ گرانبار بودۂ
بر خویشتن آبلہ چیزی فزودۂ

لغت: ''غصہ'' انتہائی غم واندوہ۔

قدرت نے مجھے وہ دل دیا ہے جو غم واندوہ کے بوجھ سے اس قدر لدا ہوا ہے کہ ایک چھالے (آبلہ) کے پڑ جانے کو بھی اضافہ سمجھتا ہے۔

دل ز آن بلا کزو نفسی برقِ خرمنی
بخت آنچنان کزو اثر مرگ دودۂ

دل وہ بلا کہ اُس سے جو سانس اُبھرتا ہے ایسی برق ہے جو خرمن ہستی کو جلا دے۔ اور نصیب ایسا (برا) کہ موت اُس کے مقابل دھوئیں کا سیہ غبار دکھائی دے۔

از بھر خویش تنگم و دارم ز بخت چشم
خود را در آب و آئنہ رخ نا نمودہ

اپنے لیے باعث ننگ ہوں، اور نصیب سے امیدیں لگائے بیٹھا ہوں۔ اپنا منہ پانی اور آئینے میں دیکھا نہیں۔

گمنام و زهد کیشم و خواهم بمن رسد
در رخت خواب شاه بمستی غنودهٔ

گمنام ہوں اور زہد پیشہ ہوں اور چاہتا ہوں کہ میرے بستر میں شاہ مستی کے عالم میں اونگھتا آجائے۔

خواهم ز خواب بر رخِ لیلی کشائمش
چشمی نگه به پردهٔ محمل نسودهٔ

چاہتا ہوں کہ جب خواب سے بیدار ہوں تو میری آنکھ لیلیٰ کے چہرے پر پڑے، وہ آنکھ جس کی نگہ کبھی پردۂ محمل سے بھی نہیں چھوئی۔

خواهم شود به شکوه و پیغاره رام من
در گونه گون ادا به زبان ها ستودهٔ

میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے شکووں اور طعنوں سے مطیع ہو جائے، وہ جس کی ستائش میں بے شمار زبانیں، طرح طرح کے انداز میں، زور بیان دکھاتی ہیں۔

یعنی وہ لوگوں کی مدح وستائش کو خاطر میں نہیں لاتا، میرے شکووں کو کیسے برداشت کرے گا۔

با دین و دانشی چو منی تا چها کند
سجاده و عمامه ز صنعان ربودهٔ

جس نے پیر صنعاں (جنید) سے سجادہ و عمامہ چھینا ہو وہ میرے جیسے کے دین و دانش کو کیا کرے گا۔

با دوستان مباحثه دارم ز سادگی
در باب آشنائیِ نا آزمودهٔ

میں یونہی سادگی میں اپنے دوستوں سے ایسی دوستی پہ بحث کرتا رہتا ہوں جسے میں نے آزمایا بھی نہیں۔

خجلت نگر که در حسناتم نیافتند
جز روزهٔ درست بصهبا کشودهٔ

لغت: ''حسنات'' = اعمالِ حسنہ، نیکیاں

کتنی شرمندگی کی بات ہے کہ میری نیکیوں میں اس کے سوا کچھ نہ ملا کہ میں نے ایک ٹھیک روزہ رکھ کر اُسے شراب سے کھولا تھا۔

در بزم غالب آئی و بشعر و سخن گرای
خواهی که بشنوی سخنِ نا شنودهٔ

اگر تو چاہتا ہے کہ نہ سنی ہوئی باتیں سنی تو بزم غالب میں آ اور شعر وسخن کی طرف مائل ہو۔

❀❀❀

غزل نمبر(۶)

چون زبانها لال و جان ها پُر زغوغا کردہٗ

بایدت از خویش پرسید آنچہ باما کردہٗ

مرزا غالب کی یہ غزل بھی ان چند مخصوص غزلوں میں سے ہے جس میں وہ خدا سے مخاطب ہوتا ہے حسب معمول یہ غزل بھی ندرت فکر اور جدت بیان اور شوخی کلام کے اعتبار سے بڑی بلند ہے۔

''زبان لال''=زبان گنگ۔گونگی زبان۔

تو نے ہماری جانوں میں بے تابیوں کے ہنگامے بھر دیے اور زبانوں پہ مہر سکوت لگا دی (اب ہم سے پوچھتا ہے کہ ہم پہ کیا گزری) تجھے خود اپنے سے پوچھنا چاہیے کہ تو نے ہمارے ساتھ کیا (ظلم) کیا ہے۔

گر نہ مشتاقِ عرضِ دستگاہِ حسنِ خویش

جان فدایت! دیدہ را بھر چہ بینا کردہٗ

اگر تو اپنی شان حسن (دستگاہ حسن) کی نمائش کا مشتاق نہیں تو قربان جاؤ (تجھ پہ جان قرباں) ہماری ان آنکھوں کو کس لیے بینا کر دیا ہے (آنکھوں کو بینائی کیوں عطا کی ہے)۔

ھفت دوزخ در نھاد شرمساری مضمر است

انتقام است این کہ با مجرم مدارا کردہٗ

لغت:''ہفت دوزخ''=دوزخ کے سات طبقات کی طرف اشارہ ہے۔

''مدارا کرنا''=کسی کے ساتھ رعایت کرنا یا نرمی سے پیش آنا، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ گناہ معاف کر دینے والا ہے، مجرم سے مراد گنہگار ہے۔

تو نے گناہگار کو اُس کے گنہ معاف کر کے اُس پر جو کرم کیا ہے وہ مہربانی نہیں بلکہ انتقام ہے جو تو اس سے لے رہا ہے یہ اس لیے کہ گنہگار کو یہ بات حد شرمسار کر رہی ہے کہ وہ اپنے اعمال صالحہ کی وجہ سے نہیں بلکہ محض تیرے رحم کی وجہ سے بچ گیا ہے اور وہ اپنی شرمساری کی وجہ سے گویا سات دوزخوں کی آگ میں جل رہا ہے جو اس شرمندگی میں پوشیدہ ہیں۔

(اس سے تو یہی بہتر تھا گنہگار کو معاف کرنے کی بجائے دوزخ میں ڈال دیا جاتا)۔

عفو الٰہی پر بڑے پیارے لطیف طنز کی ہے۔

صد کشاد آن را کہ ھم امروز رخ بنمودہٗ

مژدہ باد آنرا کہ محوِ ذوق فردا کردہٗ

لغت:''کشاد''=کشادن سے اسم۔کھلنا، بخت کی کشادگی۔

خوش نصیب ہے وہ ہستی جسے آج ہی تو نے اپنے دیدار سے فیضیاب کیا اور خوش خبری ہے اس کے لیے جسے تو نے کل دیدار دکھانے کا وعدہ کیا ہے، اور وہ اس وعدہ فردا کی لذت میں محو ہے۔

پہلے مصرعے میں شاعر نے ''ہم'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی ''بھی'' ہے۔ ہم نے اس کا مفہوم محاورۃً ہی کا لیا ہے۔لیکن یہاں اس کے لغوی معنی بھی لیے جا سکتے ہیں، یعنی آخرت میں تو دیدار ہونا ہی ہے لیکن تو نے آج بھی جلوہ دکھا دیا۔

خو برویان چون مذاق خوئی ترکان داشتند

آفرینش را بر ایشان خوانِ یغما کردہٗ

حسینوں میں چونکہ ترکوں کی سی خوتھی (خوی ستم) تو اس کائنات کو اُن کے لیے خوان یغما (لوٹ کا سامان) بنادیا ہے۔

خستگان را دل بہ پرسش ھای پنہان بردۂ
با درستان گر نوازش ھای پیدا کردۂ

لغت: ''درستان'' = درست کار لوگ۔ راست باز۔ خوش حال لوگ جو خستگان کی ضد ہے۔

اگر تو نے خوش حال لوگوں پر علانیہ مہربانیاں نثار کی ہیں تو اُدھر خستہ حال انسانوں کے دلوں کو اپنی پوشیدہ پرسشوں سے بھی نوازا ہے۔

چشمۂ نوش است از زہرِ عتابت کامِ جان
تلخی می در مذاقِ ما گوارا کردۂ

شراب نوشی ممنوع ہے اس لیے میخواروں پر عتاب الٰہی نازل ہونا چاہیے تھا لیکن جو لوگ تلخی مے کو گوارا کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تو نے اپنے عتاب کو لطف میں بدل دیا چنانچہ تیرے عتاب کی تلخی کا زہر ہمارے کام جان (حلق) میں چشمۂ شیرین بن گیا ہے۔

ذرۂ را روشناس صد بیابان گفتۂ
قطرۂ را آشنای ھفت دریا کردۂ

لغت: ''ہفت دریا'' = ہفت قلزم، سات سمندر۔

تو نے ذرے میں سو بیابان کی وسعتیں بھردی ہیں اور قطرے کو سات سمندروں کی

فراخیوں سے آشنا کردیا ہے۔

ذرہ اور قطرہ کے الفاظ انسانی ہستی کے لیے آئے ہیں۔

دجلہ می جوشد، ھمانا دیدہ ھا جوی تست
شعلہ می بالد، مگر در سینہ جاھا کردۂ

ہماری آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر (دجلہ) جوش مار رہا ہے یقیناً آنکھیں تجھے ڈھونڈ رہی ہیں۔

سینوں میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں شاید تو اُن میں سمایا ہوا ہے۔

جلوہ و نظارہ پنداری کہ از یک گوھر است
خویش را در پردۂ خلقی تماشا کردۂ

لغت: ''تماشا کردن'' = نظارہ کرنا۔ دیکھنا۔

تو جلوے اور نظارے کو ایک سلسلے کی دو کڑیاں سمجھتا ہے۔ اسی لیے تو کائنات (خلق) کے پردے میں آکر خود ہی اپنے آپ کو نظارہ بھی کررہا ہے۔

چارہ در سنگ و گیاہ و رنج با جاندار بود
پیش از آن کاین در رسد آن را مھیا کردۂ

''رنج'' = بیماری، تکلیف۔

فلسفہ اور سائنس متفق ہیں کہ جانوروں کی تخلیق بعد میں اور جماد اور نباتات کی پہلے ہوئی۔

اب چونکہ بیماری اور تکلیف صرف جانوروں اور انسانوں ہی کو آتی ہے لیکن اس کی دوا جماد اور نباتات میں ہوتی ہے اس لیے خدا کی مہربانی ہے کہ اس نے بیماری سے پہلے اس کی دوا مہیا کر دی۔

دیدہ می گرید، زبان می نالد و دل می تپد

عقدھا از کارِ غالب سر بسر وا کردۂ

آنکھیں رو رہی ہیں، زباں فریاد کر رہی ہے اور دل تڑپ رہا ہے۔ تو نے غالب کی زندگی کی تمام مشکلات کی گرہ کشائی کر دی ہے نوازش!۔

❀❀❀

غزل نمبر(۷)

در زمھریر سینۂ آسودگان نۂ

ای دل بدین کہ غمزدۂ شادمان نۂ

لغت: ''زمہریر''= فضا کا طبقہ جہاں سخت سردی ہوتی ہے۔

''آسودگان''= آسودہ حال لوگ۔

اے دل اگر تو آسودہ حال لوگوں کے سینے کا زمہریر نہیں تو اس لیے کہ تو غمزدہ ہے، شادماں نہیں۔ گویا آسودہ حال لوگوں کے سینے میں دل نہیں بلکہ زمہریر ہوتا ہے۔

ای دیدہ اشک ریختن آئین تازہ نیست

خود را ز ما مگیر اگر خون فشان نۂ

اے آنکھ! آنسوں بہانا کوئی نئی بات نہیں۔ اگر تو خوں نہ بہائے تو اپنے کو ہم میں سے نہ سمجھ۔

بلبل بگوشۂ قفس از خستگی منال

چون من بہ بند خار و خسِ آشیان نۂ

اے بلبل قفس کی خستہ حال زندگی پر فریاد نہ کر، تو کوئی آشیانے کے تنکوں کی قید و بند میں جکڑی ہوئی نہیں ہے۔

قفس کے اسیر سے آشیاں کا اسیر زیادہ خستہ حال ہوتا ہے۔ یاس یگانہ نے کیا خوب کہا ہے

خدا جانے اجل کو پہلے کس پر رحم آئے گا

گرفتار قفس پر یا گرفتار نشیمن پر

گوئی یکی است پیش تو بود بنودِ من

با من نشستۂ و ز من سرگران نۂ

تو میرے پاس بیٹھا ہے اور مجھ سے سرگراں (بگڑا ہوا) نہیں ہے گویا تیرے نزدیک میرا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

داغم ز ناکسی کہ بہ تمہید آشتی

رنجیدۂ ز غیر و بمن مھربان نۂ

مجھے اپنی ناکسی سے دکھ ہوتا ہے کہ تو آغاز محبت میں رقیب (غیر) سے تو بگڑا ہے لیکن مجھ پر مہرباں بھی نہیں ہوا یعنی کیا میں اس قابل بھی نہیں کہ مجھ پہ مہربان ہونا تو در کنار بگڑ ہی جاتا۔

آخر نبودہ ایم ز اول خدا پرست

با ما زسادگی است اگر بدگمان نہ

آخر ہم شروع سے ہی خدا پرست تھے۔ اگر تو ہم سے بدگماں نہیں ہے تو یہ محض سادگی ہے۔

باخویش در شمارِ جفا همدم منی

با غیر در حساب و فا همزبان نہ

اپنی جفاؤں کو شمار کرنے میں تو میرا ہمدم ہے اور وفا کرنے کے سلسلے میں رقیب کا ہمزبان نہیں ہے یعنی معشوق جفا کرنے میں تو عاشق کی خواہشات کا خیال کرتا ہے اور وفاؤں کے معاملے میں رقیب کی توقعات سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔

دانستۂ کہ عاشق زارم گدا نیم

دانم کہ شاهدی، شہ گیتی ستان نہ

تو جانتا ہے کہ میں عاشق زار ہوں گدا نہیں ہوں اور میں بھی جانتا ہوں کہ تو معشوق ہے، کوئی فاتح بادشاہ نہیں ہے۔

نازم تلون تو بہ بختِ خود و رقیب

با اُو چنین نبودی و با ما چنان نہ

جہاں تک میرے اور رقیب کے بخت کا معاملہ ہے مجھے تیری تلون مزاجی پر ناز ہے رقیب کے ساتھ تو کبھی ایسا نہیں تھا جواب ہے اور ہمارے ساتھ تو ویسا نہیں ہے جو کبھی تھا۔

بادیدہ چیست کار تو لخت جگر نہ

در دل چراست جائی تو سوز نہان نہ

تو لخت جگر نہیں ہے تو پھر ہماری آنکھوں سے تیرا کیا سروکار ہے؟ تو سوز نہاں نہیں ہے پھر تیری جگہ ہمارے دل میں کیوں ہے؟ (آنکھوں سے جگر کا خون بہتا ہے اس لیے جگر کا تعلق آنکھوں سے ہوتا ہے)۔

محبوب عاشق کے دل میں سمایا ہوا ہے اور آنکھوں میں اس کی تصویر ہے۔

غالب ز بودتست کہ تنگ است بر تو دهر

برخویشتن ببال اگر درمیان نہ

لغت: ''بود'' = ہستی، خودی، احساس وجود۔

غالب تیرے احساس وجود ہی کا نتیجہ ہے کہ دنیا تجھ پر تنگ ہے۔ اگر تری ہستی درمیان میں نہ ہو تو جتنا چاہے اپنے میں پھیلتا جا۔

انسان اپنی ہستی (انا) ہی سے یہاں الجھن میں ہے۔ اگر انا جاتی رہے تو پھر ساری کائنات میں سما جائے گی۔

❀❀❀

غزل نمبر(۸)

مرز فنا فراغ را مژدهٔ برگ و سازِ ده
سایه به مهر واگذار، قطره به بحر بازِ ده

اس کائنات فنا آمادہ کو سازو سامان مہیا ہونے کی خوش خبری سنا، سائے کو سورج کے حوالے کر اور قطرے کو سمندر کی طرف لوٹا دے۔

طرهٔ حبیب را ز چاک شانهٔ التفات کش
عارض خویش را ز اشک غازهٔ امتیاز ده

گریبان کی زلفوں کو چاک کے شانے سے آراستہ کر اور اپنے عارض کو غازۂ اشک سے نمایاں کر۔ یعنی گریباں کا چاک چاک ہونا ہی اُس کی آرائش ہے اور رخسار کی غازۂ اشک ہی سے زینت ہوتی ہے۔

داغ بسینه زیور است دل بجفا حواله کن
می ز شرر گران تر است سنگ به شیشه ساز ده

لغت: ''سنگ'' = پتھر، پتھر سے چنگاریاں بھی نکلتی ہیں اور پتھر سے شیشہ بھی بنتا ہے۔
شیشہ فارسی میں صراحی کے معنی بھی دیتا ہے جیسے (شیشۂ مَی)۔

دل پہ محبت کا داغ سینے کی آرائش ہے، دل کو جفا کے صدمے اُٹھانے دے۔ شراب

چنگاریاں (شرر) سے زیادہ قیمتی شے ہے۔ پتھر کو شیشہ ساز کے سپرد کر دے کہ وہ اس سے صراحی مَی بنائے (اور وہ شراب کے کام آسکے)۔

از نمِ دیده، دیده را رونق جویبار بخش
وز تف ناله، ناله را چاشنیِ گدازِ ده

لغت: ''نم دیدہ'' = اشک چشم، جویبار = ندی، ندی کا کنارہ دریا۔

آنسوؤں سے آنکھوں کو دریا کی روانی عطا کر اور فریاد کی حدت سے فریاد کو گداز کر دے۔

یعنی آنسوؤں کی شان یہی ہے کہ دریا دریا بہیں اور فریاد کی گرمی کا تقاضا یہ ہے کہ خود فریاد اس گرمی سے گداز ہو جائے۔

شرم کن آخر ای حیا! اینهمه گیر و دار چیست
خاطر غمزه باز جو، رخصتِ ترکتاز ده

لغت: ''گیر و دار'' = پکڑ دھکڑ۔ گرفت، سخت پابندی۔
''خاطر غمزہ باز جو'' = اداؤں کی پھر سے دلداری کر۔ ''ترکتاز'' = تاخت و تاراج۔ حملہ آوری۔

حیا سے حسن کی ادائیں دب کر رہ جاتی ہیں، حیا کو خطاب کر کے کہتا ہے: اے حیا تجھے شرم آنی چاہیے۔
آخر گرفت کی کوئی حد ہوتی ہے۔ حسن کی اداؤں کو آزاد چھوڑ دے تاکہ وہ عاشق کے دل کو بے باکی سے جور و ستم کا شکار بنالیں۔

ای گل تر برنگ و بواین ہمہ نازش از چہ رو

منتِ ابر یک طرف، مزد چمن طراز دہ

لغت: ''چمن طراز'' = چمن کی آرائش کرنے والا، باغبان۔

اے گل تازہ! رنگ و بو پر اتنا ناز کیسا؟ بادل کا احسان تو الگ رہا کچھ چمن کی آرائش کرنے والے کا بھی حق (مزد) پہچاننا چاہیے (جس نے تجھے یہ نمو عطا کیا ہے)۔

یا بہ بساطِ دلبری عام مکن ادای لطف

یا ز نگاہِ خشمگین مژدۂ امتیاز دہ

یا تو اپنی ادائے حسن کو اتنا عام نہ کر کہ ہر شخص (کس و ناکس) اُس سے لطف اندوز ہو یا پھر ایک نگاہ خشمگیں بھی ڈال تا کہ جس پر وہ پڑے اُس میں کوئی امتیازی شان پیدا ہو جائے۔

گویا معشوق کا خشم آلودہ نظروں سے کسی کو دیکھنا اُس کا خاص امتیاز ہے۔ اس شعر میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے خشمگیں نگاہوں میں خاص لطف کا پہلو بھی ہوتا ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔

ای تو کہ غنچۂ ترا بحث شگفتن از بر است

سروِ کرشمہ بار را درسِ خرامِ ناز دہ

لغت: ''غنچہ'' = دہن تنگ محبوب اور ''سرو کرشمہ بار'' = نازبھرا قد۔

تیرے غنچہ دہن کو شگفتہ ہونے کی ساری دقیق ادائیں ازبر ہیں۔ ذرا اپنے نازنیں سرو کو خرام کرنا بھی سکھادے۔

گر بہ غمی کہ خوردہ ام رخصتِ اشک و آہ نیست

ہم بہ دلی کہ بردہ ای طاقتِ ضبط راز دہ

تیری محبت میں جو غم کھائے ہیں اگر اُن کے اظہار کے لیے آنسو بہانے اور آہیں بھرنے کی اجازت نہیں تو یہ دل جو تو نے موہ لیا ہے (ہم سے چھین لیا ہے) اس کو ضبط راز کی ہمت بھی عطا کر۔

ای کہ بحکمِ ناکسی تیرہ ز عیش غالبی

خیز و ز راہ داوری بال ہما بہ کاز دہ

لغت: ''کاز'' = قینچی۔ ''بہ کاز دہ'' = قینچی کے حوالے کر) یعنی کاٹ دے۔

''بال ہما'' = ہما کے پر (جن کا سایہ مبارک سمجھا جاتا ہے)۔

''ناکسی'' = نااہلی..... ''راہ داوری'' = انصاف کی رو سے۔

''تیرہ زعیش غالبی'' = از عیش غالب تیرہ ہستی، یعنی غالب کی خوشی سے تو کبیدہ خاطر ہے۔

اگر تو اپنی نااہلی کے باعث غالب کی خوشیوں سے ناخوش ہے تو اُٹھ اور انصاف کی رو سے ہما کے پروں کو کاٹ دے (کیونکہ غالب کی خوش نصیبی ہما کی بدولت ہے۔ یعنی اللہ کی دین ہے)۔

غزل نمبر (۹)

کیستم دست بمشاطگی جان زدهٔ
گوهر آمای نفس از دل دندان زدهٔ

لغت: ''مشاطگی'' = مشاطہ گری، آرائش۔ ''دل دندان زدہ'' = دانتوں سے چبایا ہوا دل۔ دکھی دل۔

میں کون ہوں، اپنی روح کی مشاطہ گری میں مصروف ہوں، اور اس مشاطہ گری میں دکھ میں دانتوں سے چبائے ہوئے دل (کے موتی) کو سانس کے تار میں پرونے والا ہوں۔
یعنی دل کا خون پی پی کر تعمیر جاں کر رہا ہوں۔ زندگی سنوار رہا ہوں۔

پاس رسوائیِ معشوق همین است اگر
وای ناکامی دست بگریبان زدهٔ

اگر معشوق کی رسوائی کا پاس کرنے کا انداز یہی ہے (کہ ضبط سے کام لیا جائے) تو یہ ہاتھ جو گریبان دری میں مصروف رہے اُن کی ناکامی پر افسوس۔

شوق را عربده باحسن خود آرا باقی است
من و صد پاره دلی بر صفِ مژگان زده

عشق سے حسن خود آرا کی جنگ ابھی باقی ہے۔ میں ہوں اور میرے دل کے سینکڑوں ٹکڑے میری مژگاں پر پڑے ہوئے ہیں۔
یعنی ہمارے دل کا خون مژگاں پر آ کر رکا ہوا ہے اور اشک خون ابھی اور بہانے ہیں۔ گویا حسن سے نبرد آزمائی چلی جا رہی ہے۔

دل صد چاک نگهدار بجائش بفرست
شانهٔ در خم آن زلف پریشان زدهٔ

تو نے اُن پر پیچ و خم زلفوں کی شانہ کشی تو کی ہے اب اپنے دل صد چاک کو ذرا سنبھال کے رکھ اور اُسے اپنے مناسب مقام پر پہنچا دے یعنی محبوب کی زلفوں میں۔

بوکه در خواب خود آئی و سحر برخیزی
ساغر از بادهٔ نظارهٔ پنهان زدهٔ

لغت: ''بوکہ'' = بود کہ کا مخفف ہے۔ کاش ایسا ہو۔
کاش ایسا ہو کہ تو اپنے آپ کو خواب میں دیکھے اور صبح کو اُٹھے تو اسی نظارۂ پنہاں کی شراب کی مستی سے سرشار ہو کر اُٹھے۔ نظارۂ پنہاں سے مراد اُس کے اپنے ہی حسن کا نظارہ جو اُس نے خواب میں کیا ہے۔

بهر سرگرمیِ ما خانه خرابان باید
حسنی از تاب خود آتش بشبستان زدهٔ

ہم خانہ بربادوں کی زندگی میں سرگرمی پیدا کرنے کے لیے ایک ایسے حسن کی ضرورت ہے جس نے اپنے چہرے کی تب و تاب سے اپنے شبستان کو آگ لگا رکھی ہو۔

فارغ از کشمکشِ عشوه جنونی دارم
پشت پای بسرِ کوه و بیابان زدهٔ

لغت: ''پشت پا زدن'' = ٹھکرانا...... ''عشوہ'' = عشوۂ حسن۔

میں عشوۂ حسن کی کشمکش سے فارغ اور بے نیاز ہوں، میرا جنون اس حسن کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔

مرا جنون وہ ہے جس نے کوہ وہ بیاباں کو ٹھکرا دیا ہے۔ یعنی میرا جنوں کوہ پیائی اور صحرا نوردی تک محدود نہیں

حسن درجلوہ گری ھا نکشد منتِ غیر

ھر گل از خویشتن است آتشِ دامان زدۂ

لغت: ''آتش دامان زدہ'' = وہ آگ جسے دامن نے ہوا دی ہو۔

حسن اپنی جلوہ طرازیوں میں کسی غیر کا احسان نہیں اُٹھاتا۔ پھول کیا ہے اپنے ہی دامن کی بھڑکاتی ہوئی آگ ہے پھول کا سرخ رنگ گویا آگ ہے اور اُس کی پتیاں دامن ہیں جو اس آگ کو بھڑکاتی ہیں۔

تاچھا مژدۂ خون گرمی قاتل دارد

ناوک در رہِ دل قطرہ زپیکان زدۂ

لغت: ''قطرہ زدن'' = تیز تیز چلنا، سرپٹ دوڑنا۔

وہ تیر جو دل کی طرف تیزی سے آرہا ہے، قاتل کی آمادگی قتل اور اُس کے جوش کی خوش خبری کا نشان ہے یعنی تیر کی تیزی قاتل کے جوشِ قتل کا نشان ہے۔

خواستم شکوۂ بیداد تو انشا کردن

قلم از جوشِ رقم شد خسِ طوفان زدۂ

لغت: ''خس طوفان زدۂ'' = وہ تنکا جو طوفان کی زد میں آیا ہوا ہو۔

میں نے چاہا کہ تیرے جور و ستم کی شکایات لکھوں۔ میرا قلم جوش تحریر میں طوفاں زدہ تنکا بن کر رہ گیا۔

وای بر من کہ رقیب از تو بمن بنماید

نامۂ وا شدۂ، مھر بعنوان زدۂ

(حیف) کہ رقیب تیری طرف سے اُس کے نام آیا ہوا خط دکھاتا ہے جو کھلا ہوا ہے اور اس پر تیری مہر بھی لگی ہوئی ہے۔

ھدیہ آوردۂ از بزم حریفان مارا

رخ خوی کردہ ز شرم و لب دندان زدۂ

معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے۔

تو ہمارے حریفوں کی بزم سے آرہا ہے اور ہمارے لیے یہ تحفہ لے کر آرہا ہے کہ چہرہ شرم کے پسینے سے تر ہے اور لب، دانتوں سے کاٹے ہوئے ہیں۔ (تیری یہ حالت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ رقیبوں کی محفل میں تجھ پہ کیا گزری)۔

برد در انجمنِ شعلہ رخانم غالب

ذوقِ پروانۂ بر روی چراغان زدۂ

غالب میں شعلہ رخ حسینوں کی محفل میں گیا اور ایک ایسے پروانے کی طرح گیا جو چراغاں پر گرنے کے لیے جارہا ہو۔ گویا ہر حسینہ ایک چراغ ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۱۰)

بر دست و پائی بند گرانی نھادۂ
نازم بہ بندگی کہ نشانی نھادۂ

ہاتھ پاؤں پر تو نے بھاری زنجیریں ڈال دی ہیں۔ میں اس بندگی میں ہونے پر ناز کرتا ہوں کہ اس سے ایک امتیاز تو حاصل ہوا۔

ایمن نیم ز مرگ اگر رستہ ام از بند
دلدوز ناوکی بہ کمانی نھادۂ

اگر میں تیری قید سے آزاد بھی ہوا ہوں تو موت سے محفوظ نہیں ہوں۔ تو نے اپنی کمان میں ایک تیز تیر رکھا ہوا ہے (جس سے کوئی بچ کے نہیں جا سکتا)۔

گوھر ز بحر خیزد و معنی ز فکرِ ژرف
بر ما خراجِ طبع روانی نھادۂ

سمندر سے موتی اُبھرتے ہیں اور گہری فکر سے لطیف نکتے ظہور میں آتے ہیں۔ طبع رواں عطا کر کے ہم پر تو نے اس کے خراج کا بوجھ (ذمہ داری) ڈال رکھا ہے۔

تا در اُمید عمر بہ پندار بگذرد
از لطف در حیات نشانی نھادۂ

تو نے زندگی میں ایک لطف کا پہلو بھی رکھا ہے تا کہ عمر اسی اُمید کے خیال میں بسر ہو جائے۔

تا خستۂ بلا نہ بوَد بی گریز گاہ
در مرگ احتمالِ امانی نھادۂ

لغت: ''گریز گاہ'' = خطرے سے بھاگ کر نکل جانے کا راستہ۔
''احتمال امان'' = پناہ کا احتمال۔ خستہ بلا)) = مصیبتوں کا مارا ہوا۔

انسان اس زندگی میں مصیبتوں میں گھرا ہوا ہے لیکن ان مصائب سے بچنے کی ایک صورت موت ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ مر جائیں گے تو دکھوں سے نجات مل جائے گی۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:

اس خیال سے کہ مصیبتوں کے مارے ہوئے انسان کے لیے بچ کر بھاگ جانے کی کوئی راہ مل جائے تو نے موت میں امن اور چین کا ایک احتمال سا پیدا کر رکھا ہے۔ یعنی وہ یقینی نہیں البتہ ایک دلا سا ضرور ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے (ذوق)

راز است گر دلی بجفای شکستۂ
داد است گر سری بسنانی نھادۂ

اگر تو نے کسی کو جفا سے توڑ کر رکھ دیا ہے تو معلوم نہیں کیوں (یہ ایک راز ہے)۔
اور اگر تو نے کسی سر کو نیزے پہ چڑھایا ہے تو کیا انصاف ہے (اسے انصاف کہا جاتا ہے)۔

دوزخ بداغ سینہ گدازی نھفتۂ
قلزم بچشم اشک نشانی نھادۂ

سینے کو گداز کر دینے والے داغ میں تو نے دوزخ چھپا رکھی ہے۔

اور اشکبار آنکھوں میں سمندر بھر دیے ہیں۔

وہ جلا دینے والے داغ عطا کیے ہیں کہ دوزخ کیا جلائے گی۔ اور آنکھوں میں طوفان بھر دیے کہ اشکباری ختم ہی نہ ہو۔

بر ہر دلی فسونِ نشاطی دمیدۂ

بر ہر تنی سپاس روانی نہادۂ

ہر دل میں خوشی کا ایک سحر پھونک رکھا ہے اور ہر جسم پر روح کا احسان ڈال دیا ہے۔

ہر دیدہ را دری بخیالی کشودۂ

ہر فرقہ را دلی بہ گمانی نہادۂ

ہر آنکھ کے سامنے تصورات کے دروازے کھول دیے ہیں اور ہر فرقے کے دل میں کوئی نہ کوئی وہم ڈال دیا ہے۔ (جو اس گمان میں ہے کہ وہی راستی پر ہے)۔

غالب ز غصہ مرد، ھمانا خبر نداشت

کاندر خرابہ گنج نھانی نہادۂ

غالب غم میں مر گیا اور اُسے اس بات کا بالکل علم ہی نہ تھا کہ خرابۂ زندگی (دنیا) میں ایک پوشیدہ خزانہ بھی ہے۔

❀❀❀

ردیف (ی)

غزل نمبر (۱)

نفس را بر درِ این خانہ صد غوغاست پنداری

دلی دارم کہ سرکارِ تمناھاست پنداری

لغت: ''پنداری'' = کے لفظی معنی ہیں تو خیال کرے، گویا، معلوم ہوتا ہے۔

''بر در این خانہ'' = اس گھر کے دروازے پر، گھر دل کے لیے آیا ہے جو دوسرے مصرعے میں ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سانس کا کام اس مکان کے دروازے پر فریادیں ہی کرنا ہے۔ میرا دل کیا ہے گویا تمناؤں کا دربار ہے۔

یعنی دل سے تمنائیں اُبھرتی ہیں (جو پوری نہیں ہوتیں) اور سانس فریادیں کر رہا ہے جیسے کسی عدالت کے باہر فریادی پکار رہا ہے۔

حباب از فرقِ عشاق است و موج از تیغِ خوبانش

شھادت گاہِ ارباب و فا دریاست پنداری

معلوم ہوتا ہے کہ سمندر اربابِ وفا کی شہادت گاہ ہے۔ یہ جو سطحِ آب پر بلبلے ہیں یہ عاشقوں (مقتول) کے سر ہیں اور لہریں، معشوقوں کی تلواریں ہیں (جن سے عاشقوں کو قتل کیا گیا ہے)۔

بگوشم می رسد از دور آوازِ درا امشب
دلی گم گشتۂ دارم کہ در صحر است پنداری

آج رات میرے کان میں دور سے آوازِ درا آ رہی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ میرا گم شدہ دل بیاباں میں ہے۔ جنونِ شوق کا یہ عالم ہے کہ گھر میں رہ کر خیالات صحرا نوردی میں مصروف ہیں۔

ازو باور ندارد دعویِ ذوق شہادت را
نگاھش با رقیب و خاطرش با ماست پنداری

رقیب ذوقِ شہادت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن معشوق کو یقین نہیں کہ وہ واقعی عشق میں اس شوق سے جان دے دے گا، چنانچہ اس کی نظریں تو رقیب کی طرف مائل ہیں اور دل (در پردہ) ہمارے ساتھ۔

در و دیوار را در زر گرفت آہ شرر بارم
شبِ آتش نوایان آفتاب انداست پنداری

لغت: ''در زر گرفتن'' = سنہری کر دینا۔ ''آتشیں نوا'' آتش فریادیں کرنے والا۔ ''آفتاب اندا'' = دھوپ میں لپٹی ہوئی۔ ''شرر'' آتشیں فریاد اور دھوپ تینوں کا رنگ سنہری ہوتا ہے۔

میری آہ شرر بار نے در و دیوار کو زریں بنا دیا ہے، آتش نواؤں کی رات بھی (دن کی طرح) دھوپ کی طرح روشن ہوتی ہے۔

گرستیم آن قدر کز خون بیابان لالہ زاری شد
خزانِ ما بھار دامن صحرا است پنداری

ہم اس قدر روئے کہ ہمارے خون سے بیابان لالہ زار ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری خزاں دامن بیابان کے لیے بہار ہے (جس نے اُسے بہار کا روپ دیا ہے)۔

جنونِ الفتِ ھمچو خودی دارد، تماشا کن
شکست صد دل از رنگِ رخش پیداست پنداری

وہ اپنے جیسے کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے اور اس پر جنونِ اُلفت طاری ہے۔ دیکھو کہ اس کے اُڑے ہوئے رنگ میں ٹوٹے ہوئے دل جھلک رہے ہیں۔

نوید وعدۂ قتلی بگوشم می رسد، غالب
لبِ لعلش بکام بیدلان گویاست پنداری

غالب! میرے کان میں وعدۂ قتل کی خوش خبری کی آواز گونج رہی ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کے لبِ لعلیں عاشقوں (بیدلوں) کی خواہشوں کو پورا کرنے کی باتیں کر رہے ہیں۔

غزل نمبر(۲)

گر نہ نواہا سرود می، چہ غمستی
منکہ نیم، گر نبودمی، چہ غمستی

اگر میں نغمے نہ گاتا تو کیا تھا، میرا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے اگر میں نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔

زنگ ز دودن نہ برد زآئینہ کلفت
گر ھمہ صورت ز دودمی، چہ غمستی

زنگ اُتارنے سے آئینے کی کدورت نہ گئی۔ اگر میں اس ساری مادی صورت ہی کو اُتار دیتا تو کیا تھا؟ یعنی اچھا ہوتا۔

جب تک دل کی مادی صورت کی آلائش ہے اس وقت تک یہ صیقل نہیں ہو سکتا۔

مادیت کا شائبہ تزکیۂ دل نہیں ہونے دیتا۔

گر غمِ دل بودمی کہ تادمِ مردن
ھم بخود از خود فرودمی، چہ غمستی

اگر میں غم دل ہوتا کہ مرتے دم تک آپ ہی اپنے آپ میں اضافہ کرتا رہتا تو کیا ہرج تھا۔ (اب غم دل کی شدت کے لیے دوسروں کا دست نگر ہونا پڑتا ہے)۔

بخت خود ار بودمی کہ تا بقیامت
بی خبر از خود غنودمی چہ غمستی

کیا برا تھا اگر میں اپنا نصیب ہوتا (جو سویا ہوا ہے) تا کہ قیامت تک اپنے آپ سے بے خبر سویا رہتا۔

نی بہ سخن مزد، نی ستائش، اگر من
کشت کدیور درودمی چہ غمستی

شعر و سخن کی نہ کوئی مزدوری نہ داد، اگر میں (مزارع بن کر) کسی مالک کی فصل ہی کاٹتا تو کیا ہوتا۔

نیست مشامی شمیم جو، اگر من
غالیہ چندین نسودمی چہ غمستی

لغت: ''شمیم جو'' = خوشبو کا متلاشی۔ ''غالیہ'' = عطر، بو۔ ''نسودمی'' = نہ پیتا۔

خوشبو کی تلاش کرنے والا ہی کوئی نہیں، اگر میں عطر سازی نہ کرتا تو کیا ہرج تھا۔

چون درِ دعوی توان بہ لغو کشودن
من بہ ھنر اگر کشودمی چہ غمستی

لغت: ''درِ دعوی کشودن'' = (کسی بات کا) دعویٰ کرنا۔

جب بیہودہ بات کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے تو اگر میں اپنے فن اور ہنر کا دعویٰ کرتا تو کیا ہرج تھا۔

چون دل یاران توان بہ ھزل ربودن
من بہ سخن گر ربودمی چہ غمستی

جب دوستوں کا دل ظرافت سے خوش کیا جا سکتا ہے تو میں اگر شعر سے اُن کا دل موہ لیتا تو کیا تھا۔

گر بمثل لال گشتمی کہ سخنہا
گفتمی و خود شنودمی چہ غمستی

اگر میں گونگا مشہور ہو جاتا اور خود باتیں کرتا اور خود ہی انہیں سنتا تو کیا ہرج تھا۔

گر بہ سخن مست گشتمی کہ بہ مستی
گفتۂ خود را ستودمی چہ غمستی

اگر میں شعر سے اتنا مست ہو جاتا کہ مستی میں اپنے کلام کی خود ہی تعریف کرتا تو کیا تھا۔

حیف ز عیسیٰ کہ دور رفت، و گرنہ
معجزۂ دم نمودمی چہ غمستی

افسوس کہ حضرت عیسیٰ بہت دور چلے گئے ورنہ میں بھی اپنے معجزنما سانس کا دعویٰ کرتا تو کیا ہوتا۔

آہ ز داؤدؑ کآن نماند و گرنہ
نالہ بہ لحن آزمودمی چہ غمستی

افسوس کہ حضرت داؤدؑ نہ رہے ورنہ میں بھی اپنی فریادوں کو خوش الحانی کے انداز لاکر آزماتا تو کیا ہرج تھا۔

قافیہ غالب چون نیست پرس ز عرفی
"گر من فرہنگ بودمی چہ غمستی"

غالب! جب (نیا) قافیہ نہیں ملتا تو عرفی سے پوچھ۔ میں اگر لغات ہوتا تو کیا ہرج ہوتا۔

❀❀❀

غزل نمبر(۳)

در بستنِ تمثال تو حیرت رقم استی
بینش کہ بہ پرکار کشائی علم استی

لغت: "تمثال" = تصویر، شبیہ۔ "در بستن تمثال تو" تیری شبیہ بنانے میں۔ "حیرت رقم" = حیرت نویس یعنی سرتاپا حیرت بن جانے والی۔ "پرکار کشائی"۔ "علم استی" مشہور ہے۔

انسانی پیشانی جو اشیا کا احاطہ کرنے میں مشہور ہے تیری صورت کا تصور کرتے وقت خود حیرت بن کر رہ جاتی ہے۔

غم را بہ تنومندیِ سہراب گرفتم
خود موج می از دشنۂ رستم چہ کم استی

میں نے غم کو سہراب کی طرح طاقتور سمجھا (لیکن) یہ شراب (موج مے) بھی رستم کے خنجر سے کچھ کم نہیں ہے۔

یعنی شراب ہی ایک ایسی شے ہے جو غم کو ختم کر سکتی ہے (اُس پر حاوی ہو سکتی ہے)۔

بیداد بود یکسرہ هشتن بکمر بر
زلفی کہ ز انبوهیِ دل خم بہ خم استی

اُس زلف کو جس کے پیچ و خم میں (عاشقوں) کے دلوں کا ہجوم ہے بالکل کھول کر کمر تک لٹکا دینا بڑا ستم ہے۔ (مراد یہ ہے کہ کمر تک زلف دراز ستم ڈھاتی ہے)۔

خرسندی دل پردہ کشای اثری هست
شادم کہ مرا این همہ شادی بہ غم استی

دل کی خوشی بتاتی ہے کہ دل کا کچھ نہ کچھ اثر ہوا ہے۔ میں خوش ہوں کہ مجھے اپنے غم میں مسرت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی غمگین ہو کر بھی جو مطمئن ہوں تو اس غم کا ضرور محبوب کے دل پر اثر ہوا ہوگا۔

گفتن ز میان رفتہ و دانم کہ ندانی
با من کہ بمرگم ز تو پرسش ستم استی

کہنے کا تو سلسلہ ہی جاتا رہا ہے اور میں یہ جانتا ہوں کہ تجھے یہ معلوم نہیں کہ اس وقت جب کہ میں عالم نزع میں ہوں تیری طرف سے میری پرسش حال ستم ہے۔

این ابر کہ شوید رخ گلهای بهاری
از دامنِ ما پرورش آموزِ نم استی

یہ بادل جو بہار کے پھولوں کے چہروں کو دھوتا ہے۔ ہمارے ہی دامن سے نمی پہنچانے کا درس لیتا ہے۔

(عاشق کا دامن آنسوؤں کے طوفان میں ڈوبا ہوا ہے)۔

در بادیہ از ریزشِ خونابہٴ مژگان
روداد مرا هر رگِ خاری قلم استی

میری مژگان سے جو خون ٹپک رہا ہے اس سے بیاباں کا ہر کانٹا، میری داستان لکھنے کے لیے قلم بن گیا ہے؛ یعنی ہم رگ خار پر خون کے آنسو بہا کر گویا اپنی داستانِ غم لکھتے چلے جا رہے ہیں۔

زان سان کہ نظر خیرہ کند برق جهان سوز
با حرف تمنای تو گفتن دژم استی

جس طرح برق جہاں سوز آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اسی طرح تمنا کی باتوں کو بیان کرنا انسان کے نطق کو پریشان کر دیتا ہے۔

در عهد تو هنگام تماشای گل از شرم
نظارہ و گل غرقہٴ خوناب هم استی

تیرے دَورِ حسن میں پھولوں کا نظارہ کرتے وقت (دیکھتے وقت) نظارہ اور پھول دونوں شرم سے ایک دوسرے کے خون میں ڈوب جاتے ہیں۔

زین نقشِ نو آئین کہ بر انگیختہ غالب
کاغذ همہ تن وقفِ سپاس قلم استی

غالب نے جو نئی طرز کی شعری نقش گری کی ہے، کاغذ سراپا قلم کی احسان مندی کا شکریہ ادا کرنے میں محو ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر(۴)

ای بہ صدمۂ آھی بر دلت ز ما باری

این قدر گران نبود نالۂ ز بیماری

ہماری ایک آہ کے صدمے سے تمہارے دل پر ہماری طرف سے ایک بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ایک بیمار کی فریاد اتنی تو گراں نہیں گذرنی چاہیے۔

وہ کہ با چنین طاقت راہ بر دمِ تیغ است

پای بر نمی تابد رنجِ کاوشِ خاری

اس کم طاقتی کے ہوتے ہوئے تلوار کی دھار پر سے گزرنا پڑ رہا ہے،اور یہاں یہ حالت ہے کہ پاؤں ایک کانٹے کی خلش کا دکھ بھی نہیں اُٹھا سکتے۔

در جنون بمن ماناست گرز عجز خون گردد

نالۂ کہ بر خیزد از دلِ گرفتاری

وہ فریاد کہ دلِ گرفتار سے ابھر رہی ہے اس کے ہوتے ہوئے میرے نزدیک جنوں میں ایسے دل کا عجز سے خون ہونا ہی بہتر ہے۔

مقصود یہ ہے کہ ایسے دل نے جو محبت کا اسیر ہے اگر یونہی فریادیں کرنی ہیں تو جنوں میں ایسا دل خون ہو کر رہ جائے تو کیا فرق پڑے گا۔

غم چہ در ربود از ما اینک آنچہ بود از ما

سینہ و اندوھی، خاطری و آزاری

غم نے ہم سے کیا چھین لیا۔جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ ابھی بدستور ہے۔سینہ ہے اور غم،دل ہے اور دکھ۔

ای فنا دری بکشا بو کہ در تو بگریزد

ھم ز خلق نومیدی، ھم ز خویش بیزاری

اے فنا کوئی دروازہ کھول،ہوسکتا ہے کہ تیری طرف لپک کر آئے:وہ بھی جو خلق سے ناامید ہے اور وہ بھی جو اپنے سے بیزار ہے۔

بھرہ واز وجودم نیست زین کشش کشودم نیست

پا و داغِ رفتاری دست و حسرت کاری

مجھے زندگی (اپنی ہستی) سے کچھ ملا بھی نہیں اور اس کی کشش سے کہیں چھٹکارا بھی نہیں ملتا۔

پاؤں ہیں تو چلنے سے عاری اور ہاتھ ہیں تو کام کرنے کی حسرت لیے ہوئے:

ع نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے

نازِ کافر و مومن از چہ دستگاہ آخر

سبحۂ و مسواکی، قشقۂ و زناری

مومن و کافر آخر کس برتے پہ یا سرمایے (دستگاہ) پہ ناز کرتے ہیں: یہی ہے نا کہ وہاں تسبیح اور مسواک ہے اور یہاں قشقہ (ماتھے کا ٹیکا) اور زنار ہے۔

بر جنون صلائی زن عقل را قفای زن

دادهٔ ز نامردی سر به بند دستاری

جنوں کو دعوت دے اور عقل کو تھپڑ دے۔ تو نے کم ہمتی (نامردی) سے سر پر دستار فضیلت باندھ رکھی ہے۔

شوخیِ شمیمش بین، جنبش نسیمش بین

غنچہ راست آھنگی، سرور است رفتاری

اس کی خوشبو کی شوخی دیکھو اور اس کی نسیم کا خرام دیکھو۔ کلی سے نغمہ اُبھر رہا ہے اور سرو میں رفتار آگئی ہے۔ (کلی یوں منہ کھولے ہے جیسے گانے لگی ہو)۔

کاش کان بتِ کاشی در پذیردم غالب

"بندهٔ تو ام" گویم، گویدیم زنا "آری"

غالب! کاش وہ کاشی کی نازنین مجھے قبول کرلے۔ میں اُسے کہوں کہ تمہارا بندہ ہوں وہ کہے کہ ہاں۔

غزل نمبر(۵)

بدیں خوبی خرد گوید کہ کام دل مخواہ از وی

نکو روی و نکو کار و نکو نام است آہ از وی

وہ حسین ہے (نکورو) نیکوکار ہے، نیک نام ہے اور ان اوصاف کے ہوئے عقل کہتی ہے کہ اُس سے کسی تمتع کی خواہش نہ کر۔ افسوس ہے۔

نگارم سادہ و من رند رنگ آمیز رسوایم

چہ نقشِ مدعا بندم بدین روی سیاہ از وی

لغت: "رنگ آمیز" = شاعر نے محبوب کے لیے سادہ کا لفظ اپنے لیے رنگ آمیز کا لفظ استعمال کیا ہے جو سادہ کا الٹ ہے۔ پرکار، ایسا آدمی جس نے اپنے آپ کو بڑی رنگ آمیزیوں سے سنوارا ہو۔

میرا محبوب بڑا سادہ ہے اور میں ایک پرکار، ہوشیار رسوائے زمانہ رند ہوں۔ (اندرین حالات) میں اس اپنی روسیاہی کے ہوتے ہوئے اس سے کسی مطالبہ کی کیسے جرأت کرسکتا ہوں۔

بموج نالہ می روبم غبار از دامن زینش

کمین ھا دیدہ ام غافل نیم در صید گاہ از وی

میں نے بڑی کمین گاہیں دیکھی ہیں، میں اس شکار گاہ میں اس سے غافل نہیں ہوں۔ میں اپنی فریاد ہی سے اس کے گھوڑے کی زین سے گرد جھاڑ رہا ہوں۔

جنونِ رشکِ را نازم کہ چون قاصد روان گردد
دوم بی خویش و گیرم نامہ اندر نیمہ راہ ازوی

مجھے اپنے جنون رشک پر ناز ہے کہ جب خط قاصد کے سپرد کرتا ہوں اور وہ روانہ ہو جاتا ہے تو میں بے خود (بی خویش) ہو کر بھاگتا ہوں اور آدھے راستے میں سے خط واپس لے لیتا ہوں۔

چہ سنجم داوری با سامری سرمایہ محبوبی
کہ باشد چو دل داور زبانِ داد خواہ ازوی

لغت: ''سامری سرمایہ'' = سامری وہ سحر کار تھا جس نے حضرت موسیٰ کی غیر حاضری میں ایک گوسالہ بنا کر بنی اسرائیل کو گمراہ کیا تھا۔

''سامری سرمایہ'' = سے مقصود سامری پیشہ ہے۔ سحر کار۔

اُس کا سحر کار محبوب کے ہوتے ہوئے کسی انصاف کی کیا توقع ہوسکتی ہے کہ انصاف کرنے والے کا دل بھی زبان بن کر خود اُس سے داد خواہی کرنے لگے۔

زھم دوریم با این مایہ نسبت، نامرادی بین
شب تاریک از ما باشد و روی چو ماہ ازوی

بدقسمتی دیکھو کہ اتنے قرب کے باوجود ہم ایک دوسرے سے دور ہیں، اس کا چہرہ چاند کی طرح ہے اور ہماری رات سیاہ ہے۔

شکستن را خدایا ھم بدین اندازہ قسمت کن
دلی از ما و عھد و طرہ و طرفِ کلاہ ازوی

لغت: ''شکستن'' فارسی مصدر ہے اس کے لغوی معنی توڑنا ہے۔ محاورۂ دل شکستن، عہد شکستن، طرہ شکست اور طرف کلاہ شکستن اور بہت سے مفہوم پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو اُردو میں بعینہٖ مروج ہیں مثلاً ''دل شکستن'' دل ٹوٹنا، ''عہد شکستن'' وعدہ توڑنا۔ لیکن طرہ شکستن کا مطلب زلفوں کا بل کھانا اور طرف کلاہ شکستن کا مفہوم ٹوپی ٹیڑھا رکھنا ہے (جو زیبائش کا انداز ہے) کہتا ہے:

اے خدا اس شکستن کو بھی اس طریقے سے تقسیم کر کہ ادھر ہمارا دل ہو اور ادھر عہد، طرہ اور طرف کلاہ ہو۔ یعنی شکست کا بہت سا حصہ معشوق کا ہے اسی اندازے سے ہمارے دل کو شکست ملنی چاہیے۔ اس سے زیادہ اُسے کیوں توڑا جائے۔

اس میں مزہ یہ ہے کہ جب معشوق عہد شکن ہو، طرہ شکن ہو اور کلاہ شکن ہو تو عاشق کا دل تو اسی اندازے سے زیادہ ٹوٹے گا۔

بتان را جلوۂ نازش بوجد آرد شگرفی بین
برھمن باشد اما دیر گردد خانقاہ ازوی

میرے محبوب کا جلوۂ ناز دوسرے حسینوں (بتوں) کو وجد میں لاتا ہے کہ ہے تو وہ کافر (برہمن) لیکن اُس کی وجہ سے بت خانہ (دیر) خانقاہ بن جاتا ہے۔ یعنی دوسرے معشوق (بت) اس طرح وجد کرتے ہیں جس طرح خانقاہ میں لوگ یاد خدا میں وجد کرتے ہیں۔

شدم غرقِ شط نظارہ و با غیر در تابم
کہ دانم می تراود دعوی ذوق نگاہ ازوی

میں تو نظارے ہی میں غرق ہو گیا لیکن رقیب (غیر) کے بارے میں پیچ و تاب میں

ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ اُس کی آنکھوں سے ذوقِ نظر کا دعویٰ ٹپک رہا ہے۔

یعنی میں تو ابتدائی نظارہ ہی میں کھو گیا اور رقیب ذوقِ نظارہ کی کیسے تاب لا سکا جس کا پتا اُس کی آنکھیں دے رہی ہیں۔

نگاہش شرگین باشد چون مژگان سرکش است آری
فرو ماند سپه داری که برگردد سپاه ازوی

جب اُسکی مژگان سرکش ہوں تو اس کی نگہ شرگیں ہوتی ہے، ٹھیک ہے، جب فوج باغی ہو جائے (روگردانی کرے) تو سردار لشکر (سپہ دار) عاجز ہو جاتا ہے۔

به غالب آشتی کردیم دیگر داوری نبود
گزاف دائمی از ما، شراب گاه گاه ازوی

ہم نے غالب سے صلح کر لی اب انصاف نہیں ہوگا کہ وہ (بے چارہ) تو کبھی کبھی شراب پیئے اور ہماری طرف سے بیہودہ باتوں کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے۔

غزل نمبر(۶)

نخواهم از صفِ حوران ز صد هزار یکی
مرا بس است ز خوبانِ روزگار یکی

مجھے حوروں کے زمرے سے لاکھ میں سے ایک بھی درکار نہیں۔ میرے لیے اس دنیا کے نازنینوں میں سے ایک ہی کافی ہے۔

سراغ وحدتِ ذاتش توان ز کثرت جست
که سائر است در اعدادِ بی شمار یکی

اُس کی ذات (ذات خدا) کی وحدت کا سراغ کثرت ہی میں تلاش کیا جا سکتا ہے کیونکہ ایک کا ہندسہ باقی تمام عددوں میں موجود (سائر) ہوتا ہے۔

سائر کے لفظی معنی ہیں "رواں دواں"۔

کسی که مدعی سستیِ اساسِ وفاست
نشان دهد ز بنا های استوار یکی

لغت: "سستی اساس وفا" = وفا کی بنیاد کی کمزوری۔ "سست" = کمزور اور اس کی ضد استوار (مضبوط) ہے۔ جو شخص وفا کی کمزور بنیاد کا دعویٰ کرتا ہے وہ استوار بنیادوں میں سے ایک ہی نشان دہی کرتا ہے۔

یعنی جو شخص وفا کو بے بنیاد خیال کرتا ہے اور اس بات کا دعویٰ دار بھی ہے۔ اس کا تحکم سے یہ کہنا کم از کم یہ پتا تو دیتا ہے کہ وہ ایک مستحکم بنیاد کا قائل ہے اور وہ بے وفائی ہے جس پر وہ مضبوطی سے قائم ہے۔

چگویم از دل و جانی کہ در بساط من است
ستم رسیدہ یکی، نا امیدوار یکی

یہی دل و جاں میری بساط ہیں اور ان کے بارے میں (بھی) کیا کہوں، ایک ستم رسیدہ ہے، ایک نا اُمیدوار۔ قدرت کی طرف سے یہ ملے بھی تو کیا ملے۔

دو برقِ فتنہ نهفتہ در کفِ خاکی
بلای جبر یکی، رنج اختیار یکی

اس مشت خاک (انسان) میں دو برق بلا نہاں رکھی ہیں: ایک بلائی جبر اور دوسرے بلائے اختیار۔

یعنی انسان جبر و اختیار کے درمیان گھرا ہوا ہے۔

دلا منال کہ گویند در صفِ عشاق
ستوہ آمدہ از جور خوی یار یکی

اے دل فریاد نہ کر کیونکہ عاشقوں میں اس بات کا چرچا ہوگا کہ فلاں (ایک) خوئے یار کے ظلم سے تنگ آ گیا ہے۔ (اور یہ بات عاشق کے شایان شان نہیں ہے)۔

ز نالہ ام بدلت می رسد ھزار آسیب
نشد کہ سنگِ تو بیرون دھد شرار یکی

میری فریادوں سے تیرے دل کو کتنے دھچکے لگے لیکن کبھی ایسا نہ ہوا کہ اس تیرے پتھر (پتھر جیسے دل) سے ایک چنگاری بھی اُبھرتی۔ (یعنی تیرے دل پر میری فریادوں کا کوئی اثر نہ ہوا)

مرو ز آئنہ خانہ کہ خوش تماشای است
یکی تو محو خودی و چو تو ھزار یکی

لغت: ''آئینہ خانہ'' = ایک ایسا کمرہ جس کے چاروں دیواروں پر چھوٹے چھوٹے آئینے ہوں۔ اُن آئینوں میں ہزار عکس بیک وقت نظر آتے ہیں۔

آئینہ خانے سے باہر نہ جا کیونکہ یہ عجیب منظر ہے۔ ایک طرف تو محو خودی ہے (اپنے آپ میں محو) اور ایک طرف تمہارے جیسے ہزاروں نظر آ رہے ہیں۔ (یعنی تو اپنے میں کھو گیا ہے لیکن تیرے ہزاروں عکس تو ہماری نظر کے سامنے ہیں)۔

زھی نگاہِ سبک سیر و شرم دور اندیش
یکی بدزدی دل رفت و پردہ دار یکی

لغت: ''سبک سیر'' = تیز چلنے والی، تیز۔

اس نگاہ تیز اور اس شرم دور اندیش کے کیا کہنے! ایک (نگاہ) دل کو چرانے نکلی ہے اور دوسری (شرم) اس چوری کی پردہ داری کر رہی ہے۔ یعنی نگاہوں کی دلاویز اداؤں کو تو دل نے چھین لیا ہے لیکن معشوق کی شرم و حیا کچھ اس انداز کی ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے دل چرا لیا ہے۔

شاعر نے شرم کے لیے دور اندیش کا لفظ استعمال کیا ہے جو بے حد بلیغ ہے۔

قماش ھستی من یکسر آتش است آتش
مرا چو شعلہ بود پشت و روی کار یکی

لغت: ''قماش'' کے معنی سامان کے بھی ہیں، لباس کے بھی اور طور طریقے کے بھی۔

یہاں لفظ بے حد پر معنی واقع ہوا ہے۔

میرا سارا ساز و سامان ہستی آگ ہی آگ ہے۔ شعلے کی طرح میرا سارا وجود (آگے پیچھے) ایک ہی ہے۔

چہ شد کہ ریخت زبان رنگ صد ہزار سخن
بخون سرشتہ نوای ز دل بر آر یکی

ہماری زبان نے رنگا رنگ انداز سخن کے جوہر دکھائے۔ کبھی تو بھی تو دل سے ایک ایسی آواز نکال جو خوں میں ڈوبی ہوئی ہو (یعنی درد بھری)

دم از ریاستِ دھلی نمی زنم غالب
منم ز خاک نشینانِ آن دیار یکی

غالب میں دہلی کے رؤسا میں سے ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ میں تو اس دیار کے خاک نشینوں میں سے ایک ہوں۔

غزل نمبر (۷)

اندوہِ پَر افشانی از چہرہ عیانستی
خون ناشدہ رنگ اکنون از دیدہ روانستی

لغت: ''پرافشانی'' = پر پھڑ پھڑانا، اُڑنے کی تیاری کی حالت میں ہونا، پرواز۔

ہمارے چہرے سے یہ بات عیاں ہے کہ ہم پرواز کرنے والے ہیں۔ ہمارا رنگ،

خون ہونے سے پہلے ہی آنکھوں سے بہ رہا ہے۔

غم راست بدلسوزی سعیِ ادب آموزی
انداختگانش را اندازہ نشان استی

لغت: ''انداختگانش'' = انداختہ کی جمع غم میں گھرے ہوئے۔

غم دل کے جلانے کے ساتھ ساتھ ادب آموزی بھی کرتا ہے۔ اس کے (معشوق) غم میں گرائے ہوؤں کو یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اس حد تک جاتا ہے۔

صد رہ بھوس خود را با وصلِ تو سنجیدم
یک مرحلہ تن وانگہ صد قافلہ جانستی

میں نے ہوس کے انداز میں سو مرتبہ تیرے وصال کو بھانپا ہے۔ ایک مرحلہ جسم ہے اور سو مرحلے روح۔ یعنی وصال محبوب، ہوس کے لیے تو جسمانی لذت کا ایک مرحلہ ہے اور عشق کے لیے ابدی روحانی لذت کا سرچشمہ۔

ذوق دلِ خود کامش دریاب ز فرجامش
ھر حلقۂ گلدامش چشمی نگرانستی

لغت: ''خود کام'' = اپنی ہی خواہشوں میں کھویا ہو۔ ''فرجام'' = انجام، مقصود، منتہا۔

اس کے خودغرض دل کا ذوق اُس کے منتہائے مقصد سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کے گلپوش جال کا ہر حلقہ ایک چشم نگران کی طرح ہے یعنی بڑی بے تابی سے شکار کے پھنسنے کا انتظار کر رہا ہے۔

یاد کر وہ دن کہ ہر یک حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید میں اک دیدۂ بے خواب تھا (غالب)

رو تن بہ خرابی دہ، تا کار روان گردد
طوفان زدہ زورق را ہر موج عنانستی

جا، جسم کو بربادی کے سپرد کر دے تاکہ کام رواں ہو جائے طوفان زدہ کشتی کے لیے ہر لہر عنان ہے۔

چشمی کہ بما دارد ہم رو بقفا دارد
خود نیز رخ خود را از حیرتیان استی

لغت: ''حیرتیان'' = حیرتی کی جمع ہے۔ حیرت زدہ، حیران۔
محبوب کی جو آنکھ ہماری طرف لگی ہوئی ہے وہی پیچھے کی طرف بھی دیکھ رہی ہے۔ وہ اپنے چہرے کے حسن سے حیرت زدہ ہونے والوں میں سے ایک ہے۔
گویا وہ خود مڑ کر اپنے کو بھی دیکھتا جا رہا ہے۔
کہتا ہے کہ حسن بظاہر عاشق کی طرف متوجہ نظر آتا ہے لیکن دراصل وہ اپنے میں محو ہوتا ہے۔

جان باغ و بہار، اما در پیشِ تو خاکستی
تن مشتِ غبار، اما در کوئی تو جانستی

جان باغ و بہار شے ہے لیکن تیرے روبرو اس کی حیثیت خاک کی ہے۔ تن مشتِ غبار ہے لیکن تیرے کوچے میں سرتاپا جان بن جاتا ہے۔

راز تو شہیدان را در سینہ نمی گنجد
ہر سبزہ درین مشہد مانا بزبان استی

لغت: ''مشہد'' = شہادت گاہ۔
تیرے شہیدوں کے سینے میں تیرا راز نہیں چھپ سکتا۔ اس شہادت گاہ کا ہر خوشۂ گیاہ ایک زبان کی طرح ہے۔ (جو راز کہہ رہا ہے)۔

ساقی بہ زر افشانی، دانم ز کریمانی
پیمانہ گران تر دہ، گر بادہ گرانستی

میں جانتا ہوں:
ساقی! تو دولت لٹانے میں بڑے سخیوں میں سے ہے۔ اگر شراب گران ہے تو پیمانہ اس سے بھی زیادہ بڑا ہونا چاہیے (''گران'' کے دو معنی لیے گئی۔ بادہ کے ساتھ گران کا مفہوم مہنگی ہے اور پیمانہ کے ساتھ بڑا۔

فیض ازلی نبود مخصوص گروہی را
حرفی است کہ می خوردن آئینِ مغانستی

فیض ازلی کسی ایک جماعت کا حصۂ خاص نہیں ہوتا۔ یہ چیز محض ایک افسانہ ہے کہ شراب نوشی زرتشتوں (مغان) کا شیوہ ہے (شراب اور لوگ بھی پی سکتے ہیں)۔

ہم جلوۂ دیدارش در دیدہ نگاہستی
ہم لذت آزارش در سینہ روانستی

اُس کا جلوہ دیدار آنکھوں کے لیے نگاہ ہے، اس کی لذت ستم، جسم میں روح کی طرح ہے۔

غالب سر خم بکشا، پیمانہ بمی درزن
آخر نہ شب ماهست، گیرم رمضانستی

غالب، خم کو کھول اور جام می پی، مان لیا کہ رمضان ہے لیکن آخر چاندنی رات بھی تو ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۸)

تابم ز دل برد کافر ادای
بالا بلندی کوتہ قبائی

ایک کافرادا، بلند قامت اور کوتاہ قبا معشوق میرے دل کو بے تاب کر گیا۔

از خوی ناخوش دوزخ نهیبی
و ز روی دلکش مینو لقائی

اُس کی تندمزاجی دیکھو تو دوزخ سے زیادہ (پرخوف) بھڑکنے والا۔
اور چہرے کی زیبائی دیکھو تو جنت۔

در دیر گیری غافل نوازی
در زود میری عاشق ستائی

لغت: "دیر گیری" = کسی کی دیر میں گرفت یا پرس کرنا، یہ صفت اللہ کی بھی ہے گنہگاروں کو دیر میں سزا دیتا ہے۔
"زود میری" = جلدی میں مرنا، آسانی سے جان دے دینا۔

دیر گیری میں وہ غافلوں کو نوازنے والا ہے اور "زود میری" میں عاشق تعریف کرنے والا۔

زردشت کیشی، آتش پرستی
برسم گزاری، زمزم سرائی

لغت: "برسم" = زردشتیوں کے مذہب کے مطابق عبادت۔
"زمزم" = زمزمہ کا مخفف، وہ بھجن جو زرتشتی لوگ ہلکے سروں میں اپنی عبادت گاہ میں گاتے تھے۔

زرتشت کی پوجا کرنے والا، آگ کی پرستش کرنے والا برسم گزار اور زمزمہ سرا۔

چون مرگِ ناگہ بسیار تلخی
چون جان شیرین اندک وفائی

مرگ ناگہان کی طرح بہت تلخ اور جان شیریں کی طرح تھوڑی وفا کرنے والا۔

در کام بخشی ممسک امیری
در دلستانی مبرم گدائی

خواہش پورا کرنے میں ایک بخیل کنجوس امیر جیسا اور دلستانی میں اصرار کرنے والا ضدی گدا (کہ دل لے کر ہی جائے)۔

گستاخ سازی، پوزش پسندی
طاقت گدازی صبر آزمائی

عاشقوں کو گستاخ بنا دینے والا اور پھر ساتھ ہی (وہ معذرت کریں تو) معذرت قبول کرنے والا۔ طاقت گداز اور صبر آزما۔

در کینہ ورزی تفسیدہ دشتی
در مہربانی بستان سرای

کینہ ورزی میں ایک تپتا ہوا صحرا اور مہربانی میں ایک مہکتا ہوا باغ۔

از زلف پرخم مشکین نقابی
از تابش تن زرین ردائی

لغت: ''ردا''۔ چادر۔ ''زرین ردا'' سنہری چادر پہننے والا۔
''مشکین نقاب'' = سیاہ نقاب اوڑھے ہوئے۔

پرخم زلفوں کا مشکیں نقاب اوڑھے ہوئے اور چمکتے ہوئے بدن کی درخشندگی کی سنہری چادر لیے ہوں۔

یعنی اس کے بدن کی چمک ایسی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ سنہری چادر اوڑھے ہوئے ہے۔

در عرض دعوئی لیلیٰ نکوھی
بر رغم غالب مجنون ستائی

اپنے دعوائے حسن کے وقت لیلیٰ کے نقص نکالنے والا اور غالب کی مخالفت میں مجنوں کی تعریف کرنے والا۔

❀❀❀

غزل نمبر(۹)

بدل ز عربدہ جائی کہ داشتی داری
شمار عہد وفائی کہ داشتی داری

آج بھی تیرے دل میں وہی جذبۂ مخاصمت کارفرما ہے جو پہلے تھا اور اب بھی تو اپنے ستم سے باوفائی کرتا چلا جا رہا ہے۔

ہے آج بھی ترا شوق جفا وہی کہ جو تھا
ستم سے ہے ترا عہدِ وفا وہی کہ جو تھا (تبسم)

بہ لب چہ خیزد از انگیز وعدہ ھای وفا
بدل نشستِ جفائی کہ داشتی داری

اگر تیرے لبوں پہ وفا کے وعدے اُبھر کر آتے ہیں تو کیا ہوا، تیرے دل میں وہی جفا کا جذبہ کارفرما ہے۔

تو کی ز جور پشیمان شدی، چه میگوئی
دروغِ راست نمای که داشتی داری

تو جور و ستم سے کب پشیمان ہوا؟ یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ تیرے جھوٹ کا انداز جو بظاہر سچ معلوم ہوتا ہے اب بھی وہی ہے۔

یہ کیا کہا کہ جفاؤں پہ تو پشیماں ہے
دروغ راست نما ہے ترا وہی کہ جو تھا (تبسم)

بسینه چون دل و در دل چو جان خزیدی و باز
نگاه مهر فزای که داشتی داری

تو سینے میں دل کی طرح اور دل میں جاں کی طرح سما گیا ہے اور پھر بھی تیری نگاہیں بدستور محبت کے جذبات کو اکسا رہی ہیں جیسے پہلے تھیں۔

عتاب و مهر تو از هم شناختن نتوان
خرد فریب ادای که داشتی داری

تیرے عتاب اور مہربانی میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ تری خود فریب اداؤں کا وہی عالم ہے جو پہلے تھا۔

کرم نما ہے ستم اور ستم نما ہے کرم
ہر ایک میں ہے فریب وفا وہی کہ جو تھا (تبسم)

خراب بادۂ دو شینہ، سرت گردم
ادای لغزش پای که داشتی داری

ابھی بادۂ دوشیں (رات کی) کا نشہ موجود ہے۔ ترے قرباں، ترے پاؤں کے لڑکھڑانے کی ادا وہی ہے جو (رات) تھی۔

ہے اب بھی لغزش پاں میں ادا وہی کہ جو تھی
ہے نشہ بادۂ دو شینہ کا وہی کہ جو تھا (تبسم)

به کردگار نگردیدی و همان بفسوس
حدیثِ روز جزای که داشتی داری

لغت: ''فسوس'' = فریب و ریا۔

خالق کائنات کی طرف تو رجوع نہیں کیا اور روز جزا کا تذکرہ اسی ریا کے انداز میں ابھی تک جاری ہے۔

کرشمه باز نهالی که بودۂ هستی
بسر ز فتنه هوای که داشتی داری

تو ایک کرشمہ باز تھا اور اب بھی وہی ہے۔ تیرے سر میں وہی فتنہ انگیزیاں اب بھی سمائی ہوئی ہیں جو پہلے تھیں۔

هنوز ناز پی غمزه گم نداند کرد
ادای پرده کشای که داشتی داری

ابھی تیرا ناز حسن، غمزے اور عشوے کی راہ نہیں بھول سکتا، تیری ادائیں یہ راز کشائی پہلے کرتی تھیں اور اب بھی۔

جهانیان ز تو برگشته اند گر غالب

ترا چه باک خدای که داشتی داری

غالب! اگر دنیا والے تجھ سے برگشتہ ہیں تو تجھے کیا ڈر ہے تیرا خدا جو پہلے تھا وہ اب بھی ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۱۰)

اگر به شرع سخن درمیان بگردانی

ز سوی کعبه رخ کاروان بگردانی

لغت: ''شرع'' کے لغوی معنی طریق یا راستے کے ہیں راہ حقیقت۔

اگر تو راہ حقیقت (شرع) کی باتیں درمیان میں لے آئے (یعنی اُن کا تذکرہ چھیڑ دے) تو کعبے کو جاتے ہوئے قافلے کا رخ مڑ جائے۔ (یعنی کعبے کو جاتے ہوئے لوگ اُدھر سے لوٹ آئیں)۔

لوگ کعبے کو خانۂ خدا سمجھتے ہیں حالانکہ بقول مرزا غالب:

ع قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

به نیم ناز که طرح جهان نو فگنی

زمین بگستری و آسمان بگردانی

لغت: ''طرح افگندن'' = بنیاد رکھنا۔

اپنے حسن کے نیم ناز سے ایک نئے جہاں کی بنیاد ڈالتا ہے، زمین کا فرش بچھاتا اور آسمان کو گردش میں لاتا ہے۔

بیک کرشمه که بر گلبن خزان ریزی

بهار را بدر بوستان بگردانی

اگر تیرے کرشمے کی ایک جھلک خزاں زدہ پھول کی کیاری پر پڑ جائے تو بہار لوٹ کر پھر گلستان کے دروازے پر آ جائے۔

بخاطری که درآئی بجلوه آرائی

بلای ظلمت مرگ از روان بگردانی

تو جس دل میں جلوہ آرا ہو جائے روح (جاں) کو موت کی کلفت نجات حاصل ہوتی ہے۔ (روح زندہ جاوید ہو جاتی ہے)۔

به گلشنی که خرامی بباده آشامی

قدح ز جوش گل و ارغوان بگردانی

تو جس باغ میں خراماں خراماں آئے، بادہ آشامی کے لیے گل وارغواں کے پھول جام بن کر گردش کرنے لگتے ہیں (باغ میں مستی کا سماں پیدا ہو جاتا ہے)۔

بکوئی غیر روی چون مرا بہ رہ نگری
بجھہ چین فگنی و عنان بگردانی

تو رقیب کی طرف جاتا ہے اور راستے میں جب تیری نظر مجھ پر پڑتی ہے تو تو پیشانی پہ بل ڈال لیتا ہے اور سواری کی لگام پھیر لیتا ہے (دوسری طرف چل پڑتا ہے)۔

وفا ستای شوی چوی مرا بیاد آری
بخویش طعنہ زنی و زبان بگردانی

جب میں تجھے یاد آؤں تو وفا کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتا ہے اور پھر خود ہی اپنے کو کوستا ہے (طعنہ زنی) اور زبان پھیر لیتا ہے (یعنی باتوں کا انداز بدل لیتا ہے)۔

بہ بیم خوی خودم در عدم بخوابانی
بذوق روی خودم در جھان بگردانی

اپنی خوئی تند سے عاشقوں کو گویا عدم کی نیند سلا دیتا ہے اور اپنے حسن کی جلوہ آرائی کی لذت سے انہیں اس جہاں میں گھماتا پھرتا ہے۔

بہ بذلہ خاطر اسلامیان بیازاری
بجلوہ قبلۂ زردشتیان بگردانی

اپنی ظرافت سے اسلامیوں کے دلوں کو ستاتا ہے اور جلوۂ آتشیں سے آتش پرستوں کے قبلے کو بدل دیتا ہے۔ (یعنی وہ تیرے آتشیں جلوؤں ہی کو اپنا قبلہ سمجھ کر، آگ کی پرستش چھوڑ دیتے ہیں۔

اجازتی کہ کنم نالہ تا کجا غالب
ز لب بسینۂ تنگم فغان بگردانی

اجازت ہے کہ میں فریاد کروں۔ غالب تو کب تک میری لب تک آئی ہوئی فریاد مرے سینۂ تنگ میں لوٹاتا رہے گا۔ (یعنی میں کب تک ضبط فغاں کرتا رہوں گا)۔

❀❀❀

غزل نمبر(۱۱)

ای موج گل نوید تماشای کیستی
انگارۂ مثال سراپای کیستی

لغت: ''موج گل'' = رنگ گل، سرخ پھول کی رنگیں لہر۔ ''تماشا'' = جلوہ، نظارہ۔

اے رنگیں پھول تو کس کے نظارۂ حسن کی خوش خبری دے رہا ہے۔ کس کے آتشیں سراپا (جسم) سے اُبھرا ہوا ایک انگارہ ہے۔

پھول کو دیکھ کر محبوب کی صورت آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

بیھودہ نیست سعی صبا در دیار ما
ای بوی گل پیام تمنای کیستی

ہمارے دیار میں صبا کا چلنا (سعی بے کار نہیں ہے۔ اے بوے گل تو کس کا پیام تمنا لے کے آئی ہے۔

خون گشتم از تو باغ و بهار کہ بودۂ
کشتی مرا بغمزہ ، مسیحای کیستی

میرا دل رشک سے خون ہو کر رہ گیا۔ تیرا حسن کس کی نظروں کے لیے باغ و بہار ہے، مجھے تو تو نے اداؤں سے مار ڈالا، تو کس (خوش نصیب) کے لیے مسیحا ہے۔

یادش بخیر، تا چہ قدر سبز بودۂ
ای طرف جوئبار چمن، جای کیستی

اے باغ کے آب رواں کے کنارے تو کس کا مقام سیر گاہ ہے کہ تو اتنا سر سبز ہے۔ اللہ اُسے خوش رکھے!

از خاک غرقۂ کف خونی دمیدۂ
ای داغ لالہ نقش سویدای کیستی

لغت: ''سویدا'' = دل پر سیاہ تل۔۔ شاعر نے لالے کے سرخ پھول کو خون سے بھری ہوئی کٹوری اور اس کے داغ کو سویدا کہا ہے۔

تو خاک سے، (مٹھی بھر) خون میں ڈوبا ہوا، پھوٹ کر باہر آیا ہے، اے داغ لالہ تو کس کے دل کا نقش سویدا ہے۔

نشنیدہ لذت تو فرو می رود بدل
ای حرف محو لعل شکر خای کیستی

تو کس کے لبوں کی داستاں ہے کہ تجھے سنے بغیر ہی تیری لذت دل میں بیٹھتی جا رہی ہے۔

با نو بہار این ہمہ سامان ناز نیست
فہرست کارخانۂ یغمای کیستی

بہار میں تو اتنا سامان ناز نہیں ہوتا، یہ کس کے حسن کی لوٹ کا سامان ہے۔

در شوخی تو چاشنی پرفشانی است
بی پردہ صید دام تپشہای کیستی

تیری شوخی میں بے تابی کی ایک جھلک پائی جاتی ہے، تو کس کی تپش کے جال کا شکار بے پردہ ہے۔

از ہیچ نقش غیر نکوئی ندیدۂ
اے دیدہ محو چہرۂ زیبای کیستی

اے آنکھ تو کس چہرۂ زیبا میں محو ہوگئی ہے کہ اب کسی نقش میں سوائے خوبصورتی کے اور کچھ نظر نہیں آتا (اب جس شے کو دیکھیں حسین معلوم ہوتی ہیں)۔

با ہیچ کافر این ہمہ سختی نمی رود
ای شب بمرگ من کہ تو فردای کیستی

کسی کافر پر اتنی سختی روا نہیں رکھی جاتی، اے رات تجھے میری موت کی قسم! بتا کہ تو کس کی ''فردا'' (کل) ہے۔ فردا کا لفظ یہاں بڑا ذو معنی واقع ہے۔ فردا سے مراد ''کل'' بھی ہے اور فردای قیامت بھی ہے۔

''کل'' اس لیے کہ رات گزرنے میں نہیں آتی اور فردائے قیامت اس لیے کہ یہ

رات، قیامت کی رات ہے کہ اس میں اتنا دکھ ہو رہا ہے گویا عذاب کی رات ہے۔

غالب نوای کلک تو دل می برد ز دست
تا پرده سنج شیوهٔ انشای کیستی

لغت: ''تا'' کا مفہوم یہاں بڑا انوکھا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ اُردو میں نہیں ہو سکتا
''پردہ سنج'' = نغمہ سنج۔

غالب تیرے قلم کی آواز دل کو موہ رہی ہے آخر تو کس کے اسلوب بیان کی نغمہ سرائی کر رہا ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۱۲)

کافرم گر از تو باور باشدم غمخواری
ازمند التفاتم کرده ذوق خواری

لغت: ''آز'' = لالچ۔ ''آزمند'' = لالچی۔

اگر مجھے تیری طرف کسی طرح کی غمخواری کا یقین ہو تو میں کافر، مجھے تو میرے ذوق رسوائی نے تیرے التفات کا آرزو مند (طامع) بنا رکھا ہے۔

یعنی چاہتا ہوں کہ عشق میں پڑ کر رسوا ہو جاؤں، تجھ سے توجہ چاہتا ہوں، کسی غمخواری کی توقع نہیں۔

از کنار دجلہ آتشخانہ چندان دور نیست
کشتی ما بر شکستن زد، درستان یاری

لغت: ''بر شکستن زد'' = ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔ ''درستان'' وہ لوگ مراد ہیں جن کی کشتی سلامت اور درست ہے۔

دریا (دجلہ) کے کنارے سے آتش خانہ اتنا دور نہیں ہے۔ ہماری کشتی ٹکرا کر ٹوٹ چکی ہے سلامت کشتی والو اسے اُٹھا کر آتش خانے لے جاؤ کہ جلنے کے کام ہی آ جائے۔

شادباش ای غم ز بیم مرگم ایمن ساختی
گشت صرف زندگانی بود اگر دشواری

اے غم تو خوش رہ کہ تو نے ہمیں موت کے خوف سے نجات دلا دی۔ اگر کوئی دشواری تھی تو وہ زندہ رہنے کی کوشش میں صرف ہو گئی۔

زندگی کیا تھی گویا موت ہی تھی اب کونسی موت آئے گی جس کا ڈر کریں۔

رشک نبود گر خدنگت جانب دشمن گرفت
در دم ساطور پنہان است زخم کاری

اگر تیرا تیر دشمن کی طرف گیا تو کوئی رشک کی بات نہیں۔ تیرے خنجر کی دھار میں زخم کاری پنہاں ہے۔ (یعنی تیر کو اگر کوئی زخم لگانا تھا اور وہ رقیب کے نصیب ہوا تو فکر نہیں تیرا خنجر اس سے بڑھ کے زخم لگا سکتا ہے۔)

برق از قهرت کباب بی محابا سوزی
مرگ از لطفت هلاک دردمند آزاری

ترے قہر سے برق میں بے محابا جل جانے کا ذوق پیدا ہو گیا ہے اور تیرے لطف سے موت، دردمند آرزو ہو گئی ہے۔

معشوق کا قہر عاشقوں کو بے محابا جلا دیتا ہے برق اس قہر پر رشک کرتی اور معشوق کا لطف بجائے اس کے کہ دردمندوں کے درد کا مداوا کرے انہیں دکھ پہنچاتا ہے۔ موت اُس کی اس شان پر فریفتہ ہے۔

باخرد گفتم چه باشد مرگ بعد از زندگی
گفت هی خواب گرانی بعد از بیداری

میں نے عقل سے پوچھا زندگی کے بعد موت کیا ہے؟ جواب ملا، بیداری کے بعد ایک بھاری نیند۔

ای دل از مطلب گزشتم دستگاهت را چه شد
شیونی شوری، فغانی، اضطرابی، راز لی

اے دل تکلف برطرف، آخر تیرے اتنے سرمائے کو کیا ہو گیا۔
کوئی شیون،، کوئی شور کوئی فریاد، کوئی اضطراب، کوئی گریہ وزاری کچھ تو کر۔

دارد اندازِ تسلسل در ضمیرم شوق دوست
همچو رقص ناله در کام و لب زنهاری

میرے دل (ضمیر) میں دوست کے شوق کا وہی عالم ہے جو پناہ چاہنے والے (زنہاری) انسان کے لب ودہن میں فریاد کا ہوتا ہے۔

اُس میں ویسا ہی اندازِ تسلسل ہے۔ یعنی سہا ہوا اور دبا ہوا بھی اور اس کا کھل کے اظہار نہیں ہو سکتا ہے اور مسلسل چلا جا رہا ہے۔

دل نفس دزدید و خون گردید بخت چشم بین
کس به لعل و دُر تونگر کرده در افشاری

دل نے سانس روک لیا اور خوں ہو گیا، آنکھوں کا نصیب دیکھو۔

زلّه بردار ظهوری باش غالب بحث چیست
در سخن درویشی باید نه دکّان داری

غالب، بحث کیسی (یہ باتیں چھوڑ) ظہوری کا خوشہ بردار ہو جا۔ شاعری میں درویشی کام آتی ہے نہ کہ دکان داری۔

❀❀❀

غزل نمبر(۱۳)

رفت آنکہ کسب بوئی تو از باد کردمی

گل دیدمی و روی ترا یاد کردمی

وہ دن گئے جب میں ہوا میں تیری معطر خوشبو سونگھا لیتا تھا۔ پھول کو دیکھتا تھا تو تیرا چہرہ یاد آجاتا تھا۔

رفت آنکہ گر براہ تو جان دادمی ز ذوق

از موج گرد رہ نفس ایجاد کردمی

وہ دن گئے کہ اگر میں تیری راہ میں جاں دیتا تو اس ذوق جاں سپاری میں راہ کے اُبھرتے ہوئے غبار سے زندگی کا تازہ سانس ایجاد کر لیتا (یعنی تازہ زندگی حاصل کر لیتا)۔

رفت آنکہ گر لبت نہ بہ نفرین نواختی

رنجیدمی و عربدہ بنیاد کردمی

وہ وقت گیا کہ اگر تیرے لب کسی لب پہ ملامت کر کے مجھے نہ نوازتے تو میں خفا ہو جاتا اور جھگڑے کی صورت پیدا کر لیتا (تا کہ تری تلخ باتوں سے لذت اندوز ہوں)۔

رفت آنکہ قیس را بسترگی ستودمی

در چابکی ستائش فرہاد کردمی

وہ دن گئے کہ قیس کی عظمت کے گن گایا کرتا اور فرہاد کی عاشقانہ کارگزاریوں کی تعریف کیا کرتا تھا۔

رفت آنکہ جانب رخ و قدت گرفتمی

در جلوہ بحث باگل وشمشاد کردمی

وہ دن گئے جب کہ میں ترے رخ وقد کی جانبداری کرتے ہوئے جلوہ گری کے بارے میں گل وشمشاد سے مناظرہ کیا کرتا تھا۔

رفت آنکہ در ادای سپاس پیام تو

ھر گونہ مرغ صد قفس آزاد کردمی

وہ دن گئے جب تیرا کوئی پیام آتا تو میں اس کے شکرانے میں سینکڑوں اسیر پرندوں کو آزاد کر دیتا۔

اکنون خود از وفای تو آزار می کشم

رفت آنکہ از جفائی تو فریاد کردمی

وہ دن گئے جب میں تیری جفا کے ہاتھوں فریاد کیا کرتا تھا اب تو تری وفا سے بھی مجھے دکھ کا احساس ہوتا ہے۔

بندم منہ ز طرّہ کہ تابم نماندہ است

رفت آنکہ خویش را ببلا شاد کردمی

اب مجھے اپنی زلفوں میں اسیر کرنے کی کوشش نہ کر کیونکہ مجھ میں اس کی تاب نہیں رہی، وہ دن گئے جب میں اپنے کو ایسی مصیبتوں میں ڈال کر خوش ہوا کرتا تھا۔

آخر بداد گاہ دگر اوفتاد کار
رفت آنکہ از تو شکوۂ بیداد کردمی

اب تو مجھے ایک اور ہی بارگاہِ انصاف سے واسطہ پڑ رہا ہے۔ وہ دن گئے جب تجھ سے تیرے جور و ستم کی شکایت کیا کرتا تھا۔

غالب ھوای کعبہ بسر جا گرفتہ است
رفت آنکہ عزم خلخ و نوشاد کردمی

غالب! اب کعبے جانے کی خواہش سر میں سما گئی ہے۔ وہ دن گئے جب خلخ اور نوشاد جانے کا ارادہ کیا کرتا تھا۔ (خلخ اور نوشاد ایران کے دو مشہور مقامات ہیں)۔

❀❀❀

غزل نمبر (۱۴)

مژدۂ خرمی و بی خللی را مانی
ابدی جنت و فیض ازلی را مانی

لغت: ''مانی'' = تو مانند ہے تو ملتا جلتا ہے۔

تو ایک ایسا مژدہ شادمانی ہے جو بے خلل ہے۔ تو ایک ابدی جنت ہے، سرتاپا فیض ازل (کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی) جو ہمیشہ جاری رہتا ہے اور کہیں ختم نہیں ہوتا۔

بسکہ ھموارہ دل آویزی و شیرین حرکات
سایۂ طوبی و جوی عسلی را مانی

لغت: ''طوبیٰ'' = جنت میں ایک درخت، ''جوی عسلی'' شہد کی نہر (جنت میں)۔
''شیرین حرکات'' = اسم فاعلی ترکیبی ہے شیرین حرکات والا۔

تو ہمیشہ دل آویز اور تیری حرکات شیرین ہیں۔ تو اس سایہ ''طوبیٰ'' کی مانند ہے جو جنت میں شہد کی نہر میں پڑ رہا ہو۔

معشوق کے حسن کی دل آویزی اور اس کی حرکات شیریں کو سایۂ طوبیٰ سے تشبیہ دی ہے جو نہر میں پڑ رہا ہے اور ہل رہا ہے اور چونکہ وہ نہر شہد کی نہر ہے اس لیے وہ سایہ شیرین بھی ہے۔

یہ تشبیہ متحرک ہے اور بے حد دل آویز ہے اور نادر ہے۔

جلوہ فرمائی و جاوید نمانی بہ کسی
سیمیائی و بھشت عملی را مانی

''سیمیا'' = جادو، طلسم ایک علم ہے جس سے فرضی اشیا نظر کے سامنے آجاتی ہیں لیکن اُن کا خارجی وجود کوئی نہیں ہوتا۔

تو اپنا جلوہ دکھاتا ہے اور ہمیشہ کسی کے پاس نہیں رہتا، تو ایک سیمیا، ایک بہشت عملی کی طرح ہے۔

بہ ستم معنی پیچیدۂ نازک باشی
ای کہ در لطف رقم ھای جلی را مانی

لغت: ''جلی'' نمایاں، رقم ہائے جلی، جلی تحریر، موٹے اور نمایاں حرفوں میں لکھی ہوئی تحریر۔

تیرا ستم، پیچیدہ نازک معنی کی طرح ہے کہ سرسری طور پر نظر نہیں آتا، اور تیرا لطف و

کرم جلی حروف کی طرح واضح ہے۔

بہ توانائی کوشش نتوان یافت ترا
سر خوشی ھای قبول ازلی را مانی

کوشش کے بل پر تجھے حاصل نہیں کیا جاسکتا، تیرا حصول، قبول ایزدی کی سرخوشی کی طرح ہے (یعنی اللہ کی دین ہے جسے مل جائے مل جائے)۔

جز بچشم و دل والا گھران جا نہ کنی
جلوۂ نقش کف پای علیؓ را مانی

لغت: ''والا گھر'' = بلند پایہ لوگ۔

عظیم انسانوں کے چشم و دل کے بغیر تو کہیں نہیں سماتا۔ تو حضرت علیؓ کے نقش کف پا کے جلوے کے طرح ہے کہ وہ بھی ہر جگہ نہیں ہوتا۔

بدل ھر کہ بچشم تو در آید ناگاہ
داری آن مایہ تصرف کہ ولی را مانی

جوشخص یونہی اچانک بھی تری نظر کے سامنے آجائے اس پہ تیری شخصیت کا اتنا اثر ہوتا ہے جیسے ولی اللہ کا۔

ای کہ در طالع ما نقش تو ھرگز نہ نشست
زھرۂ حوتی و شمسِ حملی را مانی

اندرین شیوۂ گفتار کہ داری غالب
گر ترقی نکنم شیخ علی را مانی

یہاں شیخ علی سے شیخ علی حزیں مراد ہے جن کے کلام کے مرزا صاحب بہت معترف تھے۔

غالب! یہ شیوۂ گفتار، (اسلوب بیان) جو تجھے حاصل ہے اگر میں تیرا پایہ اور بلند نہ کروں یعنی تکلف نہ کروں تو تو شیخ علی کی طرح ہے۔

❁❁❁

غزل نمبر (۱۵)

ای کہ گفتم ندھی دادِ دل، آری ندھی
تا چون من دل بہ مغان شیوہ نگاری ندھی

میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ تو اس وقت تک کسی کے باوفا دل کی داد نہیں دے سکے گا جب تک میری طرح کسی زردشتی ادا معشوق کو اپنا دل نہیں دیتا۔

چشمہ نوش ھمانا نتراود ز دلی
کش نگیری و در اندیشہ فشاری ندھی

کسی دل سے اُس وقت تک ہمیشہ شیریں نہیں ٹپک سکتا جب تک تو اس دل کو لے کر اپنے ذہن میں اُسے بھینچ نہ لے۔

ماہ و خورشید درین دائرہ بی کار نیند

تو کہ باشی کہ بخود زحمت کاری ندھی

اس فضائے کائنات میں چاند سورج بھی بے کار نہیں ہیں۔ تو کون ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو کسی کام کی زحمت نہیں دیتا۔

کائنات کی ہر شے قدرت کے منشا کے مطابق اپنے فرائض پوری کر رہی ہے۔ انسان کی زندگی کا بھی ایک مقصد ہے جس کی تکمیل کے لیے کوشش کرنا اُس کا فرض ہے۔

مرزا غالب اس کام کی وضاحت آئندہ شعروں میں کرتے ہیں۔

پای را خضر قدم سنجی کوی نشوی

دوش را قدرگران سنگی باری ندھی

لغت: ''قدم سنجی'' قدم پیائی'' = راہ چلنا۔ ''خضر'' کا نام رہنمائی سے وابستہ ہے۔

''گران سنگی'' = وزنی، بھاری۔ ''قدر'' یہاں قدرت طاقت کا مفہوم ہے۔

تو اپنے پاؤں کو کسی کوچے کی رہ پیائی کا خضر نہیں بناتا۔ اور اپنے کندھوں پر کسی بھاری بوجھ اُٹھانے کی ہمت عطا نہیں کرتا۔ (یعنی جب تک کسی کوچے کی رہ پیائی نہیں کرتا اور محبت میں کوئی گراں قدر بوجھ نہیں اُٹھاتا)۔

سر براہ دم شمشیر جوانی نہ نھی

تن بہ بند خم فتراک سواری ندھی

اپنا سر کسی جواں سال کی تلوار کی دھار پر نہیں رکھ دیتا اور کسی شہسوار کے خم فتراک کا اسیر (شکار) نہیں ہو جاتا۔

سینہ را خستہ انداز فغانی نکنی

دیدہ را مالش بیداد غباری ندھی

لغت: ''مالش'' = مالیدن سے حاصل مصدر ہے ملنا۔

اپنا سینہ انداز فریاد سیکھ کر زخمی نہیں کر لیتا اور کسی کے جور محبت کے غبار کو (سرمہ بنا کر) آنکھوں میں ڈال کر آنکھیں نہیں ملتا۔

خون بذوق غم یزدان نشناسی بخوری

دین بہ مھر حق الفت نگزاری ندھی

لغت: ''یزدان نشناسی'' = خدا کو نہ پہچاننا۔ معرفت الٰہی سے انحراف کرنا۔

''حق الفت نگزار'' = محبت کا حق ادا نہ کرنے والا۔

اپنے دین (وایمان) کو کسی محبت کا حق نہ پہچاننے والے (بے وفا معشوق) کی نذر نہیں کر دیتا اور حق ناشناسی کے غم میں اپنا خون دل نہیں دیتا۔

یعنی کسی بے وفا کی محبت میں اپنا دین وایمان چھوڑ کر کافر عشق نہیں ہو جاتا۔

آخر کار نہ پیداست کہ در تن افسرد

کف خونی کہ کہ بدان زینت داری ندھی

آخر یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ چلو بھر خون (جو تیرے تن میں ہے) اور جسے تو زینت دار نہیں بناتا تیرے تن میں افسردہ ہو کر رہ جائے گا۔

اگر تو اپنی زندگی کسی بڑے مقصد کے لیے دار و رسن کی نذر نہیں کرے گا تو یہ زندگی یونہی بے کار ایک روز ختم ہو جائے گی۔

حیف گر تن بسگان سر کوی نہ رسد

وای گر جان بس راهگذاری ندهی

افسوس اگر یہ ترا جسم کسی محبوب کے کوچے کے کتوں تک نہ پہنچے اور افسوس اگر یہ جاں تو کسی کی راہ گذر کی نذر نہ کر دے۔

رہزنان اجل از دست تو ناگاہ برند

نقد ہوشی کہ بسودای بهاری ندهی

یہ نقد ہوش، یہ عقل وخرد کا سرمایہ، زندگی، جو آج تو کسی بہار حسن کی جنوں کی نذر نہیں کرتا رہزناں اجل ناگہاں چھین کر لے جائیں گے۔

بعد کا شعر اس کا قطعہ بند ہے۔

بہ خمِ طرّہ حوران بهشت آویزند

ناز پرورده دلی را کہ بہ یاری ندهی

یہ ناز پروردہ دل جو تو آج کسی محبوب کی نذر نہیں کرتا حوران بہشت کی زلفوں کے خم میں آویزاں کر دیا جائے۔

گر تنزل نبود، ابر بهاری غالب

کہ دُر افشانی و ز افشاندہ شماری ندهی

اگر یہ بات تیری شایان شان نہ ہو (تنزل نبود) اے غالب! تو تو ابر بہار ہے کہ (بے دریغ) موتی لٹاتا ہے اور ان لٹائے ہوئے موتیوں کو شمار بھی نہیں کرتا۔ (اپنے اشعار پُر افکار کی طرف اشارہ ہے)۔

❁❁❁

غزل نمبر(۱۶)

ھمنشین جان من و جان تو این انگیز، ھی

سینۂ از ذوقِ آزار منش لبریز، ھی

لغت: ''جان من و جان شما'' = مجھے اپنی اور تیری جان کی قسم۔ ''ہے'' = افسوس۔

میرے ہم نشیں مجھے تری اور اپنی جان کی قسم! یہ آفت، توبہ! اُسکا سینہ مجھے آزار دینے کی لذت میں اتنا جوش سے بھرا ہوا ہے، توبہ توبہ!

غیر دانم لذت ذوق نگہ دانستہ است

کز پی قتلم بدستش داد تیغ تیز، ھی

جانتا ہوں رقیب ذوق نگاہ کی لذت سے آشنا ہو چکا ہے، جبھی اُس نے میرے قتل کے لیے معشوق کے ہاتھ میں تیز تلوار دے دی ہے۔ افسوس (کہ میں مرجاؤں اور اس لذت نگہ سے محروم ہو جاؤں)۔

می چکد خونم رگ ابراست آن افتراک، ھای

می تپد خاکم، رم باد است آن شبدیز، ھی

اس کا فتراک (حلقۂ ساز) رگ ابر ہے کہ اُس سے میرا خون ٹپک رہا ہے۔ اس کا گھوڑا (شبدیز) تیز ہوا کا طوفان ہے کہ اس میں میری خاک تڑپ رہی ہے۔

بر سر کوئی تو بی خود گشتم از ضعف نیست

کشتۂ رشکم نیارم دیدخود را نیز، ھی

تیرے کوچے میں میرا بے خود ہو جانا ضعف و ناتوائی کی وجہ سے نہیں ہے۔ افسوس میں رشک کا مارا ہوا ہوں۔ میں اپنے کو بھی تیرے کوچے میں دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتا (یعنی مجھے اپنے پہ بھی رشک آتا ہے اس لیے میں نے اپنے آپ کو کھو دیا ہے)۔

ننگ باشد چشم بر ساطور و خنجر دوختن

غنچہ آسا سینۂ خواھم جراحت خیز، ھی

لغت: ''ساطور'' = خنجر

خنجر یا ساطور پر آنکھیں لگانا ننگ ہے۔ میں کلی کی طرح ایک ایسا سینہ چاہتا ہوں جس کے اندر سے زخم خود بخود اُبھریں (غنچہ گویا ہمہ زخم ہوتا ہے اور وہ زخم اس کے اپنے لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں بھی خنجر سے نہیں بلکہ اپنے سینے کے جوش زخم خوری سے گھائل ہونا چاہتا ہوں)۔

تیشہ را نازم کہ بر فرھاد آسان کرد مرگ

خنجر شیرویہ و جان دادن پرویز، ھی

تیشے کے کیا کہنے کہ اُس نے فرہاد کے لیے موت کو آسان بنا دیا۔ حیف کہ شیرویہ کے خنجر سے پرویز کی موت واقع ہو۔ خسرو پرویز، فرہاد کو ختم کرنا چاہتا تھا لیکن فرہاد تیشہ مار کر مر گیا اور خسرو کا ممنون نہ ہوا، برعکس اس کے خود شیرویہ کے ہاتھوں جان دی جو بڑی افسوناک تھی۔

غمزہ را ز آن گوشۂ ابرو کشادِ دیگر است

آن خرام توسن و این جنبش مھمیز، ھی

معشوق کے گوشہ ابرو سے غمزے (آنکھوں کے اشاروں) کو کتنی کشاد حاصل ہوتی ہے (یعنی وہ کیسے کھل کر اپنا اثر دکھاتا ہے۔ تو یہ ایڑی کی چوٹ اور یہ اسب ناز کا خرام)

ابرو گویا مہمیز ہے اور غمزہ اسب ناز

ریزش خشت از در و دیوار برگ راحت است

خاک را کاشانہ ما کردہ بالین خیز ھی

گھر کے در و دیوار سے اینٹوں کا گرنا سامان راحت ہے۔ ہمارے گھر نے خاک کو بالیں خیز بنا دیا ہے۔

گفتم آری رونق بازار کسری بشکنی

گرم کردی در جھان ھنگامۂ چنگیز ھی

میں نے اُس سے کہا تم نے جہاں میں ہنگامہ چنگیز تو گرم کر دیا، اب یقیناً نوشیرواں کی بازار کی رونق بھی ختم کرو گے۔

غالب از خاک کدورت خیز ھندم، دل گرفت

اصفھان ھی، یزد ھی، شیراز ھی، تبریز ھی

غالب ہند کی کدورت خیز خاک سے میرا دل اُچاٹ ہو گیا ہے۔ ہائے کہاں ہے اصفہاں، کہاں ہے یزد، کہاں ہے شیراز، اور کہاں ہے تبریز ہائے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۱۷)

خشنود شوی چون دل خوشنود نیابی
ترسم کہ زیان کارِ کسی، سود نیابی

جب تجھے کوئی ایسا دل ملتا ہے جو خوش نہ ہو تو تو خوش ہوتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ تو نے کسی سے نقصان اُٹھایا ہوا ہے۔ تجھے نفع حاصل نہیں ہوسکتا۔

از قافلہ گرم روانِ تو نباشد
رختی کہ بہ سیلش شرر اندود نیابی

جو سامان پانی کی رو میں تجھے شرر آلودہ نظر نہیں آتا وہ تیرے گرم رفتاری سے چلنے والے قافلے کا نہیں ہوتا۔

فرقی است نہ اندک ز دلم تا بدل تو
معذوری اگر حرفِ مرا زود نیابی

تیرے دل اور میرے دل کے درمیان فاصلہ کوئی کم نہیں ہے۔ اسی لیے اگر تو میری بات جلدی سے نہیں سمجھ سکتا تو تو معذور ہے۔

بر ذوق خداداد، نظر دوختگانیم
در سینۂ ما زخم نمک سود نیابی

ہم اُن لوگوں میں سے ہیں جن کی نظریں ذوق خداداد پر لگی ہوئی ہیں، ہمارے سینے

میں تمھیں کوئی ایسا زخم نہیں ملے گا جس پر نمک چھڑکا گیا ہو۔

نمک چھڑکنے سے زخم میں تیزی آتی ہے اور اُس سے عاشق صادق کو زیادہ لذت ملتی ہے۔ شاعر کہتا ہے ہمیں ایسی مصنوعی اور خام لذت درکار نہیں، ہمارے زخموں کی لذت خداداد ہے، زخم ہی ایسے درد بھرے ہیں۔

در وجد و بہ هنجار نفس دست فشانیم
در حلقۂ ما رقص دست وعود نیابی

لغت: ''دست فشانیم'' = وجد میں جھومنا اور ہاتھ ہلانا، رقص کرنا۔

ہم عالم وجد و کیف میں اپنے سانس کے آنے جانے کے مطابق ہی رقص کرتے ہیں، ہماری محفل میں دف وعود کے ساتھ رقص نہیں ہوتا۔ (یعنی ہم رقص کرتے ہیں تو کسی ساز کی ہم آہنگی میں نہیں کرتے)۔ ہمارا سانس خود ہی ساز ہے یہاں کسی دف یا عود کی حاجت نہیں۔

در مشرب ما خواهش فردوس بجوئی
در مجمع ما طالع مسعود نیابی

ہمارے مذہب میں تجھے جنت کی خواہش نہیں ملے گی۔ ہماری محفل میں تجھے مبارک نصیبے کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

در بادۂ اندیشۂ ما درد نہ بینی
در آتش هنگامۂ ما دود نیابی

ہمارے افکار کی شراب میں تلچھٹ کا کوئی نشان نہیں۔ ہماری محفل کے ہنگاموں کی آگ (گرمی) میں کوئی دھواں نہیں۔ ہر خیال اور جذبہ پاکیزہ ہے۔

چون آخر حسن است بما ساز که دیگر
باهم کشش مانع مقصود نیابی

چونکہ اب ترے حسن کا آخری دور ہے ہم سے موافقت کرے کوئی باہمی کھچاوٹ پیدا نہیں ہوگی جو مقصود کے درمیان حائل ہو۔

آن شرم که در پرده گری بود نداری
آن شوق که در پرده دری بود نیابی

اب اُدھر تم میں وہ شرم وحجاب بھی نہیں رہا جو عشق کے چھپانے کے لیے ہوتا تھا اور اُدھر وہ شوق جس سے پردہ دری کا خوف ہو، جاتا رہا ہے۔

غالب به دکانی که بامید کشودیم
سرمایهٔ ما جز هوس سود نیابی

غالب اُس دکان میں جو ہم نے بڑی امیدیں لے کر کھولی تھی اب سوائے ہوس سود کے کوئی ہمارا سرمایہ نہیں رہا۔

غزل نمبر (۱۸)

سر چشمهٔ خون است ز دل به زبان، های
دارم سخنی با تو و گفتن نتوان، های

حیف کہ دل سے لے کے زبان تک ایک چشمہ خون رواں ہے۔ تجھ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور کہہ نہیں سکتا۔ ہائے افسوس۔

سیرم نتوان کرد ز دیدار نکویان
نظاره بود شبنم و دل ریگ روان، های

لغت: ''ریگ رواں'' = وہ ریت جو ہر لحظہ حرکت میں ہوتی ہے، یہاں وہاں اور وہاں سے وہاں اُڑ کر چلی جاتی ہے۔

مجھے حسینوں کے دیدار سے تسکین نہیں ہوتی۔ نظارۂ حسن، شبنم ہے اور میرا دل ریگ رواں، (شبنم کے قطرات اس ریگ رواں کو کیسے تر کر سکتے ہیں)۔

شاعر نے اپنے دل کی تشنگی شوق کے اعتبار سے اُسے ریگ رواں سے تشبیہ دی ہے جو بے حد بلیغ ہے۔

ذوقی است درین مویه که بر نعش من استش
ها دلشدهٔ هیچ مگوی همه دان، های

لغت: ''مویہ'' = گریہ وزاری، فریاد، بین۔

میرا محبوب ہو میری نعش پہ گریہ وزاری کر رہا ہے اُس کی اس فریاد میں ایک خاص انداز کیف ہے کہ ہائے یہ عشق زدہ انسان، یہ زبان، سب کچھ جانتے ہوئے بھی ناداں، ہائے۔

در خلوتِ تابوت نرفت است زیادم
بر تختۂ در دوختہ چشم نگران، ھای

ہائے وہ کواڑ کے پیچھے لگی ہوئی دو غمزدہ آنکھوں کا منظر! میں اس خلوت تابوت میں آ کر بھی نہیں بھلا سکا۔

ای فتویِ ناکامیِ مستان کہ تو باشی
مہتاب شب جمعۂ ماہِ رمضان، ھای

ہائے وہاں مستوں کو شراب نوشی سے روکنے کے فتوی کا کیا حشر ہوگا جہاں تو ماہ رمضان کے شب جمعہ کا چاند بن کر نمودار ہو۔

یاد آورِ ناگفتہ شنو، رفت حوالت
دردی کہ بہ گفتن نہ پذیرفت گران، ھای

از جنت و سرچشمۂ کوثر چہ کشاید
خون گشتہ دل دیدۂ خونابہ فشان ھای

یہ غم سے خون ہوا ہوا دل اور یہ اشکبار آنکھیں، جنت اور چشمۂ کوثر کی فضا میں کیا شگفتہ ہو سکیں گی۔

در زمزمہ از پردہ و ھنجار گزشتیم
رامشگری شوق بآھنگ فغان، ھای

لغت: ''پردہ'' = سُر۔ ''ہنجار'' = آہنگ۔ ''پردہ وہنجا'' سُر تال۔ ''رامشگری'' = نغمہ سرائی۔

زمزمۂ محبت گاتے وقت ہم سرتال سے بے نیاز ہیں، محبت کی نغمہ سرائی فریاد لے ہی میں ہوتی ہے (ہائے اُس کیفیت کے کیا کہنے)۔

سیماب تنی کز رمِ برق است نھادش
گردیدہ مرا مایہ آرامش جان ھای

لغت: ''سیماب تن'' = جس کے بدن میں پارے کی سی بے تابی ہو۔ ''رم برق'' = برق رفتاری، برق کی سی تیزی، ''نھاد'' طینت، طبیعت۔

ہائے وہ سیماب تن محبوب جس کی فطرت (کے خمیر) ہی میں برق رفتاری ہے میری راحت جان کا سرمایہ بنا ہوا ہے۔

غالب بدل آویز کہ در کارگہ شوق
نقشی است درین پردہ بصد پردہ نھان، ھای

لغت: ''کارگاہ شوق'' = کارخانۂ محبت۔ ''درین'' = اس ''دل'' میں۔

غالب! دل سے لپٹ جا کیوں کہ اس کارگاہ شوق میں اس دل کے اندر پردہ در پردہ ایک نقش پوشیدہ ہے دل گویا ایک خزانہ ہے جس کی گہرائیوں میں محبت کے راز چھپے ہوئے ہیں۔ یہاں ایک نقش سے مقصود وہ نقش ازلی (محبوب حقیقی) ہے جو چھپا بیٹھا ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر(۱۹)

زاهد که و سجده چه و محراب کجای

عید است و دمِ صبح می تاب کجای

زاہد کون؟ کیسی مسجد؟ محراب کہاں کی، عید کا دن ہے، صبح کا وقت ہے، مئے ناب کہاں ہے؟۔

دریا ز حباب آبله پای طلب تست

نور نظر ای گوهر نایاب کجای

تری طلب میں سمندر کے پاؤں میں حبابوں کی چھالے پڑ گئے ہیں۔اے مرے نور نظر میرے گوہر نایاب تو کہاں ہے؟

سمندر اور حباب کی رعایت سے محبوب کو گوہر نایاب کہا ہے۔

بوی گل و شبنمِ نسزد کلبه مارا

صرصر تو کجا رفتی و سیلاب کجای

ہمارے غم خانے میں بوئے گل اور شبنم نہیں سجتے۔صرصر تو کہاں چلی گئی اور سیلاب تو کہاں ہے؟

یعنی اب غم خانے کو طوفان باد اور سیلاب سے برباد ہونا چاہیے، یہاں پھول اور شبنم کا کیا کام۔

حشر است و خدا داور و هنگامه بپایان

ای شکوهٔ بی مهری احباب کجای

قیامت بپا ہوئی، خدا کے عدل و انصاف کا دربار گرم ہوا، یہ ہنگامہ ختم بھی ہونے والا ہے۔

ہمیں جو دوستوں کی بے مہری کا شکوہ کرنا تھا ہو کہاں چلا گیا۔

بڑے اسلوب سے یہ کہا ہے کہ زندگی بھر تو دوستوں کی بے مہری کی شکایت لب پر نہ آسکی اور آتی بھی کیسے کہ جن سے کہنا تھا انہی کے ہاتھوں ستائے گئے۔اب قیامت یہ ہے کہ حشر میں بھی بات زبان پر نہ آسکی۔

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالب

خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

آن شور که گرداب جگر، داشت ندارد

ای لخت دل غرقه بخوناب کجای

جگر کے بھنور میں جو تلاطم بپا تھا اب ختم ہو گیا، اے خون میں ڈوبے ہوئے پارہ ہائے دل کہاں ہو۔

جگر میں جب تک جوشِ خون تھا خون کے آنسوں بہاتے رہے۔اب وہ جوش ختم ہو چکا ہے۔اب خون میں غرق شدہ دل افسردہ بڑا ہے اور بس۔

باگرمی هنگامه خواهش نه شکیبم

آتش به شبستان زدم ،ای آب کجای

خواہشات کے ہجوم کی گرمی سے شکیب حاصل نہ ہوا، خواب گاہ کو آگ لگا دی، اے آپ تو کہاں ہے۔ یعنی معشوق کے انتظار میں، خواب گاہ کو آراستہ کیئے بیٹھا تھا، گرمی شوق نے آگ بھڑ کائی اس آگ میں سارا سامان آرائش بھی جل گیا اب تو تو آ جا۔ محبوب کو آب کہا ہے کہ اسی کہ آنے سے یہ آگ بجھ سکتی ہے

ع تم ہی نے درد دیا ہے تم ہی دوا دینا

چون نیست نمک سا اشکم، بہ فغانم
کای روشنی دیدۂ بی خواب کجای

آنسوؤں میں اب وہ نمکینی نہیں رہی، فریاد کر کے (پکار پکار کے) کہہ رہا ہوں اے مرے دیدۂ بے خواب کی روشنی تو کہاں ہے؟۔

غوّاصی اجزای نفس دیر ندارد
از دل نہ دمی، داغ جگر تاب کجای

سانس (نفس) کے اجزا میں غواصی کرتے دیر نہیں لگتی۔ اے جگر کو روشن کرنے والے داغ تو دل سے اُبھر کر نہیں آتا کہاں ہے؟

اجزائے نفس سے مراد خود سانس ہی ہے۔ یعنی سانس کا سلسلہ زیادہ دیر نہیں چلتا۔ دل سے داغ کو اُبھر کر باہر آنا چاہیے تھا۔ اب داغ جگر کو ہی باہر آ کر کچھ اثر انگیزی دکھانی چاہیے۔

شوری است نوا ریزی تار نفسم را
پیدا نہ ای جنبش مضراب کجای

میرے سانس کے تاروں میں سے نغمے کا شور اُبھر رہا ہے اس ساز کو چھیڑ کر نغمے اُبھارنے والی مضراب تو نظر نہیں آتی، کہاں ہے؟

دل سے درد بھری آوازیں اُبھر رہی ہیں، اس ساز کو کسی جنبش مضراب نے چھیڑا ہے۔ سامنے تو آئے۔ (محبوب کی طرف اشارہ)۔

نظیری کا شعر

تو مپندار کہ این قصہ ز خود می گویم
گوش نزدیک لبم آر کہ آوازی ھست

بنمای بہ گوسالہ پرستان یدِ بیضا
غالب بسخن صاحب فرتاب کجای

لغت: ''گوسالہ'' = وہی گوسالۂ سامری، جو سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کرنے کے لیے بنایا تھا۔ ''ید بیضا'' = حضرت موسیٰ کا ہاتھ، جس کے اثر سے گوسالہ کا طلسم دور ہوا۔

غالب! تو اپنی سخن پروری میں بہت بلند مرتبہ واقع ہوا ہے تو کہاں ہے؟ آ اور ان گوسالہ پرستوں کو اپنا ید بیضا (کلام) دکھا۔

❀❀❀

غزل نمبر(۲۰)

دل کہ از من مرترا فرجام ننگ آردھمی
برسر راہ تو با خویشم بجنگ آردھمی

میرا دل جو تیرے لیے انجام کار بدنامی کا باعث بنتا ہے۔ جب میں تیری طرف جاتا ہوں تو یہی (دل) مجھے اپنے آپ سے لڑاتا ہے۔

عاشق کو معلوم ہے کہ محبوب کے گھر کی طرف جانا محبوب کی رسوائی کا باعث ہے لیکن اس کے باوجود وہ اُدھر کا رخ کرتا ہے اور راستے میں اُس کا دل اُسے ملامت کرتا ہے کہ کیوں جا رہا ہے۔

پنجہ نازک ادائش رانگاری دیگراست
خون کند دل رانخست آنگہ بچنگ آردھمی

اس کے نازک ادا پنجے کی سرخی (نگار) آرائش کے لیے نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہی شے ہے۔ وہ پہلے عاشق کے دل کو خون کر دیتا ہے۔ پھر اُسے مٹھی میں لیتا ہے۔ یعنی کسی کے دل کو موہ لینے سے پہلے ہی اُس دل کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔

بوسہ گر خواھی بدین شنگی بہ پیچد تنگ تنگ
عذر اگر باید بمستی رنگ رنگ آردھمی

اگر اُس سے بوسہ طلب کیا جائے تو بے حد پیچ و تاب کھاتا ہے اور اگر مستی میں عذر پیش کرنا پڑے تو طرح طرح سے عذر پیش کرتا ہے۔

آنکہ جوید از تو شرم و آنکہ جوید از تو مہر
تقوی از میخانہ و داد از فرنگ آردھمی

جو کوئی تجھ سے شرم و حجاب یا کوئی پیار کی توقع رکھتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی میخانے سے تقویٰ اور فرنگ سے انصاف کی توقع کرتا ہے۔

بازوی تیغ آزمای داشتی، انصاف نیست
کز تو بختم مژدۂ زخم خدنگ آردھمی

لغت: ''خدنگ'' = تیر۔

تیرا ہاتھ تیغ آزما ہے پھر یہ انصاف کی بات نہیں کہ میرا نصیب تیری طرف سے زخم تیر کھانے کی خوش خبری دے۔

جب تلوار کا وار کیا جا سکتا ہے تو پھر تیر چلانے کی کیا ضرورت ہے۔ تلوار کے زخم میں جو مزہ ہے وہ تیر کے زخم میں نہیں۔

وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیے

گر نہ در تنگی دھان دوست چشم دشمن است
از چہ رو، برکامجویان، کار تنگ آردھمی

لغت: ''از چہ رو'' = کس لیے۔ ''کامجویان'' = خواہشمند، آرزومند عاشق۔

اگر ہمارے دوست کا دہن دشمن کی آنکھ نہیں ہے (کیوں کہ وہ تنگ ہوتی ہیں) تو پھر کس لیے وہ عاشقوں کی آرزوئیں پوری کرنے میں تنگی دکھاتا ہے۔

تا درآن گیتی شوم پیش شهیدان شرمسار
رنجد و بیهوده در قتلم درنگ آرد همی

لغت: ''درنگ'' = دیر، ''درنگ آرد'' = دیر کرتا ہے۔

وہ مجھ سے بگڑ جاتا ہے اور مجھے قتل کرنے میں یونہی تاخیر برتتا ہے تاکہ مجھے اُس دنیا (آخرت) میں شہیدانِ عشق کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔

خواهدم در بند خویش، اما به فرجام بلا
حلقه دام من از کام نهنگ آرد همی

لغت: ''کام نهنگ'' = مگرمچھ کا حلق، (کام نہنگ میں ہونا انتہائی مصیبت میں ہونا مقصود ہے)۔

وہ چاہتا ہے کہ میں اس کی قید میں رہوں، لیکن آخر کار مصیبت میں وہ مگرمچھ کے حلق کو میرے جال کا حلقہ بنالیتا ہے یعنی گرفتارِ محبت، گرفتارِ بلا ہوکر رہ جاتا ہے۔

همچنان در بند سامان مرادش سنجمی
گر بجای شیشه بخت از دوست سنگ آرد همی

لغت: ''سنجمی'' = سنجم، خیال کروں گا، ''مرادش'' میں ش کا مرجع دوست ہے یعنی مرادِ دوست۔

اگر میرا نصیب، دوست کی طرف سے میرے لیے، بجائے شیشے کے پتھر لے آئے تو میں یہ سمجھوں گا کہ یہ بھی میرے دوست کی دلی مراد ہی کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یعنی دوست کی طرف سے جو بھی میسر آئے غنیمت ہے۔

ھرچہ از دوست می رسد نیکوست

چشمِ خلقی سرمه جو وروی غالب درمیان
در رهش اندیشه با بادم بجنگ آرد همی

ایک دنیا کی آنکھیں سرمے کی تلاش میں لگی ہیں اور درمیان میں غالب کھڑا ہے۔ اُس کی (محبوب کی) راہ میں چلتے چلتے میں تصور ہی میں ہوا سے الجھتا ہوں۔

یعنی ہوا کے چلنے سے محبوب کی رہ سے جو گرد اُڑتی ہے لوگ اُسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کی خواہش میں ہیں اور غالب کو ہوا پہ غصہ آرہا ہے کہ یہ خاک کیوں اُڑ رہی ہے جو دوسروں تک پہنچ رہی ہے یہ خاک تو میرے چہرے پر پڑنی چاہیے تھی۔

❀❀❀

غزل نمبر(۲۱)

دیده ور آنکه تا نهد دل بشمار دلبری
در دل سنگ بنگرد رقصِ بتان آذری

صاحب نظر وہی ہے کہ جب وہ دلبری کا تصور کرنے لگے تو اُسے پتھر کے اندر (دل میں) بتان آذری رقص کرتے ہوئے دکھائی دیں۔

بت، پتھر تراش کر بنائے جاتے ہیں لیکن ایک صاحب بصیرت کو پتھر کے اندر ہی وہ تراشا ہوا بت نظر آجاتا ہے اور اس طرح پتھر کا حسن بھی نمایاں ہوجاتا ہے گویا حسن ہر شے میں موجود ہے۔

فیضِ نتیجۂ ورع از می و نغمه یافتیم

زهرۂ ما برین افق داده فروغِ مشتری

لغت: "زہرہ" و "مشتری" دو سیارے ہیں۔

ہمیں شراب اور نغمہ سے وہی فیض حاصل ہوا جو زہد و تقویٰ سے حاصل ہوتا تھا، اس اُفق پر ہمارا سیارۂ زہرہ مشتری بن کر چمکا۔

تا نبود به لطف و قهر هیچ بهانه درمیان

شکر گرفت نارسا، شکوه شمرد سرسری

اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے۔ اور اس کے لطف و کرم اور اُس کے قہر و عذاب کا کوئی سبب (بہانہ) نہیں۔ چنانچہ کہتا ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) شکر کو نارسا سمجھتا ہے اور شکوے کو بے جا (سرسری) تاکہ اُس کے لطف و قہر کے لیے کوئی بہانہ (وجہ) درمیان میں نہ رہے۔

یہاں سے اشعار کا خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔

ای تو که هیچ ذره را جز به رهِ تو روی نیست

در طلبت توان گرفت بادیه را به رهبری

اس کائنات کے ذرے ذرے کا رخ سوائے تیرے کسی اور طرف نہیں ہے۔ تیری تلاش و جستجو کے لیے خود بیاباں ہی (ہر ذرے کی) کی رہنمائی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو خطاب کر کے کہتا ہے:

ہر ذرہ تیری تلاش میں سرگرداں ہے اور فطری طور پر تیری طرف مائل ہے۔ وہ اگر چاہے بھی تو گریز نہیں کر سکتا۔ طبعاً اسکا مقصود تیری ذات ہی ہے اور اس کے لیے کسی رہنما کی ضرورت نہیں۔

هر که دلست در برش داغِ تو رویدش ز دل

تا چو به دیگری دهد، باز بری بداوری

جس کسی کے سینے میں دل ہے، تیرا داغِ محبت اُس دل سے خودبخود اُبھرتا ہے تاکہ وہ اگر کہیں کسی اور کو دل دے بھی دے تو تو اس سے دعویٰ کر کے واپس لے لے۔

انسان اگر کسی وقت گمراہ ہو کر کسی اور طرف نکل بھی جائے تو آخرکار لوٹ کر اُدھر ہی آ جاتا ہے۔

بسکه به فنِ عاشقی غیرتِ غیر جان گزاست

با تو خوشم که جز تو نیست روی به هر که آوری

فنِ عاشقی میں رشکِ غیر جاں کا روگ ہو جاتا ہے۔ تیرے بارے میں میں اس لیے مطمئن ہوں کہ تو کسی کی طرف بھی رخ کرے یا مائل ہو تو وہ تیرے سوا اور کوئی نہیں ہوگا۔

یعنی عشقِ الٰہی میں کسی غیر کا تصور ہو ہی نہیں سکتا ہر وجود اسی کا وجود ہے۔

پھر رشک کیسا۔ مسئلہ وحدت الوجود کو بڑے عاشقانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

رشکِ ملک چه و چرا، چون بتو ره نمی برد

بیهده در هوای تو می پرد از سبکسری

فرشتے کا رشک کیسا اور کیوں؟ وہ تو چونکہ تجھ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا ہے بے فائدہ یونہی تیری آرزوں میں پر ہلائے پھر رہا ہے۔

حیف که من بخون تپم و ز تو سخن رود که تو

اشک بدیده بشمری، ناله بسینه بنگری

افسوس کہ میں تو یوں خون میں تڑپوں اور تیرے بارے میں مشہور ہو کہ تو آنسوؤں کو آنکھوں ہی میں شمار کر لیتا ہے اور فریادوں کو سینے ہی میں دیکھ لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ علیم بصیر و خبیر ہے۔ وہ انسانی دلوں کے راز جانتا ہے جو آنسو، قطرہ قطرہ ہو کر آنکھوں سے ابھی نہیں گرے ہوتے انہیں پہلے ہی سے شمار کر لیتا ہے اور جو فریاد ابھی سینے سے لبوں تک نہیں آئی اُسے سینے ہی میں دیکھ لیتا ہے۔ پھر ایک دکھی انسان کا یوں دکھی رہنا کیسا، اور اگر وہ سب دیکھتا اور سنتا ہے تو پھر فریاد کرنے اور آنسو بہانے کی بھی کیا ضرورت ہے۔

اپنے دکھوں کو مرزا غالب نے بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اس میں شکایت بھی ہے اور لطیف طنز بھی اور اپنی انتہائی بے کسی کا اظہار بھی۔ اور یہ سب کچھ بڑے احترام کے ساتھ ہے

''از تو سخن رود'' کے محاورے میں جو حسن ہے اور لطیف معنوی پہلو ہے وہ ذوق سلیم رکھنے سے پوشیدہ نہیں۔

کوثر اگر بمن رسد خاک خورم ز بی نمی

طوبی اگر ز من شود هیمہ کشم ز بی بری

اگر کوثر مجھ تک پہنچے تو میں اُسے بے نم خاک سمجھ کر پھانک لوں اور اگر طوبیٰ کا درخت میرا ہو جائے میں اُسے بے ثمر خیال کر کے اس کا ایندھن بنا لوں۔

درد ترا بوقت جنگ قاعدۂ تہمتی

فکر مرا بزیر زنگ آئینہ سکندری

تیرا درد عاشقوں سے برسرِ جنگ ہوتے وقت ستم کی سی توانائی رکھتا ہے اور میرا فکر شعری اس کے زنگ تلے آئینہ سکندری کی سی چمک رکھتا ہے۔

اُدھر تیرا درد ہے کہ میرے اندر جم کر بیٹھا ہے اور ادھر میں ہوں کہ میرے شاعرانہ افکار، آئینے کی طرح تابدار ہیں اگرچہ بظاہر زنگ کے تلے دبے ہوئے ہیں۔

بنی ام از گداز دل در جگر آتشی چو سیل

غالب اگر دم سخن رہ بہ ضمیر من بری

غالب اگر میری سخن سرائی کے وقت تجھے میرے ضمیر تک رسائی ہو تو تو دیکھے کہ میرے دل نے گداز ہو کر میرے جگر میں کیسے آگ بھڑکائی ہوئی ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۲۲)

ز بسکہ با تو بهر شیوه آشنا ستمی

بہ عشق مرکز پرکار فتنہ ہا ستمی

چونکہ میں تیری ہر ادائے معشوقانہ سے آشنا ہوں اس لیے تیرے عشق میں طرح طرح کے فتنوں کے پرکار کا مرکز بنا ہوا ہوں۔ یعنی طرح طرح کے فتنوں میں گھرا ہوا ہوں۔ گویا ہر ادائے ناز ایک فتنہ ہے کہ جو کوئی اس سے آشنا ہوا ایک مصیبت میں پڑ گیا۔

امیدگاه من ہمچو من ہزار یکیست

ز رشک درصددِ ترکِ مدعا ستمی

میری اور میرے جیسے ہزاروں کی امیدگاہ ایک ہی ہے اور یہ باعث رشک بات ہے۔ اس سوچ میں ہوں کہ ترکِ مدعا کرلوں یعنی جب ہر ایک تجھ سے اُمیدیں وابستہ کیے بیٹھا ہے اور تو سب کی طرف مائل ہے تو پھر میری کیا تخصیص، یہ بات باعث رشک ہے۔ بہتر یہی ہے کہ کوئی خواہش ہی نہ کی جائے۔

سخن ز دشمن و غم ھای ناگوارش نیست
ز دوست داغ ستم ھای ناروا ستمی

دشمن اور اُس کے ناگوار دکھوں کی بات نہیں۔ میں تو دوست کے ناروا ستموں کا مارا ہوا ہوں۔

دیت مگو، و ملامت مسنج وفتنہ مگیر
چہ شد کی ھیچ کسم بندۂ بندۂ خدا ستمی

لغت: ''دیت''=صلہ، خوں بہا، بدلہ۔

جور و ستم کے بدلے کی بات نہ کر، اس برے انداز میں مت سوچ، ہنگامے پیدا نہ کر۔ کیا ہوا کہ میں ناچیز ہوں آخر بندۂ خدا ہوں۔

بسرمہ غوطہ دھیدم کہ ار سیہ مستی
ز شرمگینیِ چشمی، سخن سرا ستمی

سرمے کے بارے میں مشہور ہے کہ کسی کو کھلا دیا جائے تو اُس کا گلا خراب ہو جاتا ہے اور آواز بند ہو جاتی ہے۔ میں بدمستی کے عالم میں کسی کی شرمیلی آنکھوں کے بارے میں باتیں کیے جارہا ہوں، مجھے سرمے میں غوطہ دو (کہ میں چپ ہو جاؤں اور اُس کا راز فاش نہ ہو۔)

ستم نگر کہ بدین بختِ تیرہ مراست
ز بھر فرق عدو سایہ ھما ستمی

ستم دیکھو کہ اس سیہ بختی کے باوجود جو میرے حصے میں آئی ہوئی ہے میں عدو کے سر کے لیے سایۂ ہما بنا ہوا ہوں۔

گویا میں خود بدبخت ہوں لیکن دشمن کے لیے باعث خوش بختی ہوں قدرت کی کتنی بڑی ستم ظریفی ہے۔

چگونہ تنگ توانم کشید نت بہ کنار
کہ با تو در گلہ از تنگیِ قبا ستمی

تجھے میں کس طرح اپنے آغوش میں بھینچ لوں کہ مجھے تری تنگیِ قبا کی طرف سے گلہ ہے کہ قبا نے تمہیں کس طرح بھینچا ہوا ہے۔

نکردہ وعدہ کہ بر عاجزان ببخشاید
امید سنجِ فغان ھای نارسا ستمی

کیا اُس نے عاجزوں کے بخش دینے کا وعدہ نہیں کیا؟ (اس لیے) اگر چہ میری فریادیں بے اثر (نارسا) معلوم ہوتی ہیں میں امید لگائے بیٹھا ہوں۔

بیادہ داغ خودی از روان فرو شستہ
ھلاکِ مشربِ رندان پارسا ستمی

رندان پارسا کے اس مسلک کے قرباں جاؤں کہ اُنھوں نے شراب سے اپنی

خودی کا داغ دھوڈالا ہے۔ (ہر چند کہ رند شراب خوار ہیں لیکن انہوں نے شراب سے اپنی خودی کو مٹا دیا ہے وہ پارسا ہیں اگر چہ اُن کا یہ مسلک نرالا ہے)۔

بھرزہ ذوق طلب می فزایدم غالب
کہ باد در کف و آتش بزیر پا ستی

لغت: ''آتش بزیرپا'' = (وہ شخص جو آگ پر کھڑا ہوا ہو) بیقرار۔
''باددرکف'' = (جو ہوا کو مٹھی میں لیے ہو) خالی ہاتھ۔ بے کار سعی وکوشش کرنے والا۔
غالب میرا ذوق طلب بے کار بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ حالت یہ ہے کہ ہاتھ میں ہوا ہے (ہاتھ خالی) اور بیقراری زور پر ہے۔

❀❀❀

غزل نمبر (۲۳)

دلم در نالہ از پہلوی داغ سینہ تا بستی
بر آتشپارۂ چسپیدہ لختی از کبا بستی

لغت: ''سینہ تاب'' = سینے میں آگ بھڑکانے والا۔
میرے پہلو میں ایک داغ ہے جس نے میرے سینے میں آگ بھڑکائی ہوئی ہے اور دل اُس داغ کے قرب سے تڑپ رہا ہے اور فریاد کر رہا ہے کہ یوں سمجھو کہ کباب کا ٹکڑا ہے جو انگارے سے چپکا ہوا جل رہا ہے۔

بھارم دیدن و رازم شنیدن بر نمی تابد
نگہ تا دیدہ خون استی و دل تا زھرہ آبستی

لغت: ''زہرہ'' = پتّا۔
میری بہار یہ تاب نہیں لا سکتی کہ کوئی اُسے دیکھے اور میرا راز یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی اُسے سنے۔ میری نگاہیں آنکھوں سمیت خون ہو چکی ہیں اور دل پتّے سمیت گداز (آب) ہو چکا ہے۔

ھجوم جلوۂ گل کاروانم را غبار استی
طلوع نشہ می مشرقم را آفتابستی

ہجوم گل مرے کارواں کے راستے کا غبار، اور نشۂ مے کی تیزی میرے مشرق سے طلوع ہونے والا آفتاب ہے۔

فغانم را نوای صور محشر ھمعنان استی
بیانم را رواج شور طوفان در رکابستی

میری فریاد میں صور محشر کی آواز سمائی ہوئی ہے اور میرے بیان میں سیلاب کے تلاطم کے شور کا انداز ہے۔

ز خاکم نالہ می روید ز داغم شعلہ می بالد
رسیدی گرد راھستی، و دیدی اضطرابستی

خطای سرزد از بی صبری و شرمندہ از نازم
بحسرت مردن استغنای قاتل را جواب استی

قاتل کی بے نیازی کا جواب یہی ہوتا ہے کہ مرنے والا حسرت سے جاں دے اور قاتل سے التجا نہ کرے۔

چنانچہ کہتا ہے کہ میں بے صبر اور بے تاب ہو گیا اور یہ خطا تھی اب میں نازِ حسن سے شرمندہ ہوں کہ ایسا کیوں کیا۔ قاتل کی بے نیازی (استغنا) کا جواب یہی تھا کہ میں حسرت ہی میں جان دے دیتا۔

دلم صبحِ شبِ وصلِ تو بر کاشانہ می لرزد
در و بام بوجد از ذوق بوی رخت خواب استی

صبح شب وصال میرا دل اپنے مکان کو دیکھ کر لرزتا ہے۔
بستر کی خوشبو کی لذت سے در و بام رقص کر رہے ہیں۔

زہی جان و دلم کز ہفت دوزخ یادگارستی
خوشا پاتا سرت کز ہشت گلشن انتخاب استی

کیا کہنے میرے جان و دل کے کہ ساتھ دوزخ کی یادگار ہیں اور ترے سر تا پا کے کیا کہنے کہ آٹھوں گلشنوں (جنت) کا انتخاب ہے۔

دلم می جوئی و از رشک می میرم کہ در مستی
چرا ز آن گوشہ ابرو اشارات کامیابستی

تو میرے دل کی تلاش میں ہے اور میں رشک سے مر رہا ہوں کہ اس مستی کے عالم میں بھی تیرا گوشۂ ابرو کا اشارہ کتنا اپنے آپ ہے۔
نگاہِ یار بدمستی میں بھی ہشیار کیسی ہے

محبت در بلا اندازہ می جوید مقابل را
کتان ہوش را مر جلوہ گل ماہتابستی

محبت اپنی مصیبتوں سے اپنے مقابل کو آزماتی ہے (کہ وہ کہاں تک اُن کی تاب لاسکتا ہے) میرے ہوش کے لیے جلوۂ گل (یعنی جلوۂ محبوب) ماہتاب کی طرح ہے۔
کہتے ہیں کہ چاندنی میں کتان کا کپڑا پھٹ جاتا ہے۔

گلویم تشنہ و جان و دلم افسردہ، ہی ساقی
بدہ توشینہ داروی کہ ہم آتش ہم آبستی

میرا گلا پیاسا ہے اور جان و دل افسردہ ہیں۔ ہاں ساقی کوئی ایسا شریں دارو لا کہ جو آگ بھی اور پانی بھی کہ دل و جان میں شگفتگی آئے اور تشنگی بھی بجھ جائے۔

سپاس از جاگی خوارانِ استغنای نازستی
شکایت از دعا گویانِ اندازِ عتاب استی

نگویم ظالمی امّا تو در دل بودہٴ وانگہ
دلی دارم کہ ہیچ ظالم خرابستی

تو میرے دل کی تلاش میں ہے اور میں رشک سے مر رہا ہوں کہ اس مستی کے عالم میں بھی تیرا گوشۂ ابرو کا اشارہ کتنا اپنے آپ ہے۔

نگاہِ یار بدمستی میں بھی ہشیار کیسی ہے

محبت در بلا اندازہ می جوید مقابل را

کتان ھوش را مر جلوہ گل ماھتابستی

محبت اپنی مصیبتوں سے اپنے مقابل کو آزماتی ہے (کہ وہ کہاں تک اُن کی تاب لاسکتا ہے) میرے ہوش کے لیے جلوۂ گل (یعنی جلوۂ محبوب) ماہتاب کی طرح ہے۔

کہتے ہیں کہ چاندنی میں کتان کا کپڑا پھٹ جاتا ہے۔

گلویم تشنہ و جان و دلم افسردہ، ھی ساقی

بدہ توشینہ داروی کہ ھم آتش ھم آبستی

میرا گلا پیاسا ہے اور جان و دل افسردہ ہیں۔ ہاں ساقی کوئی ایسا شریں دارو لا کہ جو آگ بھی اور پانی بھی کہ دل و جان میں شگفتگی آئے اور تشنگی بھی بجھ جائے۔

سپاس از جاگی خوارانِ استغنای نازستی

شکایت از دعا گویانِ اندازِ عتاب استی

نگویم ظالمی اما تو در دل بودۂ وانگہ

دلی دارم کہ ھمچو ظالم خرابستی

میں تجھے ظالم نہیں کہتا، لیکن تو میرے دل میں رہا ہے اور اس کے بعد میرے دل کی یہ حالت ہے کہ وہ خانۂ ظالم کی طرح خراب (برباد) ہے۔

منال از عمر و ساز عیش کن، کز باد نوروزی

گلشن جلوۂ رنگینی عھد شباب استی

زندگی سے نالاں نہ ہو، عیش نشاط کا سامان کر، کیونکہ بادِ نوروز کے چلنے سے باغ میں عہدِ شباب کی سی رنگینی آگئی ہے۔

طفیل اوست عالم غالبا دیگر نمیدانم

گر از خاک است آدم پای نام بوترابؓ استی

پہلے مصرعے میں ''اُو'' کی ضمیر مرجع ''بوتراب'' ہے جو حضرت علیؓ کا لقب ہے۔

تراب خاک کو کہتے ہیں اور پاے نام سے مراد نام کا آخری حصہ۔

غالب میں اور کچھ نہیں جانتا اتنا جانتا ہوں کہ یہ عالم اُسی کے طفیل ہے۔ اگر آدم خاک سے ہے تو وہ حضرت ابوتراب کے نام کا آخری حصہ یعنی ''تراب'' ہے۔

❀❀❀

ختم شد